تعلموا النحو فانه جمال وترکه عیب

سوال وجواب کے انداز میں انوکھی اور البیلی مکمل ومدلل شرح

واضحہ شرح کافیہ

کامل

مرتب

محمد یحیی ڈینڈرولوی پالن پوری

ناظم اعلی، خادم التفسیر والحدیث دار العلوم ہدایت الاسلام، عالی پور

تحصیل چکھلی، ضلع نوساری، جنوبی گجرات (انڈیا)

موبائل: 9925898580

يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ

سوال وجواب کے انداز میں انوکھی والبیلی مکمل ومدلل شرح

واضحہ شرح کافیہ

جلداوّل

مرتب

محمد یحییٰ بن مولانا اسمٰعیل صاحب ڈینڈ رولوی پالن پوری

(خادم الحدیث والتفسیر دارالعلوم ہدایت الاسلام، عالی پور

تحصیل چکھلی، ضلع نوساری، جنوبی گجرات (انڈیا)

موبائل:۹۹۲۵۸۹۸۵۸۰

تفصیلات

نام کتاب : واضحہ شرح کافیہ (جلد اوّل تا منصوبات مکمل)

مرتب : محمد یحییٰ ڈینڈ رولوی، پالنپوری

سال اشاعت : ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰۲۲ء

ناشر

مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ

عالی پور، چکھلی ضلع: نوساری، جنوبی گجرات، الہند

موبائل: ۹۹۲۵۸۹۸۵۸۰

انتساب

ان تمام طلبۂ کرام کے نام جو سچے دل سے طلب علم کی کوشش میں جٹے ہوئے ہیں

اور

اساتذۂ کرام کے نام

جن کی علمی زندگی نے قدم قدم پر رہنمائی کی۔

اور

والدین محترمین کے نام جن کی دعائے سحر گاہی ہمیشہ میری دستگیری کرتی رہی۔

اور

رفیقۂ حیات کے نام جس کی رفاقت ہر لمحہ حوصلہ افزائی کرتی رہی۔

حفاظت جس سفینہ کی انہیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک اسے خود لا کے طوفان چھوڑ جاتے ہیں

محمد یحییٰ مظاہری

فہرست

2

منصوبات کا بیان

کلمات بابرکت

حضرت مولانا رفیق احمد صاحب اعظمی مدظلہ

(شیخ الحدیث دار العلوم، چھاپی، پالنپور، شمالی گجرات،
وخلیفۂ اجل حضرت مولانا (بھائی) طلحہ صاحب سہارنپوریؒ)

عزیز محترم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
آپ کی کتاب "واضحہ شرح کافیہ" کو مکمل تو نہیں دیکھ سکا، بلکہ جستہ جستہ مقامات سے دیکھا، لیکن جتنا دیکھا، اس سے محسوس ہوا کہ یہ شرح خوب سے خوب تر ہے اور طلبا واساتذہ دونوں ہی کے لئے نہایت ہی کارآمد اور مفید ہے، سوال وجواب کے پیرایہ میں مسئلہ بہت جلد ذہن نشین ہوجاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت وکوشش کو قبول فرما کر اس شرح کو قبولیت عامہ سے نوازے اور اس کے نفع کو عام وتام فرمائے۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

(شیخ الحدیث) رفیق احمد الاعظمی المعروفی
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

عرضِ مرتب

حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہِ اقدس میں بار بار جبینِ نیاز خم کر کے بھی شکریہ ادا نہیں کیا جاسکتا جس نے اس بے مایہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمایا۔

چنانچہ یہ عاجز ایک مدتِ دراز سے دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور میں تدریسی خدمت انجام دے رہا ہے اور اس طویل مدت میں مختلف فنون کی کتب زیرِ درس رہیں، منجملہ ان میں سے ایک فنِ نحو کی شہرۂ آفاق کتاب ''کافیہ'' بھی ہے اور ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ اس کا فنِ نحو میں کیا مقام ہے؟

بتوفیقِ خداوندی اس کا درس اس عاجز کے ذمہ رہا، دورانِ درس عزیز طلبہ کی دلچسپی نظر آتی رہی، ہر سال چند طلبہ دورانِ درس اس کی کاپی لکھتے رہے، بندہ نے چند سالوں کی کاپیاں دیکھی تو دل میں یہ خیال انگڑائی لینے لگا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس پر نظر ثانی کر کے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جائے، تاکہ علم کا شوق رکھنے والے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہو، اس کے پیشِ نظر ان کاپیوں کو بنظرِ غائر دیکھا تو ان میں سے خصوصاً تین کاپیاں (عزیزم مولوی وسیم سچین اور مولوی حمید الرحمٰن مدراسی، مولوی زبیر (کانمی) عالی پوری) کی واضح اور مرتب تھیں، اس لئے ان تینوں کا انتخاب کیا۔

تینوں کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کرنا شروع کیا، شدہ شدہ کچھ دوست و احباب کو اس کا علم ہوا تو ان کی ہمت افزائی نے بندہ کو مزید حوصلہ بخشا، جس سے طباعت کا عزم مصمم کرلیا۔

''واضحہ شرح کافیہ'' میں کام کی نوعیت یہ ہے کہ مفتی سعید صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ الواسعہ کی متداول شرح ''ہادیہ شرح کافیہ'' کو زمین بنایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ طلبہ متوسط درجہ کے ہوتے ہیں ان کی رعایت کے لئے مختصر تشریح کا عنوان قائم کیا اور کچھ طلبہ ذہین اور شوق، ذوق رکھنے والے ہوتے ہیں اس لئے وضاحت کے عنوان کے ماتحت سوال و جواب

کے انداز میں کتاب کوحل کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ دونوں قسم کے طلبہ کی رعایت ہوجائے۔

بحمداللہ وعونہ نیز آپ حضرات کی مخلصانہ دعاؤں کی بدولت کافیہ کی مکمل شرح بنامِ ''واضحہ'' پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کررہاہوں، جو اب تک صرف مرفوعات پر مشتمل تھی، بندہ کہاں تک کامیاب ہے قارئین ہی اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔

نیز اس قلمی سفر کے دوران جن اہلِ علم نے مخلصانہ، محبانہ مشوروں سے نوازا، ان کو فراموش کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی، خاص کر فعال عالم دین، ادیب بے نظیر حضرت مولانا سراج صاحب دیولوی ندوی، مظاہری زید مجدہ اور مولانا امین صاحب کھولوڑی اور مولانا ذاکر صاحب ایلولوی، مولانا شعیب صاحب بھڑکودروی جنہوں نے گوناگوں مصروفیات و مشغولیات کے باوجود پوری تندہی کے ساتھ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائی، نیز مولوی یاسین صاحب میمن (ڈینڈرولوی) سلمہ، مولانا سکندرواپی سلمہ کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ میں تعاون فرمایا۔ اوران اہل خیر حضرات کا جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کے لئے جودوسخا کے سمندر کا دہانہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اوردارین میں بہترین بدلہ عطافرمائے۔ آمین۔

ربناتقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا

انک انت التواب الرحیم

محمد یحییٰ مظاہری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مبادیات

المبادی: المبدأ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: سرچشمہ، بنیاد، قاعدہ اور اصول۔
اس جگہ یہ لفظ ''ابتدائی باتوں'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

حضرات مدرسین کی یہ عادت رہی ہے کہ کسی بھی فن یا کتاب کو شروع کرنے سے پہلے اپنے طلبہ کے سامنے کچھ تمہیدی گفتگو پیش کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے سامنے اسی مناسبت سے کچھ ضروری اور مفید باتیں بیان کر رہے ہیں۔

یہ کتاب ''**کافیہ**'' فن نحو میں ہے۔

سوال: فن نحو، علوم عالیہ میں سے ہے یا علوم آلیہ میں سے ہے؟

جواب: فن نحو، علوم آلیہ میں سے ہے۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: درس نظامی میں جو فنون پڑھائے جاتے ہیں، وہ دو طرح کے ہیں جن میں سے بعض کا تعلق علوم عالیہ سے ہیں اور بعض کا تعلق علوم آلیہ سے۔

سوال: علوم عالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: علوم عالیہ ان علوم کو کہتے ہیں جو مقصود بالذات ہوں۔ جیسے تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ۔

سوال: علوم آلیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: علوم آلیہ ان علوم کہتے ہیں جو مقصود بالذات نہ ہوں بلکہ علوم عالیہ کے لئے واسطہ ہوں۔ جیسے منطق، فلسفہ، صرف، نحو وغیرہ۔

سوال : علوم آلیہ کیوں پڑھائے جاتے ہیں؟

جواب : جن حضرات کی زبان عربی ہے ان کو نحو وصرف وغیرہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہیں اس لئے کہ صرف اور نحو یہ گرامر ہے اور اہل زبان کو گرامر کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ جن کی زبان عربی نہیں ہے ان کو عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لئے گرامر کی ضرورت پڑتی ہے بغیر گرامر پڑھے وہ عربی زبان میں کامل مہارت حاصل نہیں کرسکتے اس لئے نحو، صرف جن کا تعلق علوم آلیہ سے ہے، پڑھائے جاتے ہیں۔

سوال : اگر کوئی شخص علوم آلیہ پڑھتا، پڑھاتا ہے تو کیا وہ عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا؟

جواب : بالکل! جو شخص علوم آلیہ پڑھتا، پڑھاتا ہے وہ بھی عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

سوال : جو شخص علوم آلیہ پڑھتا، پڑھاتا ہے، وہ عنداللہ ثواب کا مستحق کیوں ہوتا ہے؟

جواب : اس لئے کہ علوم آلیہ، علوم عالیہ (تفسیر، حدیث وغیرہ) کے لئے واسطہ بنتے ہیں اور علوم عالیہ پڑھنے، پڑھانے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے لہذا جو علوم، علوم عالیہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنتے ہیں اس کے پڑھنے پڑھانے والا بھی ثواب کا مستحق ہوگا۔

سوال : فن نحو کا تعلق علوم آلیہ سے کس طرح ہے؟

جواب : عربی زبان میں مہارت کے لئے علم نحو کا جاننا ضروری ہے، گویا علم نحو واسطہ اور ذریعہ ہے عربی زبان کے لئے اور جو چیز واسطہ اور ذریعہ ہو اس کو آلہ کہتے ہیں۔

سوال : اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب : اس کی تفصیل یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ کے قول کے مطابق اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے اور ان تمام میں آدمی کو اشرف المخلوقات بنایا۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اشرف المخلوقات کیوں بنایا؟

جواب : اس کے دو جواب ہیں:

جواب : (ا) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "علم" کی بنیاد پر اشرف المخلوقات بنایا۔

سوال : اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: قرآن کریم کی آیت۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (پ :۲۲ سورۃ الاحزاب) میں امانت سے مراد ''علم'' ہے۔

سوال: انسان نے امانت کو اٹھایا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان کی تعریف فرماتے حالانکہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا فرما کر بظاہر اس کی مذمت کی ہے؟

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔

(ا) اللہ تعالیٰ نے پیار اور محبت کے انداز میں حضرت انسان کو ظلوم اور جہول فرمایا جیسے باپ اپنے بیٹے کو پیار اور محبت میں کہتا ہے، پاگل ایسا نہیں کیا کرتے۔

(ب) یہ تقابل عدم وملکہ ہے، عدم کے معنیٰ ہے نہ ہونا اور ملکہ کے معنیٰ ہے پایا جانا جیسے دودھ موجود ہے دہی نہیں ہے؛ لیکن دودھ میں دہی بننے کی صلاحیت موجود ہے، اسی طرح اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان میں علم کے حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے دیگر مخلوقات میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان میں عدل کو حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے دیگر مخلوقات میں عدل کو حاصل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے گویا یہ تعریف ہے نہ کہ برائی۔

جواب: (۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ''صفت عبدیت'' کی بنیاد پر۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: (ا) حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عبدیت اور فروتنی کا اظہار کیا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ معلوم ہوا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی بنیاد صفت عبدیت ہے۔

جواب: (۲) اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں اپنے پاس بلایا اور

پوچھا آپ اپنے لئے کونسا لقب پسند کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے عبدیت کا لقب پسند کیا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں آیت اسراء میں (سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ) میں "عبد" کا لفظ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اشرف المخلوقات صفت عبدیت کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔

فائدہ: مذکورہ دونوں قولوں کے درمیان تطبیق بھی دے سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ علم کا ثمرہ عبدیت ہے، وہ ہی علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے جو انسان میں عبدیت پیدا کرے۔

جب انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہوا تو اللہ تعالیٰ انسان کے لئے جن چیزوں کا انتخاب فرمائے وہ بھی اشرف ہونی چاہئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے سب سے اشرف چیز ایمان کو منتخب فرمایا۔ اس لئے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ کرتا ہے تو معافی کی امید ہے؛ لیکن کفر اور شرک کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ "ایمان" اشرف ہے۔

ایمان کے جتنے بھی شعبے ہیں ان تمام کی بنیاد علم ہے، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہو یا معاشرت سے، خواہ اعتقادات سے متعلق ہو یا معاملات و اخلاقیات سے۔

سوال: ان تمام شعبوں کا علم کہاں سے حاصل ہوگا؟

جواب: ان تمام شعبوں کا علم، قرآن اور حدیث سے حاصل ہوگا اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث عربی زبان میں ہیں اور جب تک ہم عربی گرامر (نحو) نہیں پڑھیں گے تب تک کما حقہ عربی زبان میں مہارت پیدا نہیں ہوگی اور جب تک کما حقہ عربی زبان میں مہارت حاصل نہیں ہوگی تب تک قرآن وحدیث کی مراد بھی ہم نہیں سمجھ پائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کی صحیح فہم کے لئے علم نحو ایک آلہ اور ذریعہ ہے، لہٰذا علم نحو علوم آلیہ میں سے ہوا۔

مقدمۃ العلم

عامۃ حضرات مدرسین کی یہ عادت ہوتی ہے کہ کتاب کوشروع کرنے سے پہلے بطور تمہید چند چیزیں بیان کرتے ہیں (جن کو مبادیات کہا جاتا ہے) وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) بعض چیزوں کا تعلق فن اور علم کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۲) بعض چیزوں کا تعلق کتاب کے ساتھ ہوتا ہے۔

جن چیزوں کا تعلق فن اور علم کے ساتھ ہوتا ہے، ان کو مقدمۃ العلم کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کا تعلق کتاب کے ساتھ ہوتا ہے، ان کو مقدمۃ الکتاب کہا جاتا ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم کی غرض کیا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم کی غرض یہ ہے کہ فن میں بصیرت حاصل ہو اور فن کے ساتھ تعلق پیدا ہو۔

سوال: مقدمۃ الکتاب کی غرض کیا ہے؟

جواب: : مقدمۃ الکتاب کی غرض یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ مناسبت اور انسیت پیدا ہو۔

سوال: مقدمہ کی یہ تقسیم سب سے پہلے کس نے کی؟

جواب: اس کی تقسیم سب سے پہلے علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے کی۔

سوال: یہ تقسیم سب سے پہلے علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے کیوں کی؟

جواب: اگر یہ تقسیم نہ کرتے تو مصادرت الی المطلوب لازم آتا۔

سوال: مصادرت الی المطلوب کسے کہتے ہیں؟

جواب: مصادرت الی المطلوب کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز دوسری چیز پر موقوف ہو اور دوسری چیز پہلی چیز پر موقوف ہو اس لئے مقدمہ کی دو قسمیں بیان کی۔

سوال: مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کا درجہ کیا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کا درجہ موقوف علیہ علیٰ وجہ البصیرت کا ہے نہ کہ موقوف علیہ لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ کا۔

سوال: موقوف علیہ علیٰ وجہ البصیرت اور موقوف علیہ لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ کسے کہتے ہیں؟

جواب: موقوف علیہ علیٰ وجہ البصیرت کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیان نہ کیا جائے تو کوئی فرق نہ پڑے، صرف مناسبت اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے بیان کیا جائے۔ اور موقوف علیہ لَوْ لَاہُ لَامْتَنَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذکر کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، بیان کرنا لازم اور ضروری ہو۔

سوال: مقدمۃ العلم میں کونسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں؟

جواب: مقدمۃ العلم میں علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، اس کا موضوع، غرض و غایت، استمداد و ماخذ اور اس کی تدوین کو بیان کیا جاتا ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیوں بیان کی جاتی ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اس لئے بیان کی جاتی ہے تاکہ مجہولِ مطلق کا حصول لازم نہ آئے۔

سوال: کتاب کس فن میں ہے؟

جواب: کتاب فنِ نحو میں ہے۔

سوال: نحو کی لغوی تعریف کیا ہے؟

جواب: نحو کے لغوی معنیٰ حسب ذیل ہیں۔ (۱) مثل: یُقَالُ ھٰذَا نَحْوُہٗ أَیْ مِثْلُہٗ۔

(۲) نوع: یُقَالُ ھٰذَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَنْحَاءٍ أَیْ اَنْوَاعٍ۔

(۳) جہت: یُقَالُ ھم نحو المسجد یذھبون أَیْ جھة المسجد۔

(۴) طریق: یُقَالُ ھٰذَا النحو السوی أَیْ الطریق السوی۔

(۵) صرف: یُقَالُ نحوت بصری الیه أَیْ صرفت۔

(٦) قصد: يُقَالُ نحوت هٰذَا أَيْ قصدت۔

فائدہ: لفظ نحو، لغت میں چند معانی کے لئے آتا ہے (ا) کبھی نحو مثل کے معنیٰ میں (۲) کبھی نوع کے معنیٰ میں (۳) کبھی جہت کے معنیٰ میں (۴) کبھی راستہ کے معنیٰ میں (۵) کبھی پھیرنے کے معنیٰ میں (٦) اور کبھی نحو، قصد کے معنیٰ میں آتا ہے۔

سوال: نحو کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: نحو کی اصطلاحی تعریف، کلمات عرب کے آخری حرف کے احوال کو اعراب اور بناء کے اعتبار سے جاننا۔ اور بعض کلمات کی بعض کے ساتھ ترکیب کی کیفیت کا جاننا

سوال: علم نحو کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: علم نحو کی اصطلاحی تعریف ایسے چند قواعد کا نام ہے جن قواعد سے کلمات عرب کے آخری حرف کے احوال کو اعراب اور بناء کے اعتبار سے جانا جائے۔ اور بعض کلمات کی بعض کے ساتھ ترکیب کی کیفیت کا جاننا۔

فائدہ: مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ نحو کی اصطلاحی تعریف الگ ہے اور علم نحو کی اصطلاحی تعریف الگ ہے۔

سوال: اس علم کا نام نحو کیوں رکھا گیا؟

جواب: (ا) عربی زبان میں گفتگو کرنے والا عرب کے طریقے کی پابندی کرتا ہے اور نحو کے ایک معنیٰ، طریقہ اور راستہ کے بھی آتے ہیں، اس لئے اس علم کا نام نحو رکھا گیا۔

جواب: (۲) فن نحو اہل عرب کے قول **ما احسن هذا النحو الذی قد نحوت** (کیا خوب ہے یہ طریقہ جس کو تم نے اختیار کیا) سے ماخوذ ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں موضوع کو کیوں بیان کیا جاتا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں موضوع کو اس لئے بیان کیا جاتا ہے تا کہ ایک علم کا دوسرے علم سے امتیاز ہو جائے۔

سوال: علم نحو کا موضوع کیا ہے؟

جواب: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں غرض وغایت کو کیوں بیان کیا جاتا ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں غرض وغایت کو اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ عبث اور بے کار کام کا حصول لازم نہ آئے۔

سوال: علم النحو کی غرض وغایت کیا ہے؟

جواب: علم النحو کی غرض وغایت (۱) عربی میں گفتگو کرنے میں غلطی سے بچنا (۲) قرآن وحدیث کے صحیح مدلول کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

سوال: غرض وغایت یہ دونوں ایک ہیں کہ الگ الگ؟

جواب: غرض وغایت یہ دونوں ایک ہی ہے البتہ بعض حضرات نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ غرض نام ہے مقصد کے لئے جانا اور غایت نام ہے مقصد میں کامیاب ہونا جیسے زید بازار سبزی خریدنے کے لئے گیا تو یہ غرض ہے اور سبزی اس کو مل گئی تو یہ غایت ہے۔

سوال: مقدمۃ العلم میں تدوین کی تاریخ کیوں بیان کی جاتی ہے؟

جواب: مقدمۃ العلم میں تدوین کی تاریخ اس لئے بیان کی جاتی ہے تاکہ اس کی تاریخ جان کر علم کی اہمیت سمجھ میں آئے۔

سوال: علم نحو کی تدوین کی تاریخ کیا ہے؟

جواب: اہل عرب نحو کے قوانین کے محتاج نہیں تھے، اس لئے کہ عربی ان کی مادری زبان تھی؛ لیکن جب اسلام کی اشاعت ہوئی اور عجمیوں کا عربوں کے ساتھ اختلاط ہوا جس کی وجہ سے عربی زبان مخلوط ہوگئی اور خود اہل عرب غلطی کرنے لگے، تو اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ کچھ ایسے قواعد مرتب کئے جائیں جن کی رعایت کے سبب غلطی سے بچا جا سکے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم اور رہنمائی سے ان کے خاص شاگرد ابوالاسود ظالم بن عمرو الدؤلی نے کچھ ابتدائی قواعد وضع کئے اس لئے اکثر حضرات کے نزدیک ابوالاسود الدؤلی اس

علم کے مدون اول ہے۔

سوال: علم نحو کو مدون کرنے میں کن کن چیزوں سے مدد لی گئی؟

جواب: علمائے متقدمین نے قرآن وحدیث اور زمانۂ جاہلیت کی شاعری کو سامنے رکھ کر چار فنون کو جمع کیا۔

(۱) تجوید (۲) لغت (۳) نحو (۴) صرف۔ ان کو ایک ہی فن سمجھا جاتا تھا اور فن عربیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، مگر بعد میں ان کو الگ الگ کیا گیا۔

سوال: فن نحو کا حکم کیا ہے؟

جواب: فن نحو کا حکم فرض کفایہ ہے۔

سوال: فن نحو کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: فن نحو کی فضیلت کے سلسلہ میں چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

"تعلموا النحو کما تتعلمون السنن و الفرائض"

ترجمہ: علم نحو سیکھو جس طرح تم سنن اور فرائض سیکھتے ہو۔

(۲) حضرت ایوب سختیانیؒ کا قول ہے:

"تعلموا النحو فانه جمال و ترکه عیب"

ترجمہ: علم نحو سیکھو اس لئے کہ وہ خوبصورتی کا باعث ہے اور اس کا نہ جاننا ایک طرح کا عیب ہے۔

(۳) علامہ محمد بن لیث کا مشہور مقولہ ہے:

"النحو فی الکلام کالملح فی الطعام"

ترجمہ: نحو کی حیثیت ادب میں ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک کی۔ (جس طرح بغیر نمک کھانا بے مزہ ہوتا ہے اسی طرح کلام بھی بغیر نحو کے بے مزہ اور پھیکا ہوتا ہے)۔

(۴) امام کسائیؒ کا شعر ہے:

"إنما النحو قیاس یُتبع وبه في کل أمر یُنتفع"۔(دراسات فی النحو)

ترجمہ: بے شک نحو ایک عقلی چیز ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اس سے ہر علم میں نفع اٹھایا جاتا ہے۔

(۵) صاحب مراح الارواح فرماتے ہیں "الصرف أم العلوم والنحو أبوھا"۔

ترجمہ: علم صرف تمام علوم کی ماں ہے اور علم نحو تمام علوم کا باپ ہے۔

سوال: فن نحو میں کتنے مذاہب مشہور ہیں؟

جواب: فن نحو میں عامۃً دو مذاہب مشہور ہیں۔

(۱) کوفی (۲) بصری۔

سوال: دونوں میں فرق کیا ہے؟

جواب: کوفی حضرات بیشتر مسائل میں قیاس پر اعتماد کرتے، نیز عرب دیہاتیوں کو بھی قابل سند مانتے تھے۔

بصری حضرات سماع کو ترجیح دیتے تھے اور روایت کے سخت پابند تھے اور خالص فصیح عربوں کو قابل سند مانتے تھے۔

سوال: درس نظامی کی وجہ تسمیہ اور اس کا مختصر تعارف کیا ہے؟

جواب: برصغیر میں جو نظامِ تعلیم سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ "درس نظامی" کے نام سے معروف ہے، بارہویں صدی ہجری سے اس کا آغاز ہوا، مغل مسلم حکمرانوں کے عہد میں یہی نظام رائج رہا۔

یہ ملا نظام الدین بن قطب الدین بن عبد الحلیم الانصاری سہالوی، لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء) کے نام سے منسوب ہے، آپؒ رسائل الارکان، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اور شرح سلم العلوم جیسی بلند پایہ کتب کے مؤلف بحر العلوم علامہ عبد العلیؒ کے والد گرامی قدر تھے، لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبہ سہالہ میں ولادت ہوئی۔

شیخ غلام نقشبندیؒ بن عطاء اللہ لکھنوی اور شیخ امان اللہ بن نور اللہ بنارسی جیسے عظیم اساتذہ

سے تعلیم پائی، اور علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی، تبحر علمی کے ساتھ آپ زاہد ومجاہد، بلند کردار کے حامل، انتہائی متواضع اور ملنسار تھے، سلسلہ قادریہ شیخ عبدالرزاق بن عبدالرحیم حسینی سے حاصل کیا، آپ کی تالیفات میں مسلم الثبوت کی دو شرحیں "الاطول" اور "الطویل" منارالاصول اور تحریرالاصول کی شرح، ہدایت الحکمت، اور شمس بازغہ کے حواشی ہیں۔

آپ پچیس سال کی عمر میں فراغت حاصل کرنے کے بعد مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے، آپ کی زیر نگرانی اس مدرسہ نے تمام علوم وفنون میں اپنے دور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کیا اور ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز قرار پایا۔

ملا نظام الدینؒ نے اپنے مدرسہ کے لئے ایک نظام تعلیم مرتب کیا تھا، جو تقریبا گیارہ فنون کی تینتالیس (۴۳) کتب پر مشتمل تھا، جس میں معقولات کی کتابوں کی تعداد بیس، علوم عربیہ کی چودہ، علوم عالیہ میں فقہ کی دو، اصول فقہ کی چار، تفسیر کی دو اور حدیث کی ایک، اس طرح نو کتابیں شامل تھیں، کتابوں کے انتخاب میں مختصر مگر جامع کتاب کو ترجیح دی گئی، تا کہ سرسری معلومات کے بجائے مستحکم معلومات حاصل ہوں اور فن پر عبور ہو، اور آپ کا طریق درس یہ تھا کہ کتابی خصوصیات کا لحاظ نہیں فرماتے تھے، بلکہ کتاب کو محض ذریعہ تعلیم قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے۔

یہ نظام تعلیم دینی علوم میں رسوخ، عقائد میں پختگی اور صحیح علمی ذوق پیدا کرنے میں مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ زمانہ کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ تھا، جس کی وجہ سے کبھی فارغ التحصیل طلبہ کو کسی بھی شعبہ میں اپنی عملی زندگی دینی بنیادوں پر استوار کرنے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، اور ہر شخص اپنے ذوق اور صلاحیت کے مطابق زندگی کے جس شعبہ کو پسند کرتا اختیار کر لیتا، اس نظام تعلیم نے فقط مفسرین، محدثین اور فقہاء ہی نہیں، بلکہ فلاسفہ، ادباء، ماہرین طب وسائنس اور ماہرین قانون بھی پیدا کئے۔

موجودہ اکثر مدارس کے تعلیمی نظام کی اساس اسی درس نظامی کی کچھ ترمیم شدہ شکل ہے، جو مخصوص حالات کے پیش نظر اختیار کی گئی تھی۔

مقدمة الکتاب

سوال: مقدمۃ الکتاب میں کونسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں؟

جواب: مقدمۃ الکتاب میں عامۃً تین چیزیں بیان کی جاتی ہیں: (۱) کتاب کی وجہ تسمیہ۔ (۲) مصنف کے حالات۔ (۳) مصنَّف کا تعارف۔

اس کتاب کے تین نام ہیں: (۱) کافیہ (۲) مقدمۃ النحو (۳) مقدمۃ ابن حاجب۔

سوال: لفظ کافیہ کونسا صیغہ ہے؟

جواب: لفظ کافیہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اگر تاء، محض کی ہو یا مبالغہ کی ہوتو واحد مذکر کا صیغہ ہوگا، اور اگر تاء، تانیث کی ہوتو واحد مؤنث کا صیغہ ہوگا۔

سوال: لفظ کافیہ کس سے مشتق ہے؟

جواب: لفظ کافیہ کفیٰ یکفی کفایۃً (ض) سے مشتق ہے۔

سوال: لفظ کافیہ کے کتنے معنی آتے ہیں؟

جواب: لفظ کافیہ کے تین معنی آتے ہیں:

(۱) بمعنی اکتفیٰ اس صورت میں یہ باب لازم ہوگا اور فاعل پر باء زائدہ ہوگی جیسے کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا۔

اب کافیہ کے معنی مکتفیۃ (کفایت کرنے والی) ہوگا۔

(۲) بمعنی اغنیٰ۔ اس صورت میں متعدی بیک مفعول ہوگا اور فاعل پر باء زائدہ نہیں ہوگی جیسے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔

اب کافیہ کے معنی مغنیۃ للطلبۃ من غیرہ (طلبہ کو اپنے علاوہ سے بے نیاز کرنے والی) ہوگا۔

(۳) بمعنی وقی اس صورت میں متعدی بدو مفعول ہوگا اور باء نہیں ہوگی جیسے کَفٰی

اللہ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ۔

اب کافیہ کا معنیٰ واقية الطلبة الخطأ اللفظی (طلبہ کو خطاء لفظی سے بچانے والی) ہوگا۔

فائدہ: ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں۔

(۱) لفظ کافیہ مبنی بر سکون لا محل لها من الاعراب ہو۔

(۲) معرب ہو۔

پھر معرب میں چند احتمال ہیں۔

(۱) مرفوع، مبتدا محذوف الخبر جیسے کافية هذا، کافية هذه۔

(۲) مرفوع، خبر محذوف المبتدا جیسے هذا کافية، هذه کافية۔

(۳) منصوب، مفعول بہ فعل محذوف کے لئے اقرأ الکافية۔

(۴) مجرور ہو، جس کا فعل اور حرف جار محذوف ہو خذ بالکافية۔

فائدہ: عموماً کتاب سے متعلق چند لفظ آتے ہیں: (۱) متن (۲) شرح (۳) حاشیہ (۴) منہیہ (۵) تعلیق (۶) فن (۷) تصنیف (۸) تالیف۔

(۱) **متن:** لغوی معنی پشت کے ہیں اور اصطلاحی معنیٰ ہے ما یکون صعبا و محتاجا الی الشرح۔ (۲) **شرح:** لغوی معنی کھولنا اور اصطلاحی معنی ما یوضح المتن کله۔

(۳) **حاشیہ:** لغوی معنی کنارہ اور اصطلاحی معنی جو متن کے بعض مقامات کو حل کرے۔

(۴) **منہیہ:** لغوی معنی ہے اس سے ہونے والا۔ اور اصطلاحی معنی ہے وہ عبارت جو متن کی تشریح کے لئے مصنف خود لکھے۔ (۵) **تعلیق:** لغوی معنی لٹکانا اور اصطلاحی معنی میں حاشیہ کے مترادف ہے خواہ مصنف لکھے یا کوئی اور لکھے۔ (۶) **فن:** بقول میر زاہد اتنے مسائل کے مجموعہ کو کہتے ہیں جس پر غایتِ فن مرتب ہو جائے۔ (۷) **تصنیف:** ''صنف'' سے مشتق ہے ''صنف کو صنف کے ساتھ رکھنا۔ (۸) **تالیف:** ''الفت'' سے مشتق ہے، تالیف کے معنی ہے'' ایسے مسائل جو باہم الفت رکھتے ہوں ان کو قریب قریب کر دینا، ترتیبِ مسائل کو اپنے رتبہ میں رکھنا۔

احوال المصنِّف

سوال: حالاتِ مصنّف کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

جواب: حالاتِ مصنّف کا جاننا اس لئے ضروری ہے تا کہ کتاب کے مصنّف کی عظمت دل میں بیٹھ جائے اور طلبہ کتاب کو شوق سے پڑھے۔

سوال: حالاتِ مصنّف میں کیا بیان کیا جاتا ہے؟

جواب:: حالاتِ مصنّف میں چند چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) نام (۲) تحصیل علم (۳) تدریسی خدمات (۴) تصنیفی خدمات (۵) مقام و مرتبہ (۶) وفات۔

جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) نام: عثمان، کنیت: ابوعمرو، لقب: جمال الدین، والد کا نام: عمرو، ان کا لقب حاجب، بقول حافظ ذہبیؒ وہ امیر عزالدین کے یہاں دربان تھے، جس کی وجہ سے آپ کو عرف میں ''حاجب'' کہا جاتا تھا اور صاحبِ کافیہ کو ابن الحاجب کہا جاتا تھا۔

نسب نامہ: جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی۔

سن ولادت: ملک مصر کے مقام اسناء میں ۵۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔

(۲) تحصیل علم: ابتداءً آپ نے قاہرہ میں تعلیم پائی، صغرسنی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور قرأت کی تحصیل علامہ شاطبیؒ سے کی، علامہ ابوالجواد سے قرأت سبعہ پڑھی اور فقہ مالکی کو علامہ ابومنصور ابیاری سے اور علم ادب علامہ شاطبی اور ابن البناء سے حاصل کیا۔

(۳) تدریسی خدمات: جامع دمشق میں ایک زمانہ تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی اس کے بعد آپ مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے، اخیر میں آپ اسکندریہ منتقل ہو گئے تھے اور آپ کا ارادہ یہیں پر مستقل قیام کا تھا مگر چند دنوں

کے بعد آپ راہی ملک بقاء ہو گئے۔

(۴) تصنیفی خدمات: آپ کی بیشمار تصانیف ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) المکتفی للمبتدی: شیخ ابوعلی فارسی کی کتاب الایضاح کی شرح۔

(۲) الایضاح شرح مفصل (۳) المختصر، فقہ میں (۴) المختصر، اصول فقہ میں (۵) جمال العرب، علم ادب میں (۶) المقصد الجلیل، علم عروض میں۔(۷) شافیہ، فن صرف میں (۸) شرح شافیہ (۹) کتاب جامع الامہات (۱۰) کافیہ۔

(۵) صفات واخلاق:

علامہ ابن حاجبؒ بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ مناظر، متقی، پرہیز گار، معتمد وثقہ، نہایت متواضع اور تکلفات سے نا آشنا تھے۔آپ کی ذکاوت وذہانت کی تعریف میں ابن خلکان رقم طراز ہیں (کان من احسن خلق اللہ ذھنا) اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ روشن دماغ تھے۔

(۶) وفات: ۶ شوال ۶۴۶ھ بروز جمعرات اسکندریہ میں دن چڑھے وفات ہوئی اور ''باب البحر'' کے باہر، شیخ صالح بن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے۔

احوال المصنَّف

سوال: حالاتِ مصنَّف کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

جواب:: حالاتِ مصنَّف کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ کتاب کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے اور کتاب کے ساتھ انسیت پیدا ہو جائے۔

سوال: حالاتِ مصنَّف کیا ہے؟

جواب: کتاب کا نام کافیہ ہے، کافیہ علم نحو میں ابن حاجبؒ کی وہ مشہور کتاب ہے، جس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ بیان کئے ہیں، علم نحو کا یہ جامع اور مستند مجموعہ ۸۰۰ سال سے مدارس میں داخل نصاب ہے۔

کافیہ بہت ہی مختصر مگر جامع رسالہ ہے، مدارس کے ماحول میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''ابن حاجبؒ نے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے'' یہ مقولہ بالکل صحیح ہے، چنانچہ آپ علم نحو کی مستند کتابوں کا مطالعہ کیجئے، بالخصوص علامہ سیوطیؒ کی ''همع الهوامع'' کو دیکھئے تو مقولہ سمجھ میں آجائے گا کہ علامہ سیوطیؒ نے ''همع الهوامع'' کی سات جلدوں (جن کے کل صفحات ۲۲۰۰ سے زائد ہیں) میں علم نحو کے جن مسائل کو بیان کیا ہے ان تمام مسائل کو ابن حاجبؒ نے صرف سوا سو (۱۲۵) صفحات میں جلی حروف کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

کافیہ میں جن حضرات کا تذکرہ ہے وہ گیارہ ہیں۔

(۱) **سیبویہ:** آپ کا نام عمرو بن عثمان بن قنبر بصری ہے، مسلکِ نحو کے امام ہیں، سیبویہ سے مشہور ہیں ۱۴۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، گویا بتیس سال کی مختصر عمر پائی تھی۔

(۲) **الاخفش:** امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، ان کا نام سعید، کنیت ابوالحسن، اخفش سے معروف ہیں، ان کی وفات ۲۱۰ھ یا ۲۱۵ھ یا ۲۲۱ھ میں ہوئی۔

(۳) **الکسائی:** آپ کا نام علی بن حمزہ بن عثمان ہے، آپ کو کسائی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حج کے موقعہ پر انہوں نے کمبل کا احرام باندھا تھا اور کِساء کے معنی کمبل کے آتے ہیں اور یاء، نسبتی ہے تو کسائی کا مطلب ہوا کمبل والا ۱۸۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۴) **الفراء:** آپ کا نام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن مروان الدیلمی ہے، یہ فراء سے مشہور ہیں، اس لئے کہ کان یفری الکلام (وہ تعجب انگیز کلام کرتے تھے) ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۵) **الخلیل:** خلیل بن احمد بن عمر بن تمیم الفراہدی ۱۷۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۶) **ابوعمر:** ابوعمر بن العلاء بن عمر بن عبداللہ المازنی سے مشہور ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: (۱) زبان (۲) حماد (۳) حمیدہ (۴) عثمان (۵) محمد (۶) محبوب (۷) یحییٰ۔ آپ کی وفات ۱۵۴ھ یا ۱۵۹ھ میں ہوئی۔

(۷) **ابوالعباس المبرد:** ابوالعباس کنیت ہے ابو یزید مبرد سے مشہور ہیں ۲۱۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۸) **الزجاج:** ابواسحٰق کنیت ہے، نام ابراہیم ہے، شیشہ کا پیشہ تھا اس وجہ سے الزجاج کہا جاتا ہے۔ ۲۳۰ھ میں وفات ہوئی۔

(۹) **المازنی:** ابوعثمان کنیت، نام: بکر بن محمد المازنی۔ ۲۴۸ھ یا ۲۴۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) **یونس:** یونس بن حبیب البصری ۹۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۸۲ھ میں وفات ہوئی

(۱۱) **ابن کیسان:** محمد بن ابراہیم بن کیسان النحوی ۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں وفات ہوئی۔

کافیہ کے حاشیہ کا نام: "**حاشیة الکافیة**" ہے جس کے مصنف حضرت مولانا معشوق الٰہی بن غلام نبی الحنفی ہے۔

کافیہ کے ساتھ والہانہ تعلق

حضراتِ اکابر کے کافیہ کے ساتھ والہانہ تعلق کے دلچسپ واقعات ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

مولانا مملوک علیؒ اور کافیہ سے شغف

حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ ایک رات دوکان کے تخت پر بیٹھ کر کتاب ''کافیہ'' دیکھ رہے تھے، اتفاق سے کسی شہزادہ کی سواری نکلی، ہاتھی پر شہزادہ سوار اور گھوڑے کے نقیب اور چوبدار صدا لگاتے ہوئے نکل رہے تھے مگر مولانا کافیہ کے مطالعہ میں اتنے منہمک تھے کہ ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ کس کا جلوس آرہا ہے مولانا ٹانگیں زمین پر رکھے ہوئے کتاب دیکھ رہے تھے، نقیبوں نے آوازیں دیں مگر ان کے کان میں کچھ آواز نہیں آئی، یہ اپنی کتاب دیکھتے رہے، شہزادے کی سواری قریب آئی تو اس کو غصہ آیا اور چوبدار کو حکم دیا کہ اس کو دھکا دو، تب ان کو پتہ چلا کہ کوئی سواری نکل رہی ہے۔

مولانا کو کافیہ پر اتنا اعتماد تھا کہ فوراً فرمایا کہ بڑا بے چارہ شہزادہ بنا پھرتا ہے اگر کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ لوں تو میاں سے جواب نہ بن پڑے گا۔ یہ مولانا کو اعتماد اور ناز تھا اپنی کافیہ پر ''کافیہ کافی است باقی دردِ سر'' یہ مولانا کی ہی مثل ہوگئی۔ (مجالس حکیم الاسلام ص:۷۵)

علامہ محمد بن سلیمانؒ کا لقب کافیجی۔

علامہ محی الدین محمد بن سلیمان کافیجیؒ ایک بہت بڑے محدث ہیں جن کی وابستگی اور تعلق ''کافیہ'' سے زیادہ تھا گویا ہر دم اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اس کا مطالعہ کثرت سے کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا لقب ہی کافی جی (ہر وقت کافیہ میں مشغول رہنے والے) ہوگیا۔

الكافيجي: محمد بن سليمان (ت: 879) لُقِب بذلك لكثرة اشتغالة بالكافية في النحو لابن الحاجب۔ (النكت على الاتقان في علوم ج ا ص: ۱۸۹)

مولانا بنوریؒ کا تبصرہ کافیہ پر

مولانا بنوریؒ (متوفی ۱۳۹۷ھ) نے ''کافیہ'' وغیرہ جیسی مغلق کتب پر فرمایا کہ ''ان لوگوں نے کاغذ کم خرچ کیا اور دماغ کو زیادہ خرچ کروایا''۔

اس پر امیر المومنین فی الحدیث حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ نے فرمایا ''اگر مولانا زندہ ہوتے تو میں انہیں یہ جملہ کہتا کہ ''ایسی بات نہیں، متون اس لئے نہیں لکھے گئے کہ ان کی تشریح میں دماغ پاشی کی جائے، یہ تو حفظ کے لئے لکھے گئے ہیں۔'' (ملفوظات مع مختصر سوانح شیخ محمد یونس صاحب،ص:۳۱۴)

فہرست شروحات وحواشیٔ کافیہ

کافیہ علمِ نحو کا ایک حسین گلدستہ ہے، اس کی تصنیف کے تقریباً ۷۰۰ سال ہو چکے ہیں لیکن اس کی قبولیت پر کوئی فرق نہیں آیا، ہر دور کے علماء نے اس کو اپنا محور اور مرکز بنایا، یہی وجہ ہے کہ اس کی ۵۰ سے زائد شروحات کا تذکرہ ملتا ہے، جن کے نام مع مصنفین حسب ذیل ہیں۔

(۱) شرح کافیہ: شیخ جمال الدین ابو عمرو عثمان بن الحاجب، صاحب کافیہ سنہ ۶۴۶ھ۔

(۲) شرح کافیہ: شیخ رضی الدین محمد بن حسن استرآبادی سنہ ۶۸۳ھ۔

(۳) شرح کافیہ کبیر: سیدرکن الدین حسن محمد استرآبادی سنہ ۷۱۷ھ۔

(۴) شرح کافیہ متوسط: سیدرکن الدین حسن محمد استرآبادی سنہ ۷۱۷ھ۔

(۵) شرح کافیہ صغیر: سیدرکن الدین حسن محمد استرآبادی سنہ ۷۱۷ھ۔

(۶) شرح کافیہ: شیخ تاج الدین ابو محمد احمد بن عبدالقادر بن مکتوم قیس حنفی سنہ ۷۴۹ھ۔

(۷) شرح کافیہ: شیخ احمد بن محمد حلبی معروف با بن ملا سنہ ۱۰۰۰ھ۔

(۸) شرح کافیہ: شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن اصبہانی سنہ ۷۴۹ھ۔

(۹) شرح کافیہ: شیخ احمد بن محمد زبیدی اسکندری مالکی سنہ ۸۰۱ھ۔

(۱۰) شرح کافیہ: شیخ عیسیٰ بن محمد صفوی ۹۰۶ھ۔

(۱۱) شرح کافیہ: شیخ علاؤالدین علی فناری، ۹۰۶ھ۔

(۱۲) شرح کافیہ: شیخ عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائنی، ۹۴۳ھ۔

(۱۳) شرح کافیہ: شیخ علاؤالدین علی بن محمد قوشی۔

(۱۴) شرح کافیہ: قاضی ناصرالدین بن عبداللہ بیضاوی، ۶۸۵ھ۔

(۱۵) شرح کافیہ: شیخ اسحٰق بن محمد۔

(۱۶) شرح کافیہ: شیخ محمود بن محمد بن علی۔

(۱۷) شرح کافیہ: امام تاج الدین ابومحمد علی بن عبداللہ، ۷۴۶ھ۔

(۱۸) شرح کافیہ: شریف نورالدین علی بن ابراہیم شیرازی، ۸۶۳ھ۔

(۱۹) شرح کافیہ: شیخ تاج الدین بن محمود عجمی شافعی۔

(۲۰) شرح کافیہ: علامہ اصفندی۔

(۲۱) شرح کافیہ: شیخ یعقوب بن احمد بن حاج عوض، ۸۴۵ھ۔

(۲۲) شرح کافیہ: شیخ رکن الدین حدیثی۔

(۲۳) شرح کافیہ (ترکی): علامہ سودی، ۱۰۰۰ھ۔

(۲۴) شرح کافیہ (فارسی): شیخ معین الدین محمد امین ہروی۔

(۲۵) المرشح: شیخ ابوبکر شمس الدین محمد بن ابی بکر بن محمد حمیصی، ۷۱۷ھ۔

(۲۶) السعیدی: شیخ نجم الدین احمد بن محمد عجمی، ۷۴۹ھ۔

(۲۷) تحفۃ الطالب (۲ جلد): شیخ نجم الدین احمد بن محمد قمولی، ۷۲۷ھ۔

(۲۸) کشف الحقائق: حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی، ۹۰۶ھ۔

(۲۹) المناہل الصافیہ فی حل الکافیہ: شیخ محمد بن محمد اسنوی قدسی، ۸۰۸ھ۔

(۳۰) مرضی المرضیٰ: مولوی میر حسین میبذی، ۹۱۰ھ

(۳۱) الفوائد الضیائیہ (ملاجامی): شیخ نورالدین عبدالرحمٰن بن احمد الجامی، ۸۹۸ھ۔

(۳۲) جامع الغموض (فارسی): ملا عبد النبی بن قاضی عبد الرسول عثمانی احمد نگری۔

(۳۳) فتح الفتاح: شیخ شمس الدین بن قاضی کمال الدین۔

(۳۴) اوفی الوافیہ: شیخ احمد بن ابراہیم حلبی۔

(۳۵) غایۃ التحقیق: شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین جونپوری، ۸۱۵ھ۔

(۳۶) التعلیق: تاج الدین احمد بن عثمان بن ابراہیم المار دینی الحنفی، ۷۴۴ھ۔

(۳۷) الہادیہ الیٰ حل الکافیہ: علی بن محمد التبریزی۔

(۳۸) التحفۃ الوافیہ: شیخ تقی الدین ابراہیم بن حسین بن عبد اللہ بن ثابت طائی۔

(۳۹) الاسرار الصافیہ: شیخ اسمٰعیل بن ابراہیم بن عطیہ بحرانی۔

(۴۰) حاشیہ کافیہ فارسی: سید شریف علی بن محمد جرجانی، ۸۱۶ھ۔

(۴۱) حاشیہ کافیہ: شیخ شہاب الدین احمد بن عمر ہندی دولت آبادی، ۸۴۹ھ۔

(۴۲) تحریر سنبٹ: مولانا محمد شعیب صاحب۔

(۴۳) سعیدیہ (اردو): مولانا محمد حیات سنبھلی۔

(۴۴) حبیبیہ (اردو)

(۴۵) ایضاح المطالب: مولانا مشیت اللہ دیوبندی۔

(۴۶) ہادیہ شرح کافیہ (اردو): مفتی سعید احمد پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴۷) خادمۃ الکافیہ: یہ کافیہ کی شرح ہے، عربی میں ہے۔ ان کے مصنف بابا جی صاحب لاخار کے نام سے مشہور ہیں ۱۳۹۰ھ کو انتقال کر گئے ہیں۔

معرباتِ (مترجمات) کافیہ

(۱) الافصاح: لبعض العلماء۔

(۲) معرب الکافیہ: شیخ حاجی بابا طوسی۔

(۳) معرب الکافیہ: شیخ محمد بن ادریس بن الیاس مرعشی۔

(۴) معرب الکافیہ (ترکی): شیخ کمال الدین۔

مختصراتِ کافیہ

(۱)اللباب: قاضی ناصرالدین عبداللہ بیضاوی، ۶۸۵ھ۔
(۲)الوافیہ فی شرح الکافیہ: شیخ فضیل بن علی جمالی، ۹۹۱ھ۔
(۳)مختصر الکافیہ: شیخ برھان الدین ابراھیم بن عمر جعیدی،۷۳۲ھ۔
(۴)مختصر الکافیہ: شیخ محمد بن محمود مغلوی۔
(۵)الاسئلۃ القطعیہ: شیخ خضر بن الیاس۔

منظوماتِ کافیہ

(۱)الوافیہ: شیخ جمال الدین ابوعمرو عثمان ابن الحاجب،۶۴۶ھ۔
(۲)نہایۃ البھجہ: شیخ ابراھیم مستتری، ۹۱۷ھ۔
(۳)نظم الکافیہ: ابن حسام الدین اسمٰعیل بن ابراھیم، ۱۰۱۶ھ۔

فائدہ: بعض حضرات نے کافیہ کونحو کے بجائے تصوف کی کتاب کہا ہے اوراس اعتبار سے اس کی شرح بھی کی ہے۔

بحث التسمية

سوال: مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز تسمیہ سے کیوں کیا؟

جواب: اس کے چار جوابات ہیں۔

(۱) قرآنِ کریم کی اتباع کرتے ہوئے۔

- اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کا آغاز تسمیہ سے کیا پھر سورۂ فاتحہ ہے۔
- قرآن کریم کی پہلی وحی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ میں بھی تسمیہ کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) حدیث کی اقتدا کرتے ہوئے۔

چنانچہ روایت میں ہے **"کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فھو اقطع"** ہر مہتم بالشان امر جس کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ کام ناقص اور نامکمل رہتا ہے۔

سوال: بعض مرتبہ انسان بغیر بسم اللہ کے کام شروع کرتا ہے اس کے باوجود کام تمام اور مکمل ہوجاتا ہے؟

جواب: ناتمام اور ناقص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام بے برکت ہوتا ہے، نصرتِ خداوندی شاملِ حال نہیں ہوتی۔

(۳) انبیاء کرام کی پیروی کرتے ہوئے۔

سوال: کیا آپ ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں، جس میں کسی نبی نے کام کا آغاز تسمیہ سے کیا ہو؟

جواب: ہاں! ہم ایک مثال پیش کر سکتے ہیں جس میں ایک جلیل القدر نبی نے اپنے کام کا آغاز تسمیہ سے کیا ہے، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کو خط لکھا تھا تو اس خط کا آغاز تسمیہ سے کیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہیں "اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللہِ

الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ"۔

سوال: آیت سے تو بظاہر یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط کا آغاز بجائے بسم اللہ کے اپنے نام سے کیا ہے؟

جواب: حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط کا آغاز بسم اللہ سے ہی کیا تھا لیکن مضمون کے اختتام پر دستخط کرنے کے بجائے خط کے شروع میں بسم اللہ سے پہلے ہی دستخط کر لی۔

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام نے بسم اللہ سے پہلے دستخط کیوں کی؟

جواب: (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بسم اللہ سے پہلے دستخط اس لئے کی کہ جس عورت کی طرف خط لکھا جا رہا تھا وہ عورت کافرہ تھی؛ اگر ظاہری اعتبار سے شروع میں دستخط نہ کرتے تو خط کھولتے ہی اس کی نظر اللہ کے نام پر پڑتی جس کی وجہ سے وہ خط کو اہمیت نہ دیتی اور خط کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتی، اس لئے بسم اللہ سے پہلے اپنا نام تحریر فرما دیا۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے تھے کہ بلقیس کافرہ ہے، ممکن ہے وہ خط کو پھاڑ دے اور عامۃً چیز کو اوپر سے پھاڑا جاتا ہے؛ اب اگر وہ خط کو اوپر سے چاق کرتی تو اللہ کے نام کی توہین ہوتی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے گوارہ نہ کیا کہ میرے نام کی توہین تو بعد میں ہو اور اللہ کے نام کی توہین پہلے ہو، اس لئے اپنا نام مضمون کے اخیر میں لکھنے کے بجائے ابتداء میں تحریر فرمایا۔

(۴) اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت کی نظر میں ناجائز نہ ہو بسم اللہ سے اس کا آغاز کرنا مستحب ومسنون ہے۔

سوال: تسمیہ کا آغاز "باء" سے کیوں ہوا "الف" سے کیوں نہیں؟

جواب: (۱) عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے روحوں سے جب "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کا عہد لیا تو سب سے پہلے ان کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ "بَلٰی" تھا اور "بَلٰی" میں پہلا حرف باء ہے، اس لئے تسمیہ کا آغاز باء سے کیا گیا نہ کہ الف سے۔

(۲) تسمیہ کا آغاز الف سے اس لئے نہیں کیا کہ ابتداء بالسکون محال ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔

سوال: حروف ہجا کا آغاز الف سے کیوں؟

جواب: ہر چیز میں دو چیزیں ہوتی ہیں (۱) اسم (۲) مسمیٰ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً آگ کہ اس میں دو چیزیں ہیں۔

(۱) آگ کا لفظ جو زبان سے ادا کرتے ہیں، یہ اسم ہے۔

(۲) آگ جو بھٹی میں ہوتی ہے، یہ مسمیٰ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ حرارت (گرمی) اور احراق (جلانا) یہ اس آگ کا خاصہ ہے جو بھٹی میں ہے اور حرارت اور احراق یہ اُس آگ کا خاصہ نہیں ہے جس کو ہم زبان سے ادا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حرارت اور احراق کا حکم مسمّٰی کے ساتھ لگتا ہے نہ کہ اسم کے ساتھ۔ اسی طرح ابتداء بالسکون محال ہے یہ حکم مسمّٰی کے ساتھ ہے نہ کہ اسم کے ساتھ۔ اس سے شرح مأۃ عامل میں جو عبارت ''الباء للالصاق'' آتی ہے اس پر واردشدہ اشکال رفع ہوجاتا ہے۔

سوال: اس اشکال کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اس اشکال کی تفصیل یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند۔ اب اشکال یہ ہے کہ ''الباء للالصاق'' میں ''الباء'' مسند الیہ اور مبتدا ہے حالانکہ ایک طرف مذکورہ قانون ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قانون کا تعلق مسمّٰی سے ہے نہ کہ اسم کے ساتھ اور عبارت میں الباء یہ اسم ہے نہ کہ مسمّٰی۔ لہٰذا اب کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا۔

(۳) الف کھڑا ہوتا ہے جس میں تکبر کی شان پائی جاتی ہے اور ''ب'' بچھی ہوئی ہے، جس میں عاجزی اور فروتنی کی شان پائی جاتی ہے اور شریعت محمدیہ کا مقصود بندوں میں عاجزی، فروتنی اور عبدیت پیدا کرنا ہے اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آغاز 'ب' سے کیا۔

(۴) ''ب'' الصاق کے لئے آتی ہے اور الصاق کے معنیٰ آتے ہیں ''ملانے'' کے اور شریعت محمدیہ کا مقصود بندہ کو خدا کے ساتھ ملانا ہے، اس لئے آغاز ''ب'' سے کیا۔

(۵) ب کے عدد (حروف ابجد) کے اعتبار سے ۲ (دو) بنتے ہیں، جس سے اشارہ مقصود تھا کہ ایمان کے لئے دو چیزیں ضروری ہے۔

(۱) ذات باری کی توحید کا اقرار کرنا۔

(۲) رسول کی رسالت کا اقرار کرنا، اس کے بغیر ایمان قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

اسم

سوال: لفظ اسم کس سے مشتق ہے؟

جواب: اس میں دو قول ہیں۔

(۱) بصریین کے نزدیک لفظ اسم "سُمُوٌّ" سے مشتق ہے، جس کے معنی بلندی کے آتے ہیں۔

اسم چونکہ اپنے اخوین (فعل وحرف) پر بلند ہے، اس وجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں۔

(۲) کوفیین کے نزدیک لفظ اسم "وِسْمٌ" سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے آتے ہیں۔

اسم چونکہ اپنے مسمی پر علامت ہوتا ہے اس وجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں۔

سوال: لفظ اسم میں کتنی لغات ہیں؟

جواب: لفظ اسم میں اٹھارہ لغات ہیں۔

(۱) اسم (۲) سمات (۳) سما (۴) سمة (۵) سمو (۶) وسم

یہ چھ الفاظ ہیں ان میں سے ہر ایک کے پہلے حرف میں تینوں حرکتیں ضمہ، فتحہ، کسرہ ہوتی ہیں، اس طرح کل اٹھارہ لغات ہوجاتی ہیں۔

فائدہ: محققین کے نزدیک یہ اسماء محذوفة الاعجاز کے قبیل سے ہیں اور اہل کوفہ کے نزدیک محذوفة الصدر کے قبیل سے ہیں۔

فائدہ: محذوفة الاعجاز ان اسماء کو کہا جاتا ہے جن کے اخیر سے کوئی حرف حذف

کردیا گیا ہو۔

محذوفۃ الصدر: وہ اسماء ہیں جن کے شروع سے کوئی حرف حذف کردیا گیا ہو۔

اللّٰہ

اللّٰہ، نام ہے ایسی ذات کا جو واجب الوجود ہو، جس کا وجود ذاتی ہو اور جو جمیع صفات کمال کے ساتھ متصف ہو۔

نصوص میں ذاتِ باری کے لئے دو قسم کی صفات مذکور ہیں۔

(۱) صفاتِ ثبوتیہ (۲) صفاتِ سلبیہ

صفاتِ ثبوتیہ: وہ صفات جن کا ثبوت کتاب وسنت سے ہو، جیسے سمع، بصر وغیرہ۔

صفاتِ سلبیہ: وہ صفات ہیں جن کی نفی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے فرمائی گئی ہو جیسے عجز، ظلم وغیرہ۔

فائدہ: ان دونوں طرح کی صفات میں صفات ثبوتیہ زیادہ ہیں جیسے علم، حیات وغیرہ اور صفات ثبوتیہ کے بکثرت ہونے کی وجہ سے اس کی دلالت بھی متنوع ہوتی ہے، جس سے موصوف کا کمال زیادہ ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے صفات ثبوتیہ کی خبر صفات سلبیہ کے مقابلے میں زیادہ دی ہے۔ (الصفات الالھیۃ تعریفھا اقسامھا ص:۶۵)

صفات ثبوتیہ کے اقسام

پھر صفاتِ ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) صفاتِ ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ

صفاتِ ذاتیہ: (۱) وہ صفات ہیں جو ارادہ خداوندی اور مشیت خداوندی کے ساتھ متعلق نہ ہو، بلکہ وہ ذاتی ہوں۔

بالفاظ دیگر وہ صفات ہیں جو ذات خداوندی سے جدا نہ ہو؛ بلکہ ازل اور ابد کے اعتبار سے لازم ہو اور ان صفات کے ساتھ مشیت خداوندی اور قدرت خداوندی متعلق نہ ہو، جیسے حیات، قدرت اور علم وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔

☆......امام ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں، صفات ذاتیہ آٹھ ہیں:

{۱} حیات {۲} علم {۳} قدرت {۴} سماعت {۵} بصارت {۶} ارادہ {۷} کلام {۸} تکوین

☆......امام ابوالحسن اشعریؒ کے نزدیک سات ہیں۔

انہوں نے مذکورہ بالا صفات میں سے تکوین کو شمار نہیں کیا ہے۔

صفات فعلیہ: وہ صفات ہیں جن کے ساتھ مشیتِ خداوندی اور قدرت الٰہی ہر وقت اور ہر آن متعلق ہو، اور جن صفات کو مشیتِ خداوندی اور قدرت خداوندی پیدا کرے۔

(الصفات الالٰھیۃ تعریفھا اقسامھا)

☆......صفات خداوندی پر ایک اشکال

اشکال: حدیث پاک میں حکم ہے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ، اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہوجاؤ، جو اخلاق وصفات خدا کی ہیں ان سے متصف ہوجاؤ، ان کو اپناؤ، وہ کریم ہے، تم بھی کریم بنو، وہ رحیم ہے، تم بھی رحیم القلب بنو، وہ حافظ اور حفیظ ہے، تو تم بھی اپنی اور اپنوں کی نگہداشت کرو، وہ معطی حقیقی ہے، تو تم بھی فقیروں کے ساتھ ہمدردی رکھو اور اعطاء کی صفت اختیار کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے کمالات کو اختیار کرو۔

شبہ یہ ہوتا ہے کہ متکبر بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے، تو کیا اس میں بھی تخلق ہونا چاہیے؟ ہر شخص متکبر بنے؟ تو پھر اگر انسان تکبر کرے تو ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہونا تو عین کمال ہے؟

اس کے دو جواب ہیں:

(الف) الزامی جواب (ب) تحقیقی جواب

الزامی جواب: تو یہ ہے کہ تکبر کرنا (معاذ اللہ) بری بات نہیں ہے اور نہ کبر بری چیز ہے، وہ تو صفت خداوندی ہے، البتہ جھوٹ بولنا بری بات ہے، اللہ کے سوا جب کوئی شخص یہ

کہے گا یا دل میں سمجھے گا کہ میں بڑا ہوں تو وہ جھوٹا ہوگا، اس لئے کہ حقیقتاً سب سے بڑی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے، تکبر اسی کی ذات کے لئے سزاوار ہے، وہی ذات فرما سکتی ہے أنا المتکبر، اس سے پتہ چلا کہ حق تعالیٰ کے سوا جو کوئی اپنے آپ کو بڑا سمجھے یا زبان سے متکبر کہے گا؛ وہ جھوٹ بولنے والا ہوگا، گویا حضرت انسان کو تکبر سے منع کر کے جھوٹ سے روکا گیا۔

تحقیقی جواب: (۱) یہ ہے کہ صفت کبریائی، صفات ذاتیہ میں سے ہے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ کا تعلق صفات افعال سے ہے اور صفات افعال کو حاصل کرنے کا حکم ہے نہ کہ صفاتِ ذاتی کو، فلا اشکال ولا اعتراض۔ (خطبات حکیم الاسلام)

(۲) اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اخلاق جن سے انسان متصف ہوسکتا ہے، مثلاً حلم ومروت، رحم دلی وغیرہ، ان میں رب العالمین کے اخلاق اختیار کرو، رہ گئے وہ اخلاق جو صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی، انہیں اختیار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ یہی حال صفت کبر کا بھی ہے کہ حقیقت میں کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، کوئی آدمی اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی کسی بھی درجہ میں برابری نہیں کرسکتا۔ (کتاب النوازل)

نوٹ: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ یہ حدیث نہیں ہے۔

لفظ اللہ کی تحقیق: لفظ اللہ کے بارے میں چند اعتبار سے اختلاف ہے۔

(۱) یہ کلمہ عربی ہے کہ عجمی؟

(۲) یہ کلمہ علم ہے یا صفت؟

(۳) اگر علم ہے تو اصل وضع کے اعتبار سے علم ہے یا غلبۂ علم ہے؟

(۴) مشتق ہے یا غیر مشتق؟

محققین کے نزدیک یہ لفظ عربی ہے اور اصل وضع کے اعتبار سے علم ہے غیر مشتق اور غیر مرکب ہے۔

لفظ اللہ کی خصوصیات

(۱) لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔

(۲) لفظ اللہ اعرف المعارف ہے۔

واقعہ: امام نحو علامہ سیبویہ کا جب انتقال ہوا تو کسی نے انہیں خواب میں دیکھا تو دریافت کیا، کیا حال ہے؟ جواب دیا مغفرت ہوگئی، سبب مغفرت معلوم کیا تو فرمایا کہ میں نے لفظ اللہ کو ''اعرف المعارف'' کہا تھا، اس بنیاد پر مغفرت ہوگئی۔

(۳) دوسرے اسماء تو لفظ اللہ کی صفت واقع ہوتے ہیں، لیکن لفظ اللہ کسی کی صفت واقع نہیں ہوتا۔

(۴) لفظ اللہ کے حروف کو حذف کرتے جایئے آخر تک بامعنی رہتا ہے۔ سب سے پہلے الف کو حذف کردیجئے تو ''للہ'' رہتا ہے، اس کے بعد لام کو حذف کردیں تو ''لہ'' رہتا ہے یہ بھی بامعنی ہے۔ اس کے بعد دوسرے لام کو حذف کردیں تو (ہ) رہتا ہے جس سے اشارہ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

(۵) اللہ، باری تعالیٰ کا وہ نام ہے جو مخلوقات میں سے کسی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔

سوال: لفظ ''ب'' کو براہ راست لفظ اللہ پر داخل کیوں نہیں کیا؟

جواب: (۱) لفظ (ب) مختلف معانی کے لئے آتا ہے، کبھی تیمن وتبرک کے لئے اور کبھی یمین وقسم کے لئے۔ اگر بغیر لفظ اسم کے براہ راست لفظ اللہ پر لفظ ''ب'' داخل کیا جاتا تو شبہ ہوتا کہ کہیں یمین وقسم کے لئے تو نہیں ہے اسی ابہام سے بچنے کے لئے درمیان میں لفظ اسم لایا گیا۔

(۲) قرآن کریم کی متعدد آیات بھی اس پر دال ہیں کہ درمیان میں لفظ اسم لایا جائے جیسے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ، تَبَارَکَ اسْمُکَ، فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ۔

سوال: تسمیہ میں (بسم) آیا ہے حالانکہ قاعدہ ہے ہمزہ وصلیہ درمیان میں ساقط

ہوتا ہے پڑھنے میں نہ کہ کتابت میں اور یہاں پڑھنے اور کتابت دونوں میں حذف کیا ہے؟

جواب: (۱) تسمیہ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور جس چیز کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے وہ چیز تخفیف کو چاہتی ہے، اس لئے تخفیفاً کتابت میں بھی حذف کر دیا۔

(۲) چھوٹی چیز کا تعلق جب بڑی چیز کے ساتھ ہو جاتا ہے تو اس کا مرتبہ بھی بڑھ جاتا ہے اور یہاں اسم کا تعلق لفظ اللہ کے ساتھ ہوا ہے، اس لئے اس کا مرتبہ بھی بڑھ گیا، اس لئے بربنائے تعظیم ہمزہ کو کتابت سے بھی حذف کر دیا۔

الرحمٰن الرحیم

سوال: رحمٰن ورحیم کس سے مشتق ہیں؟

جواب: رحمٰن بروزن فعلان اور رحیم بروزن فعیل، یہ دونوں کلمے کلام عرب میں بطور مبالغہ استعمال ہوتے ہیں۔

سوال: دونوں میں ابلغ کون ہیں؟

جواب: اس میں دو قول ہیں (۱) بعض کے نزدیک رحمٰن ابلغ ہے۔

دلیل: بلاغت کا قاعدہ ہے زیادۃ المبانی تدل علیٰ زیادۃ المعانی (حروف کی زیادتی معنیٰ کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے)

(۲) رحمٰن کے مقابلہ میں رحیم ابلغ ہے۔

دلیل: رحمٰن کے معنی عام الرحمۃ ہیں اور رحیم کے معنی تام الرحمۃ ہیں۔

فائدہ: رحمٰن ذات باری کے ساتھ خاص ہے، اسی وجہ سے رحمٰن کا تثنیہ وجمع نہیں آتا نیز غیر باری تعالیٰ کو دوسرا کوئی لفظ عبد وغیرہ ملائے بغیر رحمٰن کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے۔

رحیم عام ہے، اسی وجہ سے اس کا اطلاق غیر باری تعالیٰ پر دوسرا کوئی لفظ عبد وغیرہ ملائے بغیر بھی جائز ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رحیم کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے قرآن

کریم میں ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پ ۱۱ سورۃ التوبہ)۔

سوال: رحمٰن عربی ہے کہ غیر عربی؟

جواب: اس میں اختلاف ہے (۱) امام مبرد فرماتے ہیں کہ رحمٰن عبرانی زبان کا لفظ ہے، اصل میں لفظ رحمٰن خائے معجمہ کے ساتھ تھا، اہل عرب نے جب اسے استعمال کیا تو خائے معجمہ کو حائے مہملہ سے بدل دیا۔

لیکن یہ قول محض تخمین وظن ہے وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (پ ۱۱ سورۃ یونس)۔

فائدہ: علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس کلمہ کو عجمی قرار دینا وہم ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک لفظ رحمٰن عربی ہے۔

دلیل: (۱) حافظ ابن کثیرؒ نے مختلف اشعار ایسے پیش کئے ہیں جن میں قدیم شعراء نے اس کلمہ کو استعمال کیا ہے اگر عبرانی زبان کا لفظ ہوتا تو قدیم شعراء اس کو استعمال نہ کرتے۔

(۲) حافظ ابن کثیرؒ نے لفظ رحمٰن کے عربی ہونے پر حضرت ابن عباس کا قول بھی نقل کیا ہے۔

الرحمٰن فعلان من الرحمة وهو من كلام العرب سے معلوم ہوا کہ لفظ رحمٰن عربی ہے۔

سوال: رحمٰن مشتق ہے یا غیر مشتق؟

جواب: لفظ رحمٰن کا مشتق یا غیر مشتق ہونا مختلف فیہ ہے۔

(۱) ابن مالک نحوی کے نزدیک لفظ رحمٰن غیر مشتق ہے۔

(۲) ابن خروف کے نزدیک لفظ رحمٰن مشتق ہے۔

دلیل: (۱) رحمٰن کو عام طور پر مشتق مانا جاتا ہے۔

(۲) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انا الرحمٰن، خلقت الرحمة معلوم ہوا کہ یہ کلمہ رحمۃ سے مشتق ہے، اسی لئے علامہ قرطبیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے هذا نص فی الاشتقاق۔

سوال: لفظ رحمٰن منصرف ہے کہ غیر منصرف؟

جواب: اس میں اختلاف ہے (ا) علامہ زمخشری، امام بیضاوی اور ابن مالک نحوی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ رحمٰن غیر منصرف ہے جبکہ بعض حضرات اسے منصرف پڑھتے ہیں۔

دراصل انصراف اور عدم انصراف کی شرط میں اختلاف ہے۔

قاعدہ ہے کہ الف نون زائدتان اگر اسم ذات کے اخیر میں ہوں تو اس کے غیر منصرف بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو اور اگر صفت کے آخر میں ہوں تو اس کے غیر منصرف بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس صفت کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آتا ہو جیسے ندمان منصرف ہے اس لئے کہ اس کا مؤنث ندمانۃ بروزن فعلانۃ آتا ہے، اور اگر اسی ندمان کا مؤنث فعلی کے وزن پر آئے تو غیر منصرف ہوگا، جیسے ندمان بمعنی پشیمان ہونا غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کا مؤنث ندمی آتا ہے۔

یہی بات رحمٰن میں بھی ہے، رحمٰن صفت کا صیغہ ہے اس کے آخر میں الف نون ہے، اب جن کے نزدیک یہ شرط ہے کہ فعلانۃ کے وزن پر اس کا مؤنث نہ آتا ہو ان کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کا مؤنث رحمانۃ نہیں آتا، اور جن کے نزدیک وجود فعلی کی شرط ہے ان کے نزدیک منصرف ہے اس لئے کہ رحمٰن کا مؤنث ہی نہیں آتا۔

فائدہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ کلام فصیح و بلیغ بھی ہے۔

بسملہ باعتبار علم المعانی

سوال: علم المعانی کسے کہتے ہیں؟

جواب: علم المعانی وہ علم ہے جس میں مقتضائے حال کی رعایت کی جائے۔

سوال: مقتضائے حال کسے کہتے ہیں؟

جواب: مقتضائے حال کہتے ہیں حال جس کا تقاضہ کرے۔

سوال: حال کسے کہتے ہیں؟

جواب: حال وہ امر ہے جو اس بات پر ابھارے کہ متکلم اپنے کلام میں کوئی

خصوصیت پیدا کرے۔

سوال: بسملہ میں خصوصیت کیسے پیدا ہوئی؟

جواب: بسملہ میں بسم اللہ الرحمٰن کو فعل پر مقدم کر کے معنی میں تاکید و حصر پیدا کی جس سے کفر و شرک کی تردید کی اور توحید کا اثبات کر کے کلام میں تخصیص پیدا کی جو مقتضائے حال کے مطابق ہے۔

فائدہ: حصر اور تخصیص کے چار طریقے ہیں۔

(۱) عطف کے ذریعہ (۲) نفی اور استثناء کے ذریعہ (۳) اِنَّما کے ذریعہ

(۴) تقدیم ماحقہ التاخیر کے ذریعہ اس لئے کہ قاعدہ ہے **تقدیم ماحقه التاخیر یفیدالحصر و التخصیص۔**

یہاں پر حصر اور تخصیص، تقدیم ماحقہ التاخیر کی بنا پر پائی جا رہی ہے۔

بسملہ باعتبار علم البدیع

علم البدیع: وہ علم ہے جس کے ذریعہ تحسین کلام کے طرق کی معرفت حاصل ہو۔

حسن کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حسنِ لفظی (۲) حسنِ معنوی

حسن لفظی: وہ حسن، جس کا تعلق لفظ سے ہو۔

حسنِ معنوی: وہ حسن، جس کا تعلق معنیٰ سے ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حسنِ معنوی کے چار طریقے۔

(۱) توریہ (۲) صنعتِ استخدام (۳) صنعت ادماج (۴) صنعتِ مذہب کلامی۔

(۱) توریہ: کسی لفظ کے دو معنیٰ ہوں، معنیٰ قریب، معنیٰ بعید، معنیٰ قریب کو چھوڑ کر معنی بعید مراد لینا۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں توریہ کیسے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تو ریہ اس طرح ہے کہ رحمٰن اور رحیم کے دو معنیٰ ہیں (۱) رقتِ قلب یہ معنیٰ قریب ہے (۲) تفضّل واحسان یہ معنیٰ بعید ہے۔

اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں معنیٰ بعید مراد ہے۔

سوال: معنیٰ قریب، رقتِ قلب کیوں مراد نہیں لے سکتے؟

جواب: کیونکہ رقتِ قلب مراد لینا محال ہے۔

سوال: رقتِ قلب مراد لینا کیوں محال ہے؟

جواب: رقتِ قلب مراد لینا اس لئے محال ہے کہ قلب کے لئے رقت، ضعف کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے اس لئے معنیٰ بعید تفضّل واحسان مراد ہے۔

(۲) صنعتِ استخدام: ایک لفظ کے دو معنی ہوں، جب وہ لفظ ذکر کیا جائے تو ایک جگہ ایک معنی مراد ہو اور جب اسی لفظ کو دوسری مرتبہ ذکر کیا جائے تو دوسرے معنیٰ مراد ہوں جیسے قرآن کریم میں فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ہے اس میں ایک لفظ شھر ہے، اس سے ہلالِ رمضان مراد ہے اور فَلْيَصُمْهُ کی (ہ) ضمیر جو الشَّهْرَ کی طرف لوٹتی ہے اس سے مراد ماہ رمضان ہے چنانچہ ترجمہ ہوگا پس جو شخص رمضان کا چاند دیکھے اسے چاہیے کہ رمضان کے روزے رکھے۔

یا کلام میں ایک لفظ ہو اور اس کی طرف دو ضمیریں لوٹ رہی ہوں ضمیر اول سے کوئی اور معنی مراد ہو اور دوسری ضمیر سے دوسرے معنیٰ مراد ہوں جیسے شاعر کا شعر

فسقى الغضا والساكنيه وإن هم ... شبوه بين جوانحي وقلوبي۔

ترجمہ: پس سیراب کرے بارش شجرِ غضا کو اور اس کے اردگرد رہنے والے باشندوں کو۔ اگرچہ ان لوگوں نے آگ بھڑکائی ہے میرے پہلو اور قلوب کے درمیان۔

جیسے مذکورہ مثال میں الغضا (شجر نار) ایک لفظ ہے اس کی طرف الساکنیہ کی (ہ) ضمیر بھی لوٹتی ہے اور شبوہ کی (ہ) ضمیر بھی لیکن اول ضمیر سے مراد اہل غضا ہے اور دوسری ضمیر سے نار (آگ) مراد ہے۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ استخدام کیسے ہے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعت استخدام اس طرح ہے کہ تین لفظ ہے(۱)اللہ(۲)الرحمٰن(۳)الرحیم

جب اللہ بولا گیا تو اس سے لفظ اللہ مراد ہے، اور جب الرحمٰن الرحیم بولا گیا تو اس میں جو ضمیر ہے اس کے ذریعہ ذات اللہ کو مراد لیا گیا، اسی کو صنعت استخدام کہا جاتا ہے۔

(۳)صنعت ادماج: ایک کلام کسی مقصد کے لئے بولا جائے اور اس کلام سے اس کے علاوہ دوسرا مقصد بھی سمجھ میں آئے۔

سوال: سم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ ادماج کیسے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعت ادماج اس طرح ہے کہ بسملہ سے مقصد اصلی تبرک اور مدد حاصل کرنا ہے، لیکن اس کے ساتھ اللہ کی تعریف بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جس ذات کے نام سے مدد اور برکت حاصل کی جارہی ہے یقیناوہ رحمٰن ورحیم ہے۔

(۴)صنعتِ مذہب کلامی (اس کا دوسرا نام القول بالموجب ہے)۔

(۱)دعویٰ کی دلیل اہل کلام کے طریق پر پیش کی جائے۔

(۲)دعوی کو دلیل کے ساتھ پیش کرنا۔

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ مذہب کلامی کیسے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں صنعتِ مذہب کلامی اس طرح ہے کہ آپ نے کہا میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، یہ دعوی ہو گیا اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے گویا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ لاابتدء الابسم اللہ ، لانہ الرحمٰن الرحیم کی قوت میں ہے لہذا یہ دعوی مع دلیل ہو گیا۔

بسملہ باعتبار علم العقائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ باری تعالی کا علم ہے، جس کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

المحدث للعالم هو الله تعالى الواحدالقديم الحى القادر العليم السميع البصير المريدالخ

پھر بسملہ میں اللہ تعالی کی دوصفات ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' مذکور ہیں۔ اور صفات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ''له صفات ازلية قائمة بالذات وهي لا هو ولا غيره۔

فضائل تسمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بےانتہاء بابرکت کلمہ ہے، اس کے اہتمام سے اعمال میں برکت پیدا ہوتی ہے، آفات و بلیات سے حفاظت ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد ''بسم اللہ'' ہے (فسّره الزہری) اور حضرت وکیعؒ، ابن مسعودؓ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

من اراد ان ينجيه الله من الزبانية التسعة عشر فليقرء بسم الله الرحمٰن الرحيم ليجعل الله له بكل حرف منها جنة من كل واحد (جو شخص یہ چاہے کہ ان انیس فرشتوں کی تکلیف سے محفوظ رہے جو بفرمان الٰہی عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ دوزخ پر مقرر ہیں وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرے)۔

دوزخ پر مقرر فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حروف بھی انیس ہیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ایک ایک حرف پڑھنے سے ایک ایک فرشتے کے عذاب سے حفاظت ہوجائے گی۔

خصائص بسم اللہ

(۱) جو کوئی شخص یکم محرم الحرام کو تیرہ مرتبہ تسمیہ لکھ کر تعویذ بنا کر رکھے، وہ اشرار کی شرارتوں اور اہل جور کے ظلم و آفات سے محفوظ رہے گا (ذکرہ البیجوری فی شرح الشمائل)۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو رحمٰن ہے، اسے کوئی پچاس مرتبہ لکھے اور بازو پر باندھ لے تو وہ ظالم بادشاہ اور ظالم حاکم کی پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔

تاثیر تسمیہ

امام بیجوریؒ نے شرح شمائل ترمذی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر کلام کرتے ہوئے اس کی تاثیر کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے تفصیل جس کی یہ ہے کہ ملک روم کے کسی بادشاہ کے سر میں سخت درد رہتا تھا، علاج کرواتا مگر مرض سے افاقہ نہ ہوتا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ناچار اس نے اپنی تکلیف کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی اور علاج کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیج دی، اس نے ٹوپی سر پر پہن لی۔ جب تک وہ ٹوپی سر پر رہتی تب تک سر میں درد نہ ہوتا اور جب ٹوپی سر سے اتار دیتا تو پھر شروع ہو جاتا۔

بادشاہ پریشان ہوا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ ٹوپی کھول کر دیکھا تو اس میں ایک تعویذ نکلا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ روم نے کہا کہ جس مذہب کے ایک کلمہ میں اتنی بڑی تاثیر ہے وہ مذہب کتنا رفیع اور وقیع ہوگا چنانچہ اس نے اسلام کو قبول کر لیا۔

تسمیہ کے فقہی احکام

بسملہ سے متعلق پانچ احکام ہیں۔

(۱) فرض: ذبح اور رمی صید کے وقت بسملہ پڑھنا فرض ہے، قصداً ترک کرنا حرام ہے۔

(۲) واجب: شیخ ابن ہمامؒ کے نزدیک ابتدائے وضوء میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔

(۳) سنت: جمہور احناف کے نزدیک وضوء سے قبل تسمیہ سنت ہے۔

(۴) مستحب: ہر مہتم بالشان کام سے پہلے تسمیہ پڑھنا یا لکھنا مستحب ہے۔

(۵) حرام: حرام کام کے وقت تسمیہ پڑھنا حرام ہے۔

(۶) مکروہ: محل نجاست اور اماکن مستقذرات میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

سوال: کتب اشعار کے شروع میں بسم اللہ لکھنا کیسا ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں تین قول ہیں۔

(۱) مکروہ ہے جیسا کہ ''علامہ ابن حجرؒ اور علامہ زرقانیؒ نے فرمایا۔

(۲) مطلقاً جائز ہے یہ قول جمہور علماء کا ہے۔

(۳) اس میں تفصیل ہے۔ کہ جس طرح کلامِ منثور کی دو قسمیں ہیں (۱) حسن (۲) قبیح اسی طرح کلامِ منظوم کی بھی دو قسمیں ہیں، جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے، الشعر کلام حسنه حسن و قبیحه قبیح چنانچہ اگر اشعار کا مضمون اچھا ہو تو اشعار بھی اچھے شمار ہوں گے، اس اعتبار سے اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنا جائز ہوگا اور اگر اشعار کا مضمون اچھا نہیں ہے تو وہ اشعار بھی اچھے نہیں ہوں گے، اس اعتبار سے اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنا جائز نہ ہوگا۔

ترکیب بسم اللہ

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ موصوف، الرحمٰن صفت اول، الرحیم صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ اسم مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر با حرف جار کا مجرور، اس صورت میں اللہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور اور الرحمٰن اور الرحیم صفت ہونے کی وجہ سے تبعاً مجرور ہیں۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ موصوف، الرحمٰن معطوف علیہ، الرحیم معطوف واو عاطفہ کے اسقاط کے ساتھ، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر اللہ موصوف کی صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ''ب'' حرف جار کا مجرور اس صورت میں عطف مفرد علی المفرد ہوگا اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی (بسم اللہ الرحمٰن و الرحیم)۔

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ مبدل منہ، الرحمٰن موصوف، الرحیم صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر بدل الکل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر با حرف جار کا مجرور، اس صورت میں اللہ مجرور ہے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور الرحمٰن تبعا مجرور ہے اللہ کا بدل ہونے کی وجہ سے اور الرحیم تبعا مجرور ہے موصوف کی صفت ہونے کی وجہ سے، اس صورت میں الرحیم صفت ہوگی الرحمٰن کی نہ کہ اللہ کی، اس لئے کہ اگر الرحیم کو اللہ کی صفت بنائیں تو دو خرابیاں لازم آئے گی، ایک یہ کہ بدل کا مبدل منہ کی صفت پر مقدم ہونا لازم آئے گا، اور دوسری یہ کہ موصوف اور صفت کے درمیان فصل ہو جائے گا۔

(۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا با حرف جار کا، ھو مبتدا محذوف، الرحمٰن خبر اول، الرحیم خبر ثانی، اس صورت میں دونوں صفتوں کو موصوف سے قطع کر کے مبتدا محذوف کی خبر بنا کر مرفوع پڑھیں گے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی (بسم اللہ ھو الرحمٰن الرحیم)۔

(۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ با حرف جار، اسم مضاف، اللہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا با حرف جار کا، أَعْنِي فعل با فاعل محذوف، الرحمٰن، الرحیم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

فائدہ: اول تین ترکیبوں کے اعتبار سے الرحمٰن، الرحیم مجرور ہے اور آخری دو ترکیبوں کی صورت میں دونوں صفتوں الرحمٰن، الرحیم کو موصوف سے قطع کر کے یا تو مبتدا محذوف کی خبر بنا کر مرفوع پڑھیں گے یا فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھیں گے، اس لئے کہ نحویوں کا اصول ہے کہ اگر صفت سے مدح مقصود ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ اس کو موصوف سے قطع کر دیا جائے، کیونکہ صفت کو قطع کرنے سے موصوف کی تعیین ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ قرآن کریم میں جر کے ساتھ ہے، اس لئے اس کی اتباع ضروری ہے۔

سوال: بسملہ میں با کا متعلق مقدم ہے یا مؤخر؟

جواب: پانچوں ترکیبوں میں باحرف جار اپنے مجرور سے متعلق ہوگا؛ لیکن اس کا متعلق مقدم ہوگا یا مؤخر، اس بارے میں علماء اس بات پر متفق ہیں کہ متعلق کو مقدم اور مؤخر دونوں طرح ماننا صحیح ہے۔ چنانچہ دونوں طرح کی مثالیں ملتی ہیں (۱) اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ میں متعلق مقدم ہے۔اور (۲) باسمک ربی وضعت جنبی و بک ارفعه ان امسکت نفسی فاغفر لها و ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحین میں متعلق مؤخر ہے۔

البتہ اولیٰ کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔

علامہ جار اللہ زمخشریؒ نے متعلق کو مؤخر مانا ہے۔

اس کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا نام ذاتی طور پر فعل سے مقدم ہے تو مناسب یہ ہے کہ ذکر کے اعتبار سے بھی باری تعالیٰ کا نام متعلق پر مقدم ہو۔

(۲) عامل (متعلق منہ فعل) اور متعلق (اسم) میں سے متعلق اہم ہے، اس لئے کہ کفار اپنے معبودوں کے نام سے کاموں کو شروع کیا کرتے تھے اور کہتے تھے "باسم اللات" اور "باسم العزی" تو اس کے خلاف کرنا واجب ہے؛ کہ کسی کام کو شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے اختصاص کا قصد کرے اور اختصاص کا قصد اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ متعلق (اسم) کو مقدم کر کے عامل کو مؤخر کرے جیسے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" میں اسم کو مقدم کر دیا ہے اختصاص کی وجہ سے۔

سوال: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ" میں فعل (عامل) کو مقدم کیوں کیا؟

جواب: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ" میں فعل (عامل) کو مقدم اس لئے کیا کہ اس مقام پر فعل کی تقدیم زیادہ مناسب ہے۔

کلمہ کی تعریف

اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ۔

ترجمہ: کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

مختصر تشریح

اس عبارت میں مصنفؒ نے کلمہ کی تعریف کی ہے۔کلمہ: منھ سے بولی ہوئی وہ بات ہے جو کسی ایک (تنہا) معنی کے لئے وضع کی گئی ہو (لفظ کے ٹکڑے کرنے سے وہ بات سمجھ میں نہ آئے جو پہلے سمجھ میں آتی تھی) جیسے قلم، کراسۃ اور عبداللہ نام ہونے کی حالت میں۔

فائدہ: علامہ زمخشریؒ کے نزدیک کلمہ ہونے کے لئے لفظ بھی ایک ہونا ضروری ہے، جب لفظ ایک ہوگا تو معنی بھی لامحالہ ایک ہوگا اور اگر لفظ متعدد ہیں اور معنی ایک ہیں تو وہ کلمہ نہیں، جیسے عبداللہ نام ہونے کی حالت میں ان کے نزدیک کلمہ نہیں، کیونکہ وہ دو لفظ ہیں، اگرچہ اس کے معنی ایک ہیں۔

اور مصنفؒ کے نزدیک لفظ ایک ہونا ضروری نہیں صرف معنی مفرد (ایک) ہونا ضروری ہے۔پس عبداللہ نام ہونے کی حالت میں بھی کلمہ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلمہ کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام کے احوال ہیں اور احوال سے مراد معرب ہونا، مبنی ہونا وغیرہ ہے، تو کتاب کا آغاز معرب اور مبنی سے کرنا چاہئے حالانکہ صاحب کتاب نے کلمہ اور کلام کی تعریف سے کیا؟

جواب: کلمہ اور کلام بمنزلۂ ذات کے ہیں اور اسکے احوال (معرب اور مبنی ہونا) یہ بمنزلۂ وصف کے ہیں اور وصف کا پہچاننا موقوف ہے ذات پر جب تک ذات کی پہچان نہیں ہوگی وصف کی پہچان نہیں ہوسکتی گویا معرب اور مبنی ہونا بمنزلہ موقوف ہے اور کلمہ اور کلام بمنزلہ موقوف علیہ کے ہیں اور موقوف علیہ پہلے ہوتا ہے اور موقوف بعد میں، اس لئے صاحب کافیہؒ نے پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف بیان کی۔

سوال: کلمہ اور کلام یہ دونوں ہی نحو کے موضوع ہیں تو پھر تعریف میں کلمہ کو مقدم کیوں کیا اور کلام کو مؤخر کیوں کیا؟

جواب: (۱) کلمہ بمنزلۂ مفرد کے ہے اور کلام بمنزلۂ مرکب کے ہے اور مفرد، مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

جواب: (۲) کلام میں کلمہ کا ہونا ضروری ہے گویا کلمہ یہ کلام کا جزء ہے اور کلام یہ کل ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا۔

سوال: کلمہ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے زید یہ کلمہ ہے اسلئے کہ ایک ہی ذات کے لئے اس کو وضع کیا گیا ہے۔

سوال: الکلمۃ میں کتنی بحثیں ہیں اور کون کونسی؟

جواب: الکلمۃ میں چار بحثیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے؟ (۲) الکلمۃ کا مشتق منہ کیا ہے یہ کس سے ماخوذ ہے اور مشتق منہ و مشتق میں مناسبت کیا ہے؟ (۳) الکلمۃ کونسا صیغہ ہے؟ (۴) الکلمۃ میں تاء کونسی ہے؟

بحث (۱)

سوال: الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے اسکو سمجھنے کے لئے الف لام کے اقسام کو جاننا ضروری ہے۔

5

چنانچہ الف لام کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) الف لام اسمیہ (۲) الف لام حرفیہ

الف لام اسمیہ کی تعریف: الف لام اسمیہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہو جیسے الضارب ای الذی ضَرَبَ اور المضروب ای الذی ضُرِبَ۔

الف لام حرفیہ کی تعریف: الف لام حرفیہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل نہ ہو۔

الف لام حرفیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) الف لام زائدہ (۲) الف لام غیر زائدہ۔

الف لام زائدہ کی تعریف: الف لام زائدہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو ایسے علم پر داخل ہو جس میں وصف کے معنی پائے جاتے ہو اور وہ حسن پیدا کرنے کے لئے ہو اور اس کا معنی میں کوئی دخل نہ ہو جیسے الحسن، الحسین۔

الف لام غیر زائدہ کی تعریف: الف لام غیر زائدہ ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو حسن پیدا کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ کوئی نہ کوئی معنی پیدا کرتا ہو۔

الف لام غیر زائدہ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) الف لام استغراقی (۲) الف لام جنسی (۳) الف لام عہد خارجی (۴) الف لام عہد ذہنی۔

(۱) الف لام استغراقی: ایسے الف لام کو کہتے ہیں جو تمام افراد کو شامل ہو جیسے ان الانسان لفی خسر میں الانسان کا الف لام استغراق کا ہے، اس لئے کہ یہاں تمام انسان کے افراد مراد ہے۔

(۲) الف لام جنسی: ایسے الف لام کو کہا جاتا ہے جو حقیقت و ماہیت پر دلالت کرتا ہو جیسے الرجل خیر من المرءة (مرد کی مردانیت، عورت کے زنانہ پن سے بہتر ہے) میں الرجل اور المرءة میں الف لام جنس کا ہے، اس لئے کہ رجل سے اس کی جنس مردانگی اور زنانہ پن مراد ہے نفس مرد اور مرءة سے نفس عورت مراد نہیں۔

(۳) الف لام عہد خارجی: ایسے الف لام کو کہا جاتا ہے جس کا معہود گذر چکا ہو اوراس کا مدلول متعین ہو جیسے فَعَصىٰ فِرعونُ الرَّسولَ (پ ۲۹ المزمل) میں الرسول کا الف لام عہد خارجی ہے اس کا معہود حضرت موسیٰ علیہ السلام متعین ہے۔

(۴) الف لام عہد ذہنی: اس الف لام کو کہتے ہیں جس کا معہود متعین نہ ہو غیر متعین ہو جیسے فَأَخَافُ أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ (پ ۱۲ یوسف) میں الذِّئبُ کا الف لام عہد ذہنی کا ہے، اس لئے کہ الذِّئبُ سے کوئی خاص بھیڑیا مراد نہیں بلکہ کوئی بھی بھیڑیا مراد ہے۔

سوال: الکلمۃ میں الف لام کونسا ہے اسمیہ یا حرفیہ؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام حرفیہ ہے، الف لام اسمیہ نہیں ہے۔

سوال: الف لام اسمیہ کیوں نہیں ہوسکتا؟

جواب: الف لام اسمیہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور الکلمہ نہ اسم فاعل ہے اور نہ اسم مفعول ہے اس لئے الف لام اسمیہ نہیں ہوسکتا۔

سوال: الکلمۃ میں الف لام زائدہ ہے یا غیر زائدہ؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام زائدہ نہیں ہے غیر زائدہ ہے۔

سوال: الف لام زائدہ کیوں نہیں، غیر زائدہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) الف لام زائدہ علم پر داخل ہوتا ہے اور الکلمۃ علم نہیں ہے، اس لئے الف لام زائدہ نہیں ہوسکتا۔

جواب: (۲) الف لام زائدہ مانتے تو الکلمۃ نکرہ بن جاتا حالانکہ الکلمۃ مبتدا بنتا ہے اور مبتدا کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے، اس لئے بھی یہ الف لام زائدہ نہیں ہے۔

سوال: الف لام غیر زائدہ کی بہت ساری قسمیں ہیں یہاں کونسی قسم مراد ہے؟

جواب: بعض شارحین نے الف لام جنسی کو مراد لیا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تعریف، شئی کی حقیقت و ماہیت کی ہوتی ہے اور بعض حضرات نے الف لام عہد خارجی مراد لیا ہے گویا وہ مخصوص کلمہ مراد ہے، جس کو نحویوں کی اصطلاح میں کلمہ کہتے ہیں۔

سوال: الف لام استغراقی کیوں مراد نہیں لیا؟

جواب: الف لام استغراقی افراد پر دلالت کرتا ہے اور یہاں مصنف کلمہ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور تعریف، ماہیت اور حقیقت کی کی جاتی ہے اور حقیقت و ماہیت کا مفہوم استغراق میں نہیں پایا جاتا بلکہ جنس میں پایا جاتا ہے۔

سوال: الف لام عہد ذہنی کیوں مراد نہیں لیا؟

جواب: الف لام عہد ذہنی میں معہود متعین نہیں ہوتا نیز الف لام عہد ذہنی، بمنزلہ نکرہ کے ہے اگر کلمہ میں الف لام عہد ذہنی مانیں گے تو یہ نکرہ ہو جائے گا حالانکہ الکلمۃ مبتدا ہے اور مبتدا کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

بحث (۲)

سوال: کلمہ کس سے مشتق ہے؟

جواب: کلمہ کَلْمٌ (بفتح الکاف وسکون اللام) سے مشتق ہے بمعنی زخم کے۔

سوال: کلام یہ کس سے مشتق ہے؟

جواب: کلام یہ بھی کَلْمٌ (بفتح الکاف وسکون اللام) سے مشتق ہے۔

سوال: کلمہ اور کلام جب دونوں کَلْمٌ سے مشتق ہے تو مشتق و مشتق منہ کے درمیان مناسبت کیا ہے؟

جواب: مشتق اور مشتق منہ کے درمیان کبھی تو دلالت مطابقی کے طور پر، کبھی تو دلالت تضمنی کے طور پر اور کبھی دلالت التزامی کے طور پر مناسبت پائی جاتی ہے۔

فائدہ: دلالت مطابقی: کل بول کر کل مراد لیا جائے جیسے میں نے گاڑی خریدی تو اس مثال میں لفظ گاڑی سے مکمل گاڑی مراد ہے۔

دلالت تضمنی: کل بول کر جز مراد لیا جائے جیسے گاڑی خراب ہوئی اس مثال میں لفظ گاڑی سے پوری گاڑی کا خراب ہونا مراد نہیں ہے بلکہ ایک جز کا خراب ہونا مراد ہے۔

دلالت التزامی: کل بول کر نہ کل مراد لیا جائے نہ جز بلکہ لازم معنیٰ مراد لیا جائے جیسے

زید گدھا ہے اس مثال میں گدھا بول کر نہ گدھے کا کل مراد ہے نہ گدھے کا جز مراد ہے بلکہ اس کا لازم بے وقوف ہونا مراد ہے۔

۞ کَلْمٌ، مشتق منہ ہے اور کلمہ و کلام مشتق ہے، دونوں کے مابین دلالت التزامی کے طور پر مناسبت پائی جاتی ہے۔

سوال: دلالت التزامی کے طور پر کیسے مناسبت پائی جاتی ہے؟

جواب: دلالت التزامی کے طور پر مناسبت اس طرح پائی جاتی ہے کہ کَلْمٌ کے معنی زخم کے آتے ہے اور کلمہ و کلام کے معنی گفتگو اور بات چیت کے آتے ہیں، انسان بعض مرتبہ ایسی گفتگو اور بات کرتا ہے جس سے وہ مخاطب کے دل کو رنجیدہ (زخمی) کر دیتا ہے، جیسا کے ایک شاعر کا شعر ہے

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَ لَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

ترجمہ: تلوار کا گھاؤ تو بھر جاتا ہے اور جو زبان سے زخم ہوتا ہے یہ نہیں بھرتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ شعر حضرت علیؓ کا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، البتہ حضرت علیؓ کا ایک دوسرا شعر ہے، جو اسی مضمون کا ہے۔

كُلُّ جِرَاحَةٍ فَلَهَا دَوَاءٌ سُوْءُ الْخَلْقِ لَيْسَ لَهُ دَوَاءٌ

ترجمہ:: ہر زخم کے لئے دواء ہے مگر بد اخلاقی کہ اسکی کوئی دواء نہیں ہے۔

بحث (۳)

سوال: الکلم کونسا صیغہ ہے اسم جمع ہے یا اسم جنس ہے؟

جواب: اس میں دو قول ہیں: (۱) بصریین فرماتے ہیں کہ اسم جنس ہے۔

سوال: اسم جنس کسے کہتے ہیں؟

جواب: اسم جنس کہتے ہیں ہر وہ اسم جو قلیل و کثیر پر دلالت کرے۔

(۲) کوفیین فرماتے ہیں کہ اسم جمع ہے۔

سوال: اسم جمع کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو مافوق الاثنین پر دلالت کرے۔

فائدہ: اسم جمع اور جمع کے مابین تین اعتبار سے فرق ہے۔

اسم جمع: (۱) جو مافوق الاثنین پر دلالت کرے مگر جمع کے وزن پر نہ ہو، خواہ اس کا مفرد ہو یا نہ ہو، برخلاف جمع کے جو مافوق الاثنین پر دلالت کرے، جمع کے وزن پر ہو اور اس کا مفرد بھی ہو۔

(۲) اسم جمع کی تصغیر کے لئے اس کے مفرد کی طرف لوٹانا ضروری نہیں ہے، برخلاف جمع کے، اس میں تصغیر کے لئے اس کے مفرد کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔

(۳) اسم جمع خلافِ قیاس کے قبیل سے ہے، برخلاف جمع کہ وہ قیاس کے موافق ہے۔

سوال: بصریین کی دلیل کیا ہے؟

جواب: بصریین کہتے ہیں کہ اگر کلم، اسم جمع کا صیغہ ہوتا تو قرآن کریم کی آیت ''اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ'' میں اَلطَّیِّبُ کے بجائے جمع کا صیغہ ہوتا، اس لئے کہ اَلْکَلِمُ یہ موصوف ہے اور اَلطَّیِّبُ اس کی صفت ہے اور موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں اَلطَّیِّبُ مفرد ہے، مطلب یہ ہوا کہ اَلْکَلِمُ بھی مفرد ہے اور وہ اسم جنس ہے، اسم جمع نہیں ہے۔

کوفیین کی طرف سے بصریین کی دلیل کا جواب: کوفیین، حضرات بصریین کی دلیل کا جواب دیتے ہیں کہ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (پ ۲۲ الفاطر) میں الطَّیِّبُ یہ الْکَلِمُ کی صفت نہیں ہے بلکہ الطَّیِّبُ سے پہلے بعض جو اس کا موصوف ہے، محذوف ہے جب موصوف محذوف بعض یہ مفرد ہے تو الطَّیِّبُ صفت یہ بھی مفرد لائے۔

سوال: کوفیین کی دلیل کیا ہے؟

جواب: کوفیین فرماتے ہیں کہ کلم اسم جمع ہے، اس لئے کے اس کا اطلاق تین اور تین سے زائد پر ہوتا ہے نہ کہ اس سے کم دو اور ایک پر، اگر یہ اسم جنس ہوتا تو قلیل و کثیر دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اسم جمع ہے۔

بصریین کی طرف سے کوفیین کی دلیل کا جواب: بصریین فرماتے ہیں کہ کلم یہ اسم

جنس ہے، واضع نے اس کو اسم جنس کے لئے وضع کیا ہے لیکن استعمال تین اور تین سے زائد میں ہوتا ہے اور اعتبار وضع کا ہوتا ہے نہ کہ استعمال کا۔

بحث (۴)

سوال: الکلمۃ میں تاء کونسی ہے؟

جواب: الکلمۃ میں تاء وحدت کی ہے۔

سوال: الکلمۃ میں تعارض کیسے پایا جاتا ہے؟

جواب: الکلمۃ میں الف لام جنسی ہے اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر افراد پر ہوتا ہے جیسے پانی کا ایک قطرہ ہو تو اس کو بھی پانی کہیں گے اور ایک ڈول پانی ہو تو اسے بھی پانی کہیں گے، گویا الف لام جنسی تعمیم کا تقاضہ کرتا ہے اور الکلمۃ میں جو گول ۃ ہے، وہ وحدت کا تقاضہ کرتی ہے اور وحدت میں تخصیص ہوتی ہے اور تعمیم و تخصیص کے درمیان تعارض ہے۔

جواب: الکلمۃ میں گول (ۃ) وحدت نوعی یا جنسی ہے، جس میں تعمیم پائی جاتی ہے، اعتراض تو اس وقت ہوتا جبکہ وحدتِ شخصی مراد ہوتی، اب الف لام جنسی میں بھی تعمیم اور ''ۃ'' میں بھی تعمیم تو کوئی سوال نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ ''ۃ'' جو وحدت کے لئے آتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وحدت شخصی ہی کا نام وحدت فردی ہے، جو ایک فرد پر دلالت کرے، جیسے سلمۃ۔

(۲) وحدت نوعی جو بہت سارے افراد پر دلالت کرے جن کی حقیقت ایک ہو جیسے انسان۔

(۳) وحدت جنسی جو بہت سارے افراد پر دلالت کرے لیکن سب کی حقیقت الگ ہو جیسے حیوان۔

سوال: الکلمۃ مبتدا مؤنث ہے اور ''لفظ'' خبر مفرد، مذکر ہے اور مبتدا اور خبر دونوں میں مطابقت ضروری ہے، اور یہاں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: (۱) مبتدا اور خبر دونوں میں مطابقت اس وقت ضروری ہے جبکہ مبتدا کی خبر اسمائے مشتقات میں سے ہو اور ''لفظ'' تو اسم جامد ہے، اسمائے مشتقات میں سے نہیں ہے لہذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جواب: (۲) لفظ، ملفوظة کے معنی میں ہے جو کہ اسم مشتق ہے۔

سوال: الکلمة یہ مبتدا ہے لفظٌ یہ اسکی خبر ہے اور لفظٌ مصدر ہے اور مصدر کو مبتدا کی خبر بنانا درست نہیں ہوتا، اس لئے کہ مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں جیسے ''زیدٌ علمٌ'' نہیں کہہ سکتے، اسی طرح الکلمةُ لفظٌ بھی نہیں کہہ سکتے؟

جواب: لفظٌ جو مصدر ہے یہ ملفوظٌ کے معنی میں ہے اور ملفوظٌ اسم مفعول ہے لہذا حمل درست ہو جائے گا۔

سوال: لفظٌ کو ملفوظٌ (اسم مفعول) کے معنی میں کیوں لیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں آتا ہے، اس لئے لفظٌ کو ملفوظٌ (اسم مفعول) کے معنی میں لیا۔

سوال: مکتب میں بچوں کو پڑھاتے ہیں اول کلمہ طیبہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ تو کلام ہے، اسکو کلمہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) کلمہ کا استعمال مجازاً کبھی جملہ کے لئے بھی ہوتا ہے۔

سوال: کیا آپ ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جس میں کلمہ جملہ کے معنی میں استعمال ہوا ہو؟

جواب: آیت کریمہ مثلاً کَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (پ ۱۳ ابراھیم) میں کلمہ کا اطلاق جملہ پر ہوا ہے۔

(۲) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ جملہ بمنزلۂ علَم کے ہے ایمان کے لئے اور علَم یہ مفرد کے درجہ میں ہوتا ہے اس لئے کلمہ کہنا درست ہے۔

لَفْظٌ

اس میں دو بحثیں ہیں۔

(۱) لفظ کے لغوی معنی (۲) لفظ کے اصطلاحی معنی۔

(۱) لغوی معنی: لفظ، یہ مصدر ہے اس کے لغوی معنی آتے ہیں پھینکنا۔

پھینکنے کی عقلی طور پر چار صورتیں ہیں۔

(الف) منھ سے الفاظ پھینکنا جیسے لفظتُ (میں نے بولا)۔

(ب) منھ سے الفاظ کے علاوہ کسی اور چیز کو پھینکنا جیسے اکلت التمرة و لفظت النواة (میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی کو پھینک دیا)۔

(ج) غیر منھ سے غیر لفظ کو پھینکنا جیسے چکی سے آٹا کو پیسنا چکی یہ غیر منھ ہے اور آٹا یہ غیر لفظ ہے۔

(د) غیر منھ سے لفظ کو پھینکنا جیسے ٹیپ ریکارڈر سے آواز کا نکلنا۔

(۲) اصطلاحی معنی:

لفظ کی اصطلاحی تعریف: ما يتلفظ به الانسان قليلا كان أو كثيرا مهملا كان أو موضوعا، حقيقة كان أو حكما مفردا كان أو مركبا۔

ترجمہ: لفظ، جس کا انسان تلفظ کرے چاہے قلیل ہو یا کثیر، چاہے مہمل ہو یا موضوع، چاہے حقیقۃً ہو یا حکماً اور چاہے مفرد ہو یا مرکب۔

فائدہ: حکماً جیسے اضرب زیدا میں اضرب کے اندر أنت ضمیر پوشیدہ ہے جب اضرب کہا تو اس نے حکماً انت بھی کہہ دیا۔

سوال: لفظ کی اصطلاحی تعریف میں الانسان کی قید لگائی جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جس چیز کا تلفظ کرتا ہے اسی کو لفظ کہا جائے گا تو کیا اللہ کے کلام، فرشتے اور جنات کے کلام کو لفظ نہیں کہا جائے گا؟

جواب: لفظ کی اصطلاحی تعریف میں الانسان کی قید لگانے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اس لئے کہ جن اور فرشتوں کے کلام کو جب انسان اپنی زبان سے ادا کرے گا تو ما یتلفظ به الانسان میں ہی شمار ہوگا۔

فائدہ: جنات کے کلام کی مثال: حرب بن امیہ کے گھر میں ایک سانپ نکل آیا، جس کو مار دیا گیا، یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنات تھا، جب آپ صبح کے وقت قضائے حاجت کے لئے گئے تو جنات میں سے ایک جنات نے چیخ ماری تو ان کی روح پرواز ہوگئی، جب ان کے بھائی ان کو ڈھونڈھنے نکلے تو ایک جن شعر پڑھ رہا تھا۔

قَبْرُ حَرْبٍ بِمَكَانٍ قَفْرٍ وَ لَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ

ترجمہ: حرب کی قبر مکان قفر میں ہے اور حرب کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں ہے۔

فائدہ: فرشتوں کے کلام کی مثال:

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهْرًا فِي لَبَن لِعَلِيٍّ وَ حُسَيْنٍ وَ حَسَنٍ

ترجمہ: جنت میں ایک نہر دودھ کی ہے، جو علی اور حسن و حسین کے لئے ہے۔

وُضِعَ

اس میں دو بحثیں ہیں (۱) لغوی معنیٰ (۲) اصطلاحی معنیٰ

(۱) لغوی معنیٰ: یہ وضع سے مشتق ہے جس کے معنیٰ ''نمودن'' ظاہر کرنا، واضح کرنا، تخصیص کرنا، کے آتے ہیں۔

(۲) اصطلاحی معنیٰ: اصطلاح میں وضع کہا جاتا ہے ''تخصیص شیء بشي بحيث متى اطلق او احس الشيء الأول فهم منه الشيء الثاني''

ترجمہ: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب شئ اول بولی جائے یا محسوس کی جائے تو شئ ثانی سمجھ میں آ جائے جیسے لفظ کافیہ کو مخصوص کتاب کے ساتھ خاص کر دیا، اب جب بھی کافیہ کا لفظ بولا جائے گا تو مخصوص کتاب کافیہ ہی سمجھ میں آئے گی نہ کہ کوئی اور کتاب۔

سوال: من، فی، الی وغیرہ جو کہ حروفِ جارہ ہیں، جو مخصوص معنیٰ کے لئے وضع کئے گئے ہیں، اس کے باوجود جب یہ حروف بولے جاتے ہیں تو شئ ثانی سمجھ میں نہیں آتی؟

جواب: (۱) اہل عرب نے حروف جارہ من، الی، فی وغیرہ کو ضم ضمیمہ کے لئے وضع کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب جب حروف جارہ کا استعمال کرتے ہیں تو ضم ضمیمہ کے ساتھ (دوسرے حروف کے ساتھ ملا کر) استعمال کرتے ہیں۔

(۲) وضع کی تعریف میں جو أطلق اور أحس کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد اطلاق تامہ ہے اور اطلاق تامہ کا مطلب یہ ہے کہ حروف کا استعمال دیگر کلمات سے مل کر ہو، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

لِمَعْنًى

سوال: لمعنیً میں کتنی بحثیں ہیں؟

جواب: اس میں چار بحثیں ہیں۔

(۱) لغوی معنیٰ (۲) اصطلاحی تعریف (۳) معنیٰ کونسا صیغہ ہے؟ (۴) اس میں کس اعتبار سے تعلیل ہوئی ہے؟

(۱) لغوی معنیٰ: معنیٰ، عنیٰ یعنیٰ سے ہے جس کے معنیٰ ہیں قصد و ارادہ کرنا، مراد لینا۔

(۲) اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں معنیٰ اس شئ کو کہا جاتا ہے جسے مراد لیا جائے۔

فائدہ: لفظ سے مخصوص معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں، اس اعتبار سے اس کو معنیٰ کہتے ہیں اور لفظ سے اس معنیٰ کا قصد کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقصود کہتے ہیں، اور لفظ سے وہ معنیٰ سمجھ میں آتے ہیں، اس اعتبار سے اس کو مفہوم کہتے ہیں، اور لفظ اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، اس اعتبار سے اس کو مدلول کہتے ہیں۔

(۳) معنیٰ کونسا صیغہ ہے؟ اس میں تین اقوال ہیں۔ (۱) ظرف مکان (۲) مصدر میمی (۳) اسم مفعول

سوال: تینوں اقوال میں سے راجح قول کونسا ہے؟

جواب: راجح قول تیسرا (اسم مفعول والا) ہے۔

سوال: مصدر میمی کیوں نہیں مانتے؟

جواب: اگر مصدر میمی مانتے ہیں تو ترجمہ غلط ہو جاتا ہے، ترجمہ ہوگا کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو قصد کرنے کے لئے حالانکہ لفظ کو وضع کیا گیا ہے مراد کو متعین کرنے کے لئے نہ کہ قصد کرنے کے لئے۔

سوال: ظرف مکان کیوں نہیں مانتے؟

جواب: اگر ظرف مکان مانتے ہیں تو بھی ترجمہ غلط ہو جاتا ہے، ترجمہ ہوگا کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو قصد کی جگہ کے لئے حالانکہ وہ مراد کو متعین کرنے کے لئے آتا ہے نہ کہ قصد کی جگہ کے لئے۔

(۴) معنیً میں کس اعتبار سے تعلیل ہوئی ہے؟ معنیً اصل میں مَعْنُوْیٌ بر وزن مفعول تھا، واو اور یاء ایک کلمہ میں جمع ہوئے، ان میں سے پہلا ساکن ہے، تو واو کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا مَعْنِيٌّ ہوا، اس کے بعد یاء کی مناسبت سے نون کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا اس لئے کہ یاء اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، مَعنِيٌّ ہوا، پھر خلاف قیاس تخفیفاً کسرہ کو فتح سے بدل دیا معنَيٌّ ہوا پھر یاء متحرک ماقبل مفتوح یاء کو الف سے بدل دیا تو مَعْنیً ہو گیا۔

سوال: معنیً تو اسم مقصور ہے اور اسم مقصور کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے تو پھر دو زبر کی تنوین کیسے آ گئی؟

جواب: حرف علت اپنے مناسب حرکت کا دوگنا ہوتا ہے۔ واو، دو پیش کے برابر اور یاء دو زیر کے برابر اور الف، دو زبر کے برابر ہے، اس لئے دو زبر کی تنوین لائے۔

مُفْرَدٍ

اس میں تین بحثیں ہیں۔

(۱) لغوی معنیً (۲) اصطلاحی معنیً (۳) اعراب

(۱) لغوی معنیٰ: مفرد یہ فرد سے مشتق ہے، اس کے معنی آتے ہیں اکیلا ہونا، تنہا ہونا۔

(۲) اصطلاحی معنیٰ: اصطلاحاً مفرد کہا جاتا ہے لفظ کا جز معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔

فائدہ: عقلی طور پر اس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) لفظ کا جز نہ ہو جیسے ہمزۂ استفہام (۲) لفظ کا جز ہو البتہ معنیٰ کا جز نہ ہو جیسے اللہ (۳) لفظ کا جز ہو اور معنیٰ کا جز بھی ہو لیکن دلالت نہ کرے جیسے عبداللہ (۴) لفظ کا جز ہو، معنیٰ کا جز ہو، دلالت بھی ہو لیکن وہ دلالت مقصود نہ ہو جیسے حیوانِ ناطق بحالت علمیت۔

(۳) اعراب: اعراب کے اعتبار سے تین احتمالات ہیں (۱) دو پیش کی تنوین کے ساتھ (۲) دو زبر کی تنوین کے ساتھ (۳) دو زیر کی تنوین کے ساتھ۔

سوال: لفظ مفرد دو پیش کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟

جواب: لفظ مفرد دو پیش کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں ''لفظ'' کی صفتِ ثانیہ واقع ہوگا، اس لئے کہ لفظ مفرد کی صفتِ اول وضع لمعنی ہے۔

سوال: لَفْظٌ کی صفتِ اول (وضع لمعنی) جملہ کی شکل میں اور صفتِ ثانیہ (مفرد) مفرد کی شکل میں، ایسا کیوں؟

جواب: لفظ کی صفت اول جملۂ فعلیہ کی شکل میں اور صفت ثانیہ مفرد کی شکل میں اس لئے اختیار کی گئی تاکہ تنبیہ کی جائے کہ معنیٰ کی وضع مقدم ہوتی ہے اور لفظ کا مفرد اور مرکب ہونا (جو کہ صفت ہے) بعد میں ہوتا ہے۔

سوال: لفظِ مفرد، دو زبر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟

جواب: لفظِ مفرد دو زبر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں حال واقع ہوگا۔

سوال: اس کا ذوالحال کون ہوگا؟

جواب: اس کے ذوالحال میں دو احتمال ہیں۔

(۱) وُضِعَ کی ضمیر سے حال واقع ہو۔

(۲) لِمَعْنیٰ سے حال واقع ہو۔

سوال: اگر وُضِعَ کی ضمیر سے حال واقع ہوتو اشکال ہوگا کہ ذوالحال کے لئے فاعل یا مفعول کا ہونا ضروری ہے اور وُضِعَ کی ضمیر تو نائب فاعل ہے، اس لئے کہ وُضِعَ فعل مجہول ہے؟

جواب: صاحب مفصّل کے نزدیک نائب فاعل بھی حقیقی فاعل ہی کے مانند ہے، لہٰذا اس کا ذوالحال بننا صحیح ہوگا۔

سوال: اگر وُضِعَ کی ضمیر سے حال واقع ہوتو اشکال ہوگا کہ ذوالحال کا زمانہ، فعل ماضی ہے اور حال کا زمانہ موجودہ، حالانکہ ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہے؟

جواب: ذوالحال اور حال کے مابین تقدم ذاتی ہے، جس میں ظاہراً تو زمانہ میں تقدم وتاخر نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں زمانہ میں اتحاد ہوتا ہے جیسے ہاتھ اور چابی کی حرکت کہ ہاتھ کی حرکت پہلے ہوگی اور چابی کی حرکت بعد میں لیکن حقیقت میں دونوں کی حرکت ایک ساتھ ہوگی۔

فائدہ: تقدم کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) تقدم ذاتی (۲) تقدم طبعی (۳) تقدم زمانی (۴) تقدم وضعی (۵) تقدم شرفی۔

(۱) **تقدم ذاتی:** مقدم محتاج الیہ ہو اور مؤخر محتاج ہو اور مقدم مؤخر کے لئے علت تامہ ہو جیسے حرکتِ ید، حرکت قلم کے لئے۔

(۲) **تقدم طبعی:** مقدم محتاج الیہ ہو اور مؤخر محتاج ہو اور مقدم مؤخر کے لئے علت تام نہ ہو جیسے تصور اور تصدیق۔

(۳) **تقدم زمانی:** مقدم ایک زمانہ میں ہو اور مؤخر دوسرے زمانہ میں ہو جیسے باپ، بیٹا۔

(۴) **تقدم وضعی:** ایک چیز کو مقدم اور دوسری چیز کو مؤخر کیا جائے جیسے کتاب الصلوٰۃ کتاب الصوم پر۔

(۵) **تقدم شرفی:** جس میں مقدم کے لئے ایسا شرف ہو جو مؤخر کے لئے نہ ہو جیسے

امام اور مقتدی۔

سوال: اگر لِمَعْنیٰ سے حال واقع ہو تو اشکال ہوگا کہ ذوالحال کے لئے فاعل یا مفعول کا ہونا ضروری ہے اور لمعنیٰ نہ تو فاعل ہے نہ نائب فاعل؟

جواب: لمعنیٰ مفعول ہے وُضِعَ کا، حرفِ جر لام کے واسطے سے لہذا اس کا ذوالحال بنا صحیح ہوگا۔

سوال: لفظ مفرد، دو زیر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟

جواب: لفظ مفرد، دو زیر کی تنوین کے ساتھ ترکیب میں لمعنیٰ کی صفت واقع ہوگا۔

سوال: اگر لفظِ مفرد ترکیب میں لمعنیٰ کی صفت واقع ہو تو اشکال لازم آئے گا کہ معنیٰ کا مفرد ہونا لفظ کی وضع سے پہلے ہوگا حالانکہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور معنیٰ کا مفرد ہونا بعد میں ہوتا ہے۔

جواب: لفظِ مفرد کا لمعنیٰ کی صفت ہونا مایؤول کے اعتبار سے صحیح ہو جائے گا۔

سوال: مایؤول کا کیا مطلب؟

جواب: مایؤول کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کا مستقبل میں ہونا یقینی ہو، اس کو زمانۂ موجودہ میں ذکر کیا جائے جیسے روایت میں ہے کہ "من قتل قتیلا فلہ سلبہ" (جو شخص کسی مقتول کو قتل کرے اس کے لئے اس مقتول کا ساز وسامان ہے) اس میں قتیلا کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی مقتول کے ہیں اور مقتول کہا جاتا ہے جس کو قتل کیا جا چکا ہو تو پھر مقتول کو قتل کرنے کا کیا مطلب؟ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتیلا (مقتول) مایؤول کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ گو ابھی تو مقتول نہیں لیکن آئندہ زمانہ کے لحاظ سے قتیلا (مقتول) ہے۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے:

چنانچہ کلمہ کی تعریف لفظ وضع لمعنی مفرد یہ بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔ لفظ بمنزلۂ جنس ہے اس لئے کہ جنس کہا جاتا ہے ایسی کلی جو کثیر افراد پر بولی جائے اور ان کی

حقیقتیں الگ الگ ہو جیسے حیوان ایک کلی ہے اس میں کثیر افراد داخل ہیں جیسے زید، بھینس، گائے، شیر وغیرہ اوران کی حقیقتیں الگ الگ ہیں اور جیسے سامان۔

اور لفظ بھی کثیر افراد پر بولا جاتا ہے جیسے موضوع، مہمل، قلیل، کثیر، مفرد، مرکب جن کی حقیقتیں جدا جدا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ لفظ بمنزلۂ جنس ہے۔

فائدہ: لفظ، ایک اعتبار سے فصل ہے، اس سے دوال اربعہ کو خارج کیا، اس لئے کہ دوال اربعہ غیر لفظ ہے۔

دوال اربعہ یہ ہیں (۱) عُقُوْد (۲) خطوط (۳) اشارات (۴) نُصُب۔

(۱) عقود: یہ عقد کی جمع ہے بمعنی گرہ لگانا، عقد انامل (پوروں کی گنتی) مستقل فن ہے، جن کے ذریعے اعداد کو شمار کیا جاتا ہے۔

فائدہ: غیاث اللغات ص: ۳۴۷ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

(۲) خطوط: یہ خط کی جمع ہے جیسے کتابوں میں جو تحریرات ہیں یہ الفاظ پر دال ہیں اور الفاظ معانی پر دال ہیں۔

(۳) نصب: یہ نَصَب سے مشتق ہے بمعنی کھڑی کی ہوئی چیز جو راستہ بتانے کے لئے کھڑی کی جائے جیسے شارع عام پر کھڑے پتھر جو مسافت اور دوری کو بتاتے ہیں۔

(۴) اشارات: یہ اشارۃ کی جمع ہے جیسے سر کا اشارہ اوپر نیچے، جو ہاں پر دلالت کرتا ہے۔

وضع: یہ فصل اول ہے اس لئے کہ اس سے لفظ مہمل کو خارج کیا کیونکہ یہ موضوع نہیں ہے جیسے دیز وغیرہ، البتہ اس میں حروف ہجا، اُح اُح اور مرکب داخل ہے۔

لمعنیً: یہ فصل ثانی ہے اس لئے کہ اس سے حروف ہجا اور اُح اُح جیسے الفاظ کو خارج کیا کیونکہ یہ موضوع تو ہے لیکن معنی دار نہیں ہے، البتہ اس میں مرکب داخل ہے۔

سوال: حروف ہجا اور اُح، اُح کو خارج کرنے کے لئے لمعنی کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ معنی تو وَضع میں داخل ہے، کیونکہ وَضع کہتے ہیں اس بات کو کہ شئ اول سے شئ ثانی سمجھ میں آئے، شئ اول وضع ہے اور شئ ثانی سے معنی مراد ہے۔

جواب: صاحب کافیہ نے تجرید سے کام لیا۔

سوال: تجرید کسے کہتے ہے؟

جواب: تجرید کہتے ہیں کسی چیز کو خالی کرنا، چنانچہ وضع میں معنی کا مفہوم داخل تھا لیکن وضع سے معنی کے مفہوم کو خارج کیا اور جب معنی کا مفہوم خارج کیا تو معنی کا مفہوم وضع میں نہیں رہا، اس لئے صاحب کافیہؒ نے الگ سے ذکر کیا، کیونکہ معنی کا مفہوم وضع میں ضمنا ہے حالانکہ صراحۃ اولی ہے ضمناً سے۔

سوال: کافیہ کو مختصر بیان کیا اور مختصر کا تقاضا تھا کہ وضع سے معنی کو الگ اور جدا کر کے صراحۃً بیان نہ کرتے؟

جواب: اگر صاحب کافیہ معنی کو الگ اور جدا نہ کرتے تب بھی کافی تھا اس لئے کہ اس سے یقینا حروف ہجا اور اُخ، اُخ جیسے الفاظ خارج ہو جاتے، لیکن یہ خارج ہونا ضمناً ہوتا اور صاحب کافیہ نے ارادہ کیا کہ وہ چیزیں صراحۃ خارج ہوتا کہ طالب علم اچھی طرح بات سمجھ جائے۔

فائدہ: حروف کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حروف ہجا (۲) حروف مبانی (۳) حروف معانی۔

(۱) حروف ہجا: وہ حروف ہیں جو مرکب نہ ہو جیسے الف، با، تا وغیرہ۔

(۲) حروف مبانی: وہ حروف ہیں جس سے کوئی لفظ مرکب ہو لیکن ان حروف کے کوئی معنی نہ ہو جیسے زید مرکب ہے ز، ی، د سے لیکن ان کے کوئی معانی نہیں ہیں۔

(۳) حروف معانی: وہ حروف ہیں جو معنی دار ہو جیسے حروف جارہ من، الی وغیرہ۔

مفرد: یہ فصل ثالث ہے اس لئے کہ اس سے مرکب کو خارج کیا۔

سوال: مفرد جب حالت نصبی میں مانیں گے تو الف کے ساتھ (مفرداً) لکھنا چاہئے اس لئے کہ نصب کی حالت میں رسم الخط الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہاں الف کے ساتھ کیوں نہیں لکھا؟

جواب: (۱) متأخرین حضرات فرماتے ہیں کہ الف کے ساتھ لکھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دوزبر کی تنوین کو الف کے ساتھ ایسی جگہ لکھا جاتا ہے جہاں نصب کے علاوہ دوسرے اعراب کا احتمال نہ ہو اور یہاں نصب کے علاوہ رفع اور جر دونوں کا احتمال ہے۔

سوال: مصنفؒ نے ''مفصل'' کو سامنے رکھ کر کافیہ لکھی ہے اور مفصل میں لفظة کا صیغہ استعمال ہوا ہے، تو صاحب کافیہؒ نے لفظ کیوں کہا لفظة کیوں نہیں کہا؟

جواب: صاحب مفصل نے تاء کو وحدتِ فردی مانا ہے اور صاحب کافیہؒ نے تاء کو وحدتِ جنسی مانا ہے، اس لئے صاحب کافیہؒ نے صاحب مفصل کی پیروی نہیں کی۔

کلمہ کے اقسام

وَهِيَ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ

ترجمہ: اور وہ (کلمہ) اسم فعل اور حرف ہے۔

مختصر تشریح

کلمہ کے اقسام: کلمہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف۔

مثالیں: گھوڑا اور کتاب یہ اسم ہے اور کھاتا ہے، آتا ہے یہ فعل ہے اور ''سے'' اور ''پر'' یہ حرف کی مثال ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلمہ کی تقسیم کرنا ہے۔

سوال: کلمہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: کلمہ کی تین قسمیں ہیں (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف۔

فائدہ: جعفر بن صابر نے کلمہ کی چار قسمیں بیان کی (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف (۴) خالفہ۔

لیکن حقیقت میں کوئی قسم نہیں ہے جس کو جمہور اسمِ فعل کہتے ہیں اسی کو جعفر بن صابر نے خالفہ کہا ہے۔

عبارت (وھی اسم و فعل و حرف) پر دو اعتراض ہوتے ہیں۔

سوال: (۱) مصنف نے واو کا کلمہ استعمال کیا اور واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، گویا عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ کلمہ اس وقت کلمہ بنے گا جبکہ اسم، فعل اور حرف تینوں ایک ساتھ ہوں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے؛ بلکہ فعل اکیلا ہو اس کو بھی کلمہ کہا جاتا ہے اور اسم تنہا ہو تو اس کو بھی کلمہ کہا جاتا ہے اور حرف اکیلا ہو اس کو بھی کلمہ کہا جاتا ہے؟

جواب: اس کے جواب سے پہلے بطور تمہید یہ بات جاننا ضروری ہے۔

تقسیم کی دو قسمیں ہیں

(۱) تقسیم الکلی الی الجزئی: ہر جزئی پر کلی کا اطلاق صحیح ہو جیسے مٹھائی یہ کلی ہے اور برفی، افلاطون مٹھائی کی جزئیات ہیں، برفی کو مٹھائی کہنا درست ہے، اسی طرح افلاطون کو بھی مٹھائی کہنا صحیح ہے اور دونوں کو ایک ساتھ بھی مٹھائی کہنا صحیح ہے۔

(۲) تقسیم الکل الی الجز: ہر جز پر کل کا اطلاق صحیح نہ ہو جیسے مکان یہ کل ہے اور دروازہ، کھڑکی وغیرہ اس کے اجزا ہیں، دروازہ کو مکان کہنا صحیح نہیں اور اسی طرح کھڑکی کو بھی مکان کہنا درست نہیں البتہ دروازہ، کھڑکی وغیرہ کے مجموعے کو مکان کہنا درست ہے۔

سوال: یہاں کونسی تقسیم مراد ہے؟

جواب: تقسیم الکلی الی الجزئی مراد ہے، اس لئے کہ کلمہ کلی ہے اور اسم، فعل، حرف تینوں اس کی جزئیات ہیں اور اسم کو کلمہ کہنا، فعل کو کلمہ کہنا، اسی طرح حرف کو کلمہ کہنا درست ہے، اور تینوں کے مجموعے کو بھی کلمہ کہنا صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تقسیم الکلی الی الجزئی ہے۔

اور تقسیم الکلی الی الجزئی میں حکم مقدم ہوتا ہے اور عطف مؤخر ہوتا ہے اور تقسیم الکل الی الجز میں عطف کو مقدم کیا جاتا ہے اور حکم کو مؤخر کیا جاتا ہے لہذا اس جگہ حکم مقدم ہوگا اور مقصد کلمہ کی تقسیم ہوگی۔

فائدہ: کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا ہو کہ تقسیم الکلی الی الجزئی ہے یا تقسیم الکل الی الجز تو اس چیز کو مبتدا بنائیں گے اور اس کے مناسب چیز کو خبر بنائیں گے، اگر جملہ صحیح بنتا ہے تو تقسیم الکلی الی الجزئی ہے اور اگر جملہ غلط بنتا ہے تو تقسیم الکل الی الجز ہے۔

اول کی مثال: برفی کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ تقسیم الکلی الی الجزئی ہے یا تقسیم الکل الی الجز تو برفی کو مبتدا اور اس کے مناسب مٹھائی کو خبر بنادو، اب جملہ بنے گا برفی مٹھائی ہے اور یہ جملہ صحیح ہے لہذا یہاں تقسیم الکلی الی الجزئی ہے۔

ثانی کی مثال: دروازہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ تقسیم الکلی الی الجزئی ہے یا تقسیم الکل الی الجز ہے تو دروازے کو مبتدا اور اسکے مناسب کمرہ اس کو خبر، اب جملہ بنے گا دروازہ کمرہ ہے اور یہ جملہ غلط ہے لہذا یہ تقسیم الکل الی الجز ہے۔

وھی اسم و فعل و حرف پر ہونے والا ایک اعتراض:

سوال: (۲) نحو کا ایک قانون ہے کہ ضمیر کا مرجع مؤنث ہو اور اس ضمیر کی خبر مذکر ہو تو خبر کی رعایت کی جاتی ہے مرجع کی نہیں کی جاتی مگر مذکورہ عبارت میں مرجع کی رعایت کی گئی، خبر کی رعایت نہیں کی گئی؟

جواب: ھی ضمیر کی خبر اسم، فعل، حرف نہیں ہے بلکہ ھی کی خبر محذوف ہے، ھی منقسمة گویا مرجع بھی مؤنث اور خبر بھی مؤنث تو صاحب کافیہؒ کا عبارت میں ھی کا ضمیر لانا صحیح ہے۔

سوال: اسم کس سے مشتق ہے؟

جواب: اسم، بصریین کے نزدیک مشتق ہے سُمُوٌّ سے بمعنی علو اور بلندی کے اور اسم بھی اپنے دونوں قسیم (فعل اور حرف) کے مقابلے بلند ہے اس لئے اسکو اسم کہا جاتا ہے۔

سوال: سمو سے اسم کیسے بن گیا؟

جواب: سمو سے اسم اس طرح بنا کہ سمو کے واؤ کو حذف کر کے شروع میں ہمزہ بڑھا دیا اسم ہو گیا۔

کوفیین کے نزدیک اسم یہ وِسم سے مشتق ہے بمعنی علامت اور اسم بھی اپنے مسمی پر علامت ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہا جاتا ہے۔

سوال: وسم سے اسم کیسے بنا؟

جواب: وسم کے واؤ کو حذف کر کے ہمزہ بڑھا دیا اسم ہو گیا۔

سوال: فعل کس سے مشتق ہے؟

جواب: فعل یہ تَلَفُّع سے ماخوذ ہے تلفع کے معنی آتے ہیں تَضَمُّن کے چونکہ یہ فعلِ لغوی کو شامل ہوتا ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجزء کے طور پر پورے کا نام فعل رکھ دیا۔

اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فعل لغوی سے مراد معنیٔ حدوثی اور مصدر ہے اور فعل اصطلاحی میں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) معنیٔ حدوثی (۲) زمانہ (۳) نسبت الی الفاعل۔

فعل لغوی (کرنا) یہ فعل اصطلاحی میں موجود ہے اس وجہ سے صاحب کافیہؒ نے پورے کا نام تسمیۃ الکل باسم الجزء کے پیش نظر فعل رکھ دیا۔

سوال: حرف کس سے مشتق ہے؟

جواب: حرف بمعنی کنارہ کے ہیں، اس کی دو وجہ تسمیہ ہیں۔

(۱) یہ فعل اور اسم کے کنارے پر ہوتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲) کنارے میں اس اعتبار سے ہے کہ اسم مسند الیہ اور مسند دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف مسند ہوتا ہے اور حرف یہ کچھ نہیں ہوتا گویا یہ بالکل طرف اور کنارے میں ہے، اس لئے اس کو حرف کہتے ہیں۔

  

وجہ حصر

لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا اَلثَّانِيْ اَلْحَرْفُ وَالْأَوَّلُ إِمَّا أَنْ يَّقْتَرِنَ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ أَوْ لَا اَلثَّانِيْ اَلْإِسْمُ وَالْأَوَّلُ اَلْفِعْلُ۔

ترجمہ:اس لئے کہ وہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہو یا دلالت نہیں کرے گا، دوسری قسم حرف ہے اور اول یا تو تین زمانوں (ماضی،حال اور استقبال) میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملا ہوا ہوگا یا ملا ہوا نہیں ہوگا (وہ زمانہ کلمہ کی ہیئت سے سمجھ میں آتا ہوگا یا نہیں) ثانی اسم ہے اور اول فعل۔

مختصر تشریح

کلمہ کی تین قسمیں کیوں؟اس کی وجہ حصر:کلمہ دو حال سے خالی نہیں،یا تو خود اس کلمہ سے اس کے اپنے معنی سمجھ میں آتے ہوں گے یا نہیں؟اگر سمجھ میں نہیں آتے تو وہ حرف ہے اور اگر سمجھ میں آتے ہیں تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کلمہ کی ہیئت سے تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ سمجھ میں آتا ہوگا یا نہیں؟اگر کوئی زمانہ سمجھ میں نہیں آتا تو وہ اسم اور سمجھ میں آتا ہے تو وہ فعل ہے۔

مثالیں:''سے''اور''پر''سے کوئی خاص بات سمجھ میں نہیں آتی،اس لئے یہ حرف ہیں۔اور''گھوڑا''اور''کتاب''سے چیزیں سمجھ میں آتی ہیں اور کوئی زمانہ مفہوم نہیں ہوتا اس لئے یہ اسم ہیں۔اور''کھایا''یا''کھاتا ہے''اور''کھائے گا''سے بات بھی سمجھ میں آتی ہے اور زمانہ بھی اس لئے یہ فعل ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلمہ کی تین قسمیں کیوں؟ اس کی دلیل حصر بیان کرنا ہے

سوال: دلیل حصر کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جو دلیل نفی اور اثبات کے درمیان دائر ہو، اس کو دلیل حصر کہا جاتا ہے اور اہل منطق اسکو قیاس اقترانی کہتے ہیں۔

فائدہ: دو لفظ بولے جاتے ہیں (۱) دلیل (۲) برہان

سوال: دلیل اور برہان ایک ہیں یا الگ الگ ہیں؟

جواب: الگ الگ ہیں (۱) دلیل کہتے ہیں جس میں مقدمات یقینی نہ ہوں (۲) برہان کہتے ہیں جس میں مقدمات یقینی ہوں۔

سوال: مصنف دلیل حصر بیان کر رہے ہیں اور دلیل بیان کرنا دعوی کے بعد ہوتا ہے اور یہاں کوئی دعوی نہیں پایا گیا تو بغیر دعوی کے دلیل بیان کرنا عقلمندی کی بات نہیں ہے؟

جواب: السکوت فی محل البیان بیان، بیان کی جگہ میں سکوت اختیار کرنا یہ بھی ایک بیان ہے اسلئے گویا یہاں دعوی نہیں کیا لیکن چونکہ یہ محل بیان ہے گویا سکوت یہ دعوی ہی میں شمار ہوگا۔

سوال: دلیل حصر کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: دلیل حصر کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دلیل حصر: یا تو وہ کلمہ مستقل معنی پر دلالت کرتا ہوگا یا دلالت نہیں کرتا ہوگا، اگر وہ کلمہ مستقل معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے تو وہ حرف ہے اور اگر وہ مستقل معنی پر دلالت کرتا ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے گا یا نہیں پایا جائیگا اگر نہیں پایا جاتا ہے تو اسم ہے اور اگر پایا جاتا ہے تو وہ فعل ہے۔

وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِّنْهَا

ترجمہ: اور معلوم ہوگئی ہے اس (دلیل حصر) سے ان میں سے ہر ایک کی تعریف۔

مختصر تشریح

مذکورہ وجہ حصر سے کلمہ کی تینوں قسموں کی تعریف سمجھ میں آجاتی ہے ویسے آگے ہر بحث کے شروع میں بھی ہر ایک کی تعریف آرہی ہے۔ بحث اسم کے شروع میں اسم کی تعریف، بحث فعل کے شروع میں فعل کی تعریف اور بحث حرف کے شروع میں حرف کی تعریف آئے گی۔

وضاحت

سوال: عبارت مذکورہ سے صاحب کافیہ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف طبائع الناس کے فرق مراتب کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) بعض حضرات وہ ہیں جو اشارہ سے سمجھ جاتے ہیں، انہیں تنبیہ اور تصریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲) بعض حضرات وہ ہیں جو محض اشارہ سے نہیں سمجھتے بلکہ تنبیہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) بعض حضرات وہ ہیں جو اشارہ اور تنبیہ سے نہیں سمجھتے بلکہ ان کے لئے صراحۃ ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱) دلیل حصر سے قسم اول کے افراد اسم، فعل اور حرف کی تعریف سمجھ جائیں گے۔

(۲) **وقد علم بذالک کل واحد منھا** سے تنبیہ کی جس سے قسم ثانی کے افراد سمجھ جائیں گے۔

(۳) اسم، فعل اور حرف کی تعریف صراحۃ ذکر کریں گے جس سے قسم ثالث کے افراد سمجھ جائیں گے۔ (اسم کی تعریف صفحہ ۳۰ پر، فعل کی تعریف صفحہ ۹۴ پر اور حرف کی تعریف صفحہ ۱۲۰ پر ہے)

عبارت مذکورہ **وقد علم بذلک حد کل واحد منھا** پر چار سوال ہیں۔

سوال: (۱) مصنف نے عُرِفَ کے بجائے عُلِمَ کا صیغہ استعمال کیوں کیا؟

جواب: مصنف نے عُرِفَ کے بجائے عُلِمَ کا صیغہ استعمال اس لئے کیا کہ عرف

کا اطلاق صرف جزئیات پر ہوتا ہے اور علم کا اطلاق جزئیات اور کلیات دونوں پر ہوتا ہے۔

سوال: (۲) مصنف نے ذالک اسم شارہ استعمال کیا اور اس کا مشار الیہ دلیل حصر ہے اور دلیل حصر قریب میں ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسم اشارہ قریب لانا چاہئے اسم اشارہ بعید کیوں لائے؟

جواب: بلاغت کا قاعدہ ہے کہ بعض مرتبہ مشار الیہ قریب ہوتا ہے لیکن قریب کو مشار الیہ بعید کے درجہ میں اتار کر اسم اشارہ بعید لایا جاتا ہے اور اس میں کئی اغراض ہوتی ہیں، منجملہ ان میں سے ایک غرض مشار الیہ کی عظمت بتانا ہوتا ہے، بس اسی اصول کے پیش نظر مصنف نے مذکورہ عبارت میں بھی مشار الیہ قریب (دلیل حصر) کو عظمت کے پیش نظر مشار الیہ بعید کے درجہ میں اتار کر اسم اشارہ بعید (ذلک) استعمال کیا۔

سوال: کیا اس کی کوئی نظیر قرآن میں ہے؟

جواب: ہاں! قرآن مجید میں ہے ذلک الکتب لاریب فیه میں مشار الیہ قرآن کریم ہے جو کہ قریب ہے لیکن اس کو عظمت کے پیش نظر مشار الیہ بعید کے درجہ میں اتار کر اسم اشارہ بعید (ذلک) استعمال کیا۔

سوال: (۳) اسم اشارہ کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ مشار الیہ محسوس و مبصر ہو (مشار الیہ دکھائی دینے والا ہو) اس جگہ مشار الیہ دلیل حصر ہے جو کہ محسوس نہیں بلکہ غیر محسوس ہے تو اب اسم اشارہ کا لانا درست کیسے ہوا؟

جواب: مشار الیہ دلیل حصر جو غیر محسوس کے قبیل سے ہے؛ لیکن اس کا ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ محسوس کے درجہ میں ہو گیا گویا غیر محسوس کو محسوس کے درجے میں اتار کر اسم اشارہ کو لائے ہیں جیسے: وَتِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف)۔

اس میں الجنۃ غیر محسوس ہے لیکن اس کا ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ محسوس کے درجہ میں ہو گیا گویا غیر محسوس کو محسوس کے درجے میں اتار کر اسم اشارہ کو لائے ہیں۔

سوال: (۴) وقد علم بذالک حد کل واحد منها میں حد کا صیغہ استعمال

کیااور حد کہتے ہیں جس میں ذاتیات کا تذکرہ کیا جاوے اور ذاتیات کا تذکرہ اثبات کی شکل میں ہوتا ہے نہ کہ عدم کی شکل میں اور دلیل حصر میں مصنف نے عدمی شکل اختیار کی ہے؟

جواب: حد سے حد حقیقی مراد نہیں ہے، بلکہ حد سے مراد محدود افراد کو جمع کرنے والا، غیر کو روکنے والا ہے، چاہے وہ ذاتیات کے قبیل سے ہو یا نہ ہو۔

سوال: ذاتیات کسے کہتے ہیں؟

جواب: ذاتیات کہتے ہیں جن اشیاء سے شیٔ، شیٔ بنتی ہے جیسے چائے کے لئے دودھ، چائے پتی، شکر وغیرہ ذاتیات ہیں اس لئے کہ ان چیزوں سے چائے کا وجود ہوتا ہے۔

کلام کی تعریف

اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ

ترجمہ: کلام وہ بات ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو۔

مختصر تشریح

کلام کی تعریف: کلام منھ سے بولی ہوئی وہ بات ہے جس میں کم از کم دو کلمے ہوں اور ان کے درمیان کوئی اسناد (تعلق) ہو جیسے احمد کی ٹوپی نئی ہے، حامد بیٹھا ہے، زید کھڑا ہے: یہ سب کلام ہیں۔ عربی مثالیں: جلس حامد، قام زید اور قم ہیں۔ قم میں ضمیر انت پوشیدہ ہے اس لئے یہ بھی دو کلمے ہیں۔

اسناد: نحو کی اصطلاح میں ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ایسا تعلق ہے جو مکمل ومفید معنی پیدا کرے جیسے مبتدا کا تعلق خبر کے ساتھ یا فعل کا تعلق فاعل کے ساتھ یا اضافت یا توصیف کا تعلق (یہ آخری دو تعلق ناقص ہیں، اس لئے اسناد ناقص ہوگی)۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد کلام کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: کلام کے لغوی معنی کیا ہے؟

جواب: کلام کے لغوی معنی گفتگو اور بات چیت کے آتے ہیں۔

سوال: کلام کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: کلام کی اصطلاحی تعریف: کلام وہ بات ہے جو اسناد کے ساتھ دو کلموں کو شامل ہو جیسے زید قائم میں زید ایک کلمہ ہے اور قائم ایک کلمہ ہے اور قائم کی اسناد زید کی طرف کی گئی ہے۔

سوال: جملہ اور کلام دونوں ایک ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟

جواب: دونوں میں فرق ہے، کلام خاص ہے اور جملہ عام ہے۔

کلام کہتے ہیں اسناد اصلی کو شامل ہو اور اسناد مقصود بالذات ہو جیسے زید قائمٌ۔

جملہ کہتے ہیں جو اسناد اصلی کو شامل ہو، چاہے وہ اسناد مقصود بالذات ہو جیسے زید قائم یا نہ ہو جیسے زید ابوہ قائم۔

گویا کلام اور جملہ کے مابین عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔

چنانچہ ہر کلام جملہ ہوگا؛ لیکن ہر جملہ کا کلام ہونا ضروری نہیں۔

فائدہ (۱): کلام کا اطلاق جیسے الفاظ پر ہوتا ہے اسی طرح قلب پر بھی کیا جاتا ہے جیسے شاعر کا شعر

اِنَمَا الْکَلَامُ لَفِیْ الْفُؤَادِ وَ اِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَی الْفُؤَادِ دَلِیْلًا

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو تو دل پر دلیل بنایا گیا ہے۔

شعر مذکور میں کلام کا اطلاق دل کے مضمون پر کیا گیا ہے۔

فائدہ (۲): جملہ کو جملہ اس لئے کہتے ہیں کہ جملہ جمیلة سے ہے اور اس کے معنی خوبصورت کے آتے ہیں اور جب مفردات الگ الگ ہوتے ہیں تو خوبصورتی نہیں ہوتی لیکن جب ان مفردات کو اسناد کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پیرو دیا جائے تو اس میں خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال: مصنف نے ماتضمن کلمتین میں کلمتین کا صیغہ استعمال کیوں کیا؟ ماتضمن اسمین کیوں نہیں کہا؟

جواب: مصنف نے ما تضمن کلمتین میں کلمتین کا صیغہ استعمال کیا، ما تضمن اسمین نہیں کہا کیونکہ اگر اسمین کہتے تو کلام اسی صورت میں بنتا جبکہ کلام دو اسموں سے مرکب ہوتا، اگر ایک فعل اور ایک اسم سے مرکب ہو تو وہ کلام نہ بنتا حالانکہ اس سے بھی کلام بنتا ہے، اس لئے ماتضمن اسمین کے بجائے ماتضمن کلمتین کہا۔

سوال: مصنف نے اسناد کی قید لگائی، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کو بھی کلام کہا جائے جیسے غلام زید اس لئے کہ اس میں بھی تو اسناد پائی جاتی ہے، حالانکہ یہ کلام نہیں ہے؟

جواب: عبارت میں اسناد سے مراد اسناد تامہ ہے جس پر سکوت صحیح ہو۔

سوال: مصنف نے اسناد کی قید لگائی، اخبار کی قید کیوں نہیں لگائی؟

جواب: مصنف نے اسناد کی قید لگائی اخبار کی قید نہیں لگائی، اس لئے کہ اگر اخبار کہتے تو یہ تعریف صرف جملہ خبریہ پر صادق آتی نہ کہ جملہ انشائیہ پر اس لئے اسناد کی قید لگائی تاکہ دونوں کو شامل ہو جائے۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: کلام کی یہ تعریف بھی جنس اور فصل پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ''ما'' جنس ہے اس میں مہملات، مفردات، مرکبات سب داخل ہیں۔ تضمن کلمتین فصل اول ہے، جس سے مہملات اور مفردات نکل گئے۔ **بالاسناد** فصل ثانی ہے، جس سے مرکبات ناقص کو خارج کر دیا۔

وَلَا يَتَأَتّٰى ذٰلِكَ اِلَّا فِيْ اِسْمَيْنِ اَوْ اِسْمٍ وَفِعْلٍ

ترجمہ: اور وہ (کلام) حاصل نہیں ہوتا ہے مگر یا تو دو اسموں (کے ضمن) میں، یا ایک اسم اور ایک فعل (کے ضمن) میں۔

مختصر تشریح

کلام کے تحقق کے لئے دو اسموں کا یا ایک اسم اور ایک فعل کا ہونا ضروری ہے، جیسے الثوب جدید اور قام زید دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے یا ایک اسم اور ایک حرف سے یا ایک فعل اور ایک حرف سے کلام وجود میں نہیں آتا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یہ ہے کہ عقلی طور پر کلام کی چھ (٦) صورتیں ہیں، جن میں سے دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے، بقیہ چار صورتوں میں کلام حاصل نہیں ہوتا۔

سوال: وہ چھ صورتیں کونسی ہیں؟

جواب: وہ چھ صورتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) دو اسموں سے (۲) دو فعلوں سے (۳) دو حرفوں سے (۴) ایک فعل ایک اسم سے (۵) ایک فعل اور ایک حرف سے (٦) ایک اسم اور ایک حرف سے۔

ان چھ صورتوں میں سے دو صورتوں میں کلام حاصل ہوگا اور وہ دو صورتیں یہ ہیں:

(۱) دو اسموں سے۔ (۲) ایک اسم اور ایک فعل سے۔

سوال: چار صورتوں میں کلام حاصل نہیں ہوتا اور بقیہ دو صورتوں میں کلام کیوں حاصل ہوتا ہے؟

جواب: یہ دو صورتیں ایسی ہیں جن میں مسند اور مسند الیہ دونوں پائے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ بقیہ چار صورتوں میں بعض میں مسند نہیں ہوتا ہے اور بعض میں مسند الیہ نہیں ہوتا اور کلام مسند اور مسند الیہ دونوں سے مرکب ہوتا ہے۔ کلام کے تحقق کے لئے دو اسموں کا یا ایک اسم اور ایک فعل کا ہونا ضروری ہے جیسے الثوب جدید اور قام زید دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے یا ایک اسم اور ایک حرف سے یا ایک فعل اور ایک حرف سے کلام وجود میں نہیں آتا۔

اسم کی بحث

اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِہٖ غَیْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ

ترجمہ: اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو، اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملنے والا نہ ہو۔

مختصر تشریح

اسم کی تعریف: اسم وہ کلمہ ہے جو کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہو اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملنے والا نہ ہو۔

فی نفسہ ای فی حد ذاتہ: وہ معنی خود لفظ کے اندر ہو۔ غیر: معنی کی صفت ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: (۱) مصنف کا مقصد طبائع الناس کے پیش نظر دوسری قسم سے فارغ ہونے کے بعد تیسری قسم کے افراد جو اشارہ اور تنبیہ سے نہیں سمجھتے بلکہ جن کے لئے صراحۃً ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کلمہ کی تعریف بیان کرنا ہے۔

(۲) کلمہ کی تین قسموں میں سے پہلی قسم کی تعریف بیان کرنا ہے۔ چنانچہ اسم کی تعریف بیان کی، اسم نام ہے ایسے کلمہ کا جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے (جو مستقل معنی پر دلالت کرے) تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ متصل اور مقترن نہ ہو جیسے زید، عمر مستقل مسمی پر دلالت کرتے ہیں اور اس میں کوئی زمانہ ان کے ساتھ متصل بھی نہیں ہے۔

سوال: دلیل حصر میں عبارت لائے تھے لأنها اما ان تدل علی معنی فی نفسها اور اسم کی تعریف میں ما دل علی معنی فی نفسہ لائے گویا دلیل حصر میں ضمیر مؤنث لائے

اوراسم کی تعریف بیان کی اس میں ضمیر مذکر لائے؟

جواب: مصنف طالب علم کو بتانا چاہتے ہیں کہ ضمیر کلمہ کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں اور معنی کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں، دلیل حصر میں ضمیر لائے مؤنث کی جولوٹ رہی ہے کلمہ کی طرف اور جب اسم کی تعریف بیان فرمائی اس میں ضمیر مذکر کی لائے جولوٹ رہی ہے (ما) کی طرف جس سے مراد معنی ہے اور معنی مذکر ہے تو گویا بتانا چاہتے ہیں کہ **فی نفسها** پڑھنا بھی صحیح ہے اور **فی نفسه** پڑھنا بھی صحیح ہے۔

سوال: لفظ غیر پر اعراب کے کتنے احتمال ہیں؟

جواب: لفظ غیر پر اعراب کے تین احتمال ہیں۔(۱) رفع (۲) نصب (۳) جر۔

سوال: لفظ غیر پر رفع کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لفظ غیر پر رفع کی وجہ یہ ہے کہ یہ خبر ثانی ہے لفظِ اسم سے اور خبر مرفوع ہوتی ہے لہٰذا لفظ غیر بھی مرفوع ہوگا۔

سوال: لفظ غیر پر نصب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لفظ غیر پر نصب کی وجہ یہ ہے کہ یہ یا تو **معنی** سے حال ہے یا مستثنی ہے **ما دل** سے اور حال اور مستثنی دونوں منصوب ہوتے ہیں، لہٰذا لفظ غیر بھی منصوب ہوگا۔

سوال: لفظ غیر کے مجرور ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لفظ غیر کے مجرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ **معنی** (موصوف) کی صفت ثانی ہے اور موصوف، صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے اور **معنی** موصوف **علی** حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے تو لفظ غیر بھی مجرور ہوگا۔

سوال: اسم کی یہ تعریف جامع نہیں ہے، اس لئے کہ اسمائے افعال جیسے **روید** وغیرہ مستقل معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ زمانہ پر بھی دلالت کرتے ہیں، اس کے باوجود نحوی حضرات ان کو اسم میں شمار کرتے ہیں؟

جواب: (۱) اسمائے افعال میں زمانے پر دلالت وضع ثانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ وضع اول کے اعتبار سے اور فعل میں زمانہ پر دلالت کا اعتبار، وضع اول کا ہے۔

جواب: (۲) فعل میں دو چیزیں مطلوب ہیں (۱) مادہ (۲) فعل کی شکل۔ اور اسماء افعال میں فقط مادہ پایا جاتا ہے شکل نہیں پائی جاتی اس لئے رویدوغیرہ اسم ہوں گے نہ کہ فعل۔

سوال: اسم کی یہ تعریف فعل مضارع کو خارج نہیں کرے گی اس لئے کہ فعل مضارع میں دو زمانے پائے جاتے ہیں اور اسم کی تعریف میں کہا گیا کہ تینوں زمانے میں سے کوئی ایک زمانہ نہ پایا جائے، حالانکہ فعل مضارع میں دو زمانے پائے جاتے ہیں؟

جواب: دو زمانے کے ضمن میں ایک زمانہ موجود ہے، تو غیر مقترن بأحد الازمنة الثلاثة سے فعل مضارع خارج ہو جائے گا۔

سوال: اسم کی تعریف میں کلمۂ "فی" استعمال کیا جو ظرف کے لئے آتا ہے اور نفسہ میں ضمیر کا مرجع معنی ہے لہٰذا ترجمہ ہوگا "اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معنی کی ذات میں پائے جاتے ہیں" تو یا ظرفیۃ الشیء الی نفسہ لازم آئے گا جیسے: پتھر پتھر میں ہے، گلاس گلاس میں ہے۔

جواب: عبارت میں فی ظرفیت کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اعتبار کے معنی میں ہے جیسے اہل عرب الدار فی نفسھا حکمھا کذا (گھر کی خود اپنی ذات کے اعتبار سے اتنی قیمت ہے) کا استعمال کرتے ہیں اور وہ "فی" سے ظرفیت کے معنی مراد نہیں لیتے بلکہ اعتبار کے معنی مراد لیتے ہیں، اسی طرح اسم کی تعریف میں بھی "فی" سے مراد اعتبار ہے نہ کہ ظرفیت۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے:

چنانچہ اسم کی تعریف میں "ما" بمنزلۂ جنس ہے، اس میں اسم، فعل اور حرف تینوں داخل ہیں اور دل علی معنی فی نفسھا فصل اول ہے اس سے حرف نکل گیا اس لئے کہ حرف مستقل معنی پر دلالت نہیں کرتا اور غیر مقترن باحد الازمنة الثلاثة یہ فصل ثانی ہے، اس سے فعل خارج ہو گیا اس لئے کہ اس میں زمانہ پایا جاتا ہے۔

فائدہ: غیر مقترن کو لانے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ دل علی معنی فی نفسہ کی قید سے جس طرح حرف خارج ہو جاتا ہے اسی طرح فعل بھی خارج ہو جاتا ہے۔

سوال: دل علی معنی فی نفسہ کی قید سے فعل کیسے خارج ہو جاتا ہے؟

جواب: اس سے پہلے بطور تمہید کے کچھ چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) دلالت کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) دلالت مطابقی (ب) دلالت تضمنی (ج) دلالت التزامی۔

(الف) دلالت مطابقی: وہ دلالت ہے جس میں کل بول کر کل مراد لیا جائے جیسے میں نے گھڑی خریدی، یہاں گھڑی سے مراد پوری گھڑی ہے، گھڑی کا جز مراد نہیں ہے۔

(ب) دلالت تضمنی: ایسی دلالت کو کہتے ہیں جس میں کل بول کر جزء مراد لیا جائے جیسے چشمہ ٹوٹ گیا، یہاں پورا چشمہ نہیں ٹوٹا بلکہ اس کا ایک جزء ٹوٹ گیا ہے۔

(ج) دلالت التزامی: ایسی دلالت کو کہتے ہیں جس میں کل بول کر نہ کل مراد لیا جائے نہ جزء مراد لیا جائے بلکہ لازمی معنی مراد لیا جائے جیسے زید گدھا ہے اس میں نہ کل مراد ہے اور نہ جزء بلکہ اس کے لازمی معنی (بے وقوف ہونا) مراد ہے۔

(۲) فعل میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) معنیٔ مصدری (حدوثی)۔ (۲) زمانہ (۳) نسبت الی الفاعل۔

ان تینوں میں نمبر (۱) مستقل ہے اور نمبر (۲، ۳) غیر مستقل ہیں گویا للاکثر حکم الکل کے پیش نظر فعل غیر مستقل ہوا۔

اور دل علی معنی فی نفسہ بطور دلالت مطابقی کے مستقل ہے لہٰذا اسم میں دل علی معنی فی نفسہ سے حرف کی طرح فعل بھی نکل جائے گا جب بات یہ ہے تو فعل کو خارج کرنے کے لئے اسم میں غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ کی قید لانے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ما دل علی معنی فی نفسہ کی قید سے فعل کا خارج ہونا ضمناً ہوتا ہے لہٰذا غیر مقترن سے صراحۃً فعل کو خارج کیا۔

اسم کی خصوصیات

وَمِنْ خَوَاصِّہٖ دُخُوْلِ اللَّامِ، وَالْجَرُّ وَالتَّنْوِیْنُ
وَالْاِضَافَۃُ، وَالْاِسْنَادُ اِلَیْہِ

ترجمہ: اور اسم کے خواص میں سے لام (الف لام) اور جر اور تنوین کا داخل ہونا ہے اور اضافت کا ہونا ہے اور مسند الیہ کا ہونا ہے۔

مختصر تشریح

اسم کی چند خصوصیات (علامات) ہیں: (۱) معرف باللام ہونا جیسے الحمدُ (۲) اس کے آخر میں جر کا آنا جیسے فی الدارِ (۳) اس پر تنوین کا آنا جیسے رجلٌ (۴) اس کی طرف کوئی چیز منسوب کرنا جیسے نَامَ اَحْمَدُ (احمد سو گیا) احمد کی طرف سونا منسوب کیا پس احمد اسم ہے۔ (۵) اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کرنا جیسے قَلَمُ قاسمٍ اس میں قاسم کی طرف قلم کی اضافت کی ہے، اس لئے قاسم اسم ہے اور قلم کو بھی منسوب کیا ہے اس لئے وہ اسم ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد خواص اسم کو بیان کرنا ہے۔

سوال: خواص اسم کتنے ہیں؟

جواب: خواص اسم پانچ ہیں (۱) لام کا داخل ہونا جیسے الرجل۔ (۲) جر کا داخل ہونا جیسے بزیدٍ۔ (۳) تنوین کا داخل ہونا جیسے ھذا زیدٌ۔ (۴) اضافۃ کا ہونا غلامُ زیدٍ۔ (۵) مسند الیہ کا ہونا زید قائمٌ۔

سوال: مصنف نے اسم کی پانچ علامتوں کو بیان فرمایا، ان کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: ان کی وجہ حصر یہ ہے: اسم کا خاصہ لفظی ہوگا یا معنوی، اگر لفظی ہو تو دو صورتیں ہیں یا تو اسم کے شروع میں ہوگا یا اسم کے آخر میں ہوگا اگر اسم کے شروع میں ہو تو وہ الف لام ہے اور اگر اسم کے آخر میں ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو حرکت کی شکل میں ہوگا یا حرکت کے تابع ہوگا، اگر حرکت کی شکل میں ہو تو وہ جر ہے اور اگر حرکت کے تابع ہو تو وہ تنوین ہے اور اگر اسم کا خاصہ معنوی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مرکب تام کے ضمن میں ہوگا یا وہ مرکب غیر تام کے ضمن میں ہوگا، پہلا ہے تو مسند الیہ اور اگر دوسرا ہے تو مضاف ہے۔

فائدہ: بعض نے (۲۰) خواص بیان فرمائے ہیں اور بعض نے (۱۱) خواص کا ذکر فرمایا ہے۔

و من خواصه: خواص یہ جمع کا صیغہ ہے، اس سے پہلے ''من'' تبعیضیہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ تمام علامات اسم کو بیان نہیں کیا جائے گا بلکہ بعض کو بیان کیا جائے گا۔

خاصہ کی دو قسمیں ہیں (۱) شاملہ (۲) غیر شاملہ

خاصۂ شاملہ: اس کو کہا جاتا ہے جو ایک ہی حقیقت کے تمام افراد میں پایا جاتا ہو جیسے کتابت بالقوۃ انسان کا خاصۂ شاملہ ہے، اس لئے کہ انسان کے تمام افراد میں لکھنے کی صلاحیت ہے

خاصۂ غیر شاملہ: وہ ہے جو ایک حقیقت کے تمام افراد میں نہ پایا جائے بلکہ بعض میں پایا جائے جیسے کتابت بالفعل۔

فائدہ: عبارت میں شاملہ اور غیر شاملہ دونوں سے قطع نظر کرتے ہوئے مطلق بیان کیا ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے خواص سے خاصۂ غیر شاملہ مراد لیا ہے۔

سوال: نحوی حضرات کا مقصود کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ہے، یہاں احوال سے تو بحث نہیں کرتے بلکہ کلمہ کی تقسیم، اس کی تعریف اور علامت کو بیان فرمایا ہے۔

جواب: جب تک ذات کا تعارف نہیں کرائیں گے تب تک احوال کا تعارف بے کار ہے دراصل کلمہ کی دو حالتیں ہیں (۱) وجود ذہنی (۲) وجود خارجی۔

کلمہ کی تقسیم اوراس کی تعریف یہ وجود ذہنی کے اعتبار سے ہے اوراس کی علامتوں کا بیان یہ وجود خارجی کے اعتبار سے ہے۔

(۱)دخول اللام: الف لام کا داخل ہونا

سوال: مصنف نے لام تعریف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مصنف نے لام تعریف کی قید اس لئے لگائی تا کہ لام امر جیسے: لیضرب اور لام ابتدا جیسے وللآخرۃ خیر لک من الاولی خارج ہوجائے۔

سوال: لام کا داخل ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) لام، تعریف اور تعین کے لئے آتا ہے اور تعریف اور تعین کے معنی اسم میں پائے جاتے ہیں۔

جواب: (۲) لام تعریف کی وضع اس لئے ہے کہ وہ ایسے معنی کو متعین کردے جس پر لفظ مطابقۃً دلالت کرتا ہو اور یہ بات صرف اسم میں پائی جاتی ہے، کیونکہ حرف تو مستقل معنی پر دلالت نہیں کرتا اور فعل مستقل معنی پر مطابقۃً دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی دلالت تضمنی ہے۔

سوال: مصنفؒ نے دخول کا صیغہ استعمال کیا، لحوق کا صیغہ استعمال کیوں نہیں کیا؟

جواب: لام کا محل ابتداء ہے نہ کہ انتہاء اور ابتداء کے لئے دخول کا صیغہ آتا ہے، اور انتہاء کے لئے لحوق کا صیغہ آتا ہے، اس لئے دخول کا صیغہ استعمال کیا۔

سوال: جس طرح لام (ال) تعریف کے لئے آتا ہے اسی طرح "أمْ" بھی تعریف کے لئے آتا ہے تو "أمْ" کو ذکر کیوں نہیں کیا؟ جیسے روایت میں ہے لیس من امبر امصیام فی امسفر۔

جواب: "أمْ" جو تعریف کے لئے آتا ہے یہ قبیلہ حمیر کی لغت میں ہے، جو فصیح نہیں ہے، اس لئے "أمْ" کو اسم کا خاصہ نہیں بنایا۔

سوال: جب "أمْ" قبیلہ حمیر کے سوا کسی اور زبان میں "أمْ" حرفِ تعریف نہیں

ہے اور یہ لغت فصیح نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا تلفظ کیسے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو ہر کلام فصیح بلکہ افصح ہے۔

جواب: قبیلہ حمیر کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کے موقع پر جب ماہ رمضان شروع ہوا تو سوال کیا امن امبر امصیام فی امسفر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اسی کی زبان میں جواب دیا اور بجائے لام (ال) کے "أمْ" استعمال کیا تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے اور مخاطب اچھی طرح سمجھ لے۔

سوال: لام کی اصل کیا ہے؟

جواب: اس میں تین قول ہیں: (۱) امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ لام ہی اصل ادات تعریف ہے اور اس پر ہمزہ وصل زیادہ کیا گیا ہے، ابتداء بالسکون کے محال ہونے کی وجہ سے۔

(۲) امام خلیلؒ فرماتے ہیں کہ الف لام یہ "ال" تھا۔

(۳) امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ مفتوحہ ہے فقط، بعد میں لام زیادہ کیا گیا ہے۔

سوال: بعد میں لام زیادہ کیوں کیا گیا؟

جواب: ہمزہ استفہام اور ہمزہ تعریف میں فرق کرنے کے لئے بعد میں لام زیادہ کیا گیا۔

سوال: مصنفؒ کے نزدیک مختار قول کس کا ہے؟

جواب: مصنفؒ کے نزدیک مختار قول امام سیبویہؒ کا ہے۔

سوال: کیسے معلوم ہوا؟

جواب: مصنفؒ نے عبارت میں دخول اللام کہا اور امام سیبویہ کے نزدیک ادات تعریف فقط لام ہے۔

(۲) والجر: جر بھی اسم کا خاصہ ہے۔

سوال: جر اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: جر یہ اثر ہے حرف جر کا اور حرف جر اسم پر داخل ہوتا ہے اور اس کا اثر جو جر ہے وہ بھی اسم پر داخل ہوگا، ورنہ اثر اور مؤثر میں تخلف لازم آئے گا جیسے بزید اس میں ''باء'' مؤثر ہے (اثر ڈالنے والا) اور جر اسی کے اثر کی وجہ سے آیا ہے اور حرف جر، اسم کا خاصہ ہے تو جر بھی اسم کے خواص میں سے ہوگا۔

(۳) و التنوین: تنوین، بھی اسم کا خاصہ ہے۔

تنوین باب تفعیل کا مصدر ہے، تنوین کے لغوی معنی آتے ہیں کسی شئی کا نون والا ہونا اور اصطلاح میں تنوین کہا جاتا ہے ایسے نون کو جو کلمہ کے آخری حرف کی حرکت کا تابع ہو اور وہ نون، فعل کی تاکید کے لئے نہ ہو جیسے زیداً زید۔

تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) تنوین تمکُّن (۲) تنوین تنکیر (۳) تنوین عوض (۴) تنوین مقابلہ (۵) تنوین ترنم اول چار کا تعلق اسم کے ساتھ ہے اور تنوین ترنم، فعل، اسم اور حرف تینوں کے درمیان عام ہے۔

سوال: یہ تنوین اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: تنوین کی پانچ قسمیں ہیں، ان میں سے چار کا تعلق اسم کے ساتھ ہے، اور ایک فعل اور اسم کے درمیان عام ہے پس للاکثر حکم الکل کا اعتبار کرتے ہوئے تنوین کو مطلقا اسم کا خاصہ بتایا ہے۔

تنوین کی پانچ قسموں کی تفصیل۔

(۱) تنوین تمکن: اس تنوین کو کہتے ہیں جو کلمہ کے منصرف ہونے پر دلالت کرے، تنوین تمکن منصرف اور غیر منصرف کے درمیان فرق کے لئے موضوع ہے اور منصرف و غیر منصرف ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے، تو تنوین تمکن بھی اسم کا خاصہ ہوئی جیسے قلمٌ، بابٌ۔

(۲) تنوین تنکیر: اس تنوین کو کہتے ہیں جو کلمہ کے نکرہ ہونے پر دلالت کرے، تنوین تنکیر معرفہ اور نکرہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے موضوع ہے اور معرفہ اور نکرہ ہونا یہ اسم کا

خاصہ ہے،توتنوین تنکیر بھی اسم کا خاصہ ہوئی جیسے صهٍ(اسکت سکوتا مافی وقت ما)۔اور ''صهْ''بغیرتنوین کے مبنی برسکون معرفہ ہے۔

(۳)تنوین عوض:اس تنوین کوکہا جاتا ہے جومضاف کے اخیر میں مضاف الیہ کے بدلے میں لائی جائے جیسے یومَئذٍاصل میں یوم اذ کان کذاتھااور یہ اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ مضاف ہونااسم کے ساتھ خاص ہےتوتنوین عوض بھی اسم کا خاصہ ہوگی۔

(۴)تنوین مقابلہ:اس تنوین کوکہا جاتا ہے جوجمع مؤنث سالم کے اخیر میں جمع مذکر سالم کےنون کے مقابلے میں آتی ہے جیسے جائتْ مسلماتٌاور یہ اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ جمع کا ہونا یہ اسم کے ساتھ خاص ہے،اس وجہ سےتنوین مقابلہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔

(۵)تنوین ترنم:اس تنوین کوکہا جاتا ہے جوابیات یا اشعار کے اخیر میں ترنم کے لئے لاحق ہوجیسے

اَقَلِی اللَّومَ عَاذِلُ!والعِتَابَنْ وقُوْلِی اِنْ اَصبتُ:لَقَدْ اَصابَنْ

ترجمہ:اے عاذل!ملامت کم کراورعتاب اور کہہ تو اگر میں درست کام کروں تو اس نے درست کیا۔

اس میں محل استشہاد عتابن اور اصابن ہے،عتابن اسم کی مثال ہےاور اصابن فعل کی مثال ہے۔

فائدہ: موانع تنوین:معرف باللام ہونا۔مضاف ہونا۔غیر منصرف ہونا۔مبنی ہونا۔فعل ہونا۔اور جب لفظ ابن دوعلم کے درمیان واقع ہوغیر ندا میں۔جیسے خالدبن ولید رضی اللہ عنہ

(۴)والاضافة:اضافت بھی اسم کا خاصہ ہے۔

سوال: اضافت،اسم کا خاصہ ہے،آیا اضافت سے مضاف مراد ہے یا مضاف الیہ؟

جواب: بعض حضرات نے فرمایا کہ اضافت سے مراد مضاف ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ فعل بھی مضاف الیہ بن سکتا ہے جیسے يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ میں يَوْمَ مضاف ہے اور يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ مضاف الیہ ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک اضافت سے مضاف الیہ مراد ہے، نہ کہ مضاف اور یَوْمَ یَنْفَعُ الصَّادِقِیْنَ میں تاویل کرتے ہیں کہ اصل میں یَوْمَ نَفَعِ الصَّادِقِیْنَ تھا۔

سوال: اضافت اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) اضافت میں حرف جر مقدر ہوتا ہے جیسے غلامُ زید اصل میں غلام لزید تھا، زید پر جو جر ہے وہ ''لام'' حرف جر مقدر نے دیا اور حرف جر اسم کا خاصہ ہے تو اضافت بھی اسم کا خاصہ ہوا۔

(۲) اضافت تخصیص، تعریف اور تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اگر اضافتِ معنویہ ہے تو تخصیص وتعریف اور اگر اضافت لفظیہ ہو تو تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور تخصیص، تعریف اور تخفیف کا تعلق اسم کے ساتھ ہے، اس لئے اضافت بھی اسم کا خاصہ ہوا۔

(۵) والاسناد الیه: مسند الیہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔

سوال: مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ کیوں؟

جواب: واضع نے فعل کو فقط مسند بننے کے لئے وضع کیا ہے پس اگر فعل کو مسند الیہ بنایا جائے تو وضع کے خلاف لازم آئے گا، اس سے معلوم ہوا کہ مسند الیہ ہونا بھی یہ اسم کے خواص میں سے ہے۔

اسم کے اقسام

وَهُوَ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ

ترجمہ: اور وہ معرب اور مبنی ہے۔

مختصر تشریح

اسم کے اقسام: اسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) معرب (۲) مبنی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اسم کی پہلی تقسیم (باعتبار اعراب و بنا) شروع کرنا ہے۔

چنانچہ فرمایا اسم کی دو قسمیں ہیں۔(ا) معرب (۲) مبنی۔

سوال: معرب کو مبنی پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: (ا) معرب اصل ہے مبنی کے مقابلے میں اس لئے مقدم کیا۔

(۲) اصل مقصد مافی الضمیر کو ادا کرنا ہے اور مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے معرب مناسب ہوتا ہے نہ کہ مبنی۔

سوال: معرب کس سے مشتق ہے؟

جواب: (ا) معرب یہ اعراب سے ماخوذ ہے اور اس صورت میں معرب اسم ظرف کا صیغہ ہوگا (ظاہر کرنے کی جگہ)، چونکہ یہ فاعلیت، مفعولیت اور اضافت کے ظاہر کرنے کی جگہ ہے، اس لئے اس کو معرب کہتے ہیں۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک باب افعال سے معرب اسم مفعول کا صیغہ ہے، ہمزہ سلب کا ہے (فساد کو دور کیا ہوا) چونکہ معرب، معنی کے فساد کو دور کرتا ہے، اس لئے اس کو معرب کہتے ہیں۔

سوال: مبنی کس سے مشتق ہے؟

جواب: مبنی یہ بناء سے مشتق ہے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔اصل میں مبنوی بر وزن مرموی تھا، تعلیل کے بعد مبنی ہوا، جس کے معنی بنیاد کے آتے ہیں، اور بنیاد مضبوط ہوتی ہے، ٹس سے مس نہیں ہوتی، اسی طرح مبنی بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

سوال: دلیل حصر کیا ہے؟

جواب: دلیل حصر یہ ہے: اسم مرکب ہوگا یا غیر مرکب، اگر اسم غیر مرکب ہو تو مبنی

ہے جیسے اسمائے معدودہ، اگر اسم مرکب ہو تو دو حال سے خالی نہیں، عامل کے ساتھ ہوگا یا بغیر عامل کے، اگر بغیر عامل کے ہے تو مبنی اور اگر عامل کے ساتھ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں، مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہوگی یا نہیں ہوگی، اگر مشابہت ہوگی تو مبنی اگر مشابہت نہیں تو معرب۔

معرب کی تعریف

فَالْمُعْرَبُ اَلْمُرَكَّبُ اَلَّذِیْ لَمْ يَشْبَهْ مَبْنِيَ الْاَصْلِ

ترجمہ: پس معرب وہ (اسم) مرکب ہے، جو مبنی الاصل سے مشابہت نہ رکھتا ہو۔

مختصر تشریح

معرب: وہ مرکب لفظ ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، جیسے قام زید میں زید معرب ہے، کیونکہ وہ قام کے ساتھ ملا ہوا ہے اور مبنیات کے مشابہ نہیں ہے۔ مبنی الاصل تین ہیں: فعل ماضی، امر حاضر معروف اور تمام حروف۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد معرب کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: معرب کی تعریف کیا ہے؟

جواب: معرب وہ اسم ہے جو مرکب ہو عامل کے ساتھ اور وہ اسم مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھتا ہو۔

سوال: معرب کی تعریف میں اسم (محذوف) کی قید کیوں؟

جواب: معرب کی تعریف میں اسم (محذوف) کی قید لگا کر فعل کو خارج کیا، اس لئے کہ بحث اسم کی چل رہی ہے۔

سوال: معرب کی تعریف میں المرکب کی قید کیوں لگائی؟

جواب: معرب کی تعریف میں المرکب کی قید لگا کر ان اسماء کو نکال دیا جن کی ترکیب غیر کے ساتھ نہیں دی جاتی، ترکیب سے پہلے مبنی ہوتے ہیں اور ترکیب کے بعد معرب ہوجاتے ہیں جیسے اسماءمعدودہ (شمار میں) زید، عمرو، بکروغیرہ۔

سوال: معرب کی تعریف میں الذی لم یشبہ مبنی الاصل کی قید کیوں لگائی؟

جواب: معرب کی تعریف میں الذی لم یشبہ مبنی الاصل کی قید لگا کر ان اسماء کو نکال دیا جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جیسے ھذاوغیرہ۔

مبنی الاصل تین ہیں (۱) فعل ماضی (۲) امر حاضر (۳) تمام حروف

مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) حرف کو متضمن ہوجیسے احدعشر اصل میں احدو عشر تھا۔

(۲) مبنی الاصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این یہ ہمزۂ استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور ہمزۂ استفہام مبنی ہے تو این یہ بھی مبنی ہوگا۔

(۳) اسم اشارہ کی مشابہت حرف کے ساتھ ہے، جس طرح حرف ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح اسم اشارہ محتاج ہے، مشارالیہ کا۔

(۴) مبنی الاصل کی طرف اضافت ہوجیسے یومئذمیں اذ یہ مبنی ہے اس کی طرف یوم کی اضافت ہے تو اسکو بھی مبنی پڑھیں گے۔

فائدہ: ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، چنانچہ یہ تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔ چنانچہ الاسم بمنزلہ جنس ہے، اسماء مرکب اور غیر مرکب دونوں داخل ہیں۔ المرکب یہ فصل اول ہے اس سے اسماء غیر مرکب کو خارج کردیا۔ الذی لم یشبہ فصل ثانی ہے اس سے ہر وہ چیز نکل جائے گی جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو۔

سوال: مصنف نے معرب کی تعریف میں عام مصنفین کے خلاف طرز اختیار کیوں کیا؟

جواب: مصنف نے عام مصنفین کے خلاف طرز اس لئے اختیار کیا کہ اس میں تقدم الشئی علی نفسہ لازم آتا ہے۔

سوال: تقدم الشئی علی نفسہ کی تقریر کیا ہے؟

جواب: تقدم الشئی علی نفسہ کی تقریر یہ ہے کہ شئی کی معرفت جس سے حاصل ہو اس کو مقدم ہونا چاہئے اور جس سے غرض کا علم ہوتا ہو اس کو مؤخر ہونا چاہئے، جمہور نے معرب کی غرض (ان یختلف اخرہ باختلاف العوامل: لفظا او تقدیرا) کو جس کو مؤخر ہونا چاہئے تعریف کا درجہ دے دیا ہے جس سے تقدم الشئی علی نفسہ لازم آرہا ہے اور یہ باطل ہے۔

فائدہ: تقدم کی دو قسمیں (دو درجے) ہیں: (۱) دو درجہ والا (۲) ایک درجہ والا۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ شئی اپنی ذات پر موقوف ہو جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو چیز موقوف کی ذات سے مقدم تھی، یہ اس سے بھی مقدم ہو جائے۔

سوال: دور کسے کہتے ہیں؟

جواب: دور کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں: (۱) توقف الشئی علی نفسہ کو دور کہتے ہیں۔ (۲) موقوف اور موقوف علیہ کے اتحاد کو دور کہتے ہیں۔ (۳) سلسلۂ اکتساب کے واپس لوٹنے کو دور کہتے ہیں۔

فائدہ: دور کی دو قسمیں ہیں: (۱) دور معیت (۲) دور معقب، جس کو دور مہروب بھی کہا جاتا ہے۔

دور معیت: اگر کسی شئی کا دوسری شئی پر توقف معیت کے طریقہ پر ہو جیسے دو اینٹوں کو کھڑی کر کے ان کو آپس میں ملا دیا جائے، یہ دور جائز ہے، اس لئے کہ یہاں موقوف علیہ اور موقوف، شئی ثالث کے لئے معلول ہے، جو در حقیقت ان دونوں کے قیام کے ساتھ جھکاؤ ہے۔

دور معقّب: کسی چیز کا توقف دوسری چیز پر تعقیب کے طریقے پر ہو۔

دور معقّب کی دو قسمیں ہیں: (۱) دور مضمر (۲) دور مصرح

دور مضمر: موقوف علیہ اور موقوف کے مابین کوئی واسطہ ہو جیسے الف کا توقف، باء پر اور باء کا توقف، جیم پر اور جیم کا الف پر، تو نتیجہ نکلا کہ الف کا توقف الف پر ہے۔

❁ اس مثال کی وضاحت: الف کا توقف باء پر ہے اور باء کا توقف جیم پر ہے تو نتیجہ نکلا کہ الف کا توقف جیم پر ہے، اب اس نتیجہ کو مقدم اول بناؤ تو کہا جائے گا کہ الف کا توقف جیم پر ہے اور جیم کا توقف الف پر ہے، تو نتیجہ نکلا کہ الف کا توقف الف پر ہے۔ یہ دور بدو درجہ کہلاتا ہے۔

دور مصرح: موقوف علیہ اور موقوف کے درمیان واسطہ نہ ہو اور یہ دور بدرجۂ واحدہ کہلاتا ہے اور اس کو دور مہروب بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس کے بطلان کے پیش نظر اس سے راہ فرار اختیار کی جاتی ہے۔

معرب کا حکم

وَحُكْمُهُ اَنْ يَّخْتَلِفَ آخِرُهٗ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لَفْظاً اَوْ تَقْدِيْرًا

ترجمہ: اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدل جاتا ہے خواہ یہ بدلنا لفظی ہو یا تقدیری۔

مختصر تشریح

معرب کا حکم: معرب کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، خواہ لفظی تبدیلی ہو یا تقدیری جیسے زید کا آخر عوامل کے بدلنے سے لفظاً بدلے گا اور موسیٰ کا آخر تقدیراً بدلے گا، لفظاً تبدیلی جیسے جاء زید، رایتُ زیدا، مررتُ بزید۔ تقدیراً تبدیلی جیسے جاء موسیٰ، رایت موسیٰ، مررت بموسیٰ۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد معرب کا حکم بیان کرنا ہے۔

سوال: معرب کا حکم کیا ہے؟

جواب: معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عامل کے اختلاف سے بدلتا رہے، چاہے بدلنا ذات کے اعتبار سے ہو یا صفت کے اعتبار سے ہو، یا حقیقت کے اعتبار سے ہو یا حکمی یا لفظی یا تقدیری طور پر بدلنا ہو۔

سوال: ذات کے اعتبار سے بدلنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ذات کے اعتبار سے بدلنے کا مطلب ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا۔

سوال: صفت کے اعتبار سے بدلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: صفت کے اعتبار سے بدلنے کا مطلب ایک حرکت کا دوسری حرکت سے بدلنا۔

سوال: حقیقی اعتبار سے بدلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: حقیقی اعتبار سے بدلنے کا مطلب تینوں حالتوں میں اعراب کا بدلنا۔

سوال: حکمی اعتبار سے بدلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: حکمی اعتبار سے بدلنے کا مطلب تینوں حالتوں میں اعراب کا نہ بدلنا۔

سوال: لفظی اعتبار سے بدلنے کا کیا مطلب؟

جواب: لفظی اعتبار سے بدلنے کا مطلب جن کا تلفظ کیا جا سکے۔

سوال: تقدیری اعتبار سے بدلنے کا کیا مطلب؟

جواب: تقدیری اعتبار سے بدلنے کا مطلب جن کا تلفظ نہ کیا جا سکے۔

فائدہ: عقلی طور پر آٹھ صورتیں نکلیں گی۔

(۱) اختلاف ذاتی لفظی حقیقی: جائنی ابوک، رایت اباک، مررت بابیک۔

(۲) اختلاف ذاتی لفظی حکمی: جائنی مسلمون، رایت مسلمِین، مررت بمسلمِین۔

(۳) اختلاف ذاتی تقدیری حقیقی: جائنی ابو القوم، رایت ابا القوم، مررت بابی القوم۔

(۴)اختلاف ذاتی تقدیری حکمی: جاءنی مسلمُوْ القوم، رایت مسلمِیِ القوم، مررت بمسلمِیِ القوم-

(۵)اختلاف صفتی لفظی حقیقی: جائنی زید، رایت زیدا، مررت بزید

(۶)اختلاف صفتی لفظی حکمی: جاءاحمدُ، رایت احمدَ، مررت باحمدَ

(۷)اختلاف صفتی تقدیری حقیقی: جائنی فتٰی، رایت فتٰی، مررت بفتٰی

(۸)اختلاف صفتی تقدیری حکمی: جائنی حبلٰی، رایت حبلٰی، مررت بحبلٰی

معرب کاحکم: یہ ہے کہ جس کا آخر بدلتا رہے عامل کے بدلنے سے۔

سوال: چند ایسی مثالیں جن میں عامل تو بدلتا ہے لیکن معرب کا آخر نہیں بدلتا جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ، ضربت زیداً، خالد ضارب زیداًان تینوں مثالوں میں زیدا منصوب ہے حالانکہ تینوں کا عامل مختلف ہے اور معرب کا آخر بدلا نہیں؟

جواب: عامل کے اختلاف کے ساتھ عمل کا بھی مختلف ہونا ضروری ہے اوران امثلہ میں عامل یقیناً مختلف ہے لیکن عمل مختلف نہیں ہے، لہذا پہلی مثال میں زیدا پرنصب آیا اِنَّ کے اسم ہونے کی بنا پراور دوسری مثال میں نصب آیا ضربت فعل کا مفعول بہ ہونے کی بنا پراور تیسری مثال میں جونصب آیا، اسم فاعل ضاربٌ کے مفعول ہونے کے بنا پر، اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

سوال: عبارت میں العوامل کا صیغہ استعمال کیا گیا جو جمع ہے اور جمع کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے گویا معرب کہا جائے گا جس کا آخر اس وقت بدلے جس پر تین عامل داخل ہو، لیکن اس کا کوئی قائل نہیں، اس لئے کہ ایک عامل سے معرب کا آخر بدلتا رہتا ہے؟

جواب: العوامل جمع کا صیغہ ہے، لیکن اس پر الف لام جنسی ہے اور اصول ہے کہ جب جمع پر الف لام داخل ہوتو جمع کی جمعیت ختم ہو جاتی ہے اور جنس کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور جنس کہا جاتا ہے جو کثیر اور قلیل دونوں پر صادق آئے، لہذا ایک عامل داخل ہو یا ایک سے زائد عامل داخل ہوں معرب کا آخر بدلے گا۔

اعراب کی تعریف

اَلْاِعْرَابُ مَا اخْتُلِفَ آخِرُہُ بِہٖ لِیَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَۃِ عَلَیْہِ

ترجمہ: اعراب وہ ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلتا ہے تا کہ وہ (حرکت اور حرف مبانی) ان معانی پر دلالت کرے جو یکے بعد دیگرے معرب پر آتے ہیں۔

مختصر تشریح

اعراب کی تعریف: اعراب وہ چیز ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے، تا کہ وہ اختلاف ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر پے بہ پے آتے ہیں۔ اُعْتُوِرَ عَلَیْہِ: یکے بعد دیگرے آنا۔ **المعتورۃ**: اسم فاعل واحد مؤنث ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب کے لغوی معنی کیا ہے؟

جواب: اعراب یہ باب افعال کا مصدر ہے، جس کے معنی ظاہر کرنے کے آتے ہیں۔

سوال: اعراب کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: اعراب کو اعراب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ معنی کو ظاہر کرتا ہے۔

سوال: اعراب کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب: اعراب وہ ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلے۔

سوال: اعراب کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے اس لئے کہ معرب کا آخر جیسے اعراب سے بدلتا ہے ویسے عامل سے بھی بدلتا ہے؟

جواب: اعراب کی تعریف میں جو "بهٖ" آیا ہے اس میں جو "باء" ہے یہ سبب کا ہے اور اس سے سببِ قریب مراد ہے، سببِ بعید مراد نہیں۔

فائدہ: سبب کی دو قسمیں ہیں (۱) سبب قریب (۲) سبب بعید۔

اعراب کے ذریعہ معرب کے آخر کو بدلنا سبب قریب ہے اور عامل کے ذریعہ معرب کو بدلنا یہ سبب بعید ہے، اس لئے معرب کے آخر کے بدلنے کی نسبت اعراب اور عامل دونوں کی طرف درست ہے فلا اشکال لہ۔

فائدہ: اعراب جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلے چاہے معرب کا آخر حرف کے ذریعہ بدلے جیسے جاءَ أبوک، رایتُ أباک، مرَرْتُ بأبِیک یا حرکت کے ذریعہ بدلے جیسے جاءزیدٌ رایت زیداً مررت بزیدٍ۔

فائدہ: اعراب کی چند قسمیں (۱) اعراب ذاتی (اعراب بالحروف) (۲) اعراب صفتی (اعراب بالحرکت) (۳) اعراب حقیقی (تینوں حالتوں میں اعراب الگ ہو (۴) اعراب حکمی تینوں حالتوں میں اعراب الگ نہ ہو۔ (۵) اعراب لفظی (اعراب کا تلفظ کیا جا سکے) (٦) اعراب تقدیری (جس کا تلفظ نہ کیا جا سکے) (۷) اعراب حکائی: معمول کو موجود عامل کی رعایت کے بغیر، سابق عامل کی رعایت کے ساتھ اعراب دینا جیسے کزیدٌ (۸) اعراب محلی: کسی اسم مبنی کے ترکیب میں واقع ہونے کی وجہ سے اعراب ظاہر نہ ہو۔

"لیدل علی المعانی المعتورۃ" پر ہونے والا اعتراض:

سوال: المعتورہ میں واؤ کو الف سے کیوں نہیں بدلا؟ جبکہ معتل کے قانون کے مطابق واؤ متحرک ہے اور اسکا ماقبل مفتوح ہے؟

جواب: معتل کا قانون چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ باب افتعال، باب تفاعل کے معنی میں نہ ہو اور عبارت میں معتورۃ، متعاورۃ کے معنی میں ہے اس لئے واؤ کو الف سے نہیں بدلا۔

سوال: الیدل علی المعانی المعتورۃ اعراب کی تعریف کا جز ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک لیدل علی المعانی المعتورۃ اعراب کی تعریف کا جز نہیں ہے بلکہ بطور فائدہ مذکور ہے۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ معرب پر جو پے در پے معنی آتے ہیں کبھی فاعل کا، کبھی مفعول کا، کبھی اضافت کا تو اعراب کا آخر اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک لیدل علی المعانی المعتورۃ اعراب کی تعریف کا جز ہے اور قید اتفاقی ہے، اس سے وضاحت مقصود ہے نہ کہ قید احترازی۔

فائدہ: قید کی دو قسمیں ہیں (۱) قید احترازی: اس سے کسی چیز کو خارج کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (۲) قید اتفاقی: اس سے کسی چیز کو خارج کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ وضاحت مقصود ہوتی ہے۔

سوال: مصنفؒ عبارت میں المعتورۃ علیہ کہا اور معتورۃ یہ باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا صلہ لام آتا ہے علی نہیں آتا؟

جواب: عبارت میں صنعت تضمین ہے۔ اور صنعت تضمین کہتے ہیں کسی فعل کے ظاہری معنی مراد نہ لیا جائے بلکہ چھپے ہوئے معنی مراد لیا جائے اور اس پوشیدہ اور چھپے ہوئے معنی کے اعتبار سے صلہ ذکر کیا جائے چنانچہ اعتور کے ظاہری معنیٰ ہیں، باری باری سے بدلیت کے طور پر آنا، اور اس جگہ چھپا ہوا معنی ورود یا استیلاء (کسی چیز کا پے در پے آنا) مراد ہے اور ورود اور استیلاء دونوں کا صلہ علی آتا ہے اس لئے مصنف نے علی کا استعمال کیا۔

سوال: مصنف نے معرب کی تعریف کو اعراب کی تعریف پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: معرب بمنزلہ موصوف کے ہے اور اعراب بمنزلۂ صفت کے ہے اور موصوف صفت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے معرب کی تعریف کو اعراب کی تعریف پر مقدم کیا۔

سوال: اعراب آخر میں کیوں آتا ہے؟

جواب: اعراب صفت ہے اور معرب موصوف ہے، لہذا محل اعراب صفت ہوا، جو موصوف سے مؤخر ہوتا ہے، اس لئے اعراب اخیر میں آتا ہے نہ کہ شروع میں۔

  

اعراب کی قسمیں

وَاَنْوَاعُهُ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ

ترجمہ: اوراعراب کی قسمیں، رفع ،نصب اور جر ہیں۔

مختصر تشریح

اعراب کی قسمیں رفع ،نصب اور جر ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب کی قسموں کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اعراب کی تین قسمیں ہیں (۱) رفع (۲) نصب (۳) جر

سوال: رفع کو رفع کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) رفع کے معنی بلندی کے آتے ہیں اور رفع یہ فاعل کی علامت ہے اور فاعل بھی کلام میں دوسرے پر بلند ہوتا ہے۔

(۲) رفع کو جب ادا کیا جاتا ہے تو نیچے والا ہونٹ اوپر اٹھتا ہے اور رفع کے معنی بھی اٹھنے اور بلندی کے آتے ہیں۔

سوال: نصب کو نصب کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) نصب کے معنی آتے ہیں گاڑنا ، برقرار رکھنا ، نصب مفعول کی علامت ہے اور مفعول کلام میں فضلہ ہوتا ہے اور جو چیز فضلہ ہوتی ہے اس کو کلام میں سے ہٹا دیا جاتا ہے اور نصب نے مفعول کو کلام میں برقرار رکھا ، ورنہ وہ کلام میں باقی نہیں رہتا اس لئے اس کو نصب کہتے ہیں۔

(۲) جب نصب کو ادا کرتے ہیں تو ہونٹ اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں اوپر نیچے نہیں ہوتے اور نصب کے معنی ہیں برقرار رہنا، اس لئے اس کو نصب کہتے ہیں۔

سوال: جر کو جر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: (۱) جر کے معنی کھینچنے کے آتے ہیں اور جر فعل کے معنی کو اسم کی طرف کھینچتا ہے۔

(۲) جر کو جب ادا کیا جاتا ہے تو ہونٹ نیچے کی طرف جھکتا ہے، اس لئے اسکو جر کہتے ہیں۔

فائدہ: بصریین کے نزدیک رفع، نصب، اور جر معرب کے لئے اور ضمہ، فتحہ وکسرہ مبنی کے ساتھ خاص ہے۔ شعر:

رفع، نصب، جر، جزم	ایں چہار از برائے معرب آمد اختیار
ضم و فتح و کسر و وقف اند	شمار از برائے مبنی آمد اختیار

کوفیین کے نزدیک معرب اور مبنی دونوں میں عام ہے۔ شعر:

ضمہ، فتحہ، کسرہ، ہم سون ایں ہمہ را مشترک دان ذی ظنون

سوال: مصنف اسم معرب کا اعراب بیان کر رہے ہیں اور جزم بھی تو معرب کا اعراب ہے تو پھر اس کو بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب: جزم کا تعلق فعل کے ساتھ ہے اور بحث چل رہی ہے اسم معرب کی، اس لئے جزم کو بیان نہیں کیا۔

سوال: اقسامہ کی بجائے انواعہ کیوں لکھا؟

جواب: انواع یہ نوع کی جمع ہے اور نوع کہتے ہیں ایسی کلی کو جس کا تعلق کثیر افراد کے ساتھ ہو، جن کی حقیقتیں ایک ہو اور رفع، نصب اور جر بہت سارے افراد کو لئے ہوئے ہیں، جیسے رفع کے ماتحت الف، واؤ اور ضمہ داخل ہے اور نصب کے ماتحت یاء، الف، کسرہ اور فتحہ آتا ہے اور جر کے ماتحت یاء، فتحہ اور کسرہ داخل ہے، اس لئے اقسام کے بجائے انواع کہا۔

سوال: رفع کا اطلاق ضمہ پر اور نصب کا فتحہ پر اور جر کا کسرہ پر ہوتا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رفع نصب اور جر میں اعراب بالحروف داخل نہیں ہے؟

جواب: مصنفؒ کے نزدیک رفع نصب جر کا اطلاق حرکات اور حروف دونوں پر ہوتا ہے اس لئے اعراب بالحروف کو الگ بیان نہیں کیا۔

فَالرَّفْعُ عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ وَالنَّصْبُ عَلَمُ الْمَفْعُوْلِيَّةِ وَالْجَرُّ عَلَمُ الْاِضَافَةِ

ترجمہ: پس رفع، فاعلیت کی علامت ہے۔ اور نصب مفعولیت کی علامت ہے۔ اور جر اضافت کی علامت ہے۔

مختصر تشریح

رفع، فاعل ہونے کی علامت ہے۔ نصب، مفعول ہونے کی علامت ہے۔ جر، اضافت کی علامت ہے گویا زبر، زیر اور پیش اعراب ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب کے انواع کو بیان کرنا ہے پس رفع فاعلیت کی، نصب مفعولیت کی جر اضافت کی علامت ہے (کل فاعل مرفوع، کل مفعول منصوب، و کل مضاف الیہ مجرور) جیسے جاء نی زید۔ جاء فعل زید فاعل اس لئے زید پر رفع آیا۔ رأیت زیدا۔ رأیت فعل با فاعل زیدا مفعول اس لئے زید پر نصب آیا اور نصرت غلام زید۔ زید مضاف الیہ ہے اس لئے زید پر جر آیا۔

سوال: مصنفؒ نے علم الفاعل اور علم المفعول نہیں کہا بلکہ تاء کی زیادتی کے ساتھ الفاعلیۃ و المفعولیۃ کیوں کہا؟

جواب: مصنفؒ نے تاء بڑھا کر ملحقات فاعل (نائب فاعل، مبتدا وغیرہ) کو داخل کیا اور مفعول میں تاء بڑھا کر ملحقات مفعول (مستثنی، حال وغیرہ) کو داخل کیا۔

سوال: علم الاضافة میں یاءکوزیادہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: اضافت یہ مصدر ہے باب افعال کا اور مصدری معنی پہلے سے اس میں موجود ہے لہذا اس کا اطلاق اضافت کے تمام افراد پر ہوگا۔

سوال: اعراب کے انواع کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: اعراب کے انواع کی وجہ حصر یہ ہے: اعراب عمدہ ہوگا یا فضلہ، اگر عمدہ ہے تو رفع اور اگر فضلہ ہے تو اس کی بھی دو صورتیں، بلا واسطہ ہوگا یا بالواسطہ، اگر بلا واسطہ ہے تو نصب اور اگر بالواسطہ ہے تو جر۔

سوال: فاعل کو رفع کیوں دیا؟

جواب: فاعل کا استعمال قلیل ہوتا ہے مفعول کے مقابلے میں اور جس چیز کا استعمال قلیل ہوتا ہے وہ چیز ثقالت کو قبول کرتی ہے اور رفع ثقیل ہے اس لئے رفع ثقیل فاعل کو دیا۔

سوال: مفعول کو نصب کیوں دیا؟

جواب: مفعول کا استعمال کثیر ہے اور جس چیز کا استعمال کثیر ہو وہ تخفیف چاہتا ہے اور فتحہ یہ مخفف ہے لہذا مفعول کو نصب دیدیا۔ جر مضاف الیہ کو دیدیا اس لئے کہ یہی باقی تھا۔

عامل کی تعریف

اَلْعَامِلُ مَا بِهٖ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنٰى الْمُقْتَضِيُّ لِلْاِعْرَابِ

ترجمہ: اور عامل وہ شئ ہے جس کی وجہ سے اعراب کا تقاضہ کرنے والا معنی حاصل ہو۔

مختصر تشریح

عامل کی تعریف: عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعہ وہ معنی وجود میں آتا ہے جو اعراب کو چاہنے والا ہے جیسے جاء زید، رأیت زیدا، مررت بزید میں جاء، رایت اور با عامل ہیں، کیونکہ ان کی وجہ سے زید، فاعل، مفعول اور مجرور بنا ہے، چنانچہ اس پر رفع، نصب اور جر آیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد عامل کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سوال: عامل کی تعریف کیا ہے؟

جواب: عامل کی تعریف: کسی اسم کا عامل وہ شیٔ ہے جس شیٔ کے سبب سے وہ معنی حاصل ہوتا ہے جو معنی اعراب کا تقاضہ کرتا ہے، معنی سے مراد فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت ہے۔

(۱) جیسے ضرب زید میں ضرب کے ذریعہ زید کی فاعلیت حاصل ہوئی۔

(۲) ضربت زیدا میں ضربت کے ذریعہ زیدا میں مفعولیت حاصل ہوئی۔

(۳) مررت بزید میں حرف باء کے ذریعہ زید میں اضافت حاصل ہوئی۔

فاعلیت، رفع کا، مفعولیت، فتحہ کا اور اضافت جر کا تقاضہ کرتی ہے۔

سوال: عامل کی تعریف جامع نہیں ہے، کیونکہ فعل کے عامل (لم یضرب) پر صادق نہیں ہے؟

جواب: یہ عاملِ اسم کی تعریف بیان کرنا ہے نہ کہ مطلق عامل کی تعریف۔

سوال: عامل کی تعریف جامع نہیں کیونکہ بحسبک درھم میں ''باء'' عامل ہے، لیکن اس پر عامل کی تعریف صادق نہیں ہے؟

جواب: عاملِ اسم کی تعریف بھی مطلق نہیں بلکہ اسم کے اس عامل کی تعریف بیان کرنا ہے جو معنی میں مؤثر ہو۔

اسم متمکن کے اعراب کی قسمیں

فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ وَالْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ الْمُنْصَرِفُ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَالْكَسْرَةِ جَرًّا۔

ترجمہ: پس مفرد منصرف اور جمع مکسر کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

اسم متمکن کے اعراب کی نو (۹) قسمیں ہیں:

چنانچہ اعراب لفظی بالحرکت کی تین صورتیں ہیں۔

اسم متمکن: اسم معرب کو کہتے ہیں، اس کے اعراب کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور تقدیری، پھر لفظی کی دو قسمیں ہیں: بالحرکت اور بالحرف۔ اول تین قسموں کا اعراب لفظی اور حرکت کے ذریعہ ہے، دوسری تین قسموں کا اعراب لفظی اور حروف کے ذریعہ ہے اور آخری تین قسموں کا اعراب تقدیری ہے۔

اعراب لفظی بالحرکت کی پہلی صورت: رفع پیش سے، نصب زبر سے اور جر زیر سے یہ اعراب مفرد منصرف (صحیح اور جاری مجری صحیح) کا اور جمع مکسر منصرف کا ہے۔

(۱) مفرد منصرف صحیح کی مثال: هٰذا رَجُلٌ، رَاَیْتُ رَجُلاً، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ۔

(۲) مفرد منصرف جاری مجری صحیح کی مثال: هذا دلوٌ، رایتُ دلواً، مررتُ بِدَلْوٍ، هذا ظبی، رایت ظبیا، مررت بظبی۔

(۳) جمع مکسر منصرف کی مثال: جائنی رجال، رایت رجالا، مررت برجال۔

فائدہ: مفرد منصرف صحیح وہ اسم ہے جو مفرد ہو، تثنیہ، جمع نہ ہو اور منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو اور صحیح ہو (اس کے آخر میں حرف علت نہ ہو) جیسے رجل، وعد، زید۔

نحوی حضرات حرف آخر کا اعتبار کرتے ہیں، پس اگر فا کلمہ میں حرف علت ہو جیسے وعد یا عین کلمہ میں حرف علت ہو جیسے زید تو وہ بھی صحیح ہے۔

مفرد منصرف جاری مجری صحیح: وہ اسم ہے جو مفرد ہو، منصرف ہو اور اس کے آخر میں واو یا یاء ماقبل ساکن ہو جیسے دلو، ظبی۔

جمع مکسر منصرف: وہ جمع ہے جس میں واحد کا وزن باقی نہ رہا ہو اور منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو، جیسے رجال، پس جمع سالم نکل گئی اور مصابیح جیسی جمع بھی نکل گئی، کیونکہ وہ غیر منصرف ہے۔

فائدہ: اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب بالحرکت (۲) اعراب بالحروف۔ ان میں اصل اعراب بالحرکت ہے۔ اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب لفظی (۲) اعراب تقدیری۔ ان میں اصل اعراب لفظی ہے۔ اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب حقیقی (۲) اعراب حکمی۔ ان میں اصل اعراب حقیقی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد عبارت سے کیا ہے؟

جواب: مصنف اسم متمکن کی قسموں کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا: (۱) مفرد منصرف صحیح اور جاری مجری صحیح اور جمع مکسر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ، نصبی میں فتحہ اور جری میں کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔

مفرد منصرف صحیح کی مثال: حالت رفعی میں جائنی زید حالت نصبی میں، رایت زیدا، اور حالت جری میں مررت بزید۔

جمع مکسر منصرف کی مثال: حالت رفعی میں جائنی رجال حالت نصبی میں رأیت رجالا حالت جری میں مررت برجال۔

سوال: مفرد کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مفرد کی قید سے تثنیہ اور جمع کو خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ ان کا اعراب الگ آتا ہے۔

فائدہ: مفرد کا لفظ مختلف چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے۔ جیسے کلمہ کی تعریف میں مفرد کا لفظ، مرکب کے مقابلہ میں آتا ہے۔ منادی کی بحث میں مفرد کا لفظ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلہ میں آتا ہے۔ تمیز کی بحث میں مفرد کا لفظ جملہ اور شبہ جملہ کے مقابلہ میں آتا ہے۔

سوال: منصرف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: منصرف کی قید سے غیر منصرف کو نکالنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: مفرد منصرف کے ساتھ صحیح کی قید کیوں نہیں لگائی، مفرد منصرف صحیح کہنا چاہئے تھا؟

جواب: (ا): صحیح کی قید محذوف ہے، اس لئے کہ صحیح کی دو صورتیں ہیں (ا) صرفی صحیح (۲) نحوی صحیح۔

(ا) صرفی صحیح: کلمہ میں نہ ہمزہ ہو اور نہ حرف علت ہو اور نہ دو حرف ایک جنس کے ہوں۔

(۲) نحوی صحیح: کلمہ کے اخیر میں حرف علت نہ ہو، چونکہ گفتگو نحو کے اعتبار سے ہو رہی ہے، اس لئے یہ بات قرینہ بنے گی کہ یہاں صحیح ہی مراد ہے، غیر صحیح مراد نہیں ہے۔

سوال: مفرد منصرف صحیح کو یہ اعراب کیوں دیا؟

جواب: قاعدہ ہے الاصل یقتضی الاصل (اصل، تقاضا کرتی ہے اصل کا) چنانچہ مفرد، اصل ہے تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں اور منصرف، اصل ہے غیر منصرف کے مقابلے میں اور صحیح اصل ہے غیر صحیح کے مقابلے میں۔ اعراب بالحرکت اصل ہے اعراب بالحروف کے مقابلے میں، لہذا اصل کو اصل کا اعراب دیا۔

جمع المکسر المنصرف

سوال: جمع مکسر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جمع مکسر ایسی جمع کو کہتے ہیں جس میں اس کی جمع بناتے وقت واحد کا وزن صحیح سالم نہ رہے۔

سوال: جمع مکسر میں واحد سے جمع بنانے میں جو تغیر ہوتا ہے وہ کتنی قسم کا ہوتا ہے؟

جواب: جمع مکسر میں واحد سے جمع بنانے میں جو تغیر ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے (۱) تغیر حکمی (۲) تغیر حقیقی۔

سوال: تغیر حکمی کا کیا مطلب؟

جواب: تغیر حکمی کا مطلب لفظوں میں کوئی تغیر نہ ہو بلکہ تصور میں تغیر ہو جیسے فُلْک اُسُدٗ کے وزن پر ہو تو جمع اور قُفُلٗ کے وزن پر ہو تو واحد ہوگا۔

سوال: تغیر حقیقی کا کیا مطلب؟

جواب: تغیر حقیقی کا مطلب لفظوں میں حروف یا حرکات کے اعتبار سے کوئی تغیر ہو۔

سوال: تغیر حقیقی کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: تغیر حقیقی کی چار صورتیں ہیں: (۱) تغیر بالحرکت جیسے اَسَد سے اُسُد حرکت میں تغیر ہوا نہ کہ حرف میں۔ (۲) تغیر بزیادۃ الحرف جیسے رَجُل سے رِجَال۔ (۳) تغیر بنقصان الحرف جیسے رسول سے رُسُل۔ (۴) تغیر بزیادۃ الحرف وبنقصان الحرف جیسے غلام سے غلمان وغلمہ۔

سوال: جمع کے ساتھ مکسر کی قید کیوں ہے؟

جواب: مکسر کی قید سے جمع سالم کو خارج کرنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: منصرف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: منصرف کی قید سے غیر منصرف کو نکالنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: جمع مکسر منصرف کو اصل کا اعراب کیوں دیا؟

جواب: جمع مکسر منصرف یہ مفرد منصرف کے مشابہ ہے اور مفرد منصرف کو اصل کا اعراب دیا، تو اس سے مشابہ جمع مکسر کو بھی اصل کا اعراب دیا۔

سوال: جمع مکسر کی مشابہت، مفرد منصرف کے ساتھ کس چیز میں ہے؟

جواب: (۱) جمع مکسر کی مشابہت، مفرد منصرف کے ساتھ گردان میں ہے کہ مفرد منصرف صحیح کی گردان جس انداز سے ہوتی ہے اسی طرح جمع مکسر منصرف کی بھی گردان ہوتی ہے۔

(۲) وضع اور بناوٹ کے اعتبار سے ہے، جس طرح مفرد منصرف کی بناوٹ ہوتی ہے، اسی طرح جمع مکسر کی بھی بناوٹ ہوتی ہے، اس لئے اس کو بھی یہی اعراب دے دیا۔

سوال: سنة جس کے معنی سال کے ہیں، اس کی جمع سنون یا سنین (بکسر السین) ہے، گویا جمع کے واحد کا وزن سلامت نہیں ہے کیونکہ سین کی حرکت بدل گئی اور لام کلمہ بھی محذوف ہوگیا۔ اسی طرح مسلمة کی جمع مسلمات ہے، اس جمع کے واحد کا وزن بھی سلامت نہیں ہے، لہذا یہ دونوں جمع: جمع مکسر ہیں، لیکن ان کا اعراب اعراب بالحرکت نہیں ہے؟

جواب: جمع مکسر سے وہ جمع مراد ہے جو واؤ اور نون یا، یا اور نون بڑھا کر، یا الف اور تا بڑھا کر نہ بنائی گئی ہو لہذا اِسنون اور سِنین اور مسلمات جمع مکسر نہیں ہیں، اس لئے کہ سنون یا سنین میں واو اور نون یا، یا اور نون بڑھایا گیا ہے اور مسلمات میں الف اور تا بڑھایا گیا ہے۔

سوال: رفعا، نصبا، جرا کو نصب کیوں دیا؟

جواب: ان کے نصب میں تین احتمالات ہیں: (۱) یا تو ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت ہوگی۔ یعربان بالضمة وقت الرفع ویعربان بالفتحة وقت النصب ویعربان بالكسرة وقت الجر۔

(۲) یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت ہوگی۔ یعربان بالضمة اعراب الرفع و یعربان بالفتحة اعراب النصب و یعربان بالكسرة اعراب الجر۔ ہر دو احتمال کی صورت میں مضاف مقدر ہوگا۔

(۳) یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت ہوگی۔
يعربان بالضمة مرفوعين و يعربان بالفتحة منصوبين و يعربان بالكسرة مجرورين۔ مصدر بجائے معروف کے مجہول ہوجائے گا۔

سوال: مصنف نے مفرد منصرف اور جاری مجری صحیح کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟
جواب: مصنف نے مفرد منصرف اور جاری مجری صحیح کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ مفرد منصرف کے قائم مقام ہے، جب مفرد منصرف صحیح کا اعراب بیان کردیا تو ضمناً مفرد منصرف اور جاری مجری کا بھی تذکرہ آ گیا۔

جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ بِالضَّمَّةِ وَالْكَسْرَةِ

ترجمہ: اور جمع مؤنث سالم کا اعراب ضمہ کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور کسرہ کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں)۔

مختصر تشریح

اعراب لفظی بالحرکت کی دوسری صورت: رفع پیش سے اور نصب وجر زیر سے: یہ اعراب جمع مؤنث سالم کا ہے۔ جیسے **هذه مُسلِمَات، رايت مسلمات، مررت بمسلمات**۔
جمع مؤنث سالم: الف تاء کے ذریعہ بنائی جاتی ہے اور جمع بناتے وقت مؤنث کے آخر سے گول ۃ حذف کردیتے ہیں جیسے **مسلمة** سے **مسلمات**۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد عبارت مذکورہ سے کیا ہے؟
جواب: مصنف کا مقصد عبارت مذکورہ سے جمع مؤنث سالم کا اعراب بیان کرنا ہے۔
سوال: جمع مؤنث سالم کسے کہتے ہیں؟

جواب: جمع مؤنث سالم ایسی جمع کو کہتے ہیں جس کے اخیر میں الف اور تاء آئے۔

سوال: جمع مؤنث سالم کا اعراب کیا ہے؟

جواب: جمع مؤنث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصبی اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسے جاء مسلمات, رأیتُ مسلمات، مررتُ بمسلمات۔

سوال: جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف پر مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: (۱) جمع مؤنث سالم میں اصل کی مخالفت قلیل اور غیر منصرف میں اصل کی مخالفت کثیر ہے؛ کیونکہ غیر منصرف میں ایک حرکت (کسرہ) متروک ہوتی ہے اور تنوین بھی نہیں آتی اور جمع مؤنث سالم میں ایک حرکت (فتحہ) متروک ہوتی ہے، لیکن تنوین متروک نہیں ہوتی گویا اصل سے مخالفت قلیل ہے۔

(۲) جمع مؤنث سالم کی معرفت غیر منصرف کی معرفت سے زیادہ آسان اور واضح ہے، اس لئے جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف پر مقدم کیا۔

سوال: جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کیوں کیا؟

جواب: جمع مؤنث سالم، جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور جمع مذکر سالم میں نصب کو جر کے تابع کیا ہے، جب اصل میں نصب کو جر کے تابع کیا تو فرع میں بھی نصب کو جر کے تابع کیا، تاکہ فرع کی مزیت (زیادتی) اصل پر لازم نہ آوے۔

سوال: جمع مؤنث سالم، جب مذکر سالم کی فرع ہے اور اعراب بالحروف اعراب بالحرکت کی فرع ہے، تو فرع کو فرع کا اعراب (بالحروف) دینا چاہئے، اعراب بالحرکت کیوں دیا؟

جواب: جمع مؤنث سالم، فرع کا اعراب (اعراب بالحروف) قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی ہے۔

سوال: جمع مؤنث سالم، اعراب بالحروف کو قبول کرنے کی صلاحیت کیوں نہیں رکھتی؟

جواب: (۱) اعراب بالحروف (واؤ، الف اور یاء) کے آنے کے لئے ضروری ہے کہ آخر میں حرف علت ہو اور جمع مؤنث سالم کے آخر میں الف اور تاء آتی ہے، حرف علت نہیں آتا۔
(۲) جمع مؤنث سالم کو جو اعراب دیا گیا حرکت کے ذریعہ، وہ بھی ایک اعتبار سے فرع کا اعراب ہے۔

سوال: فرع کا اعراب کیسے؟

جواب: اعراب بالحرکت کی دو صورتیں ہیں (۱) تینوں حالتوں میں الگ الگ اعراب، حالت رفعی میں ضمہ اور نصبی میں فتحہ اور جری میں کسرہ (۲) تینوں حالتوں میں الگ الگ اعراب نہ ہو بلکہ بعض بعض میں مدغم ہو۔ اب یہ دوسری صورت فرع ہے، پہلی صورت کی اور جمع مؤنث سالم کو دوسری صورت کا اعراب دیا گیا، گویا فرع کو فرع کا اعراب ہی دیا ہے۔

غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ بِالضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ۔

ترجمہ: غیر منصرف کا اعراب ضمہ کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور فتح کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں)۔

مختصر تشریح

اعراب لفظی بالحرکت کی تیسری صورت: رفع پیش سے اور نصب و جر زبر سے، یہ اعراب غیر منصرف کا ہے۔ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، جیسے هذا عمر، رایت عمر اور مررت بعمر۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: غیر منصرف کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: غیر منصرف کا اعراب کیا آئے گا؟

جواب: غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت نصبی اور حالت جری میں فتحہ کے ساتھ آتا ہے جیسے جاءنی احمد، رأیت احمد، مررت باحمد۔

سوال: غیر منصرف کسے کہتے ہیں؟

جواب: غیر منصرف ایسے اسم کو کہا جاتا ہے، جس میں اسباب منع صرف میں سے کوئی دوسبب یا ایک ایسا سبب جو دوسبب کے قائم مقام ہو پایا جائے۔

سوال: غیر منصرف کو اعراب بالحرکت کیوں دیا حالانکہ یہ منصرف کی فرع ہے؟

جواب: (۱) غیر منصرف یہ منصرف کی فرع ہے اور منصرف کا اعراب حرکت کے ذریعہ ہوتا ہے، تو غیر منصرف کو بھی حرکت کے ذریعہ اعراب دیا تاکہ مخالفت نہ ہو۔

(۲) غیر منصرف کو فرع کا ہی اعراب دیا، جس کی تفصیل جمع مؤنث سالم میں آگئی۔

سوال: غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع کیوں کیا؟

جواب: غیر منصرف میں حالت جری کو حالت نصبی کے تابع کیا، اس لئے کہ غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے اور فعل پر کسرہ نہیں آتا۔

سوال: فعل کے ساتھ مشابہت کس اعتبار سے پائی جاتی ہے؟

جواب: فعل کے ساتھ مشابہت دو اعتبار سے پائی جاتی ہے (۱) فعل مصدر سے مشتق ہے تو مصدر اصل ہے اور فعل فرع ہے (۲) فعل، فاعل کا محتاج ہوتا ہے۔

اسی طرح اسباب منع صرف میں سے ہر ایک سبب کسی نہ کسی کی فرع ہے۔

(۱) عدل، معدول عنہ کی فرع ہے۔ (۲) وصف، موصوف کی فرع ہے۔

(۳) تانیث، تذکیر کی فرع ہے۔ (۴) معرفہ، نکرہ کی فرع ہے۔

(۵) عجمہ، عربی کی فرع ہے۔ (۶) جمع، واحد کی فرع ہے۔

(۷) ترکیب، مفرد کی فرع ہے۔ (۸) وزن فعل، اسم فعل کی فرع ہے۔

(۹) الف نون زائدتان، تانیث کے دو الف کی فرع ہے۔

فعل، فاعل کا محتاج ہوتا ہے اور غیر منصرف، اسباب منع صرف کے دوسبب کا محتاج

ہوتا ہے، دونوں کی شکل ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے اس پر کسرہ نہیں آتا۔

سوال: غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا تو حالت جری میں فتحہ کیوں آتا ہے؟ اگر جر کی حالت میں ضمہ مان لیا جائے تو کیا حرج ہوگا؟

جواب: رفع عمدہ کی علامت ہے اور جر یہ فضلہ کی علامت ہے، لہذا اجر کو رفع کے تابع کر کے جر کی حالت میں رفع دینا درست نہیں، ہاں جر کو نصب کے تابع کر کے جر کی حالت میں فتحہ دینا درست ہے؛ کیونکہ جر کی طرح نصب بھی فضلہ کی علامت ہے۔

أَبُوْكَ وَأَخُوْكَ وَحَمُوْكِ وهَنُوْكَ وَفُوْكَ وَذُوْمَالٍ مُضَافَةً
اِلٰی غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بِالْوَاوِ وَالْاَلِفِ وَالْيَاءِ۔

ترجمہ: ابوک (تیراباپ) اخوک (تیرابھائی) حموک (تیرادیور) ھنوک (تیری شرمگاہ) فوک (تیرامنہ) ذو مال (مال والا) درآنحالیکہ یہ یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوان کا اعراب واو کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور الف کے ساتھ (حالت نصبی میں) اور یاء کے ساتھ (حالت جری میں)۔

مختصر تشریح

اعراب بالحروف کی پہلی صورت: رفع واو سے، نصب الف سے اور جر یاء سے، یہ اعراب چھ اسموں کا ہے، وہ یہ ہیں۔

(۱) اب (۲) اخ (۳) حم (جیٹھ، دیور) (۴) ھن (مرد یا عورت کی آگے کی شرمگاہ) (۵) فم (منھ) (۶) ذو (والا) ان چھ اسموں میں جب تین شرطیں پائی جائیں تو یہ اعراب آئے گا۔

شرطِ اول: وہ مفردہ ہوں، تثنیہ، جمع نہ ہوں (اگر تثنیہ، جمع ہوں گے تو ان پر تثنیہ، جمع کا اعراب آئے گا)۔

دوسری شرط: مکبّرہ ہوں، مُصَغَّرہ نہ ہوں (اگر مصغر ہوں گے تو ظاہری حرکت سے اعراب آئے گا)

تیسری شرط: یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں (مصنف نے یہی شرط ذکر کی ہے) اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں، تو ظاہری حرکت سے اعراب آئے گا اور جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو غلامی کی طرح تینوں اعراب تقدیری ہوں گے۔ جیسے جاء ابوک الخ، رایت اباک الخ، مررت بابیک الخ

فائدہ: حم: جیٹھ، دیور: یہ رشتہ دار صرف عورت کے ہوتے ہیں، اس لئے کاف پر صرف کسرہ آئے گا۔ مرد کے سالے، سالیاں ختن اور ختنۃ کہلاتے ہیں۔ فم پر یہ اعراب اس وقت آئے گا جب اس کی میم حذف کر دی جائے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب بالحرکت (لفظی) کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اعراب بالحروف (لفظی) کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب بالحروف (لفظی) کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اعراب بالحروف (لفظی) کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اسمائے ستہ مکبرہ (۲) تثنیہ (۳) جمع مذکر سالم۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب کیا ہوگا؟

جواب: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں یاء کے ساتھ آتا ہے۔

سوال: اسمائے ستہ کے حروف اصلیہ کیا ہیں؟

جواب: چھ اسموں میں سے چار اسم (أب، أخ، حم، هن) ناقص واوی ہیں، جو

اصل میں ارض کے وزن پر ابو، اخو، حمو، هنو تھے۔

سوال: ان کا اصل ہونا کیسے معلوم ہوا؟

جواب: ان کی اصل پر قرینہ ہے کہ ان کا تثنیہ ابوان، اخوان، حموان، هنوان آتا ہے، معتل کے قانون سے واوٴ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی گئی، پھر اجتماع ساکنین سے واوٴ گر گیا۔ جیسے اخ اصل میں اَخَوٌ تھا، معتل کے قاعدہ سے واو کی حرکت نقل کر کے خ کو دی، اب اخُوْنْ ہوا، واو اور نون دو ساکن جمع ہوئے واو کو گرا دیا أخ ہو گیا۔

فائدہ: کبھی اجتماع ساکنین کے بغیر بھی واوٴ گرا دیتے ہیں چنانچہ ماتن نے مجرورات کے بیان میں لکھا ہے اما الاسماء الستہ فاخي و ابي و تقول حمي و هني اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع ساکنین کے بغیر بھی واوٴ گرا دیتے ہیں۔

(۵) فم: اجوف واوی ہے۔

سوال: اجوف واوی ہونا کیسے معلوم ہوا؟

جواب: دراصل فم، فوه تھا۔ اس کا پتہ اس طرح چلا کہ اس کی جمع افواه آتی ہے، خلاف قیاس (ہ) محذوف ہوگئی تو ”فُوْ“ رہ گیا۔

سوال: اب فم کیسے ہوا؟

جواب: جب فُوْ مضاف نہ ہو تو واو کو، وجوباً میم سے بدلتے ہیں۔ اور اگر مضاف ہو تو میم سے بدلنا اور نہ بدلنا دونوں طریقے جائز ہیں۔

فائدہ: شاید واو کو میم سے اس لئے بدلا جاتا ہے کہ میم اور واو دونوں قریب المخرج ہیں۔

(۶) ذو: لفیف مقرون ہے۔

سوال: اس کا لفیف مقرون ہونا کیسے معلوم ہوا؟

جواب: ذو کی اصل ذَوُوٌ تھی، بغرض تخفیف خلاف قیاس ایک واو کو گرا دیا اور ذال کی حرکت حذف کر کے واو کی حرکت ذال کو دے دی تو ذو ہو گیا۔

فائدہ: ذو میں ذال کی حرکت، حرکت اعرابیہ کے تابع ہوتی ہے، اسی وجہ سے ذو

مال، ذامال اور ذی مال پڑھا جاتا ہے۔

فائدہ: ذو کا مؤنث ذات ہے، جو اصل میں ذوات تھا اور تثنیہ مؤنث ذواتا آتا ہے اور جمع مذکر سالم ذَوون اور ذَوین آتا ہے۔

سوال: چار اسم (اب، اخ، حم، ھن) جو ناقص واوی ہیں، انہیں باقی دو اسموں (فم، ذو) جو اجوف ولفیف ہیں، ان پر کیوں مقدم کیا؟

جواب: (۱) چار اسم (اب، اخ، حم، ھن) جو ناقص واوی ہیں، ان میں حرف کا حذف ہونا قیاس کے مطابق ہے اور جو اجوف (فم) یا لفیف (ذو) ہیں، ان میں ایک ایک حرف خلاف قیاس حذف ہوا ہے، اس لئے جو قیاس کے مطابق ہیں انہیں مقدم کیا۔

(۲) ناقص، کثیر ہیں کیونکہ چار ہیں اور اجوف اور لفیف قلیل ہیں کیونکہ دو ہیں اور قلیل کے مقابلے میں کثیر کی عزت ہوتی ہے، اس لئے ناقص کو اجوف اور لفیف پر مقدم کیا۔

سوال: ان اسماء کو اسمائے ستہ مکبرہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ان اسماء کو ستہ تو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسماء چھ ہیں اور مکبرہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مصغرہ نہیں ہیں۔

سوال: اسمائے مکبرہ تو کثیر ہیں، ان میں سے ان چھ کا انتخاب کیوں؟

جواب: اسمائے مکبرہ تو کثیر ہیں، ان میں سے ان چھ کا انتخاب اس لئے ہے کہ ان کی مشابہت تثنیہ اور جمع (جو مفرد کی فرع ہے) کے ساتھ پائی جاتی ہے اور تثنیہ و جمع کی اعراب کے اعتبار سے چھ حالتیں ہیں، ہر ایک کے مقابل ایک مکبرہ منتخب کیا۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کی مشابہت تثنیہ اور جمع کے ساتھ کیسے؟

جواب: ان اسماء کی مشابہت تثنیہ اور جمع کے ساتھ لفظی اور معنوی دونوں طرح ہیں۔

سوال: لفظاً مشابہت کیسے؟

جواب: لفظاً مشابہت اس طرح ہے کہ تثنیہ اور جمع کے اخیر میں حرف علت ہوتا ہے، اسی طرح ان اسمائے کے اخیر میں بھی حرف علت ہے۔

سوال: معناً مشابہت کیسے؟

جواب: معناً مشابہت اس طرح ہے کہ تثنیہ وجمع میں دو کے معنی ہوتے ہیں، اسی طرح ان اسماء میں بھی دو کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسے اب کہیں گے تو باپ کے ساتھ بیٹا ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب کیا ہے؟

جواب: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب حالت رفعی میں واو کے ساتھ، حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں یا کے ساتھ آتا ہے جیسے جائنی ابوک، رأیت اباک، مررت بأبیک۔

سوال: اسمائے ستہ مکبرہ کا یہ اعراب مطلقاً ہے؟

جواب: اسمائے ستہ مکبرہ کا یہ اعراب مطلقاً نہیں ہے بلکہ کچھ شرائط ہیں۔

سوال: وہ شرائط کیا ہیں؟

جواب: وہ شرائط حسب ذیل ہیں: (۱) مکبرہ ہوں (۲) موحدہ ہوں (۳) مضاف ہوں (۴) یاءِ متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں۔

سوال: مکبَّرہ کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: مکبَّرہ کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر یہ اسماء مصغَّرہ ہوں گے تو دوصورتیں ہوگی (۱) یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں گے (۲) بغیر اضافت کے ہوں گے۔

اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب تقدیری ہوگا جیسے جاء اَبِی، رأیت اَبِی، مررت باَبِی۔ اور اگر بغیر اضافت کے ہوں گے تو اعراب مفرد منصرف کے مانند ہوتا ہے۔

سوال: مُوَحدہ (مفردہ ہونا) کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر اسمائے ستہ مکبرہ تثنیہ اور جمع ہوں تو تثنیہ اور جمع کا اعراب آئے گا، حالت رفعی میں الف اور نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔

سوال: مضاف کی قید کیوں لگائی؟

جواب: اگر مضاف نہ ہوں تو مفرد منصرف جیسا اعراب آئے گا، جیسے جاء أب، رأیت ابا، مررت بأب۔

سوال: یائے متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں یہ قید کیوں لگائی؟

جواب: اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری آئے گا۔اوراس جگہ مصنف کا مقصداعراب بالحروف کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے چار شرطوں میں سے اول دو شرطیں (مکبر ہ،موحدہ) بیان نہیں کی تیسری اور چوتھی (مضاف ہو اور یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہونا) شرط بیان کیوں کی؟

جواب: اول دو شرطیں مکبر ہ اور موحدہ مثالوں سے واضح تھیں اور تیسری اور چوتھی شرط واضح نہیں تھی اس لئے اس کو بیان کیا۔

سوال: اسمائے ستہ مکبر ہ میں پانچ میں کاف خطاب لائے اور ذو میں اسم ظاہر لائے ایسا کیوں؟

جواب: ذو کو واضع نے اسم جنس کو موصوف کی صفت بنانے کے لئے وضع کیا ہےاوراسم جنس اسم ظاہر ہوتا ہےاس لئے ذو میں اسم ظاہرلائے،کاف خطاب نہیں لائے۔

سوال: أبوک، أخوک، هنوک تمام میں کاف خطاب مذکر لائے اور حموک میں کسرہ کے ساتھ مؤنث کیوں لائے؟

جواب: حم کے معنی دیور کے ہیں اوراس کا تعلق عورت کے ساتھ ہےاور حم عورت کے اس رشتہ کو کہتے ہیں جو شوہر کی جانب سے ہو جیسے عورت کا سسر،عورت کی ساس، عورت کا دیور،عورت کی نند،عورت کا سوتیلا بیٹا،عورت کی سوتیلی بیٹی۔اس لئے کاف خطاب مؤنث کا استعمال کسرہ کے ساتھ کیا۔

سوال: اسمائے ستہ مکبر ہ کواعراب بالحروف کیوں دیا حالانکہ یہ مفرد ہیں اب، حم، وغیرہ اعراب بالحرکت دینا چاہئے؟

جواب: (۱) اگر ہر جگہ اصل کا اعتبار کر کے فرع کو تابع کر دیں گے، تو اصل اور فرع کے درمیان اجنبیت بڑھ جائے گی، اجنبیت کو دور کرنے کے لئے اصل کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کو اعراب بالحروف کا اعراب دیا۔

(۲) اعراب بالحرکت اصل ہے، لیکن ضعیف ہے اعراب بالحروف کے مقابلہ میں، اس لئے کہ ہر حرف علت دو حرکت کے مقابل ہوتا ہے۔

سوال: صاحب کافیہؒ کا قول **مضافة الی غیر یاء المتکلم** غلط ہے کیونکہ ذو ہمیشہ اسم جنس ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے اور غیر یائے متکلم عام ہے ضمیر غائب، ضمیر مخاطب، اور ضمیر متکلم کو بلکہ ہر اسم ظاہر کو بھی؟

جواب: اسم جنس کے علاوہ کسی دوسرے اسم کی طرف ذو کا مضاف ہونا شاذ ہے، لہذا یائے متکلم کے علاوہ کسی ضمیر کی طرف مضاف ہو یا اسم جنس کے علاوہ کسی دوسرے اسم ظاہر کی طرف اضافت ہو، اگرچہ فصاحت کے خلاف ہوگا لیکن اس صورت میں بھی اس کا رفع واؤ کے ساتھ اور نصب الف کے ساتھ اور جر یاء کے ساتھ ہی ہوگا۔

سوال: مصنفؒ کا قول **بالواؤ و الالف و الیاء** غلط ہے کیونکہ مصنف نے اس سے پہلے جو اسماء لکھے ہیں ان سب میں واؤ موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے رفع کی حالت میں دوسرا واو اور نصب کی حالت میں الف اور جر کی حالت میں یاء کیسے آ سکتے ہیں اسی طرح صاحب کافیہؒ کا قول **مضافة الی غیر یاء المتکلم** بھی غلط ہے کیونکہ مصنفؒ نے جو اسماء اس سے پہلے لکھے ہیں وہ سب مضاف ہیں تو ان سب کے مضاف ہوتے ہوئے پھر وہ غیر یائے متکلم کی طرف مضاف کیسے ہوں گے؟

جواب: (۱): الفاظ مذکورہ اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ مراد نہیں ہیں بلکہ ان کی انواع مراد ہیں جن کو اسمائے ستہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اسی جواب کی طرف ملا جامی قدس سرہ السامی نے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔

فاعراب هذه الاسماء الستة بالواؤ رفعا و الالف نصبا و الياء جرا۔

(۲) بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ عبارت میں حذف ہے تقدیری عبارت ہے۔ أبوک، وأخوک، وحموک، وهنوک، وفوک، وذومال مضافة الی غیر یاء المتکلم معربة انواع مضافاتها بالواؤ و الالف و الیاء۔

اَلْمُثَنّٰی وَکِلَا مُضَافًا اِلٰی مُضْمَرٍ، وَاِثْنَانِ، وَاِثْنَتَانِ، بِالْاَلِفِ وَالْیَاءِ۔

ترجمہ: تثنیہ کلادرآنحالیکہ ضمیر کی طرف مضاف ہو، اور اثنان اثنتان کا اعراب الف کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور یاء کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں) ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

اعراب بالحروف کی دوسری صورت: رفع الف سے اور نصب وجر یاء ماقبل مفتوح سے۔ یہ اعراب تین اسموں کا ہے: (۱) تثنیہ کا (۲) مشابہ تثنیہ لفظی کا جو صرف دولفظ ہیں (۳) مشابہ تثنیہ معنوی کا یہ بھی صرف دولفظ ہیں: کلا اور کلتا جبکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں۔

اور جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو اعراب بالحرکت آئے گا، مگر حرکت تقدیری ہوگی جیسے جاء کلا الرجلین۔ جیسے جاء الرجلان، رایت الرجلین، مررت بالرجلین۔ جاء اثنان، رایت اثنین، مررت باثنین۔ جاء کلاهما، رایت کلیهما، مررت بکلیهما۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مثنی، کلا (معنیً مثنی) اور اثنان و اثنتان (صورۃً مثنی) کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: مثنی کی تعریف کیا ہے؟

جواب: وہ اسم ہے جو دو ہونے کو بتائے جیسے کتابان (دو کتابیں)۔

سوال: مثنیٰ کس سے بنتا ہے اور کیسے بنتا ہے؟

جواب: مثنیٰ مفرد سے بنتا ہے، مفرد میں الف نون، یا یاءنون لگا دو مثنیٰ بن جائے گا جیسے هما کتابان، قرات کتابین۔

سوال: مثنیٰ حقیقۃً کلا (معنیً مثنیٰ) اور اثنان و اثنتان (صورۃً مثنیٰ) کا اعراب کیا ہوگا؟

جواب: مثنیٰ، کلا (معنیً مثنیٰ) اور اثنان و اثنتان (صورۃً مثنیٰ) کا اعراب حالت رفعی میں الف کے ساتھ حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے مثنیٰ حقیقۃً کی مثال جاءنی رجلان، رأیت رجلین، مررت برجلین۔ کلا (معنیً مثنیٰ) کی مثال جیسے جاءنی کلاهما، رأیت کلیهما، مررت بکلیهما۔ اثنان و اثنتان (صورۃً مثنیٰ) کی مثال جیسے جاءنی اثنان، رأیت اثنین، مررت باثنین۔

سوال: کلا (معنیً مثنیٰ) کا اعراب مطلقا آئے گا؟

جواب: کلا (معنیً مثنیٰ) کا اعراب مطلقاً نہیں آئے گا بلکہ شرط کا لحاظ ضروری ہوگا

سوال: وہ شرط کیا ہے؟

جواب: کلا (معنیً مثنیٰ) کا اعراب اس وقت آئے گا جبکہ کلا اسم مضمر کی طرف مضاف ہو۔

سوال: کلا کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہو تو اس کا اعراب کیا آتا ہے؟

جواب: کلا کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہو تو اس کا اعراب، اعراب بالحرکت تقدیراً آتا ہے۔ جیسے جاءنی کلاالرجلین، رأیت کلاالرجلین، مررت بکلاالرجلین

سوال: کلا کی اضافت اسم مضمر کی طرف ہو تو اعراب بالحروف کیوں آتا ہے، اور اسم ظاہر کی طرف ہو تو اعراب بالحرکت کیوں؟

جواب: دراصل کلا اور کلتا میں دو جہتیں ہیں (۱) مفرد ہونا لفظاً (۲) تثنیہ ہونا معنیً۔ اب دونوں کی رعایت مقصود ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ''کلا'' لفظاً مفرد ہے اور مفرد اصل ہے اور اس کے مناسب اسم ظاہر ہوگا کیونکہ وہ اصل ہے اور اصل کا اعراب، اعراب

بالحرکت آتا ہے اس لئے جب کلا کی اضافت اسم ظاہر کی طرف ہوگی تو لفظا کی رعایت میں اعراب بالحرکت دیا جائے گا۔

اور کلا معنیً تثنیہ ہے اور تثنیہ مفرد کی فرع ہے اس کے مناسب اسم مضمر ہے کیونکہ وہ فرع ہے اس لئے کہ اسم مضمر اسم ظاہر کی فرع ہے اور فرع کا اعراب، اعراب بالحروف آتا ہے اور کتاب میں اعراب بالحروف کو بیان کرنا ہے اس لئے کلا کے ساتھ مضافا الی مضمر کی قید لگائی۔

سوال: یہ دونوں اسم جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو رفع ،نصب اور جر تینوں حالتوں میں ایک ہی طرح پڑھے جاتے ہیں مثلا جاءنی کلا الرجلین و رأیت کلا الرجلین و مررت بکلا الرجلین لہذا تینوں حالتوں میں ایک ہی طرح پڑھنا غلط ہے اس لئے کہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونے پر ان دونوں اسموں کا اعراب، اعراب بالحرکت ہوتا ہے؟

جواب: اعراب بالحرکت عام ہے خواہ لفظی ہوں یا تقدیری۔اور اس جگہ تینوں حالتوں میں رفع کی حالت میں ضمہ تقدیری،نصب کی حالت میں فتحہ تقدیری، اور جر کی حالت میں کسرہ تقدیری ہے،جس طرح اسمائے مقصورہ کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے

سوال: اثنان اور اثنتان مذکر و مؤنث دونوں صیغے استعمال کئے اور کلا اور کلتا میں صرف مذکر کا صیغہ استعمال کیا، مؤنث کا استعمال کیوں نہیں کیا؟

جواب: کلا مذکر ہے کلتا مؤنث ہے اور مؤنث، مذکر کی فرع ہوتی ہے، جب مذکر کو ذکر کیا تو اس کے ماتحت مؤنث داخل ہو گیا۔

سوال: اثنان مذکر ہے اثنتان مؤنث ہے، اثنان کے ماتحت داخل ہو جاتا تو پھر اس کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟

جواب: (۱) اثنان اور اثنتان عدد کے قبیل سے ہے اور عدد کے باب میں تذکیر و تانیث کا حکم الگ ہوتا ہے جیسا کہ اسمائے عدد میں تفصیل آئے گی۔

جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ، وَاُوْلُوْ، وَعِشْرُوْنَ وَاَخَوَاتُهَا بِالْوَاوِ وَالْيَاءِ۔

ترجمہ: جمع مذکر سالم، اولو اور عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب واو (ماقبل مضموم) کے ساتھ (حالت رفعی میں) اور یاء (ماقبل مکسور) کے ساتھ (حالت نصبی وجری میں) ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

اعراب بالحروف کی تیسری صورت: رفع واو ماقبل مضموم سے اور نصب وجر یاء ماقبل مکسور سے، یہ اعراب بھی تین اسموں کا ہے: (۱) جمع مذکر سالم۔ (۲) مشابہ جمع لفظی کا۔ یہ عشرون سے تسعون تک آٹھ دہائیاں ہیں۔ (۳) مشابہ جمع معنوی کا۔ یہ صرف اُوْلُوْ ہے جو ذو کی جمع ہے۔ جیسے جاء مسلمون، رأیت مسلِمِیْن، مررت بمسلِمِیْن، جاء عشرون، رأیت عشرِیْن، مررت بعشرِیْن، جاء اولو مال، رأیت اولِیْ مال، مررت باولِیْ مال۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: جمع مذکر سالم اور اولو، عشرون کا اعراب بیان کرنا ہے۔

سوال: جمع مذکر سالم اور اولو، عشرون کا اعراب حالت رفعی میں واو، نون کے ساتھ اور حالت نصبی وجری میں یا ماقبل مکسور اور نون کے ساتھ آتا ہے۔ اولو معنیً جمع ہے۔

سوال: اولو معنیً جمع کیسے ہے؟

جواب: اولو معنیً جمع اس طرح ہے کہ اس کا مفرد نہیں آتا حالانکہ جمع مذکر سالم اسے کہتے ہیں جس کے مفرد کے اخیر میں واو ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور بڑھایا گیا ہو۔ عشرون صورۃً جمع ہے۔

سوال: عشرون صورۃً جمع کیوں؟

جواب: جمع مذکر سالم کہتے ہیں جس کے مفرد کے اخیر میں واو ماقبل مضموم اور یاء ما قبل مکسور ہو اور عشرون کا مفرد نہیں آتا۔

سوال: عشرون کا مفرد عشرٌ آتا ہے؟

جواب: عشرون کا مفرد عشر نہیں ہے اس لئے کہ عشر کی جمع عشرون مانے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین افراد پر ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ عشرون کا ترجمہ تیس ہو، حالانکہ ترجمہ بیس ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عشرون یہ عشر کی جمع نہیں ہے۔

سوال: تثنیہ اور جمع میں نصب کو جر کے تابع کیوں کر دیا گیا، رفع کے تابع کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: تثنیہ اور جمع میں نصب کو جر کے تابع کیا اور رفع کے تابع نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نصب کو جر سے مناسبت ہے۔

سوال: نصب کی جر کے ساتھ مناسبت کیسے ہے؟

جواب: نصب کی جر کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں (نصب اور جر) فضلہ کی علامتیں ہیں، اس وجہ سے نصب کو جر کے تابع کیا۔

سوال: نصب کی رفع کے ساتھ مناسبت کیوں نہیں؟

جواب: نصب کی رفع کے ساتھ مناسبت اس لئے نہیں کہ رفع عمدہ کی علامت ہے اور نصب یہ فضلہ کی علامت ہے۔

سوال: تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف کیوں دیا؟

جواب: تثنیہ اور جمع فرع ہیں اور فرع کے مناسب اعراب بالحروف ہے، اس لئے تثنیہ وجمع کو اعراب بالحروف دیا گیا۔

سوال: تثنیہ میں حالت رفعی میں الف اور جمع مذکر سالم میں حالت رفعی میں واؤ اور تثنیہ میں حالت نصبی وجری میں یاء ماقبل مفتوح اور جمع مذکر سالم میں یا ماقبل مکسور یہ ترتیب کیوں؟

جواب: تثنیہ اور جمع دونوں کی تین تین حالتیں ہیں، کل چھ حالتیں ہوگئی اور اعراب بالحروف یہ تین ہیں اور تین کو چھ حالتوں میں تقسیم کرنا ہے چنانچہ الف کو تثنیہ میں حالت رفعی کو دے دیا اور واو جمع مذکر سالم میں حالت رفعی میں دے دیا۔

سوال: حالت رفعی میں الف تثنیہ کو کیوں دیا؟

جواب: حالت رفعی میں الف تثنیہ اس لئے دیا کہ فعل کے تثنیہ میں بھی الف آتا ہے جیسے: یضرب، یضربان اور جمع مذکر سالم میں حالت رفعی میں واؤ اس لئے دیا کہ فعل کے جمع میں واؤ آتا ہے جیسے: یضربون۔ اب "یاء" باقی رہی اور چار حالتیں (تثنیہ کی دو حالتیں، جمع کی دو حالتیں) باقی رہیں، اس لئے "یاء" چار حالتوں میں دے دی گئی اور دونوں میں فرق کرنے کے لئے تثنیہ میں یاء کا ماقبل مفتوح اور جمع میں یاء کا ماقبل مکسور کر دیا۔

سوال: اس کے برعکس کیوں نہیں کیا کہ تثنیہ میں یاء ماقبل مکسور اور جمع مذکر سالم میں یاء ماقبل مفتوح رکھتے ایسا کیوں کیا؟

جواب: تثنیہ کے افراد زیادہ ہیں اور جس کے افراد زیادہ ہوتے ہیں وہ تخفیف کو چاہتا ہے اور فتحہ اخف الحرکت ہے اور جمع کے افراد قلیل ہے۔

سوال: جمع کے افراد قلیل کیوں؟

جواب: جمع مذکر سالم کے شرائط زیادہ ہیں اور جس کے شرائط زیادہ ہوتے ہیں، اس کے افراد کم ہوتے ہیں اور جس کے افراد زیادہ ہوتے ہیں اس کے شرائط کم ہوتے ہیں۔

اَلتَّقْدِيْرُ فِيْمَا تَعَذَّرَ كَعَصًا وَغُلَامِيْ مُطْلَقًا وَاسْتُثْقِلَ، كَقَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ رَفْعًا وَاللَّفْظِيُّ فِيْمَا عَدَاهُ.

ترجمہ: تقدیری اعراب اس میں جس میں اعراب لفظی یا تو متعذر ہو جیسے عصا اور غلامی مطلقا یا دشوار ہو جیسے قاض حالت رفعی و جری میں اور جیسے مسلمی حالت رفعی میں، اور اعراب لفظی اس میں جو اس کے علاوہ ہو۔

مختصر تشریح

اعراب تقدیری کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اعراب تقدیری کی پہلی صورت: تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے، مطلقاً کا یہی مطلب ہے۔ یہ اعراب دو اسموں کا ہے۔

(۱) اسم مقصور کا جیسے ھذا موسیٰ، رایت موسیٰ، مررت بموسیٰ۔

(۲) جمع مذکر سالم کے علاوہ کسی بھی اسم کا جبکہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ جاء غلامی، رایت غلامی، مررت بغلامی۔ اور ان کا اعراب مطلقاً تقدیری اس لئے ہے کہ ان میں اعراب کا ظاہر ہونا متعذر (ناممکن) ہے۔ فیما تعذر میں مطلقاً اعراب تقدیری ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔

(۲) اعراب تقدیری کی دوسری صورت: رفع اور جر تقدیری ہوتا ہے اور نصب لفظی آتا ہے یہ اعراب اسم منقوص کا ہے، اسم منقوص: وہ اسم ہے جس کے آخر میں یاء ما قبل مکسور ہو جیسے قاضی۔ جاء القاضی، رایت القاضی، مررت بالقاضی۔

اس قسم میں دو اعراب تقدیری اس لئے ہیں کہ یاء پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہیں (آتو سکتے ہیں؛ لیکن بھاری ہیں) اس لئے ظاہر نہیں ہوتے اور زبر ہلکا اعراب ہے اس لئے ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) اعراب تقدیری کی تیسری صورت: رفع واو تقدیری سے اور نصب و جر یاء ما قبل مکسور لفظی کے ذریعہ۔ یہ اعراب جمع مذکر سالم کا ہے جب کہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ جیسے جاء مسلمیّ، رایت مسلمیّ، مررت بمسلمیّ۔

حالت رفعی میں مسلمیّ میں جمع کا واو یاء ہو گیا ہے، اس لئے یہ اعراب تقدیری ہے اور حالت نصبی و جری میں جمع کی یاء موجود ہے اس لئے یہ اعراب لفظی ہے۔ حالت رفعی میں مسلمیّ کی اصل مسلمون ی ہے، جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گرا، پھر واو کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا اور یاء کی مناسبت سے میم کے پیش کو زیر سے بدلا، اس طرح جمع کا

واو، یاء سے بدل گیا اس لئے یہ اعراب تقدیری ہے اور حالت نصبی و جری میں مسلمیّ کی اصل مسلمین ی ہے، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور یاء کا یاء میں ادغام کیا۔ پس جمع کی یاء اصلی حالت میں موجود ہے اس لئے یہ اعراب لفظی ہوا۔

فیما عداہ میں (ہ) ضمیر رفعاً کی طرف لوٹتی ہے اس کا مطلب حالت رفعی کے علاوہ باقی دو صورتوں میں (حالت نصبی و جری) میں اعراب لفظی ہے۔

اور ایک ضعیف احتمال یہ بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع التقدیر ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں جو اعراب تقدیری ہیں وہ تو ہیں باقی لفظی ہے پس دوسری صورت میں حالت نصبی میں جو قاضی پر اعراب ظاہر ہے، اس کی طرف اشارہ ہو گیا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اعراب تقدیری کے مواقع کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اعراب تقدیری کسے کہتے ہیں؟

جواب: اعراب تقدیری اس اعراب کو کہتے ہیں کہ جس کا تلفظ نہ کیا جا سکے۔

سوال: اعراب تقدیری کے کتنے مواقع ہیں اور کون کونسے؟

جواب: اعراب تقدیری کے چار مواقع ہیں (۱) عصا (۲) غلامی (۳) قاض (۴) مسلمِی۔

سوال: ان کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: ان میں سے اول دو مواقع ایسے ہیں، جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے اور دوسرے دو مواقع، جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا۔ وہ دو حالتیں جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے۔(۱) عصا (۲) غلامی ہے۔

سوال: عصا سے کیا مراد ہے؟

جواب: (۱)عصا سے ہر ایسا اسم مراد ہے، جس کے اخیر میں الف مقصورہ ہو جیسے جاء موسی رایت موسی اور مررت بموسی۔

سوال: اسم مقصور میں اعراب تقدیری کیوں آتا ہے؟

جواب: اعراب کا آنا ہی متعذر ہے۔

سوال: اعراب کا آنا کیوں متعذر ہے؟

جواب: اعراب کا آنا اس لئے متعذر ہے کہ اسم مقصور کہتے ہیں ایسے اسم کو جس کے اخیر میں الف مقصورہ آئے اور الف مقصورہ حرکت کو قبول نہیں کرتا، اس لئے کہ اگر حرکت دیں گے تو الف، الف نہیں رہتا بلکہ ہمزہ ہو جاتا ہے۔

سوال: غلامی سے کیا مراد ہے؟

جواب: غلامی سے ہر ایسا اسم مراد ہے جو غیر جمع مذکر سالم ہو اور جس کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی گئی ہو جیسے: غلامی۔

سوال: غلامی میں اعراب تقدیری کیوں؟

جواب: غلامی میں اعراب تقدیری اس لئے آتا ہے کہ غلامی میں ''میم'' جو غلام کا آخری حرف ہے، اس پر اعراب کا لانا متعذر ہے، اس لئے کہ اگر اس پر ضمہ کا اعراب حالت رفعی میں اور فتحہ کا اعراب حالت نصبی میں لائیں گے تو ایک ہی حرف پر دو حرکتوں کا جمع ہونا لازم آئے گا (۱) اعراب کی حرکت (۲) یا کی مناسبت سے کسرہ گویا ایک ہی حرف پر دو اعراب آئیں گے جس کا پڑھنا متعذر ہے، اور حالت جری میں بھی ایک حرف پر دو کسرے لازم آئیں گے (۱)اعراب کی حرکت کا کسرہ (۲) یاء کی مناسبت سے کسرہ، گویا ایک ہی حرف پر دو الگ الگ جہت سے کسرہ آتا ہے، جس کا پڑھنا متعذر ہے۔

سوال: غلامی کے ساتھ مطلقاً کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مصنف نے مطلقاً کی قید لگا کر اپنے مختار قول کی طرف اشارہ کیا۔ در اصل غلامی یہ معرب ہے کہ مبنی ہے اس میں اختلاف ہے، ایک جماعت اس کو معرب پڑھتی

ہے اور ایک جماعت اس کو مبنی پڑھتی ہے۔

سوال: جو جماعت اس کو معرب پڑھتی ہے ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: جو جماعت اس کو معرب پڑھتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ غلامی میں گو اعراب ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اس کے تثنیہ میں اعراب ظاہر ہوتا ہے جیسے: غلامانی، تو اسی طرح مفرد بھی مقدر ہوگا۔

سوال: جو جماعت مبنی پڑھتی ہے، ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: غلامی میں غلام کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے اور یاء مبنی ہے تو غلام بھی مبنی ہوگا۔ اب جو حضرات معرب پڑھتے ہیں ان میں دو فریق ہو گئے (۱) تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا (۲) دو حالتوں (رفعی، نصبی) میں اعراب تقدیری ہوگا اور حالت جری میں لفظی ہوگا۔ مصنفؒ نے غلامی کے بعد مطلقا کہا تو اس سے اپنے قول مختار کو بیان کیا اور ساتھ میں فریق اول کے قول کو راجح قرار دیا۔

سوال: فعل ماضی، امر حاضر معروف اور حروف پر اعراب متعذر بلکہ ممتنع ہے، لیکن ان میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا؟

جواب: ما اسمیہ سے اسم مراد ہے اور آپ کا سوال فعل کو لے کر ہے۔

سوال: متعذر اس کو کہتے ہیں جس کا حصول دشواری کے ساتھ ممکن ہو اور جس کا حصول کسی طرح ممکن نہ ہو اس کو ممتنع اور محال کہتے ہیں، عصا کے آخر میں چونکہ الف مقصورہ ہے، اس لئے اس میں اعراب کا حصول ممکن نہیں بلکہ محال ہے، اسی طرح غلامی میں بھی اعراب کا حصول محال ہے، لہذا مصنفؒ کو تعذر کی جگہ امتنع کہنا چاہئے تھا۔

جواب: یہاں پر متعذر سے مراد ممتنع ہے، جس پر مصنفؒ کا قول أو استثقل قرینہ ہے۔

سوال: غلامی میں آپ غلام کی رعایت نہیں کرتے بلکہ آپ یاء کی رعایت کرتے ہیں؟

جواب: غلامی بلا عامل مفرد کے حکم میں ہے اور عامل کے ساتھ مرکب کے حکم

میں ہے اور مفرد، مرکب پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے عامل کی رعایت نہیں کی یاء کی رعایت کی۔
اب وہ صورتیں جن میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا وہ دو ہیں۔ (۱) قاضٍ (۲) مسلمی

سوال: قاضٍ سے کیا مراد ہے؟
جواب: قاضٍ سے ہر ایسا اسم مراد ہے جس کے اخیر میں یاء ساکن ماقبل مکسور ہو۔
سوال: اس کا اعراب کیا آتا ہے؟
جواب: اس کا اعراب حالت رفعی اور جری میں تقدیری ہوگا اور حالت نصبی میں لفظی ہوگا جیسے جائنی القاضی، رایت القاضی، مررت بالقاضی۔
سوال: حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری کیوں ہوتا ہے؟
جواب: ثقالت کی وجہ سے حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری ہوتا ہے اور حالت نصبی میں پڑھنے میں دشواری نہیں ہے، اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکت ہے۔
سوال: مسلمی سے کیا مراد ہے؟
جواب: مسلمی سے ہر ایسی جمع مذکر سالم مراد ہے جس کی، یائے متکلم کی طرف اضافت ہو، اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری ہوگا اور نصبی وجری میں لفظی آئے گا۔
سوال: جمع مذکر سالم کی، یائے متکلم کی طرف اضافت ہو تو حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری ہوگا اس کی علت کیا ہے؟
جواب: جمع مذکر سالم کی، یائے متکلم کی طرف اضافت ہو تو حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری ہونے کی علت ثقالت ہے۔
سوال: مُسْلِمِیَّ کی اصل کیا ہے؟
جواب: مُسْلِمِیَّ کی اصل مُسْلِمُوْنَیَ تھی، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، مُسْلِمُوْیَ ہوا، اب معتل کے قانون سے واو اور یاء دونوں ایک جگہ جمع ہوئے اور ان میں پہلا واؤ ساکن ہے تو واؤ کو یاء سے بدل دیا، پھر مضاعف کے قاعدہ سے یاء کا یاء میں ادغام کیا اب مسلمُیَّ ہوا پھر یا کی مناسبت سے میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا مسلمِیَّ ہوگیا۔

و اللفظی فی ماعداہ۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ تعذر اور ثقل کے علاوہ میں اعراب لفظی ہوگا۔

سوال: اعراب لفظی اصل ہے اور اعراب تقدیری اس کی فرع ہے تو اصل پر فرع کو کیوں مقدم کیا اور اعراب لفظی سے پہلے اعراب تقدیری کو کیوں بیان کیا؟

جواب: اعراب لفظی کے مواضع کثیر ہیں اور اعراب تقدیری کے مواضع قلیل ہیں اس لئے مصنفؒ نے اعراب تقدیری کے مواضع بتا کر یہ لکھ دیا و اللفظی فی ماعداہ اگر اس کے برعکس کرتے تو کلام زیادہ طویل ہوجاتا۔

غیر منصرف کا بیان

غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا فِيهِ عِلَّتَانِ مِنْ تِسْعٍ أَوْ وَاحِدَةٌ مِّنْهَا تَقُوْمُ مَقَامَهُما وَهِيَ شِعْرٌ:

عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَانِيْثٌ وَمَعْرِفَةٌ	وَعُجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيْبُ
وَالنُّوْنُ زَائِدَةً مِنْ قَبْلِهَا اَلِفٌ	وَوَزْنُ الْفِعْلِ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبُ

مِثْلُ: عُمَرُ وَاَحْمَرُ وَطَلْحَةُ وَزَيْنَبُ وَاِبْرَاهِيْمُ وَمَسَاجِدُ وَمَعْدِيْكَرِبَ وَعِمْرَانُ وَاَحْمَدُ۔

ترجمہ: غیر منصرف وہ اسم ہے جس میں نو (۹) اسباب میں سے دو سبب یا ایک سبب پایا جائے جو دو سببوں کے قائم مقام ہو اور وہ (۹) سبب اس شعر میں مذکور ہے: عدل، وصف، تانیث، معرفۃ عجمۃ پھر جمع پھر ترکیب اور نون درآنحالیکہ اس سے پہلے الف زائد ہو اور وزن فعل اور یہ قول مجازی ہے۔ جیسے: عمر، احمر، طلحۃ، زینب، ابراھیم، مساجد، معدیکرب، عمران، احمد۔

مختصر تشریح

غیر منصرف: وہ اسم ہے جس میں نو (۹) اسباب میں سے دوسبب پائے جاتے ہوں یا کوئی ایسا ایک سبب ہو جو دو (۲) کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور وہ نو اسباب یہ ہیں: عدل، وصف، تانیث، معرفہ، عجمہ، جمع، ترکیب اور نون جس سے پہلے الف زائد ہو اور وزن فعل۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد غیر منصرف کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

سوال: منصرف اصل ہے اس کی تفصیل بیان کرنی چاہئے؟

جواب: غیر منصرف کی تعریف وجودی ہے اور منصرف کی تعریف عدمی ہے اور وجودی تعریف، عدمی تعریف پر مقدم ہوتی ہے اس لئے غیر منصرف کی تعریف بیان کی۔

(۲) غیر منصرف کے افراد قلیل ہیں بمقابل منصرف کے، اور جب غیر منصرف کی تعریف کی جائے گی تو منصرف کی تعریف خود بخود سمجھ میں آجائے گی اس لئے غیر منصرف کی تعریف بیان کی۔

سوال: کس مناسبت سے غیر منصرف کی تعریف بیان کی؟

جواب: اسم متمکن میں غیر منصرف کا تذکرہ اجمالاً آیا تھا، اب تفصیلاً غیر منصرف کا تذکرہ فرمارہے ہیں، اس مناسبت سے غیر منصرف کا تذکرہ کیا۔

سوال: غیر منصرف کی تعریف کیا ہے؟

جواب: غیر منصرف کہا جاتا ہے ایسے اسم کو جس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا ایک ایسا سبب جو دوسبب کے قائم مقام ہو پایا جائے۔

سوال: ضَرَبَتْ (واحد مونث غائب) میں دوسبب پائے جاتے ہیں (وزن فعل، تانیث لفظی) تو اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے؟

جواب: منصرف اور غیر منصرف کا تعلق اسم کے ساتھ ہوتا ہے فعل کے ساتھ نہیں ہوتا ہے اور ضَرَبَتْ یہ تو فعل ہے۔

سوال: حضارِ میں دوسبب (علم، تانیث معنوی) پائے جاتے ہیں، تو اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے؟

جواب: منصرف اور غیر منصرف کا تعلق اسم معرب کے ساتھ ہے اور حضارِ یہ تو اسم مبنی ہے۔

سوال: اسباب منع صرف کتنے ہیں؟

جواب: اسباب منع صرف کی تعداد میں اختلاف ہے: (۱) بعض حضرات نے اسباب منع صرف کی تعداد ۹ بتائی ہے۔ (۲) بعض حضرات نے اسباب منع صرف کی تعداد گیارہ بتائی ہے، ۹ کے ساتھ تانیث مشابہت اور نکرہ کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنا، ان دو کی زیادتی فرمائی ہے۔ (۳) بعض حضرات نے اسباب منع صرف کی تعداد دو بتائی ہے اور وہ یہ ہے: (الف) حکایت فعل الی اسم (ب) ترکیب۔

سوال: اسباب منع صرف کتنے ہیں؟

جواب: اسباب منع صرف ۹ ہیں جن کو ابوسعید الانصاری نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

عدل و وصف و تانیث و معرفة   وعجمة ثم جمع ثم ترکیب

والنون زائدة من قبلها الف   ووزن الفعل وهذا القول تقریب

شعر پر دو اشکال

سوال: (۱): عدل، وصف، تانیث، معرفہ کے درمیان واؤ لائے اور واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ چاروں اکٹھے طور پر پائے جائیں تب وہ غیر منصرف کا سبب بنیں گے؟

جواب: حکم مقدم ہے، عطف مقدم نہیں ہے۔

سوال: (۲): شعر میں ثم لائے جو تراخی کے لئے آتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جمع، ترکیب، وزن فعل اس کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ عدل، وصف، تانیث، معرفہ، نہ پائے جائیں؟

جواب: محافظت وزن شعر کے پیش نظر ثم کا لفظ استعمال کیا۔

سوال: کافیہ کی عبارت میں ھی مبتدا ہے جس کا مرجع تسع ہے اور خبر عدل وغیرہ میں سے ہر ایک ہے اس لئے یہ لازم آتا ہے کہ ہر ایک نو (۹) علتیں ہیں، نو (۹) علتیں عدل ہیں، اور نو (۹) علتیں وصف ہیں اور نو (۹) علتیں تانیث ہیں (و علی هذا القیاس) اور یہ باطل ہے کیونکہ ہر ایک صرف ایک علت ہے نہ کہ نو (۹) علتیں۔

جواب: ہر ایک خبر نہیں ہے، بلکہ عدل کو تمام معطوفات سے ملانے کے بعد مجموعہ خبر ہے، عطف مقدم ہے اور اس پر کوئی شبہ نہیں کہ عدل، معطوفات سے مل کر نوع (۹) علتیں ہیں۔

سوال: جب ہر ایک خبر نہیں ہے بلکہ مجموعہ خبر ہے تو ہر ایک پر جدا جدا اعراب کیوں ہے صرف ایک اعراب مجموعہ کے آخر میں ہونا چاہئے تھا؟

جواب: مبتدا، باعتبار معنی متعدد ہے، لہذا خبر کے ہر ایک جز پر اعراب جاری کیا گیا۔

سوال: و النون زائدةً میں زائدةً منصوب کیوں ہے؟

جواب: و النون زائدةً میں زائدةً منصوب اس لئے ہے کہ زائدۃ جملہ کے مضمون سے حال واقع ہے اور حال منصوب ہوتا ہے، لہذا و النون زائدةً میں زائدةً منصوب ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ و النون زائدةاصل میں تمنع النون الصرف زائدة ہے گویا زائدةتمنع النون الصرف جو جملہ کا مضمون ہے اس سے حال واقع ہے۔

سوال: زائدةٌ مرفوع کیوں ہے؟

جواب: زائدةٌ کو مرفوع پڑھیں گے تو یہ النون کی صفت ہوگی اور موصوف، صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے اور النون موصوف مرفوع ہے تو صفت زائدةٌ بھی مرفوع ہوگی۔

سوال: النون موصوف معرفہ ہے اور زائدةٌ صفت ہے جو نکرہ ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: النون پر الف لام زائدہ ہے اور جب یہ زائدہ ہے تو موصوف بھی نکرہ ہو گیا اور صفت بھی نکرہ تو اب اس پر کوئی اشکال نہیں۔

"وھذا القول تقریب"

سوال: اس عبارت کے کتنے مطلب ہیں؟

جواب: اس عبارت کے تین مطلب ہیں۔

(۱) تقریب، مقرب کے معنی میں ہے، اسباب تسعہ کا بصورت نظم ذکر کرنا بمقابلۂ نثر کے حفظ کے زیادہ قریب کرنے والا ہے کیونکہ نظم، نثر کے مقابلہ میں یاد کرنے میں آسان ہے۔

(۲) یہ قول، اقرب الی الصواب (درستگی کے زیادہ قریب) ہے اس لئے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض نے صرف دو علتوں کو اور بعض نے گیارہ بیان کیں اور بعض تیرہ کے بھی قائل ہیں، جبکہ جمہور نو علتوں کے حق میں ہیں، بس مصنفؒ نے جمہور کے مسلک کو خیر الامور اوسطھا کے پیش نظر اختیار کیا ہے۔

(۳) تقریب، مجاز کے معنی میں ہے نو سببوں میں سے ہر ایک کا سبب اور علت نام رکھنا مجازاً ہے، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک جزءِ علت ہے نہ کہ علت تامہ، اس لئے کسی اسم کے غیر منصرف ہونے کا حکم دو علتوں کے اجتماع کے بعد لگایا جاتا ہے۔

سوال: لفظ مثل ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: لفظ مثل ذکر کرنے کا فائدہ انحصار کا وہم دور کرنا مقصود ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو اسماء یہاں مذکور ہیں بس یہی اسماء غیر منصرف ہیں اور یہی اسماء غیر منصرف کی مثال ہیں، ان کے علاوہ کوئی اسم غیر منصرف کی مثال نہیں ہے۔

(۱) عمر، غیر منصرف ہے عدل و علم کی بنا پر۔ (۲) احمر، غیر منصرف ہے وصف و وزن فعل کی بنا پر۔ (۳) طلحة، غیر منصرف ہے تانیث لفظی و علم کی بنا پر۔ (۴) زینب، غیر منصرف ہے تانیث معنوی اور معرفہ کی بنا پر۔ (۵) ابراھیم، غیر منصرف ہے عجمہ اور علم کی بنا پر۔ (۶) مساجد، غیر منصرف ہے جمع منتہی الجموع کی بنا پر۔ (۷) معدیکرب، غیر منصرف

ہے ترکیب وعلمیت کی بنا پر۔(۸)عمران،غیرمنصرف ہے الف نون زائدتان ومعرفہ کی بنا پر۔
(۹)احمد،غیرمنصرف ہے وزن فعل وعلم کی بنا پر۔

سوال: کیامعدیکرب ترکیب کی مثال ہے؟

جواب: ہاں!معدیکرب ترکیب کی مثال ہے۔

فائدہ: صراح میں لکھا ہے معدی ایک اسم ہے اور کرب ایک اسم ہے پھر ان دونوں اسموں کوملاکرایک اسم بنالیا گیا۔اس میں تین لغت ہیں۔

(۱)معدی یا کے سکون کے ساتھ اور کرب، راء کے کسرہ کے ساتھ جیسا کہ محرم آفندی میں لکھا ہے۔

(۲)مرمی کے وزن پر معدی اسم مفعول کا صیغہ ہے اور کرب فعل ماضی ہے، جس کے معنی مصدری ہے''زمین میں کھودنا'' جیسا کہ سوال باسولی میں لکھا ہے۔

(۳)معدیکرب ایک صحابی کا نام ہے۔

سوال: مصنفؒ نے طلحۃ اور زینب دومثالیں بیان کیوں کی؟

جواب: مصنفؒ نے تانیث کی دوقسموں کی طرف اشارہ فرمایا ہے(۱) تانیث لفظی (۲) تانیث معنوی دونوں کی مثال اہتمام کے ساتھ اس لئے بیان کی تاکہ اشتباہ سے بچاجاوے۔

سوال: اشتباہ کیا ہے؟

جواب: تانیث کا بھی اعتبار کرے اور تذکیر حقیقی کا بھی اعتبار کرے، یہ درست نہیں جیسے کہ قالت طلحۃ کہنا درست نہیں ہے۔

وحکمہ ان لا کسرۃ ولا تنوین:

علامہ ابن حاجبؒ غیر منصرف کا حکم بیان کرتے ہیں کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی۔

سوال: کافیہ میں حکمہ مبتدا ہے اور اس کی خبر جملہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ خبر جب جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر ایسی لازم ہے، جو مبتدا کی طرف راجع ہو، لیکن یہاں پر کوئی

ضمیر ایسی نہیں جو مبتدا کی طرف راجع ہو؟

جواب: مبتدا کی خبر جملہ نہیں ہے، کیونکہ ان لا کسرۃ میں ان حروف مشبہ بالفعل مخففہ ہے، اوراس کا اسم (ضمیر شان) محذوف ہے اوراس کے بعد جو جملہ ہے وہ اس کی خبر ہے اوران مخففہ اپنے اسم محذوف اور خبر سے مل کر بتاویل مفرد مبتدا کی خبر ہے، مبتدا کی خبر جملہ ہے ہی نہیں تو خبر میں مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی لازم نہیں۔

سوال: لائے نفی جنس، جملہ اسمیہ پر آتا ہے، لیکن کافیہ میں لائے نفی جنس مفرد پر داخل ہے، کیونکہ کافیہ میں لا کسرۃ و لا تنوین ہے؟

جواب: یہاں پر عبارت محذوف ہے لا کسرۃ و لا تنوین فیه۔

فائدہ: کافیہ کی عبارت لا کسرۃ و لا تنوین میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ کی طرح پانچ طریقے جائز ہیں جس کا بیان منصوبات میں آئے گا۔

سوال: اعراب کے بیان میں مصنفؒ نے لکھا ہے (غیر المنصرف بالضمة و الفتحة) جس سے معلوم ہو چکا کہ غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا، اس لئے اب یہ لکھنا کہ غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا، عبث و بیکار ہے؟

جواب: غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ نہیں آتا اورایک حکم یہ ہے کہ اس پر تنوین نہیں آتی، یہاں پر ایک حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ نہیں آتا اور ایک حکم یہ ہے کہ اس پر تنوین نہیں آتی یہاں پر مصنفؒ نے دونوں حکموں کو اکھٹا کر دیا اور ایسا اس لئے کہ اس طرح حفظ وضبط آسان ہے۔

غیر منصرف کا حکم

وَحُكْمُهُ اَنْ لَّا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ

ترجمہ: اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ نہیں آتا اور نہ تنوین۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا حکم: یہ ہے کہ اس پر کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین۔ کسرہ کی جگہ فتح آتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد غیر منصرف کا حکم بیان کرنا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی۔

سوال: اس پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے؟

جواب: غیر منصرف فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے دو اعتبار سے: (۱) فعل، مصدر سے مشتق ہے، لہٰذا مصدر اصل ہے اور فعل فرع ہے (۲) فعل فاعل کا محتاج ہے، اسی طرح غیر منصرف دو سبب کا محتاج ہوتا ہے۔ ہر سبب اصل کی فرع ہے:

(۱) عدل، معدول عنہ کی فرع ہے (۲) وصف، موصوف کی فرع ہے (۳) تانیث، تذکیر کی فرع ہے (۴) معرفہ، نکرہ کی فرع ہے (۵) عجمہ، عربی کی فرع ہے (۶) جمع واحد کی فرع ہے (۸) ترکیب مفرد کی فرع ہے (۸) الف نون، تانیث کے دو الف کی فرع ہے (۹) وزن فعل، وزن اسم کی فرع ہے۔

قاعدہ

وَيَجُوْزُ صَرْفُهُ لِلضَّرُوْرَةِ أَوْلِلتَّنَاسُبِ مِثْلُ (سَلَاسِلاً وَ اَغْلَالًا)

ترجمہ: اور غیر منصرف کو منصرف کرنا جائز ہے ضرورت شعری کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے جیسے (سلاسل و اغلالا)۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کو دو صورتوں میں منصرف پڑھنا جائز ہے (۱) ضرورت شعری کی وجہ سے

(۲) ساتھ والے کلمہ کی مناسبت سے جیسے سورۂ دہر (آیت: ۴) میں ہے سلاسلا و اغلالا اس میں سلاسلا بروزن مساجد غیر منصرف ہے اور اغلالا سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے اس پر بھی تنوین آئی ہے۔

ضرورت شعری کی مثالیں:

(۱) صبت عَلَیَّ مصائب لو انها   صبت علی الایام صرن لیالیا

ترجمہ: مجھ پر ایسے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ راتیں بن جاتیں)

(۲) اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره   هو المسک ما کررته یتضوع

ترجمہ: نعمان (امام ابوحنیفہؒ) کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو، بیشک ان کا ذکر ہی مشک ہے، جس قدر اس کو رگڑو گے مہکے گا۔

(۳) سلام علی خیر الانام و سید   حبیب اله العالمین محمد

ترجمہ: خیر الخلائق اور سید الخلائق پر سلام ہو جو محبوب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

بشیر نذیر هاشمی مکرم   عطوف رؤوف من یسمی باحمد

ترجمہ: خوش خبری سنانے والے، ڈرانے والے، ہاشمی معزز نہایت مہربان، نہایت شفیق جن کا نام نامی احمد ہے۔

پہلے شعر میں مصائب غیر منصرف ہے، اس پر تنوین اس لئے لائی گئی ہے کہ وزن نہ ٹوٹے۔ دوسرے شعر میں نعمان غیر منصرف ہے، اس پر تنوین زحاف سے بچنے کے لئے پڑھی گئی ہے اور تیسرے شعر میں احمد غیر منصرف ہے، اس پر کسرہ حرف روی کی رعایت میں لایا گیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قانون بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ قانون کیا ہے؟

جواب: وہ قانون یہ ہے کہ غیر منصرف کو منصرف بنانا جائز ہے۔

سوال: غیر منصرف کو منصرف بنانا کب جائز ہے؟

جواب: کسرہ اور تنوین داخل کر کے غیر منصرف کو منصرف بنانا اس وقت جائز ہے، جبکہ دو چیزیں پائی جائیں (۱) ضرورت (۲) تناسب پیدا کرنا۔

فائدہ: ضرورت کبھی وزن شعر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی قافیہ کی رعایت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ ضرورت شعری میں دو صورتیں ہیں (۱) انکسار (۲) زحاف

سوال: انکسار اور زحاف میں کیا فرق ہے؟

جواب: انکسار میں وزن ٹوٹ جاتا ہے اور زحاف میں وزن تو نہیں ٹوٹتا البتہ سلاست باقی نہیں رہتی۔ انکسار کی مثال:

(۱) صبت عَلَیَّ مصائب لو أنها صبت علی الایام صرن لیالیا

ترجمہ: مجھ پر ایسے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ راتیں بن جاتیں۔

سوال: شعر میں محل استشہاد کیا ہے؟

جواب: شعر میں محل استشہاد مصائب ہے۔ اس پر تنوین اس لئے لائی گئی ہے کہ شعر کا وزن باقی رہے۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے؟

جواب: یہ شعر حضرت فاطمہؓ کا ہے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر کہا تھا

زحاف کی مثال:

اعد ذکر نعمانٍ لنا ان ذکرہ هو المسک ما کررته یتضوع

ترجمہ: نعمان (امام ابوحنیفہؒ) کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو، بیشک ان کا ذکر ہی مشک ہے جس قدر اس کو رگڑو گے وہ مہکے گا۔

سوال: شعر میں محل استشہاد کیا ہے اور کس طرح؟

جواب: شعر میں محل استشہاد نعمان ہے۔ اور نعمان غیر منصرف ہے، اس پر تنوین زحاف (کلام کی لَے کو باقی رکھنا) سے بچنے کے لئے پڑھی گئی ہے۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے؟

جواب: یہ شعر امام الازکیا محمد بن ادریس الشافعیؒ کا ہے۔

قافیہ کی مثال:

(۳) سلام علیٰ خیر الانام و سید　　　حبیب الله العالمین محمدٍ

ترجمہ: خیر الخلائق اور سید الخلائق پر سلام ہو جو محبوب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

بشیر نذیر ھاشمی مکرم　　　عطوف رؤوف من یسمی باحمدٍ

ترجمہ: خوش خبری سنانے والے، ڈرانے والے، ہاشمی، معزز۔ نہایت مہربان، نہایت شفیق، جن کا نام نامی احمد ہے۔

سوال: شعر میں محل استشہاد کیا ہے اور کس طرح؟

جواب: شعر میں محل استشہاد باحمد ہے، اور باحمد غیر منصرف ہے اس پر کسرہ حرف رَوِیْ اور قافیہ کی رعایت میں لایا گیا ہے۔

(۲) غیر منصرف کو منصرف پڑھنے کی دوسری وجہ تناسب ہے۔

سوال: تناسب کا کیا مطلب؟

جواب: تناسب کا مطلب یہ ہے کہ دو کلمے ایک جگہ پر جمع ہوں اور ان میں سے ایک غیر منصرف ہو اور دوسرا منصرف ہو اور ان دونوں کے درمیان لفظی اور معنوی مناسبت بھی ہو تو اس صورت میں غیر منصرف کو منصرف پڑھیں گے۔ جیسے سلاسلا و اغلالا میں سلاسلا یہ جمع منتہی کے وزن پر ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، لیکن ایک قرأت کے مطابق تنوین کے ساتھ ہے، ان دونوں کے درمیان لفظی اور معنوی مناسبت بھی ہے، دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے، ایک منصرف اور دوسرا غیر منصرف ہے تو جو غیر منصرف ہے اس کو بھی منصرف پڑھیں گے۔

سوال: لفظی مناسبت کیا ہے؟

جواب: لفظی مناسبت سلاسل، سلسلة کی جمع ہے اور اغلال، غل کی جمع ہے اور سلاسل، اغلال کے ساتھ مذکور ہے۔

سوال: معنوی مناسبت کیا ہے؟

جواب: معنوی مناسبت یہ ہے کہ اغلال بیڑی کو کہتے ہیں اور سلاسل زنجیر کو اور دونوں لوہے سے بنتے ہیں اور سزا کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔

سوال: غیر منصرف وہ اسم ہے جس میں دو علتِ مؤثرہ یا ایک علت مؤثرہ پائی جائے لہذا ایسے اسم کو منصرف بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی علت مؤثرہ زائل کر دی جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جب ضرورت شعری یا مناسبت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین دیتے ہیں تو غیر منصرف کی علت زائل نہیں ہوتی اس حال میں بھی باقی رہتی ہے؟

جواب: غیر منصرف کو منصرف بنانے کے معنی یہ ہیں کہ غیر منصرف، منصرف کے حکم میں ہو جائے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر منصرف کی طرح کسرہ اور تنوین آئے۔

نوٹ: غیر منصرف کو منصرف بنانا جو بتایا ہے، یہ حقیقۃً نہیں ہوگا بلکہ صرف تنوین اور کسرہ کو داخل کرنے کے اعتبار سے ہے۔

سوال: تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھتے ہیں، اس کے برعکس کیا منصرف کو غیر منصرف پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: نہیں پڑھ سکتے کیونکہ غیر منصرف فرع ہے اور منصرف اصل ہے، غیر منصرف، ضعیف ہے اور منصرف قوی ہے ضعیف کو قوی بنایا جاتا ہے قوی کو ضعیف نہیں بنایا جاتا۔

سوال: کتاب میں سلاسلا کے ساتھ اغلالا کا ذکر بے فائدہ ہے، کیونکہ مناسبت کے لئے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کی مثال فقط سلاسلا ہے نہ کہ سلاسلا و اغلالا جو دونوں کا مجموعہ ہے؟

جواب: کتاب میں اغلالا کا ذکر بے فائدہ نہیں ہے، کیونکہ سلاسلا اس غیر منصرف کی مثال ہے، جو مناسبت کی وجہ سے منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے اور اغلالا اس

منصرف کی مثال ہے، جس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے، تا کہ پھر کوئی سوال نہ کرے کہ وہ کونسا منصرف ہے، جس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے سلاسلا کو منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے تناسب کی مثال بیان کی ضرورت کی مثال کیوں نہیں بیان کی؟

جواب: ضرورت کی بنا پر غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا ظاہر اور مشہور ہے اس لئے صاحب کافیہؒ نے اس کو چھوڑ دیا اور مناسبت کے لئے غیر منصرف کو منصرف کے حکم کرنا ظاہر اور مشہور نہیں تھا، اس لئے مصنفؒ نے اسکی مثال بیان کی۔

سوال: مصنفؒ نے تناسب پر (للتناسب) لام جارہ کیوں داخل کیا؟

جواب: غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کی ضرورت پہلے ہوتی ہے، پھر غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا جاتا ہے، لیکن تناسب غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کے بعد ہوتا ہے، اس فرق کو بتانے کے لئے مصنفؒ نے ضرورت اور تناسب دونوں پر جدا جدا ''لام جارہ'' داخل کیا ہے۔

سوال: مصنف کو یجوز کی جگہ یجب کہنا چاہئے تھا یجب للضرورۃ اور یجوز للتناسب کہتے تا کہ فرق واضح ہو جاتا؟

جواب: جواز کے تین معانی ہیں (۱) عدم الوجوب یعنی واجب نہ ہونا۔ (۲) عدم الامتناع یعنی محال نہ ہونا۔ (۳) عدم الوجوب و الامتناع یعنی نہ واجب ہونا نہ محال ہونا۔ یہاں پر دوسرا معنی مراد ہے، یعنی ضرورت شعری اور تناسب کے سبب غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دینا محال نہیں ہے، خواہ ضروری نہ ہو جیسے تناسب کے سبب یا ضروری ہو جیسے ضرورت شعری کے سبب، جس طرح کہ بولا جاتا ہے'' جنت میں فساق کا جانا محال نہیں بلکہ جائز ہے''۔

بالفاظ دیگر یہاں پر جواز کے معنی امکان عام ہے (موجہات کی بحث میں ہے) جس کے معنی ہے جانب مخالف کا ضروری نہ ہونا، خواہ جانب موافق ہو یا نہ ہو، یہاں پر جانب

موافق صَرْف ہے اور جانب مخالف عدم صَرْف، لہذا جب جواز کے معنی امکان عام ہے تو کافیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ غیر منصرف کو غیر منصرف کے حکم میں رکھنا واجب نہیں، خواہ منصرف کے حکم میں کرنا واجب ہو، جس طرح کہ ضرورت شعری کے سبب واجب ہوتا ہے یا واجب نہ ہو جس طرح کہ مناسبت کے سبب واجب نہیں ہوتا ہے (ضرورت اور تناسب کی وجہ سے منصرف کے جواز کا سلب ضروری نہیں ہے)۔

فائدہ

وَمَا يَقُوْمُ مَقَامَهُمَا اَلْجَمْعُ وَأَلِفَا التَّانِيْثِ

ترجمہ: اور وہ جو دو سببوں کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ جمع اور تانیث کے دو الف ہیں۔

مختصر تشریح

جمع منتہی الجموع اور تانیث کے دو الف (ممدودہ اور مقصورہ) جیسے حمراء اور صغریٰ دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسباب منع صرف میں دو سبب ایسے ہیں، جن میں سے ہر ایک، دو سبب کے قائم مقام ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) جمع منتہی الجموع (۲) تانیث کے دو الف (الف مقصورہ اور الف ممدودہ)۔

سوال: جمع منتہی الجموع کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جمع منتہی الجموع کہا جاتا ہے ایسی جمع کو جس پر جمع کی انتہاء ہو۔

سوال: جمع منتہی الجموع کے اوزان کیا ہیں؟

جواب: جمع منتہی الجموع کے مشہور اوزان دو ہیں: (۱) مَفَاعِلُ: جس کا پہلا حرف

مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہو جیسے مَسَاجِد (۲) مَفَاعِيْل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو، تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد تین حروف ہوں اور ان تین میں کا درمیانی حرف ساکن ہو اور اخیر میں گول ''ۃ'' نہ ہو جیسے مَصَابِيْح۔

فائدہ: ہدایت النحو میں دواب کو بھی جمع منتہی الجموع کا وزن بیان کیا ہے۔ دَوَابّ: پہلا حرف مفتوح ہو، تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد حرف مشدد ہو۔

سوال: جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام کیوں ہے؟

جواب: (۱) دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام اس لئے ہے کہ اس وزن پر جو جمع کے صیغے ہیں، کچھ تو ایسے ہیں جن میں حقیقۃً تکرار پایا جاتا ہے جیسے اکالب، اکلب کی جمع ہے اور اکلب، کلب کی جمع ہے ایسے ہی اساور، اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ، سِوَار (کنگن) کی جمع ہے اور اناعیم، انعام کی جمع ہے اور انعام، نعم (چوپایہ) کی جمع ہے، ان تینوں مثالوں میں جمع، حقیقۃً مکرر ہے۔

اور کچھ صیغے ایسے ہیں جن میں تکرار حکماً ہے جیسے مَسَاجِد اور مَصَابِيْح، ان میں جمع حقیقۃً مکرر نہیں ہے، لیکن یہ ان جموع کے وزن پر ہیں جن میں حقیقۃً تکرار ہے، چنانچہ مَسَاجِد اکالب کے وزن پر ہے اور مَصَابِيْح، اناعیم کے وزن پر ہے اور اکالب اور اناعیم میں حقیقۃً جمع مکرر ہے، اس لئے ان کے ہم وزن جو کلمے ہوں گے ان میں بھی تکرارِ جمع کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں قسم کے صیغے تکرار جمع کی وجہ سے دوفرع ہوں گے، جس کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہو جائیں گے، جس طرح فعل میں دوفرعیں (مصدر اور نسبت الی الفاعل) ہیں، اسی طرح اس وزن پر جمع کے جو صیغے آئیں گے ان میں بھی دوفرعیں ہو جائیں گی اور فعل کی مشابہت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین نہ آئیں گے۔

سوال: الف مقصورہ دوسبب کے قائم مقام کیوں؟

جواب: اسم مقصور میں دو چیزیں ضروری ہیں: (۱) اسم مقصور میں الف مقصورہ کا باعتبار وضع کے آنا۔ (۲) الف کا اس کے لئے لازم ہونا۔

اب الف مقصورہ خود تانیث ہے اور الف مقصورہ کا لازم ہونا جو بمنزلہ دوسری تانیث کے ہے پس گویا تانیث کی تکرار ہوگئی اور اتنی طاقت ہوگئی کہ ایک سبب دوسبب کے قائم مقام ہوگیا۔

سوال: الف ممدودہ دوسبب کے قائم مقام کیوں؟

جواب: اسم ممدود میں دو چیزیں ضروری ہیں: (۱) اسم ممدود میں الف ممدودہ کا باعتبار وضع کے آنا (۲) الف کا اس کے لئے لازم ہونا۔

اب الف ممدودہ خود تانیث ہے اور الف ممدودہ کا لازم ہونا جو بمنزلہ دوسری تانیث کے ہے، پس گویا تانیث کی تکرار ہوگئی اور اتنی طاقت ہوگئی کہ ایک سبب دوسبب کے قائم مقام ہوگیا۔

سوال: تثنیہ جب خبر ہو تو کبھی مجموعہ، خبر ہوتا ہے (جمیع مدۃ انقطاع رویتی ایاہ یومان) اور کبھی ہر واحد خبر ہوتا ہے (بعلبک ھما کلمتان جعلتا واحدۃ) کافیہ میں الفا التانیث، تثنیہ ہے، تو کیا دونوں کا مجموعہ مراد ہے یا ہر ایک جدا جدا مراد ہے؟

جواب: ہر ایک مراد ہے نہ کہ مجموعہ جیسا کہ شرح جامی ہے و الفا التانیث المقصورۃ و الممدودۃ ای کل واحدہ منھما۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک جدا جدا مراد ہے۔

عدل

فَالْعَدْلُ خُرُوْجُهُ عَنْ صِيْغَتِهِ الْاَصْلِيَّةِ تَحْقِيْقًا كَثُلٰثَ وَمَثْلَثَ وَ اُخَرَ وَجُمَعَ اَوْ تَقْدِيْرًا كَعُمَرَ وَبَابِ قَطَامِ فِيْ تَمِيْمٍ-

ترجمہ: پس عدل اس کا نکلنا ہے اپنے اصلی صیغہ سے، خواہ یہ نکلنا حقیقۃً ہو جیسے ثلاث (تین تین) مثلث (تین تین) اخر (دوسرے) جمع (سب) یا تقدیرا ہو جیسے عمر اور باب قطام قبیلہ بنو تمیم میں۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا پہلا سبب: عدل ہے جس کے معنی کسی اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکل کر

دوسرے صیغہ میں چلا جاتا ہے۔ جیسے عامر سے عمر اور ثلاثۃ ثلاثۃ سے ثلاث بنا ہے۔

پھر عدل کی دو قسمیں ہیں: (۱) عدل تحقیقی (۲) عدل تقدیری۔

عدل تحقیقی: وہ ہے جس میں اسم معدول کی واقعی کوئی اصل ہو جیسے ثلاث کے معنی ہے تین تین، پس معلوم ہوا کہ اس کی اصل ثلاثۃ ثلاثۃ ہے۔

عدل تقدیری: وہ عدل ہے جس میں اسم معدول کی واقعی کوئی اصل نہ ہو جیسے عمر اور زفر کو عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اور ان میں علمیت (معرفہ) کے علاوہ کوئی سبب نہیں، اس لئے ان کو عامر اور زافر سے معدول مان لیا گیا ہے۔

عدل کے چھ اوزان ہیں (۱) فُعَال جیسے ثُلاث (تین تین) رُبَاع (چار چار) خُمَاس سُدَاس وغیرہ۔ (۲) مَفْعَلُ جیسے مَثْلَث (تین تین) مَرْبَع (چار چار) وغیرہ۔ (۳) فُعَل: جیسے عمر، زفر (ان میں عدل تقدیری ہے) اور اُخر اور جُمَع (ان میں عدل تحقیقی ہے) عمر اور زفر کو تو ویسے ہی معدول مان لیا گیا ہے، مگر اُخَر اُخری کی جمع ہے اور وہ آخر (اسم تفضیل) کا مؤنث ہے سب سے زیادہ تاخیر کرنے والا اور اسم تفضیل کا استعمال الف لام، اضافت یا مِن کے ساتھ ہوتا ہے اور اخر ان سب کے بغیر بمعنی ''دیگر'' استعمال کیا جاتا ہے یہ عدل تحقیقی ہوا۔

اور جُمَعُ: جَمْعاء کی جمع ہے اور اَجْمَعُ کا مؤنث ہے اور قاعدہ ہے کہ افعل مؤنث فعلاء کی جمع اگر اسم صفت ہو تو فُعْلُ کے وزن پر آتی ہے جیسے احمر کے مونث حمراء کی جمع حُمَرٌ ہے اور اگر وہ اسم ذات ہو تو فَعَالَیٰ یا فَعْلَاوَات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صَحَارَیٰ یا صَحْرَاوَات ہے، پس ماننا ہوگا کہ جُمَعُ کی اصل جُمْع ہے یا جَمَاعیٰ یا جَمْعَاوات ہے۔ یہی اس میں عدل تحقیقی ہے۔

فائدہ: مصنفؒ چونکہ عدل کے اوزان بیان نہیں کر رہے بلکہ عدل تحقیقی کی مثالیں دے رہے ہیں، اس لئے انہوں نے تحقیقاً کے تحت ان کو لیا ہے اور شرح میں چونکہ اوزان بیان کئے ہیں اس لئے تین اوزان اور بیان کئے ہیں: (۱) فِعْل جیسے سِحْر (معین دن کا صبح سے کچھ

پہلے کا وقت)(۲)فَعَالِ جیسے قطام، حذام(عورتوں کے نام)(۳)فَعْلِ جیسے امس(گزشتہ کل)۔

نوٹ: قطام، حذام: اہل حجاز کے نزدیک کسرہ پر مبنی ہیں، غیر منصرف نہیں ہیں۔
اور بنوتمیم ان میں عدل مانتے ہیں اور غیر منصرف پڑھتے ہیں۔
اسی طرح امس کو بھی بنوتمیم حالت رفعی میں غیر منصرف مانتے ہیں اور اہل حجاز کسرہ پر مبنی کہتے ہیں، پس اصل اوزان چار ہیں (۱)ثلاث (۲)مثلث (۳)عمر (۴)سِحُر۔
نوٹ: مصنفؒ نے وزن ۴،۶ کو بیان نہیں کیا باقی صرف چار اوزان بیان کئے ہیں۔ اور قطام جیسے الفاظ سے مراد اس وزن پر آنے والے وہ الفاظ ہیں جو عورتوں کے نام ہوں اور ان کے آخر میں راء نہ ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے عدل کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنف نے عدل کو باقی آٹھ علتوں پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: عدل کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، باقی تمام اسباب کسی نہ کسی شرط سے مشروط ہیں، اس لئے شرائط کے اعتبار سے عدل مطلق ہے اور باقی اسباب مقید اور مطلق، مقید سے مقدم ہوتا ہے اس لئے مصنفؒ نے عدل کو مقدم کیا۔

سوال: مصنفؒ نے عدل کی تعریف لکھی، دوسری علتوں کی تعریف کیوں چھوڑ دی؟

جواب: (۱) عدل کی تعریف جو اس وقت مشہور تھی وہ مصنفؒ کو پسند نہیں تھی اس لئے عدل کی تعریف اپنی پسند کے مطابق لکھی اور دوسری علتوں کی تعریفیں جو اس وقت مشہور تھیں ان سے مصنفؒ کو کوئی اختلاف نہیں تھا، اس لئے دوسری علتوں کی تعریفیں نہیں لکھی۔
(۲) عدل کے علاوہ باقی علتوں میں سے بعض کی تعریف محتاج بیان نہیں یا بعض کی

تعریف اس کتاب میں دوسری جگہ مذکور ہے، اس لئے یہاں پر مصنفؒ نے عدل کے علاوہ باقی علتوں کی تعریفیں چھوڑ دیں۔

عدل کی لغوی تعریف: مصدر مبنی للمفعول بمعنی المعدول اس کے معنی ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف عدول اور نکلنا۔

عدل کی اصطلاحی تعریف: اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکلنا۔

سوال: عدل کی تعریف مشتقات پر صادق آتی ہے، اس لئے کہ مشتقات کو بھی اصلی صیغہ (مصدر) سے نکالا جاتا ہے؟

جواب: (۱) اسم کو اس کی اصلی صورت سے نکالنا عدل ہے اور مشتقات اور مصدر کی صورت علاحدہ علاحدہ ہے، لہٰذا مشتقات کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو اپنی اصلی صورت سے نکالا جاتا ہے۔

(۲) اسم کا خروج اپنے اصلی صیغہ سے غیر تصریفی (جس کی گردان نہ آتی ہو) ہے، اور اسمائے مشتقات کا خروج مصدر سے تصریفی (جس کی گردان آتی ہو) ہے غیر تصریفی نہیں ہے اور عدل میں غیر تصریفی ہونا ضروری ہے۔

سوال: عدل کی تعریف مغیرات قیاسیہ پر صادق آتی ہے اس لئے کہ ان کو اپنی اصلی صورت سے نکالا جاتا ہے جیسے قال کو قَوَل سے، یَقُوْل کو یَقْوَل اور مَقُوْل کو مَقْوُوْل اور مَبِیْع کو مَبْیُوْع سے نکالا گیا ہے؟

جواب: عدل کی تعریف میں صیغۃ الاصلیہ (اصل صورت سے نکلنا) اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسری صورت میں داخل ہو اور ان دونوں صورتوں میں فرق ہو، پہلی صورت جس سے نکالا جائے وہ تو قاعدہ کے مطابق ہو اور دوسری صورت جس میں داخل کیا گیا ہے وہ قاعدہ کے خلاف ہو اور مغیرات قیاسیہ میں دونوں صورتیں اصل کے مطابق ہوتی ہے، تعلیل سے پہلے جو صورت تھی وہ بھی اصل کے مطابق ہے اور تعلیل کے بعد جو صورت حاصل ہوئی ہے وہ بھی اصل کے مطابق ہے جیسے قال کی اصل قول ہے تو قول بھی اصل کے مطابق ہے اور قال

بھی اصل کے مطابق ہے۔

سوال: انیب اور اقوس پر عدل کی تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ یہ انیاب (جمع ناب) اور اقواس (جمع قوس) سے خروج ہو کر آتے ہیں؟

جواب: عدل میں اسم کو اپنی اصلی صورت سے نکال کر غیر اصلی صورت میں داخل کیا جاتا ہے اور مغیرات شاذہ (انیب اور اقوس) میں شروع ہی سے غیر اصلی صورت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

سوال: عدل کی تعریف (اسماء محذوف الاعجاز) پر صادق آتی ہے جن کا آخری حرف حذف کیا گیا ہو جیسے یَدو دَم کہ ان کو ان کی اصل یَدَو اور دَمَو سے نکالا گیا ہے؟

جواب: عدل کی تعریف میں یہ شرط ہے کہ مادہ باقی رہے تغیر صرف صورت میں ہو اور اسماء محذوف الاعجاز (وہ اسماء جن کا آخری حرف حذف کیا گیا ہو) میں مادہ باقی نہیں رہتا۔

سوال: اب عدل کی تعریف جامع نہ رہی کیونکہ ثلاث و مثلث یہ ثلاثة ثلاثة سے معدول ہیں اور مادہ باقی نہ رہا، اس لئے کہ ثلاثہ ثلاثہ کے آخر میں تاء ہے جو ثلاث و مثلث میں باقی نہیں؟

جواب: مادہ سے حروف اصلیہ مراد ہیں اور تاء اصلی حرف نہیں بلکہ زائد ہے۔

سوال: عدل کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: عدل کی دو قسمیں ہیں۔(۱) تحقیقی (۲) تقدیری

(۱) عدل تحقیقی: ایسے عدل کو کہتے ہیں جس کا معدول عنہ خارج میں موجود ہو جس کی کوئی مضبوط دلیل ہو جیسے ثُلاث، مَثلَث، اُخر، جُمَع۔

سوال: ثلث و مثلث یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے، کیا دلیل؟

جواب: ثلث و مثلث کا ترجمہ تین تین ہوتا ہے۔ قانون ہے کہ معنی کی تکرار لفظ کے تکرار پر دلالت کرتی ہے گویا ثلث و مثلث یہ ثلثة ثلثة سے معدول ہو کر آیا ہے۔

سوال: اُخر عدل تحقیقی کی مثال ہے۔ دلیل کیا ہے؟

جواب: اُخَر جمع ہے اُخرٰی کی اور اُخرٰی مؤنث ہے اسم تفضیل آخَرُ کا اور قانون ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں سے ہوتا ہے (۱) الف لام کے ساتھ جیسے الآخر (۲) من کے ساتھ جیسے آخر من (۳) اضافت کے ساتھ جیسے آخر القوم۔ یہاں پر تینوں طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ موجود نہیں ہے معلوم ہوا کہ اخر ان تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہوکر آیا ہے، معدول عنہ گویا خارج میں موجود ہے، اس کو عدل تحقیقی کی مثال کہیں گے۔

سوال: جُمَع عدل تحقیقی کی مثال ہے اس کا معدول عنہ خارج میں موجود ہے کیا دلیل ہے، اس کا معدول عنہ کیا ہے؟

جواب: اس کا معدول عنہ یا تو جُمْع یا جَمَاعیٰ یا جَمْعَاوَات ہے۔

سوال: جُمَع کا معدول عنہ جُمْع کیسے؟

جواب: جُمَع یہ جمع ہے جَمْعَاء کی اور فعلاء کے وزن پر ہے اور فعلاء اگر صفت کا صیغہ ہو تو اس کی جمع فُعْل کے وزن پر آتی ہے اور یہاں جُمَع ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جُمْع سے معدول ہوکر آیا ہے۔

سوال: اس کا معدول عنہ جَمَاعیٰ یا جَمْعَاوَات کیسے؟

جواب: جَمَاعیٰ یا جَمْعَاوَات، فعلاء کی جمع ہے اور فعلاء کے وزن پر آنے والا اسم محض ہو تو اس کی جمع فعالیٰ و فعلاوات کے وزن پر آتی ہے، جیسے صحراء سے صحاریٰ اور صحراوات۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جُمَع کا معدول عنہ خارج میں موجود ہے۔

(۲) عدل تقدیری: ایسے عدل کو کہتے ہیں جس کا معدول عنہ خارج میں موجود نہ ہو اور اس کے معدول ہونے کی کوئی مضبوط دلیل نہ ہو جیسے عمر یہ غیر منصرف ہے، ایک سبب علم ہے البتہ دوسرا سبب نہیں پایا جاتا ہے اور اہل عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اس لئے ہم نے عمر کو عامر سے اور زفر کو زافر سے معدول مانا ہے۔

سوال: وباب قطام فی تمیم سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب قطام سے مراد ہر وہ اسم ہے جو اعیانِ مؤنث کا علم ہو اور فعال کے وزن پر ہو اور آخر میں راء نہ ہو، ایسے اسماء میں بنی تمیم، علم کے ساتھ عدل کو تقدیری مانتے ہیں۔

نوٹ: تمیم سے بعض بنو تمیم مراد ہے۔

سوال: بعض بنو تمیم باب قطام میں عدل کو مقدر کیوں مانتے ہیں؟

جواب: اس کے لئے تفصیل کا جاننا ضروری ہے۔

فعال کی چار قسمیں ہیں (۱) فعال جو امر کے معنی میں ہو جیسے نزال بمعنی انزل، یہ صورت مبنی ہے، اس لئے کہ یہ مبنی الاصل کے معنی میں ہے۔

(۲) فعال جو مصدر معرفہ کے معنی میں ہو جیسے فجار بمعنی الفجور۔

(۳) فعال جو مؤنث کی صفت ہو جیسے فساق، فاسقۃ کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں بدکار عورت، یہ دونوں بھی مبنی ہیں، اس لئے کہ ان دونوں کو فعال بمعنی امر کے ساتھ وزن اور عدل میں مشابہت ہے۔

(۴) فعال جو مؤنث کا علَم ہو، خواہ وہ ذوات الراء ہو یا نہ ہو۔ اس میں اختلاف ہے، اہل حجاز دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں، لیکن ان میں صرف دو سبب ہیں، علَم اور تانیث اور مبنی ہونے کے لئے محض دو سبب کا ہونا کافی نہیں بلکہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے مشابہت پیدا کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ اس کو نزال بمعنی انزل (امر) کے مشابہ قرار دیا گیا اور نزال میں دو چیزیں ہیں (۱) فعال کا وزن (۲) عدل کیونکہ اس کو انزل صیغہ امر سے معدول کیا گیا ہے، جو مبنی الاصل ہے، چونکہ اہل حجاز کے نزدیک وہ کلمات جو فعال کے وزن پر ہوں اور مؤنث کا علَم ہوں خواہ ذوات الراء ہوں یا نہ ہوں، دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں، اس لئے وہ دونوں میں عدل مانتے ہیں، تاکہ وزن اور عدل دونوں میں نزال کے ساتھ مشابہت ہو جائے اور جس طرح نزال مبنی ہے یہ بھی مبنی ہو جائیں۔

اکثر بنی تمیم کے نزدیک ذوات الراء اور غیر ذوات الراء میں فرق ہے، ذوات الراء کو

وہ مبنی پڑھتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک عدل ماننا ضروری ہے، تاکہ نزال کے ساتھ وزن اور عدل دونوں میں مشابہت تامہ ہو جائے، جس کی وجہ سے ان کو مبنی قرار دینا صحیح ہو جائے، غیر ذوات الراء کو وہ مبنی نہیں پڑھتے بلکہ غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لئے دوسبب کافی ہیں اور ان میں دوسبب علم اور تانیث موجود ہیں اس لئے عدل کی ضرورت نہیں، لیکن ذوات الراء میں عدل ان کے نزدیک بھی بناء کی ضرورت کی وجہ سے مانا گیا ہے، اس لئے غیر ذوات الراء میں باوجود عدم ضرورت کے محض نظائر پر حمل کرنے کی وجہ سے عدل مانا گیا، تاکہ ذوات الراء اور غیر ذوات الراء دونوں کا حکم یکساں ہو جائے۔

وصف

اَلْوَصْفُ شَرْطُهُ اَنْ يَكُوْنَ فِي الْاَصْلِ فَلَا تَضُرُّهُ الْغَلَبَةُ فَلِذٰلِكَ صُرِفَ اَرْبَعٍ فِيْ "مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ" وَامْتَنَعَ اَسْوَدُ وَاَرْقَمُ لِلْحَيَّةِ وَاَدْهَمُ لِلْقَيْدِ وَضَعُفَ مَنْعُ اَفْعٰى لِلْحَيَّةِ وَاَجْدَلُ لِلصَّقْرِ وَاَخْيَلُ لِلطَّائِرِ۔

ترجمہ: وصف تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصل وضع میں ہو، پس اس کے لئے غلبہ مضر نہیں چنانچہ اسی وجہ سے اربع منصرف ہے، مررت بنسوۃ اربع میں اور غیر منصرف ہے اسود اور ارقم سانپ کے لئے اور ادھم بیڑی کے لئے اور غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے افعی کو جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل کو جو کہ شکرہ کا نام ہے اور اخیل کو جو کہ پرندہ کا نام ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا دوسرا سبب وصف ہے۔ جس کے معنی ہے حالت، صفت کے بھی یہی معنی ہے۔ اسم وصف: وہ اسم ہے جس سے ذات کے علاوہ کوئی حالت بھی سمجھی جائے جیسے

احمر (سرخ) اسود (سیاہ) ارقم (چت کبرا) سکران (مدہوش)۔ ان لفظوں سے ذات کے علاوہ حالت بھی سمجھی جاتی ہے۔

اسم وصف کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اصل وضع میں صفتی معنی کے لئے ہو، خواہ بعد میں وہ صفتی معنی اس میں باقی رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ پس اسود اور ارقم، اگر چہ بعد میں سانپوں کے نام ہو گئے ہیں، مگر چونکہ اصل وضع میں صفتی معنی کے لئے ہیں، اس لئے غیر منصرف کا سبب ہیں، فلا تضرہ الغلبۃ کا یہی مطلب ہے۔

وصف: غیر منصرف کا سبب اس وقت ہے جبکہ اصل وضع میں اس کی وصفیت یقینی ہو، یہ مثبت شرط ہے اور بعد میں غلبہ مضر نہیں، یہ منفی شرط ہے۔ پس مصنف تین باتیں متفرع کرتے ہیں۔

(۱) وصفیت اصلی کے شرط ہونے پر (۲) غلبہ کے مضر نہ ہونے پر (۳) اصل وضع میں وصفیت کے معنی یقینی نہ ہونے پر۔

پہلی تفریع: جو اسم اصل وضع میں صفتی معنی کے لئے نہ ہو، بعد میں اس میں عارضی طور پر صفتی معنی پیدا ہو گئے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں، جیسے مررت بنسوۃ اربع (میں چار عورتوں کے پاس سے گزرا) اس میں اربع، نسوۃ کی صفت ہے اور اس میں دوسرا سبب وزن فعل بھی ہے، مگر اربع اصل بناوٹ میں عدد کے لئے ہے اس لئے منصرف ہے۔

دوسری تفریع: اسود اور ارقم منصرف ہے، کیونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی یقینی ہیں، اگر چہ بعد میں سانپوں کے نام ہو گئے ہیں، مگر اسمیت کا یہ غلبہ مضر نہیں۔ اسود کے معنی ہے ناگ، کالا سانپ اور ارقم کے معنی ہے چت کبرہ سانپ اور ادھم کے معنی ہے بیڑی، مگر اصل معنی ہے سیاہ، چت کبرہ، کالا۔ اس قسم کے الفاظ کو منصرف پڑھنا ممنوع ہے۔

تیسری تفریع: افعی (خبیث سانپ) اجدل (شکرہ، ایک شکاری پرندہ) اخیل (ایک مخصوص پرندہ جس کے پروں پر رنگ برنگ کے تل ہوتے ہیں) ان لفظوں کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے، ان کو غیر منصرف پڑھنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی ہیں یا نہیں؟ یہ بات یقینی نہیں۔ بلکہ احتمال ہے کہ افعی، فعوۃ سے مشتق ہو، جس کے معنی

خبث کے ہے اور اجدل، جدل سے مشتق ہو، جس کے معنی قوت کے ہے اور اخیل، خال سے مشتق ہو جس کے معنی تل کے ہے، بعد میں اسمیت کا غلبہ ہو گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع ہی سے یہ اسم ذات ہوں، پس ان کی وصفیت یقینی نہیں، اس لئے ان کو غیر منصرف پڑھنا ٹھیک نہیں، ان کو منصرف پڑھنا چاہئے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے دوسرا اسبب وصف کو بیان کرنا ہے۔

سوال: عدل کے بعد وصف کو ذکر کیوں کیا؟

جواب: بعض اسمائے معدولہ میں وصف مؤثر ہے، جیسے ثلاث یہ اسم معدول ہے، اس میں وصف کے معنی پائے جاتے ہیں۔

سوال: وصف کے لغوی واصطلاحی معنی کیا ہے؟

جواب: وصف کے لغوی معنی ہے بیان کرنا۔ اور اصطلاح میں وصف کہا جاتا ہے جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، چاہے ذاتِ مبہم پر دلالت کرنا وضع کے اعتبار سے ہو یا استعمال کے اعتبار سے ہو۔

سوال: وصف، غیر منصرف کا سبب مطلق ہے یا کسی شرط کا پایا جانا ضروری ہے؟

جواب: وصف، غیر منصرف کا سبب مطلقا نہیں ہے، بلکہ وصفِ اصلی ہونا شرط ہے عارضی نہ ہو۔

سوال: وصف اصلی کسے کہتے ہیں؟

جواب: واضع نے جس وقت اس کو وضع کیا ہو تو وصف ہی کے لئے وضع کیا ہو۔

سوال: وصف عارضی کسے کہتے ہیں؟

جواب: واضع نے لفظ کو وضع کیا تھا اسم کے لئے، بعد میں اس کا استعمال صفت

کے لئے ہونے لگا ہو۔

سوال: غیر منصرف کے لئے وصفِ اصلی کو شرط کیوں قرار دیا؟

جواب: وصف میں اصلی کی شرط اس لئے لگائی کہ وصفِ عارضی کے مقابلے میں وصف اصلی میں قوت وطاقت زیادہ ہوتی ہے اور اسم کو منصرف سے غیر منصرف بنانا ہے تو زیادہ قوت کی ضرورت ہوگی۔

سوال: اصل نہ ظرف مکان ہے اور نہ ظرف زمان ہے، اس لئے اصل پر فی جارہ داخل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ فی جارہ ظرف زمان اور مکان کے لئے وضع کیا گیا ہے؟

جواب: عبارت میں مضاف مقدر ہے اصل عبارت ہے فی زمان الاصل وصف کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وصف وضع کے زمانہ میں ہو نہ کہ وضع کے بعد۔

(۲) اس جگہ فی کے معنی عند کے ہیں۔

سوال: اصل سے وضع مراد لینا کیسے صحیح ہے؟

جواب: اصل کے معنی ما یبنیٰ علیه الشئی ،جس پر کوئی چیز مبنی ہو اور تینوں دلالتیں مطابقی، تضمنی، التزامی، چونکہ وضع پر مبنی ہیں، اس لئے وضع اصل ہے اور تینوں دلالتیں وضع پر مبنی اس لئے ہیں کہ تینوں دلالتوں کے مفہوم میں وضع کو دخل ہے۔

سوال: فلاتضرہ الغلبة کا کیا مطلب؟

جواب: فلاتضرہ الغلبة کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصرف کا سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہے جو وضع کے وقت ہو، مگر وضع کے وقت نہ ہو بعد میں استعمال کی صورت میں اس کے اندر وصفیت آگئی ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اور اگر وضع کے اعتبار سے ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہوگئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ وصف بدستور غیر منصرف کا سبب رہے گا۔

سوال: فلذلک صرف اربع سے مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: فلذلک صرف اربع سے مصنف کا مقصد غیر منصرف کا سبب بننے

میں وصف اصلی کا اعتبار ہے، جو وضع کے وقت ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہو گئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، وہ وصف بدستور غیر منصرف کا سبب رہے گا۔ اگر وضع کے وقت نہ ہو بعد میں استعمال کی صورت میں اس کے اندر عارضی وصفیت آ گئی ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ اربع میں اصل وضع کے اعتبار سے وصفیت نہ تھی، اس کی وضع تو عدد کے لئے ہیں لیکن مررت بنسوۃ اربع میں عارضی طور پر وصفیت آ گئی ہے، اس لئے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور اس کو غیر منصرف نہ پڑھیں گے۔

سوال: اربع میں وصفِ عارضی کیسے؟

جواب: اربع میں وصفِ عارضی اس طرح ہے کہ اربع عدد معین پر دلالت کرتا ہے اور وصف میں تعین نہیں ہوتی۔

سوال: اربع میں وصف کا اعتبار نہیں کیا تو ثلاث اور مثلث میں وصف کا اعتبار کیوں کیا، جبکہ دونوں اصل وضع میں عدد ہے؟

جواب: ثلثۃ ثلثۃ جو معدول عنہ ہے، ان میں تو بے شک وصف عارضی ہے، لیکن معدول (ثلٰث، مثلث) میں وصفیت اصل ہے، کیونکہ عدل کے وقت ان میں وصفیت کا اعتبار کر لیا گیا ہے اور عدل وضع ثانی ہے، اس لئے عدل کے وقت جو وصفیت پائی جائے گی اس کا درجہ ایسا ہے جیسا کہ وضع کے وقت پائی گئی اور وضع کے وقت جو وصفیت ہوگی وہ اصل ہوگی اور اربع تو وہ اربعۃ اربعۃ سے معدول نہیں ہے۔

سوال: اسود، ارقم اور ادھم سے کیا مقصد ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسود، ارقم اور ادھم میں وضع کے وقت وصفیت تھی، بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہو گئی ہے، تو اس غلبہ کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ کلمات بدستور غیر منصرف رہیں گے، ان کلمات میں اسمیت کا غلبہ اس طرح ہوا ہے کہ اسود کالے سانپ کا، ارقم چت کبرے سانپ کا اور ادھم بیڑی کا نام ہو گیا ہے، لیکن ابھی معلوم ہوا کہ اس غلبہ کا کوئی اثر نہیں، اس لئے یہ کلمات وصف اصلی اور وزن فعل کی وجہ سے

غیر منصرف ہیں۔

اگر معنیٔ اسمی میں ان کا استعمال نہ ہو بلکہ اپنے معانیٔ اصلیہ میں استعمال ہو، جس میں اسمیت کا شائبہ نہ ہو، تو پھر ان کا غیر منصرف ہونا بالکل ظاہر ہے کہ وصف اصلی کے ساتھ دوسرا سبب وزن فعل ہے۔

سوال : عبارت فلذلک صرف اربع میں ذا اسم اشارہ واحد ہے لیکن مشار الیہ دو ہیں (۱) اصل وضع میں وصف کا شرط ہونا (۲) اسمیت کا غلبہ کا وصف کو ضرر نہ دینا، صحیح عبارت (فَلِذَیْنِکَ صُرِفَ) اس طرح ہونی چاہیئے؟

جواب : ذا اسم اشارہ واحد ہے اور عبارت میں اس کا مشار الیہ دو نہیں بلکہ ایک ہی ہے اور وہ اصل وضع میں وصف کا شرط ہونا ہے، اب عبارت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

سوال : نسوۃ موصوف مؤنث ہے اور اربع صفت مذکر ہے، موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب : دراصل عبارت مررت بنسوۃ موصوفۃ باربع کی تاویل میں ہے، لہذا کوئی سوال نہیں ہوگا۔

سوال : صُرِفَ اَرْبَع میں اربع مجرور کیوں؟ نائب فاعل ہے، مرفوع ہونا چاہیئے؟

جواب : اربع میں اعراب حکائی ہے ورنہ اعراب مرفوع ہوتا۔

اعراب حکائی وہ اعراب ہے جس میں موجودہ عامل کا اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ سابق عامل کا اعتبار کرتے ہوئے اعراب دیا جائے، یہاں پر اربع، مررت بنسوۃ اربع کی ترکیب میں مجرور تھا، اس کا اعتبار کیا۔

سوال : آپ نے وصف کے بارے میں فرمایا کہ اگر اصل وضع میں وصف پایا جاتا ہو اور بعد میں اسمیت کا غلبہ ہو جائے تو وہ مضر نہیں ہے، وصف اصلی کا اعتبار کرکے وہ غیر منصرف کا سبب ہوسکتا ہے، اس قول کی بنا پر افعی، اجدل، اخیل کو غیر منصرف پڑھنا چاہیئے؟ کیونکہ ان میں ایک سبب وصف اصلی ہے اور دوسرا سبب وزن فعل ہے، اس لئے کہ ان

میں اگرچہ اسمیت غالب ہے، چنانچہ افعی سانپ کا نام ہوگیا اور اجدل شکرے کا نام ہو گیا اور اخیل ایک پرندہ کا نام ہے، جس کے پروں میں تل جیسے نشان ہوتے ہیں، لیکن آپ کے نزدیک اسمیت کا غلبہ مضر نہیں، وصف اصلی کا اعتبار کر کے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے، تو پھر اس میں ضعف کی کیا بات ہے؟

جواب: مصنفؒ کی عبارت ضعف منع افعیٰ سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہے۔

(۱) ان کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے (۲) غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

سوال: ان کو غیر منصرف پڑھنا کیوں جائز ہے؟

جواب: ان کو غیر منصرف پڑھنا تو اس لئے جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں وصفیت کا گمان ہے، اس لئے غیر منصرف پڑھنے کی گنجائش ہے۔

افعی میں وصفیت: فعوۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی خبث کے ہیں اور یہ معنیٰ وصفی ہے۔

اجدل میں وصفیت: جدل سے مشتق ہے، معنی ہے قوت اور یہ معنیٰ وصفی ہے۔

اخیل میں وصفیت: خال سے مشتق ہے، جس کے معنی تل کے ہیں اور یہ معنیٰ وصفی ہے۔

گویا ان میں وصفیت کا گمان ہے، اس لئے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔

سوال: غیر منصرف پڑھنا ضعیف کیوں؟

جواب: غیر منصرف پڑھنا ضعیف اس لئے ہے کہ ان میں وصفیت کا صرف وہم ہے یقین نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا استعمال وصفیت کے لئے نہ پہلے ہوا ہے اور نہ اب ہے، تو جب تک کوئی یقینی وجہ غیر منصرف کی نہ پائی جائے تو کلمہ کو منصرف ہی پڑھنا چاہئے، کیونکہ اسماء میں اصل انصراف ہے۔

تانیث

اَلتَّانِیْثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِیَّةُ وَالْمَعْنَوِیُّ كَذٰلِكَ وَشَرْطُ تَحَتُّمِ تَاثِیْرِهِ الزِّیَادَةُ عَلَى الثَّلٰثَةِ أَوْ تَحَرُّكُ الْاَوْسَطِ أَوِ الْعُجْمَةِ فَهِنْدٌ یَجُوْزُ صَرْفُهُ وَزَیْنَبُ وَسَقَرُ وَمَاهُ وَجُوْرُ مُمْتَنِعٌ۔

ترجمہ: تانیث بالتاء اس کی شرط علمیت ہے اور تانیث معنوی بھی اسی طرح ہے اور تانیث معنوی کے وجوبی طور پر مؤثر ہونے کی شرط تین حروف سے زیادہ ہونا، یا درمیانی حرف کا متحرک ہونا، یا عجمی ہونا ہے پس ھند منصرف پڑھنا جائز ہے اور زینب اور سقر (جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے) اور ماہ اور جور (دو شہروں کے نام) غیر منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا تیسرا سبب تانیث ہے: اسم کا مونث ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے۔

پس تانیث بالالف کے لئے (خواہ الف ممودہ ہو یا الف مقصورہ) کوئی شرط نہیں اور تانیث بالتاء کے لئے علمیت شرط ہے، جیسے طلحة۔

اور تانیثِ معنوی کے لئے بھی علمیت شرط ہے، مگر فرق یہ ہے کہ تانیث بالتاء میں علمیت کی شرط وجوب کے لئے ہے اور تانیث معنوی میں یہ شرط جواز کے لئے ہے۔

وجوب کے لئے تین باتوں میں سے ایک بات شرط ہے (۱) کلمہ تین حرف سے زائد ہو جیسے زینب، مریم (۲) اگر کلمہ تین حرفی ہو تو درمیانی حرف متحرک ہو جیسے سقر (دوزخ) (۳) اگر درمیانی حرف ساکن ہو تو ضروری ہے کہ وہ عجمی زبان کا لفظ ہو جیسے ماہ، جور (دو شہروں کے نام)۔

پس اگر عربی زبان کا لفظ ہو جیسے ھند (عورت کا نام) تو اس کو منصرف اور غیر منصرف

دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔منصرف اس لئے کہ غیر منصرف کے لئے جو تین باتیں ضروری تھیں وہ نہیں پائی جاتیں اور غیر منصرف اس لئے کہ دوسبب (تانیث معنوی اور معرفہ) موجود ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے تیسرا سبب تانیث کو بیان کرنا ہے۔

سوال: وصف کے بعد تانیث کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: وصف اور تانیث دونوں مشترک ہیں۔

سوال: وصف اور تانیث دونوں کس چیز میں مشترک ہیں؟

جواب: جس طرح وصف منقسم ہوتا ہے اصلی اور عارضی کی طرف، اسی طرح تانیث بھی اصلی اور عارضی کی طرح منقسم ہوتی ہے۔اور جس طرح غیر منصرف کے لئے وصف اصلی مؤثر ہے، اسی طرح غیر منصرف کے لئے تانیث اصلی مؤثر ہے۔

سوال: تانیث کی کتنی قسمیں ہیں اور کونسی؟

جواب: تانیث کی دو قسمیں ہیں (۱) تانیث لفظی (۲) تانیث معنوی۔

سوال: تانیث لفظی کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث لفظی اس تانیث کو کہتے ہیں جس کا تلفظ کیا جا سکے۔

فائدہ: تانیث لفظی سے وہ تانیث مراد ہے، جس میں علامت تانیث حقیقۃً ملفوظ ہو جیسے ناقة۔اور کبھی تانیث لفظی سے وہ تانیث بھی مراد ہوتی ہے، جس کے مقابلے میں حیوان مذکر نہ ہو جیسے سقر۔

تانیث لفظی کے ان دو معنوں کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، کیونکہ ظلمة پر تانیث لفظی کے دونوں معنی صادق آتے ہیں، اور ناقة پر پہلا معنی صادق آتا ہے نہ کہ دوسرا اور سقر پر دوسرا معنی صادق آتا ہے نہ کہ پہلا۔

سوال: تانیث لفظی کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں (۱) تانیث بالتاء (۲) تانیث بالالف

سوال: تانیث بالتاء کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث بالتاء اس تاء کو کہتے ہیں جو کلمہ کے اخیر میں آئے اور اس سے پہلے فتحہ آئے اور وقف کی حالت میں ہاء بن جاتی ہو جیسے **حامدۃ** کی تاء۔

سوال: تانیث بالالف کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث بالالف ایسی تانیث کو کہتے ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ یا الف ممدودہ آئے۔

سوال: تانیث بالتاء غیر منصرف کے لئے مطلقاً سبب ہے؟

جواب: نہیں بلکہ تانیث بالتاء کے لئے علمیت شرط وجوبی ہے۔

سوال: تانیث بالتاء میں علمیت شرط کیوں؟

جواب: تانیث بالتاء کلمہ کے اخیر میں آتی ہے اور تغیر کو قبول کرتی ہے اور جو چیز اخیر میں آتی ہے اور تغیر کو قبول کرتی ہے، اس کو عامۃً گرادیا جاتا ہے، اس لئے علمیت کو شرط قرار دے کر اس کو حذف سے محفوظ کردیا، کیونکہ علم میں تغیر نہیں ہوتا ہے، اور حذف سے محفوظ ہونا اتنی قوت وطاقت پیدا کردیتا ہے جس سے وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے۔

تنبیہ: تانیث بالتاء کو غیر منصرف کا سبب بنانے کے لئے علمیت شرط ہے، نہ کہ مطلقاً چنانچہ **قائمۃ** میں تانیث بالتاء ہے، لیکن علمیت نہیں ہے۔

تانیث معنوی

سوال: **المعنوی**، اسم منسوب ہے اور اسم منسوب ہمیشہ صفت ہوتا ہے تو اس کا موصوف کیا ہے؟

جواب: اس کا موصوف **التانیث** محذوف ہے جیسے **التانیث المعنوی**۔

سوال: تانیث معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: تانیث معنوی اس تانیث کو کہتے ہیں جس کا تلفظ نہ کیا جاسکے۔

سوال: تانیث معنوی غیر منصرف کے لئے مطلقاً سبب ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ تانیث معنوی میں دوقسم کی شرطیں ہیں:(۱)جوازی (۲)وجوبی۔

سوال: جوازی اوروجوبی شرط کیا ہے؟

جواب: جوازی شرط علمیت ہے۔اوروجوبی شرط تین ہیں،اورتینوں میں سے کوئی ایک پائی جانی چاہئے۔(۱)زیادة علی الثلاثة (اسم تین حرف سے زیادہ ہو) جیسے: زینب۔ (۲) اگر وہ اسم چارحرفی نہ ہوتین حرفی ہوتو متحرک الاوسط (درمیانی حرف متحرک) ہو۔ (۳)عجمة کا ہونا۔

سوال: تانیث معنوی میں زیادة علی الثلاثة کی شرط کیوں؟

جواب: تانیث معنوی میں تاءلفظوں میں نہیں ہوتی لہذا تین حرف سے زائد جو حرف ہوگا وہ تانیث کے قائم مقام ہوجائے گا،جس کی وجہ سے ایک قسم کی مضبوطی پیدا ہوگی، جواسم کومنصرف کی فہرست سے نکال کرغیر منصرف کی فہرست میں داخل کردے گی۔

سوال: دوسری شرط متحرک الاوسط کیوں لگائی؟

جواب: جب درمیانی حرف متحرک ہوگا توحرکت چوتھے حرف کے قائم مقام ہو جائے گی اگرفتحہ توالف،کسرہ ہوتو یاءاورضمہ ہوتو واؤ کے قائم مقام ہوجائے گا اور چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہوجائے گا،جس کی وجہ سے ایک قسم کی مضبوطی پیدا ہوگی،جو اسم کو منصرف کی فہرست سے نکال کرغیر منصرف کی فہرست میں داخل کردے گی۔

سوال: عجمة کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: جب وہ اسم عجمی ہوگا تو اہل زبان (اہل عرب کی زبان) پرثقالت اور دشواری پیدا کرے گا اوریہی دشواری اتنی قوت پیدا کردے گی،جس کی وجہ سے ایک قسم کی مضبوطی پیدا ہوگی جواسم کومنصرف کی فہرست سے نکال کرغیر منصرف کی فہرست میں داخل کردے گی۔

فائدہ: عجمہ کہتے ہیں وہ کلمہ جو عجمی ہو، عربی نہ ہو جیسے: سقر۔ وہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔

اور دوزخ کے سات طبقے ہیں (١) ھاویة: جس میں منافقین، آل فرعون اور اصحاب مائدہ رکھے جائیں گے۔ (٢) لظی: جس میں مجوسی وابلیس اور اسکی اتباع کرنے والے رکھے جائیں گے۔ (٣) حطمة: جس میں یہودی رہیں گے۔ (٤) سعیر: جس میں نصاری رہیں گے۔ (٥) سقر: جس میں ستارے پرست ڈالے جائیں گے۔ (٦) جحیم: جس میں مشرکین ڈالے جائیں گے۔ (٧) جھنم: جس میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا اس میں امت مرحومہ کے گنہگار کچھ مدت کے لئے رکھیں جائیں گے۔

سوال: ھند کو غیر منصرف پڑھا جائے گا یا منصرف پڑھا جائے گا؟

جواب: ھند غیر منصرف اور منصرف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: ھند غیر منصرف کیوں؟

جواب: ھند میں دوسبب پائے جاتے ہیں (١) تانیث معنوی (٢) علم، اس لئے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

سوال: ھند منصرف کیوں؟

جواب: ھند میں وجوبی شرط (تینوں میں سے) کوئی بھی نہیں پائی جاتی اس لئے ھند کو منصرف پڑھا جائے گا۔

قاعدہ

فَاِنْ سُمِّیَ بِهٖ مُذَكَّرٌ فَشَرْطُهُ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلٰثَةِ
فَقَدَمٌ مُنْصَرِفٌ وَعَقْرَبُ مُمْتَنِعٌ۔

ترجمہ: پس اگر اس کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے، پس اس کی شرط تین حرف سے زیادہ ہونا ہے، پس قدم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف ہے۔

مختصر تشریح

اگر کسی مؤنث معنوی (مؤنث سماعی) کے ذریعہ مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ کلمہ تین حرف سے زائد ہوں، باقی دو شرطیں (درمیانی حرف کا متحرک ہونا یا عجمی زبان کا لفظ ہونا) کافی نہیں۔ پس قدم (پیر) جو مؤنث معنوی ہے اگر اس کے ذریعہ کسی آدمی کا نام رکھ دیا جائے تو بھی وہ منصرف ہوگا، کیونکہ کلمہ تین حرفی ہے، اگرچہ درمیانی حرف متحرک ہے، مگر یہ شرط یہاں معتبر نہیں۔ اور عقرب (بچھو) جو مؤنث معنوی (سماعی) ہے، اس کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہوگا، کیونکہ کلمہ چار حرفی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تانیث معنوی کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا تو غیر منصرف پڑھنے کے لئے زیادۃ علی الثلاثۃ ہونا ضروری ہے، درمیانی حرف کا متحرک ہونا یا عجمی زبان کا لفظ ہونا کافی نہیں، جیسے عقرب کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ علم کے ساتھ زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط موجود ہے، لیکن اگر قدم کے ذریعہ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو غیر منصرف نہیں ہوگا، بلکہ منصرف ہوگا، اس لئے کہ علم کے ساتھ زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط موجود نہیں ہے۔

سوال: زیادۃ علی الثلاثۃ کی قید کیوں لگائی؟

جواب: زیادۃ علی الثلاثۃ کی قید اس لئے لگائی کہ چوتھا حرف براہ راست تانیث کے قائم مقام بنتا ہے، جس کی وجہ سے ایک قسم کی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو منصرف کو غیر منصرف کی فہرست میں شامل کر دیتی ہے۔

سوال: متحرک الاوسط کی شرط کیوں نہیں لگائی؟

جواب: متحرک الاوسط کی شرط اس لئے نہیں لگائی کہ حرکت چوتھے حرف کے قائم مقام ہوتی ہے پھر چوتھا حرف تاء کے قائم مقام ہوتا ہے گویا واسطہ ہے اس لئے وہ کمزور ہے۔ جیسے قدم اس کو منصرف پڑھا جائے گا، اگر کسی مذکر کا نام رکھا گیا، کیونکہ زیادۃ علی الثلاثۃ کی شرط نہیں پائی گئی۔

سوال: عجمہ کو شرط کیوں قرار نہیں دیا؟

جواب: عجمہ کا اثر ظاہر میں نہیں ہوتا بلکہ تلفظ میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ کمزور ہے، اس لئے شرط نہیں لگائی۔

معرفہ

اَلْمَعْرِفَةُ شَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً

ترجمہ: معرفہ، اس کی شرط علم ہونا ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا چوتھا سبب معرفہ ہے۔ معرفہ وہ اسم ہے جو متعین چیز پر دلالت کرے ایسے اسماء سات ہیں، مگر غیر منصرف کا سبب صرف علمیت ہے، اس لئے معرفہ اور علمیت کا ایک ہی مطلب ہے یہی مطلب ہے شرطها ان تکون علمیۃ کا۔ دیگر اسمائے معرفہ جیسے ضمیر، اسم موصول وغیرہ، غیر منصرف کا سبب نہیں ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے چوتھا سبب معرفہ کو بیان کرنا ہے۔

سوال: تانیث بالتاء کے بعد معرفہ کو کیوں بیان کیا؟

جواب: (۱) تانیث بالتاء میں علمیت شرط تھی اور علمیت یہ معرفہ کی ایک قسم ہے، اس لئے تانیث بالتاء کے بعد معرفہ کو بیان کیا۔

(۲) تفصیل اجمال کے مطابق رہے اور اجمال میں تانیث کے بعد معرفہ آیا ہے، تو تفصیل میں بھی تانیث کے بعد معرفہ لائے۔

سوال: معرفہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: معرفہ، وہ کلمہ ہے جو شیٔ معین کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے: زیدٌ۔

سوال: معرفہ، غیر منصرف کا سبب مطلقاً ہوگا یا کسی شرط کے ساتھ؟

جواب: معرفہ، غیر منصرف کا سبب بنے گا مطلقاً نہیں بلکہ شرط کے ساتھ اور وہ ہے علمیت کا ہونا۔

سوال: معرفہ کے بہت سارے اقسام ہیں، علمیت کو شرط کیوں قرار دیا؟

جواب: معرفہ کے اقسام میں سے بعض مبنی ہیں جیسے اسم اشارہ، اسم موصول وغیرہ اور یہاں بحث چل رہی ہے منصرف اور غیر منصرف کی اور یہ دونوں اسم معرب ہیں اور بعض اقسام غیر منصرف کو منصرف بنا دیتے ہیں، جیسے معرَّف بالام، اضافت وغیرہ اور بحث غیر منصرف کی ہے، اب باقی رہا علم، تو علم ہی کو غیر منصرف کے لئے شرط بنا دیا۔

سوال: مصنف علم ہی کو غیر منصرف کا سبب بنا دیتے تو عبارت طویل نہ ہوتی، حالانکہ معرفہ کو سبب اور علمیت کو شرط قرار دیا؟

جواب: (۱) غیر منصرف کا سبب نظم میں معرفہ لکھا ہے، اس لئے مصنفؒ نے معرفہ کو سبب اور علمیت کو شرط مانا اور نظم میں معرفہ اس لئے لکھا کہ شعر کے وزن میں خلل نہ آوے۔

جواب: (۲) غیر منصرف کی علت کا مدار فرع ہونے پر ہے اور تعریف کو تنکیر کی فرع ماننا علم کے مقابلہ میں اظہر ہے۔

عجمہ

اَلْعُجْمَةُ شَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعُجْمَةِ وَتَحَرُّكُ الْاَوْسَطِ اَوِالزِّيَادَةَ عَلَى الثَّلٰثَةِ فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ وَشَتَرُ وَاِبْرَاهِيْمُ مُمْتَنِعٌ

ترجمہ: عجمہ اس کی شرط علم ہونا ہے اور درمیانی حرف متحرک ہونا یا تین حروف سے زائد ہونا ہے پس نوح منصرف ہے اور شتر (ایک قلعہ کا نام ہے) اور ابراھیم غیر منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا پانچواں سبب عجمہ ہے، جس کے معنی ہے غیر عربی زبان کا لفظ ہونا۔ عجمہ کے لئے بھی علمیت شرط ہے (ضروری ہے کہ عجمی زبان میں نام ہو) اور یہ بھی شرط ہے کہ (۱) کلمہ تین حرف سے زائد ہوں۔ جیسے ابراھیم (۲) اور اگر کلمہ تین حرفی ہو تو درمیانی حرف متحرک ہو جیسے شتر (ایک قلعہ کا نام) پس نوح اور لوط منصرف ہیں، کیونکہ درمیانی حرف ساکن ہے۔ اور ابراھیم بھی غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں تین حروف سے زائد ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے ایک سبب عجمہ کو بیان کرنا ہے۔ عجمہ کے لغوی معنی گونگا ہونا، بے زبان ہونا اصطلاح نحویین میں عجمہ کہا جاتا ہے کلمہ کو غیر عربی (عجمی) نے وضع کیا ہو۔

سوال: معرفہ کے بعد عجمہ کو کیوں بیان کیا؟

جواب: معرفہ کے بعد عجمہ کو اس لئے بیان کیا کہ عجمہ کے لئے معرفہ کی ایک قسم علم شرط ہے۔

سوال: عجمہ، غیر منصرف کا سبب مطلقاً بنے گا یا اس میں کوئی شرط ہے؟

جواب: عجمہ، غیر منصرف کا سبب بنے گا مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور وہ دو شرطیں یہ ہیں: (ا) عجم میں کسی کے لئے علَم ہو۔ دوسری شرط کی دوصورتیں ہیں: (الف) متحرک الاوسط (ب) زیادة علی الثلاثة۔

سوال: عجمہ کا کیا مطلب؟

جواب: عجمہ کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کے استعمال سے پہلے عجمی حضرات نے اس کو وضع کیا ہو خواہ حقیقةً علم ہو جیسے ابراهیم، اسماعیل وغیرہ یا حکماً علم ہو جیسے قالون، اس کو اہل عجمہ نے اچھی چیز کے لئے وضع کیا تھا، لیکن اہل عرب اس کا استعمال مخصوص قاری ''نافع'' پر کرنے لگے۔

سوال: عجمہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے علمیت شرط کیوں ہے؟

جواب: جب یہ کلمہ عجمی ہوگا تو اہل عرب کے زبان پر ثقل پیدا کرے گا، اس وجہ سے اہل عرب اس میں تغیر وتبدل کی کوشش کریں گے، لیکن جب علمیت شرط لگادی تو کلمہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہوجائے گا اور اتنی قوت پیدا کردے گا جو غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کافی ہوجائے گی۔

سوال: متحرک الاوسط اور زیادة علی الثلاثة کی قید کیوں لگائی؟

جواب: ثقالت کو ظاہر کرنے کے لئے کیونکہ متحرک الاوسط وزیادة علی الثلاثة کا تلفظ ثقیل ہوجاتا ہے اور یہی ثقالت اتنی طاقت پیدا کردیتی ہے جو غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کافی ہوتی ہے، دونوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری نہیں بلکہ ایک کا پایا جانا کافی ہے

سوال: نوح، کیوں منصرف ہے؟

جواب: نوح، منصرف اس لئے ہے کہ نوح یہ عجمی زبان کا لفظ ہے لیکن جو دو شرطیں (تحرک الاوسط اور زیاة علی الثلاثة) ہیں ان میں سے ایک بھی شرط موجود نہیں ہے، اس بناء پر اس کو منصرف پڑھیں گے۔

سوال: شتر، غیرمنصرف کیوں ہے؟

جواب: شتر (یہ ایک قلعہ کا نام ہے) عجمی زبان کا لفظ ہے، اس کو غیرمنصرف اس لئے پڑھیں گے کہ اس میں علمیت اور تحرک الاوسط دونوں شرطیں پائی گئیں۔

سوال: ابراھیم، غیرمنصرف کیوں ہے؟

جواب: ابراھیم، عجمی زبان کا لفظ ہے، اس میں علمیت اور زیادۃ علی الثلاثۃ ہے، اس لئے اس کو غیرمنصرف پڑھیں گے۔

سوال: بحث چل رہی ہے غیرمنصرف کی اور نوح منصرف کی مثال کو مقدم کیا، حالانکہ غیرمنصرف کی مثال کو پہلے لانا چاہئے؟

سوال: مصنف نے بعض حضرات کے قول کی تردید کرنے کے لئے منصرف کی مثال (نوح) کو مقدم کیا اس لئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نوح کو ھند کے ساتھ مشابہت ہے، اس لئے غیرمنصرف پڑھتے ہیں۔ مصنفؒ نے نوح کو مقدم کر کے بتایا کہ نوح کا قیاس کرنا ھند پر یہ درست نہیں ہے یہ غیرمنصرف نہیں بلکہ منصرف ہوگا۔

سوال: فرشتوں کے نام منصرف ہیں یا غیرمنصرف؟

جواب: قاعدہ ہے کہ اکثر فرشتوں کے نام غیرمنصرف ہیں۔

سوال: انبیاء کرام کے تمام نام منصرف ہیں یا غیرمنصرف؟

جواب: چھ نام کے علاوہ تمام غیرمنصرف ہیں (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۲) صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام (۳) شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام (۴) ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام (۵) نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام (۶) لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بعض نے اور دو بڑھائے ہیں (۱) عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

شعر: درہمی خواہی دانی اسم ہر پیغمبر تاکید آمداست اے برادر نزد نحوی منصرف
صالح وہود ومحمد با شعیب ونوح ولوط منصرف داں ودگر باقی ہمہ لاینصرف۔

سوال: شہروں اور قبائل کے نام منصرف ہیں یا غیرمنصرف؟

جواب: مختلف صورتیں ہیں: (۱) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر ہے تو یقینی طور پر غیر منصرف ہوں گے جیسے باھلة، تغلب، خراسان۔

(۲) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں، پھر بھی اہل عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں تو ہم بھی غیر منصرف پڑھیں گے جیسے سدوس خندف، هجر، عمان۔

(۳) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں، پھر بھی اہل عرب اس کو منصرف پڑھتے ہیں تو ہم بھی منصرف پڑھیں گے جیسے ثقیف، معد، حنین، دابق۔

(۴) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں علمیت کے ساتھ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں، اور اہل عرب ان کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھتے ہیں، تو ہم بھی ان کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھیں گے جیسے: ثمود، واسط اور قریش۔

(۵) اگر قبائل اور شہروں کے ناموں میں اہل عرب سے استعمال کرنے کی کوئی کیفیت معلوم نہیں تو ان میں بھی منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہوگا، تاویل بالأم کریں تو غیر منصرف اور تاویل بالاب کریں تو منصرف۔

سوال: سورتوں کے نام منصرف ہیں یا غیر منصرف؟

جواب: قرآن کریم کی سورتوں کے ناموں کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) وہ سورتیں جن کے ناموں کے شروع میں الف و لام ہے، ان کو منصرف ہی پڑھیں گے جیسے الانفال، الانعام اور الاعراف۔

(۲) وہ سورتیں جن کے ناموں کے شروع میں الف لام نہیں، ان میں تفصیل ہے، اگر اس کی طرف سورة کی اضافت نہ کی جائے تو ان کو غیر منصرف پڑھیں گے (علمیت اور تانیث کی وجہ سے) جیسے هذه هودُ۔

اور اگر سورة کی اضافت کی جائے تو منصرف (گو علمیت کے ساتھ عجمہ ہے، لیکن عجمہ

کی شرط نہ دارد) جیسے قرأتُ سورۃ ھود۔ ہاں! اگر منصرف پڑھنے سے کوئی مانع ہوتو اس صورت میں اضافت کے باوجود اس کو غیر منصرف پڑھا جائے گا جیسے سورۃ یونس۔

(۳) وہ سورتیں جو حروفِ ہجا کے نام سے موسوم ہیں جیسے ص، ن، ق وغیرہ تو دو صورتیں جائز ہیں (۱) مبنی علی السکون، اس لئے کہ حروف جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی ان کی حکایت کی جاتی ہے۔(۲) معرب اس لئے کہ وہ حروف ہجا کے اعلام اور نام ہیں اور اعلام و نام اسم ہوتے ہیں اور اسم میں اصل معرب ہونا ہے۔

فائدہ: اگر ان حروف کو اسم مان کر معرب پڑھیں، تو حرف کی تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے منصرف اور تانیث کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، خواہ اس کی طرف سورۃ کی اضافت کریں یا نہ کریں۔

مبنی علی السکون کی مثال: قرات صاداو سورۃ صاد۔

غیر منصرف، تانیث کا اعتبار کرتے ہوئے: قرات صاداو سورۃ صاد۔

منصرف، تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے: قرات صاداا و سورۃ صادِ۔

(۴) وہ سورتیں جن کے ناموں کے اوزان عجمی اوزان کے مطابق ہیں، جیسے حم، طس اور یس وغیرہ، تو ان میں ابن عصفورؒ نے حکایت کا اعتبار کرتے ہوئے مبنی علی السکون کو واجب قرار دیا ہے۔

علامہ الشوبینؒ نے مبنی علی السکون کے ساتھ اعراب کو بھی جائز قرار دیا ہے اور اعراب میں ھابیل اور قابیل کے ہم وزن ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

(۵) وہ سورتیں جن کے نام مرکب ہیں جیسے طسم اگر ان کی طرف سورۃ کی اضافت نہ کی جائے تو ابن عصفورؒ اور علامہ الشلو بینؒ کی وہی رائے ہے، جو ما قبل میں مذکور ہوئی۔ اور تیسری رائے یہ ہے کہ دونوں جز خمسۃ عشر کی طرح مبنی علی الفتحہ ہوں گے۔

اگر ان کی طرف سورۃ کی اضافت کی جائے، تو جزء اول طسم مبنی علی الفتحہ ہوگا اور جزء ثانی میم پر بعلبک کی طرح اعراب جاری ہوگا۔

نیز جزء اول طسم کو ما بعد کی طرف مضاف قرار دے کر نون پر مضاف کی طرح اعراب جاری کریں گے اور جزء ثانی میں میم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگی، لیکن ''میم'' میں تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے منصرف پڑھنا جائز ہے اور جر کسرہ کے ساتھ ہوگا، اور ''میم'' میں تانیث کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، اور جر فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

البتہ کھیعص اور حم عسق میں حکایت (مبنی علی السکون) کے علاوہ کوئی اور صورۃ جائز نہیں، خواہ سورۃ کی اضافت کی جائے یا نہ کی جائے۔

جمع

اَلْجَمْعُ شَرْطُهُ صِيْغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوْعِ بِغَيْرِ هَاءٍ كَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيْحَ ، وَأَمَّا فَرَازِنَةٌ فَمُنْصَرِفٌ۔

ترجمہ: جمع تو اس کی شرط منتہی الجموع کا ایسا وزن ہے جو بغیر ہاء کے ہو جیسے مساجد اور مصابیح اور بہر حال فرازنۃ تو وہ منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا چھٹا سبب جمع ہے، جمع سے مراد یہ ہے کہ وہ اسم منتہی الجموع کے وزن پر ہو۔ یہ دو، وزن ہیں: (۱) مفاعل شروع میں دو حرف مفتوح ہوں (میم کا ہونا ضروری نہیں) اور تیسری جگہ الف ہو، اور اس کے بعد دو حرف ہوں، خواہ جدا جدا ہوں خواہ مدغم جیسے مساجد اور دواب (چوپایے)۔

(۲) مفاعیل: شروع میں دو حرف مفتوح ہو (میم کا ہونا ضروری نہیں) اور تیسری جگہ الف ہو اور اس کے بعد تین حروف ہوں اور درمیان میں حرفِ ساکن ہو جیسے مصابیح (چراغ) لیکن اگر جمع کے آخر میں ''تائے تانیث'' آسکتی ہو تو وہ لفظ غیر منصرف نہ ہوگا جیسے صیاقلۃ (تلواروں کو تیز کرنے والے) اسی طرح فرازنۃ، فرزون کی جمع (شطرنج کی ایک

گوٹی جس کو وزیر کہتے ہیں) بھی منصرف ہے، کیونکہ ان کے آخر میں تائے تانیث موجود ہے، جو حالت وقف میں (ہ) ہو جاتی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جمع غیر منصرف کا سبب ہے۔

سوال: جمع، غیر منصرف کا سبب کب بنے گا؟

جواب: جمع، غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگا جبکہ منتہی الجموع کے وزن پر آئے۔

سوال: جمع منتہی الجموع کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جمع منتہی الجموع کہا جاتا ہے ایسی جمع مکسر کو جس پر جمع کی انتہاء ہو۔

سوال: جمع منتہی الجموع کے اوزان کیا ہیں؟

جواب: جمع منتہی الجموع کے مشہور اوزان دو ہیں: (۱) مفاعل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہو جیسے مساجد (۲) مفاعیل: جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد تین حروف ہوں اور درمیان ساکن ہو اور اخیر میں گول "ۃ" نہ ہو۔

فائدہ: ہدایت النحو میں دواب کو بھی جمع منتھی الجموع کا وزن بیان کیا ہے۔ دواب: پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو الف کے بعد حرف مشدد ہو۔

فائدہ: استقراء کے مطابق جمع منتہی الجموع کے سترہ اوزان ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مفاعل جیسے مساجد (۲) فواعل جیسے جواھر (۳) افاعل جیسے اصابع (۴) فعالل جیسے جعافر (۵) فعائل جیسے صحائف (۶) فعالی جیسے ذراری (۷) فعالی جیسے صحاری و ثنایا (۸) فعالن جیسے بلاغن (۹) تفاعل جیسے تجارب (۱۰) تفاعیل جیسے تماثیل (۱۱) مفاعیل جیسے مصابیح (۱۲) فعالیل جیسے قنادیل (۱۳) فعالیل جیسے اقالیم (۱۴) فعالین جیسے سلاطین (۱۵) فعالی جیسے کراسی (۱۶) فعاللۃ جیسے ملائکۃ،

فرازنۃ(۱۷)افاعلۃ جیسے اشاعرۃ۔

فائدہ: ان سترہ اوزان میں سے آخری دووزن منصرف ہیں کیونکہ ان دونوں میں تاء تانیث ہے یا یوں سمجھئے کہ ان دونوں میں الف جمع کے بعد تین حروف میں سے درمیانی حرف ساکن نہیں ہے، باقی چودہ وزن غیر منصرف ہیں، لیکن ساتواں وزن بعض علماء کے نزدیک جمع منتہی الجموع کا وزن نہیں ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس کو غیر منصرف ہی مانتے ہیں، کیونکہ اس کے اخیر میں الف مقصورہ ہے۔

سوال: جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام کیوں ہے؟

جواب: (۱) جمع منتہی الجموع، دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام اس لئے ہے کہ اس وزن پر جو جمع کے صیغے ہیں، کچھ تو ایسے ہیں جن میں حقیقۃً تکرار پایا جاتا ہے، جیسے اکالب جو اکلب کی جمع ہے اور اکلب یہ کلب کی جمع ہے اور اساور جو اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ، سوار (کنگن) کی جمع ہے اور اناعیم جو انعام کی جمع ہے اور انعام یہ نعم کی جمع ہے بمعنی چوپایہ۔ ان تینوں مثالوں میں جمع حقیقۃً مکرر ہے۔

اور کچھ صیغے ایسے ہیں جن میں تکرار حکماً ہے جیسے مساجد اور مصابیح ان میں جمع حقیقۃً مکرر نہیں ہے، لیکن یہ ان جموع کے وزن پر ہیں جن میں حقیقۃً تکرار ہے، مثلاً مساجد، اکالب کے وزن پر ہے اور مصابیح، اناعیم کے وزن پر ہے اور اکالب اور اناعیم میں حقیقۃً جمع مکرر ہے، اس لئے ان کے ہم وزن جو کلمے ہوں گے ان میں بھی تکرارِ جمع کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں قسم کے صیغے تکرارِ جمع کی وجہ سے دوفرع ہوں گے، جس کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہو جائیں گے، جس طرح فعل میں دوفرعیں ہیں اسی طرح اس وزن پر جمع کے جو صیغے آئیں گے ان میں بھی دوفرعیں ہو جائیں گی اور فعل کی مشابہت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین نہ آئیں گے۔

(۲) جمع منتہی الجموع میں دو چیزیں ہیں (۱) اس کا جمع ہونا (۲) جمع تکسیر کی انتہاء کا لازم اور ضروری ہونا، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اعتبار سے ایک ہی ہے، لیکن حقیقت میں دو ہیں، اس وجہ سے جمع منتہی الجموع دوسبب اور دو علتوں کے قائم مقام ہو گیا۔

فائدہ

وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ لِاَنَّهٗ مَنْقُوْلٌ عَنِ الْجَمْعِ.

ترجمہ: اور حضاجر بجّو کا علم غیر منصرف ہے، اس لئے کہ یہ جمع سے منقول ہے۔

مختصر تشریح

حضاجر: (بجو: لکڑ بگا، ایک خونخوار جانور) منتہی الجموع کے وزن پر ہے، مگر جمع نہیں پس جمعیت نہیں تو یہ غیر منصرف کیوں ہے؟ مصنفؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ در حقیقت حضجر (بڑے پیٹ والے) کی جمع ہے، پھر اس کو جمعیت سے نقل کر کے بجو کا نام رکھ دیا (بجو کے لئے اسم جنس بنا دیا) پس جمعیتِ اصلیہ کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے، کیونکہ منتہی الجموع کے لئے جو جمعیت شرط ہے وہ عام ہے خواہ فی الحال ہو یا در اصل ہو، دونوں غیر منصرف کا سبب ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اعتراض کا جواب دینا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضاجر مفاعل کے وزن پر ہے، لیکن حضاجر کا لفظ مفرد سے نہیں بنایا گیا بلکہ واضع نے اسکو اولاً بجو ہی کے لئے وضع کیا ہے، اس لئے کہ جمع کہا جاتا ہے جس کا حقیقۃً کوئی واحد ہو، یہاں حضاجر کا کوئی واحد نہیں ہے۔

سوال: حضاجر کو کیوں غیر منصرف پڑھا گیا؟

جواب: در اصل حضاجر یہ حضجر کی جمع ہے، ابتدا میں حضجر کو وضع کیا گیا تھا ایسی شئ کے لئے جس کا پیٹ بڑا ہو، لیکن بعد میں دیکھا گیا کہ بجو کا پیٹ بھی بڑا ہوتا

ہے،تو حضاجر کا لفظ بجو کے لئے استعمال ہونے لگا،گو ظاہر میں اس کا مفرد نہیں ہے،لیکن حقیقت میں وضع اول کے اعتبار سے حضاجر ، حضجر کی جمع ہے،گویا اس کا مفرد اصلا موجود ہے،پس وضع اول کی بنا پر غیر منصرف پڑھنا جائز ہوا۔اس جواب کی طرف مصنف نے لانہ منقول عن الجمع سے اشارہ فرمایا۔

فائدہ

وَسَرَاوِيْلُ اِذَا لَمْ يَصْرِفْ وَهُوَ الْاَكْثَرُ فَقَدْ قِيْلَ اَعْجَمِيٌّ حُمِلَ عَلٰى مَوَازِنِهٖ وَقِيْلَ عَرَبِيٌّ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِيْرًا ، وَاِذَا صُرِفَ فَلَا اِشْكَالَ.

ترجمہ:اور سراویل جبکہ منصرف نہیں ہے اور یہی اکثر کا قول ہے،اور کہا گیا کہ یہ عجمی لفظ ہے اس کو اس کے ہم وزن پر محمول کرلیا گیا ہے اور کہا گیا کہ یہ عربی لفظ ہے تقدیراً سروالۃ کی جمع ہے اور جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

مختصر تشریح

سراویل:شلوار کی عربی ہے اور منتہی الجموع کا وزن ہے،مگر جمع نہیں،پھر اس کو غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور وہ اس کے غیر منصرف ہونے کی دو توجیہیں کرتے ہیں (۱) یہ عجمی لفظ ہے،اس کو عربی کے اس کے ہم وزن الفاظ پر محمول کیا گیا ہے جیسے مصابیح غیر منصرف ہے،اس لئے سراویل بھی غیر منصرف ہے۔(۲) سراویل کو سروالۃ کی جمع فرض کیا گیا ہے۔اور جو حضرات اس کو منصرف پڑھتے ہیں ان کے مذہب پر تو کوئی اشکال ہی نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصداعتراض کا جواب دیناہے۔اوروہ یہ ہے کہ سراویل جمع منتھی الجموع کے وزن پر ہے، حالانکہ یہ کسی سے منقول ہوکرنہیں آیا بلکہ واضع نے اس کو پائجامہ کے لئے اسی طرح وضع کیاہے،لہذااس کومنصرف پڑھناچاہئے،غیرمنصرف کیوں پڑھا؟

سوال: سراویل کوکیوں غیرمنصرف پڑھا؟

جواب: (۱)سراویل اگرعجمی لفظ ہے گواس کاکوئی مفردنہیں ہے لیکن عربی کلمہ مصابیح ومفاتیح کےہم وزن ہے،ہم وزن ہونے کے بناءپرغیرمنصرف پڑھاگیا۔

(۲) اور اگر سراویل عربی لفظ ہےتو تقدیراً سروالۃ کی جمع مانیں گے،لہذا غیرمنصرف پڑھناصحیح ہوگا،لیکن اگراس کومنصرف پڑھاجائےتوکوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

فائدہ

وَنَحْوُ جَوَارٍ رَفْعاً وَجَرًّا كَقَاضٍ۔

ترجمہ:اورجیسے جوارحالت رفعی اورحالت جری میں قاض کی طرح ہیں۔

مختصرتشریح

جوجمع،واوی یایائی فواعل کے وزن پرہواوراس پرحرکت کے ذریعہ اعراب آتاہو جیسے جواری، جاریۃ(باندی) کی جمع اور دواعی، داعیۃ کی جمع یہ حالت رفعی وجری میں حذفِ یاءاورتنوین کے داخل ہونے میں قاض کے مانند ہے جیسے: جائتنی جوار، رایت جواریَ، مررت بجوار۔رہی یہ بات کہ جوارمنصرف ہے یاغیرمنصرف،تواس میں اختلاف ہے،اس لئےمصنفؒ نے اس کوذکرنہیں کیا،پس استعمال کاطریقہ بتادیا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کامقصدکیاہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ ہر وہ جمعِ منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو چاہے یائی ہو یا واوی اس کا اعراب قاض کے مانند حالت رفعی میں ضمۂ تقدیری اور حالت جری میں کسرۂ تقدیری ہوگا۔

سوال: بحث چل رہی ہے منصرف اور غیر منصرف کی اور مصنف نے نحو جوار رفعا و جرا کقاض سے وجہ اعراب کو بیان کیا، حالانکہ اعراب کی بحث تو پوری ہوگئی؟

جواب: دراصل جمع منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو، چاہے واوی ہو یا یائی، اس کے غیر منصرف اور منصرف پڑھنے میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ ابن حاجبؒ اس کو ذکر کرتے تو عبارت طویل ہوجاتی، طول عبارت سے اجتناب اور پرہیز کرتے ہوئے اعراب کی طرف اشارہ کردیا۔

سوال: شدید اختلاف کیا ہے؟

جواب: بطور تمہید کے ایک چیز کا جاننا ضروری ہے، کلمہ میں منصرف یا غیر منصرف پڑھنا مقدم ہے یا تعلیل مقدم ہے؟

بعض حضرات کے نزدیک منصرف یا غیر منصرف پڑھنا مقدم ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ میں تعلیل کی جاتی ہے ثقالت کو دور کرنے کے لئے، اور ثقالت کا علم تلفظ کے بعد ہوگا اور کلمہ کا تلفظ انصراف یا عدم انصراف کے ساتھ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ انصراف وعدم انصراف تعلیل پر مقدم ہوگا۔

بعض حضرات کے نزدیک تعلیل مقدم ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ تعلیل کا تعلق ذات کے ساتھ ہے اور انصراف یا عدم انصراف کا تعلق صفت کے ساتھ ہے اور ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیل مقدم ہے۔

اب جو حضرات انصراف اور عدم انصراف کو مقدم مانتے ہیں، تو ان کے نزدیک غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ تلفظ کے وقت وہ فواعل کے وزن پر ہوگا جو مفاعل کے ہم وزن ہوگا۔

اور جو حضرات تعلیل کو مقدم مانتے ہیں ان کے نزدیک منصرف ہوگا اس لئے کہ تعلیل

کے بعد وہ فواعل، مفاعل کے وزن پر باقی نہیں ہے۔

سوال: جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صحیح نہیں ہے، کیونکہ جوار جمع ہے اور قاض مفرد ہے؟

جواب: جوار کو قاض کے ساتھ تشبیہ دینا حکم میں ہے نہ کہ صیغہ میں۔

سوال: حکم میں بھی تشبیہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ قاض بالاتفاق منصرف ہے اور جوار غیر منصرف ہے؟

جواب: جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صورۃً وشکلاً ہے۔

سوال: صورۃ بھی تشبیہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ جوار، فواعل کے وزن پر ہے اور قاض، فاعل کے وزن پر ہے؟

جواب: جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صورۃً ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یاء حذف ہوکر تنوین داخل ہونے میں تشبیہ ہے، کہ جس طرح قاض میں یاء حذف ہوتی ہے جوار میں بھی یاء حذف ہوگی۔

فائدہ: جوار کا یہ اعراب اس وقت ہے جبکہ الف لام کے ساتھ آئے اگر بغیر الف لام کے ہو تو تینوں حالتوں میں جر کی تنوین کے ساتھ اعراب آئے گا۔ جیسے جائتنی جوار، رأیت جوار، مررت بجوار۔

ترکیب

اَلتَّرْكِيبُ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ وَاَنْ لَّا يَكُوْنَ بِاِضَافَةٍ وَلَا اِسْنَادٍ مِثْلُ بَعْلَبَكَّ۔

ترجمہ: ترکیب تو اس کی شرط علم ہونا اور ترکیبِ اضافی اور ترکیبِ اسنادی کا نہ ہونا ہے، جیسے بعلبک (ایک شہر کا نام ہے)۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا ساتواں سبب ترکیب ہے۔ترکیب سے مرادمرکبِ منع صرف ہے، اس کا مطلب دوکلموں کواسناداوراضافت کے بغیر ملا دینا(اوردوسرا کلمہ نہ صوت ہوجیسے سیبویہ اور نہ حرف کومتضمن ہوجیسے ثلاثة عشر ترکیب کے سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے جیسے بعلبک، حضر موت (شہروں کے نام ہے)معدیکریب (آدمی کانام)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصداسباب منع صرف میں سےایک سبب ترکیب کوبیان کرنا ہے۔

سوال: جمع کے بعدترکیب کوکیوں لائے؟

جواب: جمع کے بعدترکیب کواس لئے بیان کیا کہ جمع سے جمع منتہی الجموع مراد ہے،جس میں جمع کی تکرار ہوتی ہے،لفظاً یاتقدیراًاسی طرح ترکیب میں کلمہ کی تکرار ہوتی ہے۔

سوال: ترکیب کےلغوی واصطلاحی معنیٰ کیا ہے؟

جواب: ترکیب کےلغوی معنی جوڑنا، ملانا۔اوراصطلاح نحو میں ترکیب کہا جاتا ہے دوکلموں کوایک کلمہ بنانا،اس طریقہ پرکہ درمیان میں کوئی حرف نہ ہو نیز دونوں کلموں میں سےایک کلمہ دوسرے کلمے کا جزءنہ بن جائے جیسے بعلبک، سعیداحمدوغیرہ وغیرہ۔

سوال: النجم الف لام اور نجم سے اور بصری ، بصر اور ی سے مرکب ہے،تو پھران کوغیرمنصرف پڑھنا چاہیئے؟

جواب: الف لام، نجم کا جزء بن چکا ہے اور (ی) بصر کا جزء ہوگیا ہے،گویا بمنزلۂ کلمۂ واحدہ ہے۔اس لئے منصرف پڑھیں گے۔

سوال: ترکیب کےغیرمنصرف کاسبب بننے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟

جواب: ترکیب کےغیرمنصرف کاسبب بننے کے لئے دوقسم کی شرطیں ہیں:(۱) وجودی(۲)عدمی۔

سوال: وجودی شرط کیا ہے؟

جواب: وجودی شرط ہے علم کا ہونا۔

سوال: ترکیب میں علم کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: واضع نے دوکلموں کو الگ الگ وضع کیا تھا، ترکیب کی شکل میں وضع نہیں کیا تھا، ترکیب تو گویا بعد میں آئی، وضع کے اعتبار سے الگ الگ تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ترکیب عارضی چیز ہے اور عارضی چیز زوال کو قبول کرتی ہے، خطرہ تھا کہ ترکیب ختم ہوجائے۔ اس لئے علم کی قید لگائی اب ترکیب زوال سے بچ گئی، اس لئے کہ علم بمنزلۂ حکایت کے ہے، جس میں حذف واقع نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے اتنی قوت پیدا ہوجائے گی کہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے مؤثر ہوگی۔

سوال: عدمی شرط کتنی ہیں اور کونسی؟

جواب: عدمی شرطیں تین ہیں (۱) ترکیب اضافی نہ ہو جیسے مساجد کم۔ (۲) ترکیب اسنادی نہ ہو جیسے تأبط شرا۔ اس نے شر کو بغل میں دبایا۔ (۳) ترکیب توصیفی نہ ہو۔ جیسے رجل عالم۔

سوال: ترکیب اضافی کی نفی کیوں فرمائی؟

جواب: ترکیب میں اگر اضافت ہو تو اضافت تو غیر منصرف کو بھی منصرف بنادیتی ہے اور بحث غیر منصرف کی چل رہی ہے۔

سوال: ترکیب اسنادی کی نفی کیوں فرمائی؟

جواب: اس لئے کہ ترکیب اسنادی مبنی کے حکم میں ہے، جیسے ضرب زید اور منصرف وغیر منصرف کا تعلق معرب کے ساتھ ہے نہ کہ مبنی کے ساتھ اور بحث معرب کی چل رہی ہے۔

سوال: ترکیب توصیفی کو مصنف نے بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب: ترکیب اسنادی کے ماتحت اس کو داخل کردیا۔

فائدہ: بعلبک، بعل ایک بت کا نام ہے (حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم پوجتی

تھی) اور ”بک“ بادشاہ کا نام ہے جو ”بعل“ کا پجاری تھا پھر عابد و معبود کا نام ملا کر ملک شام کے ایک شہر کا نام رکھ دیا جس شہر کا مالک بک بادشاہ تھا۔

تَأَبَّطَ شرًا (اس نے شر کو بغل میں دبایا) اصل ایک لکڑہارہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر گٹھر اٹھا کر لایا، جب گھر آ کر کھولا تو اس میں سے سانپ نکلا، تو کسی نے کہا تابط شرا اب یہ مثل کے طور پر استعمال ہونے لگا۔

الف نون زائدتان

اَلْاَلِفُ وَالنُّوْنُ۔ (الف) اِنْ كَانَتَا فِيْ اِسْمٍ فَشَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ، كَعِمْرَانَ، (ب) اَوْ صِفَةٍ اِنْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ، وَقِيْلَ وُجُوْدُ فُعَلٍ

اختلاف کا ثمرہ

وَمِنْ ثَمَّ اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمٰنَ دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانَ

ترجمہ: الف نون اگر اسم میں ہو تو اس کی شرط، علمیت ہے جیسے عمران اور اگر صفت میں ہو تو فعلانۃ وزن پر نہ ہو اور کہا گیا ہے کہ فعلی کے وزن کا پایا جانا ہے اسی وجہ سے رحمٰن میں اختلاف کیا گیا ہے نہ کہ سکران (مدہوش) اور ندمان (ساتھی) میں۔

مختصر تشریح

اسم کے آخر میں الف اور نون کا ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے، اگر یہ الف اور نون اسم ذات کے آخر میں ہوں تو علمیت شرط ہے جیسے عثمان، سلمان، عمران۔ اور اگر اسم صفت کے آخر میں ہوں تو یہ شرط ہے کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آتا ہو، جیسے سکران (مدہوش) اور بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا مؤنث فُعلیٰ کے وزن پر آتا ہو۔

اسم ذات: وہ اسم ہے جو محض کسی ذات پر دلالت کرے، کسی حالت پر دلالت نہ کرے جیسے کتاب، جدار۔

اسم صفت: وہ اسم ہے جو ذات کے ساتھ حالت پر بھی دلالت کرے جیسے سکران (مدہوش، شراب پیا ہوا) عطشان (پیاسا) غضبان (غضبناک)۔

پس رحمٰن میں اختلاف ہے، کیونکہ اس کا مؤنث نہیں ہے، پس جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آتا ہو، وہ رحمٰن کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، کیونکہ شرط پائی گئی۔ اور جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلیٰ کے وزن پر آتا ہو، وہ منصرف پڑھتے ہیں۔ اور سکران اور ندمان بالاتفاق غیر منصرف ہیں، کیونکہ ان کا مؤنث سکریٰ اور عطشیٰ ہے، پس دونوں مذہبوں پر شرط محقق ہے فعلانۃ کے وزن پر مؤنث کا نہ آنا اور فُعلیٰ کے وزن پر آنا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ الف نون زائدتان غیر منصرف کا سبب ہے۔

سوال: ترکیب کے بعد الف نون زائدتان کو کیوں بیان کیا؟

جواب: (۱) ترکیب کے بعد الف نون زائدتان کو اس لئے بیان کیا کہ بعض مرتبہ کلمہ کی ترکیب الف نون زائد کر کے لائی جاتی ہے۔ (۲) جس طرح کلمہ میں ترکیب عارضی ہے، اسی طرح الف نون بھی کلمہ میں عارضی ہے۔

سوال: الف، نون کے کتنے نام ہیں؟

جواب: الف، نون کے دو نام ہیں (۱) زائدتان (۲) مضارعتان۔

سوال: الف اور نون کو زائدتان کیوں کہتے ہیں؟

جواب: الف اور نون بعد میں بڑھائے جاتے ہیں اور حروف زائدتان الیوم تنساہ میں سے ہیں، اس لئے اس کو زائدتان کہتے ہیں۔

سوال: اس کو مضارعتان کیوں کہتے ہیں؟

جواب: مضارعت کے معنی مشابہت کے آتے ہیں، الف اور نون کی مشابہت تانیث مقصورہ وممدودہ کے الف کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

سوال: مشابہت کس اعتبار سے؟

جواب: الفِ تانیث کے ہوتے ہوئے تاء تانیث اس میں داخل نہیں ہوسکتی، اسی طریقہ سے الف اورنون زائدتان، کلمہ کے اخیر میں موجود ہوتب بھی تانیث کی تاء داخل نہیں ہو سکتی اس اعتبار سے دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

سوال: الف نون مطلقاً غیر منصرف کا سبب ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے: الف اورنون کبھی اسم غیر صفتی ہوگا اور کبھی اسم صفتی ہوگا، اگر وہ کلمہ جس کے اخیر میں الف اورنون زائدتان ہے، اسم غیر صفتی ہوتو اب غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے۔

سوال: علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: الف ونون زائدتان ہیں، جو کلمہ کے اخیر میں ہوتے ہیں اور جو چیز اخیر میں ہو اور زائد بھی ہو، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، علم کو شرط قرار دے کر اس کو حذف سے بچا لیا، کیونکہ علَم بمنزلۂ حکایت کے ہے، اس کو کوئی حذف نہیں کرسکتا اور اس میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کافی ہوجاتی ہے، جیسے عمران، غفران۔

سوال: اگر الف اورنون زائدتان، اسم صفتی کے اخیر میں ہوتو غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے کیا شرط ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے: (۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہونا چاہئے۔ (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر ہونا چاہئے۔

سوال: اگر الف اورنون اسم صفتی کے اخیر میں آئے تو بعض حضرات نے اس کا

مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے، تو بعض حضرات نے اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر آئے تو مشابہت کمزور ہو جائے گی، الف اور نون کی تانیث کے دو الفوں کے ساتھ، اس لئے کہ تانیث کے دو الف جہاں آتے ہیں، چاہے ممدودہ ہو یا مقصورہ، گول ''ۃ'' اخیر میں داخل نہیں ہوتی، چونکہ الف ونون کی مشابہت پائی جاتی ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ، اب اگر اسم صفتی جس کے اخیر میں الف اور نون آئے اور اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر آئے تو اس صورت میں الف ونون زائد کے اخیر میں (ۃ) داخل ہو جائے گی اور اس کی مشابہت الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ تھی وہ ختم ہو جائے گی۔

سوال: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے تو بعض حضرات نے اس کا مؤنث فُعلی کے وزن پر ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر الف اور نون اسم صفتی کے اخیر میں آئے تو بعض حضرات نے اس کے مؤنث فعلی کے وزن پر ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر اس کا مؤنث فُعلی کے وزن پر ہوگا تو اس میں (ۃ) داخل نہیں ہو سکتی، جس کی بنا پر اس کی مشابہت الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ باقی رہے گی۔

و من ثم اختلف في رحمٰن:

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ماقبل کے اختلاف پر مثال کو متفرع کرنا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے: لفظ رحمٰن کے غیر منصرف اور منصرف ہونے میں اختلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ رحمٰن میں الف ونون زائدتان ہے اور اسم صفتی ہے، جو جماعت کہتی ہے کہ اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ ہونا چاہئے، ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ اس کا مؤنث ہے ہی نہیں۔

اور جو جماعت کہتی ہے کہ اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر ہو، ان کے نزدیک منصرف ہوگا، اس لئے کہ اس کا مؤنث ہی نہیں آتا ہے چہ جائیکہ فعلی کے وزن پر آئے۔

دون سکران و ندمان:

سکران بالاتفاق غیر منصرف ہے، اس لئے کہ دونوں جماعت کی شرطیں پائی جاتی ہیں، اس طرح کہ اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر آتا ہے، لہذا اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر نہیں آئے گا۔

ندمان: بالاتفاق منصرف ہے اس لئے کہ دونوں حضرات کی شرطیں نہیں پائی جاتی اس طرح کہ اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر آتا ہے لہذا اس کا مؤنث فعلی کے وزن پر نہیں آئے گا۔

فائدہ: ندمان منصرف اس وقت ہوگا جبکہ یہ ندیم (ہم نشیں) سے مشتق ہو اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مؤنث ندمانة بروزن فعلانة آتا ہے، نہ کہ فعلی کے وزن پر۔

اگر ندمان، ندمانة (پشیمانی) سے مشتق ہو تو یہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مؤنث ندمی بروزن فعلی آتا ہے، نہ کہ فعلانة پر۔

سوال: کافیہ میں فشرطه العلمية کی ضمیر مجرور کا مرجع الف ونون ہیں، لیکن ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ ضمیر واحد ہے اور مرجع دو چیزیں (الف ونون) ہیں؟

جواب: شرط مذکور ان کے علت (سبب) ہونے کے لئے ہے اور علت (سبب) الف ونون میں سے ہر ایک نہیں ہے بلکہ دونوں مل کر ایک علت (سبب) ہے، لہذا ایک علت ہونے کے لحاظ سے فشرطه میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

سوال: كانتا میں ضمیر تثنیہ لائی گئی ہے؟

جواب: كانتا میں ضمیر تثنیہ اس لئے لائے کہ وجود میں الف ونون دو ہیں۔

سوال: او حرف عطف احد الامرین کے لئے آتا ہے، لہذا عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ الف ونون اسم ذات اور اسم صفت میں سے کسی ایک میں ہوتے ہیں دونوں میں نہیں

ہوتے ،لیکن یہ غلط ہے کیونکہ الف اورنون اسم ذات اورصفت دونوں میں ہوتے ہیں؟

جواب: عبارت میں او تقسیم کے لئے ہے،جس سے الف ونون کا دوحال پر منقسم ہونا معلوم ہوتا ہے،ایک حال یہ ہے کہ اسم ذات میں وہ دونوں ہوتے ہیں اورایک حال یہ ہے کہ اسم صفت میں وہ دونوں ہوتے ہیں۔

سوال: فانتفاء فعلانۃ شرط کی جزاء ہے،لیکن شرط کی جزاء ہمیشہ جملہ ہوتی ہے اور یہ جملہ نہیں ہے؟

جواب: عبارت میں فشرطه حذف ہے اصل عبارت (فشرطه انتفاء فعلانة) ہے اور یہ جملۂ اسمیہ جزاء ہے پھر جملۂ اسمیہ کا مبتدا القرینۂ سابق حذف کردیا گیا اورفاء جزائیہ خبر پر داخل کردی گئی ہے تو فانتفاء فعلانة ہوگیا۔

سوال: و من ثمة بفتح التاء اسم اشارہ ہے، جو مکان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے،اس کے اخیر میں (ۃ) کیسی ہے؟

جواب: یہ(ۃ) سکتہ کے لئے ہے جووصل ووقف دونوں حالتوں میں لکھی جاتی ہے۔

وزن فعل

> وَزَنُ الْفِعْلِ شَرْطُهُ (الف) أَنْ يُّخْتَصَّ بِهِ كَشَمَّرَ وَضُرِبَ (ب) أَوْ يَكُوْنَ فِيْ أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ كَزِيَادَتِهِ غَيْرُ قَابِلٍ لِلتَّاءِ وَمِنْ ثَمَّ امْتَنَعَ أَحْمَرُ اِنْصَرَفَ يَعْمَلُ۔

ترجمہ: وزن فعل اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو، جیسے شمر (حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام ہے) اور ضرب (بحالت علمیت) یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کے مانند زیادتی ہو، اس حال میں کہ تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اسی وجہ سے احمر غیر منصرف ہے اور یعمل منصرف ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کا نواں سبب وزن فعل ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسم فعل کے وزن پر ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہے اور فعل کے اوزان میں سے تین قسم کے وزنوں کا اعتبار ہے۔

(۱) فعل کا مخصوص وزن جو اسم میں شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہو ایسے وزن دو ہیں فَعَّلَ جیسے شَمَّرَ (تیز ہانکنا) اور فُعِلَ جیسے ضُرِبَ۔

(۲) فعل میں زیادہ تر استعمال ہونے والا وزن ثلاثی مجرد کا فعل امر کا وزن ہے افعل (ہمزہ پر دو حرکتیں ضمہ اور کسرہ اور عین پر تینوں حرکتیں، یہ وزن مصنف نے بیان نہیں کیا)۔

(۳) فعل مضارع کا وزن: وہ اسم جس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی حرف ہو جیسے یزید، تغلب، احمر اور اس تیسرے وزن کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں (ۃ) نہ آسکتی ہو پس یعمل اور نصیر منصرف ہیں کیونکہ ان کا مؤنث یعملة اور نصیرۃ آتا ہے ناقة یعملة: کام میں استعمال ہونے والی اونٹنی اور امراۃ نصیرۃ: مددگار عورت۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اسباب منع صرف میں سے وزن فعل کو بیان کرنا ہے۔

سوال: الف نون زائدتان کے بعد وزن فعل کو کیوں لایا گیا؟

جواب: الف نون زائدتان اور وزن فعل دونوں میں چند شرائط میں مناسبت ہے

سوال: وزن فعل غیر منصرف کا سبب کب بنے گا؟

جواب: وزن فعل غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جبکہ اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کے اوزان کے ساتھ خاص ہو جیسے شَمَّرَ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے (دامن سمیٹنا) بعد میں اس کا استعمال تیز رفتار گھوڑے کے لئے ہونے لگا اور شَمَّرَ حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا۔

بَذَّرَ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے (فضول خرچی کرنا) بعد میں زمزم کے کنویں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ خَصَّمَ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے (منھ بھر کے کھانا) بعد میں بنوتمیم کے ایک شخص کا نام پڑ گیا اس لئے کہ وہ منھ بھر کر کھاتا تھا۔

ان تمام کلمات کو دوسبب (علمیت اور وزن فعل) کے پائے جانے کی بناء پر غیر منصرف پڑھا جائے گا۔ یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کے مانند کوئی زیادتی ہو (فعل کی زیادتی سے مراد علامت مضارع ہے) اور وہ تاء کو قبول نہ کرے۔

سوال: وہ اوزان جو فعل کے ساتھ خاص ہیں کیا کیا ہیں؟

جواب: فعل کے کل اوزان ۸ آتے ہیں۔

(۱) ثلاثی مجرد معروف (۲) ثلاثی مجرد مجہول (۳) ثلاثی مزید فیہ معروف (۴) ثلاثی مزید مجہول (۵) رباعی مجرد معروف (۶) رباعی مجرد مجہول (۷) رباعی مزید معروف (۸) رباعی مزید مجہول۔ ان میں سے ۶ اوزان (ثلاثی مجرد معروف، رباعی مجرد معروف یہ دونوں اسم و فعل کے مابین مشترک اوزان ہیں) کے علاوہ صرف دو اوزان فعل کے ساتھ خاص ہیں۔

سوال: وزن فعل کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے پہلی شرط کیوں لگائی کہ اسم کا جو وزن ہے وہ فعل کے ساتھ خاص ہونا چاہئے؟

جواب: جب اسم کا وزن بعینہ فعل کا وزن ہوگا تو اس میں ایک قسم کی ثقالت پیدا ہوگی جو اسم کو منصرف سے غیر منصرف میں داخل کرے گی۔

سوال: علامت مضارع میں سے کوئی ایک شروع میں ہو، یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: علامت مضارع میں سے کوئی ایک شروع میں ہو یہ شرط اس لئے لگائی تاکہ کم از کم فعل کے وزن کے ساتھ مشابہت ہو جائے اور مشابہت کی وجہ سے اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی جو اسم کو منصرف سے غیر منصرف میں داخل کرے گی۔

سوال: تاء کو قبول نہ کرے یہ شرط کیوں؟

جواب: اس لئے کہ اگر فعل کا وزن تاء کو قبول کرے گا تو فعل کا وزن باقی نہیں

رہے گا، بلکہ اسم کے مشابہ ہو جائے گا، جب فعل کا وزن باقی نہیں رہے گا، تو غیر منصرف میں مؤثر بھی نہیں ہوگا۔

شرطه ان يختص به:

اس میں دو چیزیں ہیں: (۱) وزن فعل (۲) اختصاص کے معنی۔

وزن فعل: وہ اسمِ غیر منصرف، ایسے وزن پر ہو جو فعل کے اوزان میں شمار کیا جاتا ہو۔

سوال: اختصاص کا کیا مطلب؟

جواب: اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ واضع نے اس وزن کو فعل کے لئے ہی وضع کیا ہو اور عربی اسم میں اس کا استعمال فعل سے منقول ہو کر ہوتا ہو، اسم کے لئے اصلاً وضع نہ کیا گیا ہو۔

شَمَّر (ماضی معروف) اصل شَمَّر کہتے ہیں جلدی کرنا، دامن سمیٹنا شَمَّر حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام ہے، علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ ضُرِبَ (ماضی مجہول) ضُرِبَ کسی کا علم رکھ دیا جائے تو علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

سوال: مصنف شَمَّر کو ضُرِبَ پر مقدم کیوں کیا، جبکہ ضُرِبَ ثلاثی مجرد ہے اور شَمَّر ثلاثی مزید فیہ؟

جواب: اس کے تین جوابات ہیں: (۱) شَمَّر فعل معروف ہے اور ضُرِبَ فعل مجہول اور مجہول پر معروف کو شرف ہوتا ہے۔ (۲) شَمَّر معروف ہو یا مجہول، دونوں صورتوں میں فعل سے مختص ہے اور ضُرِبَ مجہول فعل کے ساتھ مختص ہے، لیکن ضُرِبَ معروف فعل کے ساتھ مختص نہیں۔ (۳) شَمَّر غیر منصرف ہے، کیونکہ اس میں وزن فعل اور علمیت ہے اور ضُرِبَ غیر منصرف نہیں ہے، کیونکہ اس میں وزن فعل تو ہے، لیکن دوسرا سبب ابھی اس میں نہیں ہے اگر اس کو کسی کا علم قرار دیا جائے تو یہ بھی غیر منصرف ہو جائے گا۔

و من ثم امتنع احمر:

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ احمر کو غیر منصرف پڑھا جائے گا، اس لئے کہ اس میں وزن فعل اور وصف دوسبب ہے اور شروع میں علامت مضارع میں سے ہمزہ بھی موجود ہے اور تاء بھی نہیں ہے۔

وانصرف یعمل:

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یعمل منصرف ہے اس کو بتانا ہے، اس لئے کہ اس کے شروع میں علامت مضارع میں سے یاء تو پائی گئی، لیکن یعمل تاء کو قبول کرنے والا ہے، اس لئے یہ منصرف ہوگا جیسے اہل عرب کہتے ہیں ناقۃ یعملۃ (بہت کام کرنے والی اونٹنی)۔

قاعدہ

وَمَا فِيْهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ إِذَا نُكِّرَ صُرِّفَ۔

ترجمہ: اور وہ جس میں علمیت مؤثر ہو، جب اس کو نکرہ بنادیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کے سلسلہ کا پہلا قاعدہ: غیر منصرف کے جن پانچ اسباب (تانیث بالتاء، مؤنث معنوی، عجمہ، ترکیب، اورالف نون زائدتان) میں علمیت شرط ہے، اگران کو نکرہ بنادیا جائے گا تو وہ منصرف ہو جائیں گے، جیسے: رب فاطمةٍ، رب زینبٍ، رب ابراھیمٍ، رب معدیکریبٍ، رب عمرانٍ۔

اس کی وجہ: پہلے یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ علمیت سات اسباب میں پائی جاتی ہے، ان میں سے پانچ میں شرط ہے، پس جب ان کو نکرہ بنادیا جائے گا تو ان میں غیر منصرف کا کوئی سبب باقی نہیں رہے گا، کیونکہ دوسرا سبب: علمیت کی شرط کے ساتھ سبب تھا

پس جب علمیت نہ رہی تو وہ دوسرا سبب بھی باقی نہ رہا۔ اور دوسببوں (عدل اور وزن فعل) میں شرطیت کے بغیر علمیت پائی جاتی ہے، پس جب ان کونکرہ بنا دیا جائے گا تو ان میں ایک ہی سبب باقی رہے گا، جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ رہے عدل اور وزن فعل تو وہ دونوں ایک اسم میں جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ ان میں تضاد ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قاعدہ کلیہ بیان کرنا ہے کہ جو اسم غیر منصرف ایسا ہو کہ اس میں علمیت مؤثر ہو، جب اس کونکرہ کرلیا جائے (اس کی علمیت زائل کردیں) تو وہ منصرف ہوجائے گا۔

سوال: غیر منصرف میں علمیت کے مؤثر ہونے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: غیر منصرف میں علمیت کے مؤثر ہونے کی دوصورتیں ہیں: (۱) علمیت صرف سبب ہواور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو۔ (۲) علمیت سبب بھی ہواور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو۔

سوال: وہ اسباب کتنے ہیں جن میں علمیت صرف سبب ہواور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو؟

جواب: وہ اسباب کل دو ہیں، جن میں صرف سبب ہواور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو۔ (۱) عدل (۲) وزن فعل۔

سوال: وہ اسباب کتنے ہیں جن میں علمیت سبب بھی ہواور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو؟

جواب: وہ اسباب جن میں علمیت سبب بھی ہواور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو، کل پانچ ہیں: (۱) ترکیب (۲) تانیث بالتاء (۳) تانیث معنوی (علمیت جوازی شرط ہے) (۴) عجمہ (۵) الف ونون زائدتان، جبکہ اسم ذات کے اخیر میں آئے۔

سوال: مؤثرة کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مؤثرة کی قید اس لئے لگائی کہ جہاں علمیت مؤثر نہیں ہے، نہ سبب ہے نہ شرط اگر وہاں علمیت زائل کر دی جائے تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا جیسے الف مقصورہ اور الف ممدودہ، جمع منتہی الجموع، ان میں اگر علمیت ہو یا نہ ہو یہ غیر منصرف رہیں گے کیونکہ علمیت ان کے ساتھ جمع تو ہوتی ہے لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہے، نہ سبب ہے نہ شرط، کیونکہ یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، ان کے غیر منصرف ہونے میں کسی اور سبب کی ضرورت نہیں ہے۔

اذانکر

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد علمیت کو زائل کرنے کی دو صورتوں کو بیان کرنا ہے۔

چنانچہ علمیت کو زائل کرنے کی دو صورتیں یہ ہیں۔

(۱) اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے جیسے ھذا زید، رایت زیدا آخر۔ اول مثال میں زید معرفہ ہے اور دوسری مثال میں زید نکرہ ہے، آخر صفت لا کر اس کی نکارت کو بیان کیا، اس لئے کہ آخر ہمیشہ نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے۔

(۲) علم سے کوئی مشخص فرد مراد نہ ہو بلکہ اس کا وصفِ مشہور مراد لیا جائے جیسے لکل فرعون موسی میں فرعون کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مشہور وصف مبطل مراد ہے، اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ان کا وصف مشہور محق مراد ہے، اب اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر باطل پرست کے مقابلے کے لئے ایک حق پرست ہوتا ہے، جو باطل کی طاقت کو پاش پاش کرتا ہے۔

لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ اَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً اِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ اِلَّا الْعَدْلُ وَ وَزْنُ الْفِعْلِ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا اِلَّا اَحَدُهُمَا فَاِذَا نُكِّرَ بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ اَوْ عَلٰى سَبَبٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ: اس لئے کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی، مگر اس سبب کے ساتھ جس میں علمیت شرط ہے، سوائے عدل اور وزن فعل کے اور وہ دونوں (عدل اور وزن فعل) آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہذا علمیت کے ساتھ ان دونوں میں سے صرف کوئی ایک ہوگا، پس جب اس اسم کو نکرہ بنا دیا جائے گا تو وہ بغیر کسی سبب کے یا ایک سبب پر باقی رہ جائے گا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: صاحب کافیہؒ اسی عبارت کی وضاحت کر رہے ہیں جیسا کہ ظاہر ہوا یعنی بعض جگہ علمیت شرط ہے اور بعض میں مستقل سبب ہے۔

سوال: عبارت میں مستثنیٰ منہ واحد ہے اور مستثنیٰ متعدد ہیں (۱) الا ما هي شرط فيه (۲) الا العدل و وزن الفعل اور دونوں کے درمیان حرف عطف بھی نہیں اور قاعدہ ہے کہ دو مستثنیٰ کے درمیان اگر حرف عطف نہ لایا جائے تو ثانی مستثنیٰ، اول مستثنیٰ سے بدل غلط واقع ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ الا ما هي کو غلطی سے ذکر کر دیا ہے، مقصود صرف الا العدل و وزن الفعل ہے، گویا اصل عبارت ہے ”لا تجامع موثرة الا العدل و وزن الفعل“ جس کا مطلب یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف دو سببوں میں پائی جاتی ہے (۱) عدل (۲) وزن فعل حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے اس لئے کہ جس طرح علمیت ان دو سببوں میں مؤثر ہے، ان کے علاوہ چند اسباب اور ہیں جن میں علمیت مؤثر ہے جیسے (۱) ترکیب (۲) تانیث بالتاء اور تانیث معنوی (۳) عجمہ (۴) الف ونون زائدتان جبکہ اسم ذات کے اخیر میں آئے۔

جواب: عبارت میں جس طرح مستثنیٰ متعدد ہیں اسی طرح مستثنیٰ منہ بھی متعدد ہیں جس کی تفصیل یہ ہے "**لاتجامع موثرة الا ما هى شرط فيه**" یہ عبارت علیحدہ ہے "**الا العدل و وزن الفعل**" سے اس کا تعلق نہیں ہے اس میں ایک مستثنی منہ ہے اور ایک مستثنی ہے، مطلب یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہوکر صرف انہیں اسباب میں پائی جاتی ہے جن میں شرط ہے۔اس عبارت سے ایک قضیہ سالبہ مفہوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے "**لا تجامع غير ما هى شرط فيه**" (جہاں علمیت شرط نہیں ہے وہاں مؤثر ہوکر نہیں پائی جائے گی) یہ مستثنیٰ منہ ہوگا اور **الا العدل و وزن الفعل** مستثنیٰ ہوگا اب اس عبارت کا مطلب ہوگا کہ جہاں علمیت شرط نہیں ہے وہاں مؤثر ہوکر نہیں پائی جائے گی لیکن عدل اور وزن فعل یہ دو سبب ایسے ہیں جن میں علمیت شرط نہیں ہے، لیکن مؤثر ہے (سبب واقع ہے) معلوم ہوا کہ **الا العدل و وزن الفعل** کا مستثنیٰ منہ علیحدہ ہے اور **الا ما هى شرط فيه** کا علیحدہ ہے۔

و هما متضادان

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ماقبل میں **ما فيه علمية موثرة اذا نكر صرف** سے ایک قاعدۂ کلیہ بیان کیا ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت علَم عدل اور وزن فعل تینوں جمع ہوجائیں، اس وقت اگر علمیت کو زائل کردیا جائے تو کلمہ منصرف نہ ہوگا، بلکہ عدل اور وزن فعل کے پائے جانے کی وجہ سے اب بھی غیر منصرف رہے گا، معلوم ہوا یہ قاعدۂ کلیہ صحیح نہیں۔

مصنفؒ نے **و هما متضادان** سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ عدل اور وزن فعل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، لہذا علم کے ساتھ دونوں میں سے ایک ہوگا دونوں نہ پائے جائیں گے، معلوم ہوا ہمارا قاعدہ صحیح ہے۔

سوال: عدل اور وزن فعل میں تضاد کیوں؟

جواب: نحویوں نے جب ان الفاظ کا تتبع کیا جن میں عدل پایا جاتا ہے، تو ان

میں سے کوئی بھی فعل کے وزن پر نہیں ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

کسی شاعر نے اوزان عدل کو اس نظم میں جمع کیا ہے۔

اوزان عدل را تمامی شش شمر   مفعل، فعل، مثالھما مثلث، عمر

فعل است مثل امس، فعال ست چو ثلاث   مثل فعال داں تو قطام و فعل سحر

عدل کے اوزان چھ ہیں (۱) مَفعَلُ جیسے مَثلَثُ (۲) فُعَلُ جیسے عُمَرَ (۳) فَعَلِ جیسے اَمسِ (۴) فُعَالُ جیسے ثُلَاثُ (۵) فَعَالِ جیسے قَطَامِ (۶) فِعَل جیسے سِحر۔

سیبویہ کا اختلاف

وَخَالَفَ سَیْبَوَیْه اَلْاَخْفَشَ فِیْ مِثْلِ اَحْمَرَ عَلَمًا اِذَا نُکِّرَ، اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْاَصْلِیَّةِ بَعْدَ التَّنْکِیْرِ۔

ترجمہ: امام سیبویہ نے اخفش سے اختلاف کیا ہے احمر جیسی مثالوں میں، اس حال میں کہ وہ علم ہو، جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے، نکرہ بنانے کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنے کی وجہ سے۔

مختصر تشریح

سیبویہ کا اختلاف: امام سیبویہ، مذکورہ قاعدہ میں ایک صورت میں اختلاف کرتے ہیں اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر کسی اسمِ وصف کے ذریعہ کسی کا نام رکھ دیا جائے، مثلاً کسی کا احمر نام رکھ دیا جائے، پھر اس کو نکرہ بنا دیا جائے، تو کیا حکم ہے؟

امام سیبویہؒ (جو استاذ ہیں) کہتے ہیں کہ نکرہ بنانے کے بعد بھی وہ غیر منصرف ہوگا، کیونکہ علَم ہونے کی وجہ سے جو وصفیت زائل ہوگئی تھی وہ نکرہ بنانے کے بعد لوٹ آئے گی اور دوسرا سبب وزن فعل موجود ہے اس لئے وہ غیر منصرف ہوگا۔

امام اخفشؒ (جو شاگرد ہیں) کہتے ہیں کہ اب وہ منصرف ہو جائے گا، کیونکہ اب اس میں صرف ایک سبب، وزن فعل رہ جائے گا، جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ اور جو وصفیت نام رکھ دینے کی وجہ سے زائل ہو گئی تھی، وہ نکرہ بنانے کے بعد نہیں لوٹے گی، کیونکہ معدوم کا اعادہ محال ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

فائدہ: چونکہ امام اخفشؒ کا مذہب جمہور کے مذہب کے موافق تھا، اس لئے مصنفؒ نے مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کی ہے، جو اگرچہ مستحسن نہیں مگر ترجیح کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو سیبویہ کی بات بھی ایک درجہ میں معقول ہے اور اخفش کی بھی۔ جب رُبَّ احمر کہیں گے اس وقت تو وصفیت کے معنی نہیں لوٹتے، کیونکہ علمیت کا اثر باقی ہے۔ مگر صرف احمر کر دیا جائے تو اب وصفیت ہی کے معنی ہونگے۔ پس اخفش کے قول کا مصداق رب والی تنکیر ہے اور سیبویہ کے قول کا مصداق مطلق تنکیر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: امام سیبویہ اور امام اخفش کے درمیان اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: اختلاف کس مسئلہ میں ہے؟

جواب: احمر جیسے لفظ کے علاوہ اسم میں تو اتفاق ہے، لیکن مثل احمر میں اختلاف ہے۔

سوال: مثل احمر سے کیا مراد ہے اور اختلاف کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: مثل احمر سے مراد ہر وہ اسم غیر منصرف ہے، جس میں علمیت سے پہلے معنیٔ وصفی ظاہری طور پر پائے جاتے ہوں، اس میں کسی قسم کا خفا نہ ہو۔ ایسے اسم میں امام سیبویہ کے نزدیک جب اس میں علمیت زائل ہو جائے گی تو وصف اصلی پھر لوٹ آئے گا، جس کی وجہ سے کلمہ غیر منصرف رہے گا، پہلے علمیت اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف تھا، اب وصف اور کسی دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

سوال: امام سیبویہ کی دلیل کیا ہے؟

جواب: امام سیبویہ احمر کو ارقم و اسود پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح علمیت کو زائل کرنے کے بعد وصف اصلی لوٹ آتا ہے اور وصف اصلی نیز دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف پڑھتے ہیں، اسی طرح مثل احمر میں بھی وصف اصلی لوٹ آئے گا اور وصف اصلی نیز دیگر سبب کے ساتھ غیر منصرف پڑھا جائے گا۔ اور امام اخفش کے نزدیک منصرف ہوگا۔

سوال: امام اخفش کی دلیل کیا ہے؟

جواب: (۱) امام اخفش کی دلیل یہ ہے کہ جب وصف اصلی زائل ہو چکا اور قاعدہ ہے "الزائل لا یعود" تو پھر وصف اصلی اب کیسے عود کرے گا؟ یہ ہی قول جمہور کا ہے۔

(۲) اصل اسم میں منصرف ہے، جب وصف اصلی کو زائل کر کے علمیت اور دوسرے سبب کے ساتھ غیر منصرف پڑھا گیا، پھر علمیت کو زائل کر دیا تو اصل انصراف کا اعتبار کرتے ہوئے منصرف پڑھنا بہتر ہوگا۔

سوال: امام سیبویہ کی دلیل کا کیا جواب ہے؟

جواب: امام سیبویہ کا ارقم و اسود پر قیاس صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ارقم و اسود میں علمیت کو زائل کرنے کے باجود وصفیت کا شائبہ پایا جاتا ہے لیکن احمر میں علمیت زائل کرنے کے بعد وصفیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔

سوال: خالف کا فاعل کون ہے سیبویہ یا اخفش؟

جواب: بعض کے نزدیک خالف کا فاعل امام سیبویہ ہے۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: قاعدہ ہے کہ مفعول لہ کا فاعل اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہوتا ہے اور تنکیر کے بعد صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے والے سیبویہ ہے، معلوم ہوا کہ خالف کا فاعل بھی سیبویہ ہے۔

بعض کے نزدیک خالف کا فاعل امام اخفش ہے۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: خالف کا فاعل اخفش نہ مانے، سیبویہ مانے تو استاد نے شاگرد کی مخالفت کی اور مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کرنا مناسب نہیں ہے۔

سوال: صحیح کیا ہے؟

جواب: خالف کا فاعل سیبویہ کا ہونا صحیح ہے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ اخفش جن کی کنیت ابو الحسن ہے یہ امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، مخالفت کی نسبت استاد سیبویہ کی طرف کی ہے، اگر خالف کا فاعل اخفش ہوتا تو نسبت بجائے سیبویہ کے اخفش کی طرف کرتے، معلوم ہوا مصنف نے اصح اور غیر اصح کا لحاظ کیا ہے، استاد اور شاگرد کی نسبت کی رعایت نہیں کی۔ اس کا علم اعتبار للصفة الاصلیه سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔

اشکال کا جواب

وَلَا يَلْزَمُهُ بَابُ حَاتِمٍ لِمَا يَلْزَمُ مِنْ اِعْتِبَارِ الْمُتَضَادَّيْنِ فِيْ حُكْمٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ: اور امام سیبویہ پر باب حاتم (میں وصف اصلی کا اعتبار کرنا) لازم نہیں، کیونکہ ایک ہی حکم میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا۔

مختصر تشریح

امام اخفشؒ نے سیبویہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علَم میں تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کیا جائے گا تو علَم ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کرنا چاہئے، جیسے حاکم کے معنی قاضی اور فیصلہ کرنے والے کے ہیں، پس نام ہونے کی حالت میں اس کا اعتبار کریں گے تو علمیت اور وصفیت دو سبب پائے گئے، پس اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ

نام ہونے کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے، علمیت اور وصفیت میں تو تضاد ہے، ایک حالت میں دونوں کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور تنکیر کے بعد اعتبار کرنے میں کوئی تضاد کی بات نہیں، اس لئے سیبویہ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

نوٹ: اخفش کا مذہب صحیح ہے، جمہور کے قول کے مطابق ہے مگر ان کا سیبویہؒ پر اعتراض صحیح نہیں اس لئے مصنفؒ نے اس کا جواب دیا ہے۔

فائدہ: حاتم جیسے الفاظ سے مراد وہ تمام الفاظ ہیں جو وصفی معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے قاسم، ھاشم۔ جب ان کے ذریعہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کا اعتبار نہیں ہوگا، اخفش نے یہی اعتراض کیا ہے کہ جب تنکیر کے بعد سیبویہ وصفی معنی کا اعتبار کرتے ہیں تو چاہئے کہ نام ہونے کے حالت میں بھی اس کا اعتبار کرے اور ان سب الفاظ کو وصفیت اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف قرار دے، مگر ظاہر ہے کہ اخفش کا یہ اعتراض صحیح نہیں، نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ تو حالت واحدہ میں دو متضاد باتوں کا اعتبار کرنا ہیں اور نام ہونے کی حالت میں وصفی معنی کی طرف لوگوں کا ذہن بھی نہیں جاتا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد امام اخفش کی طرف سے امام سیبویہ پر باب حاتم سے اعتراض کو ذکر کرنا ہے۔

سوال: باب حاتم سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب حاتم سے مراد ہر وہ کلمہ جو اصل میں وصف ہو اور علمیت اس میں باقی ہو۔

سوال: اعتراض کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ سیبویہ نے جس طرح احمر جیسی مثال میں تنکیر کے بعد (علمیت کے زائل ہونے کے بعد) وصفیت کا اعتبار کیا ہے، حالانکہ وصفیت

زائل ہو چکی تھی، تو حاتم جیسی مثال میں بھی وصفیت کا اعتبار کر لیتے۔ (علمیت کے ساتھ وصف کا اعتبار کر کے اس کو بھی غیر منصرف پڑھتے)۔

سوال: اس اعتراض کا جواب مصنف نے کیا دیا؟

جواب: حاتم میں اگر وصفیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، تو متضاد چیزوں کا ایک حکم میں اعتبار کرنا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اور متضاد چیزیں وصفیت اور علمیت ہیں، ان میں تضاد اس وجہ سے ہے کہ علَم خصوص کے لئے اور وصف عموم کے لئے ہے، بالفاظِ دیگر علم ذات معین پر دلالت کرتا ہے اور وصف، ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور معین اور مبہم میں تضاد ہے۔

قاعدہ

وَجَمِيعُ الْبَابِ بِاللَّامِ أَوْ بِالْإِضَافَةِ يَنْجَرُّ بِالْكَسْرِ۔

ترجمہ: اور پورا باب غیر منصرف، لام تعریف یا اضافت کی وجہ سے کسرہ کی شکل میں مجرور ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

غیر منصرف کے سلسلہ کا دوسرا قاعدہ: جب غیر منصرف پر الف لام آئیں یا اس کی دوسرے اسم کی طرف اضافت کی جائے تو حالت جری میں اس پر کسرہ آسکتا ہے۔ البتہ تنوین نہیں آسکتی، کیونکہ معرف باللام اور مضاف پر تنوین نہیں آتی جیسے **فی المساجد**، **فی احسن تقویم** (بہترین سانچہ میں)۔ احسن غیر منصرف ہے، وصف اور وزن فعل کی وجہ سے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قاعدہ بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ غیر منصرف پر

کسرہ نہیں آتا لیکن جب الف لام داخل ہوتا ہے یا اس کلمہ کی اضافت ہوتی ہے تو الف لام یا اضافت کی وجہ سے حالت جری میں کسرہ داخل کیا جاتا ہے۔

سوال: مصنف نے کسرہ کا تذکرہ کیا، تنوین کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: لام اور اضافت کی وجہ سے تنوین کا آنا محال ہے، جس کی بناء پر تنوین کا تذکرہ نہیں کیا۔

سوال: مصنف نے عبارت میں باللام کہا، باء حرف جر اور لام یہ بھی حرف جر، گویا حرف، حرف پر داخل ہوا؟

جواب: دخول درمیان میں محذوف ہے، اصل عبارت بدخول لام التعریف ہے۔

سوال: مصنفؒ کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ غیر منصرف پر لام داخل ہونے سے اس پر کسرہ آتا ہے، کیونکہ المال لاحمد میں احمد پر لام داخل ہے لیکن کسرہ نہیں ہے؟

جواب: لام سے لام تعریف مراد ہے، نہ کہ لام جارہ اور لاحمد میں لام جارہ ہے۔

سوال: ہم ایسی مثال پیش کرتے ہیں کہ جس میں اضافت موجود ہے، اس کے باوجود آپ اس کو کسرہ نہیں دیتے، جیسے رایتُ غلامَ احمدَ میں احمد مضاف الیہ اور غلام مضاف، لیکن کسرہ نہیں لائے؟

جواب: بالاضافة سے مضاف مراد ہے، مضاف الیہ مراد نہیں اور یہاں پر احمد مضاف الیہ ہے۔

سوال: مصنف نے ینجر بالکسر کہا، ینجر کہہ دیتے تو کافی تھا بالکسر کہنے کی ضرورت نہیں تھی، بالکسر کی قید کیوں لگائی؟

جواب: نادان کے وہم کو دور کرنے کے لئے اگر بالکسر نہ کہتے تو نادان یہ گمان کرتا کہ لام کے دخول کی وجہ سے اور اضافت کی وجہ سے کسرہ ہوگا، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے پہلے سے حالت جری تو ہے، لیکن فتحہ کی شکل میں، بالکسر کی قید لگا کر بتایا کہ اب فتحہ کی شکل میں نہیں، بلکہ کسرہ کی شکل میں آئے گی۔

سوال: اگر مصنفؒ ینجر بالکسر کی جگہ ینصرف لکھتے تو کیا خرابی تھی؟

جواب: مصنفؒ کا مذہب یہ ہے کہ لام تعریف داخل ہونے اور مضاف ہونے سے غیر منصرف کا منصرف بن جانا لازم نہیں ہے، اس لئے مصنفؒ نے منصرف نہیں لکھا۔

مرفوعات کا بیان

اَلْمَرْفُوْعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔

ترجمہ: مرفوعات وہ اسماء ہیں جو فاعل ہونے کی نشانی (پیش) پر مشتمل ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات کو بیان کرنا ہے۔

سوال: المرفوعات میں باعتبار اعراب کے کتنے احتمالات ہیں؟

جواب: المرفوعات میں باعتبار اعراب کے تین احتمالات ہیں: (۱) رفع (۲) نصب (۳) جزم۔

(۱) رفع: اس صورت میں المرفوعات مبتدا ہوگا اور خبر هذه محذوف ہوگی، اس وقت عبارت ہوگی "المرفوعات هذه" اگر اس کا عکس ہو تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

(۲) نصب: مفعول کی بنا پر، تقدیری عبارت ہوگی خذ المرفوعات یا اشرع المرفوعات۔

(۳) جزم: مبنی ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ یہ موقع فصل میں واقع ہے اور فصل کے لئے کوئی اعراب نہیں ہوتا، نیز یہ بغیر عامل کے ہے اور غیر مرکب ہے۔

سوال: مرفوع کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مرفوع اس اسم کو کہتے ہیں جو فاعل کی علامت پر مشتمل ہو۔

سوال: مرفوعات کتنے ہیں اور کون کونسے؟

مرفوعات آٹھ ہیں (۱) فاعل (۲) نائب فاعل (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) حروف مشبہ بالفعل کی خبر (۶) افعال ناقصہ کا اسم (۷) ماولا مشابہ بلیس کا اسم (۸) لائے نفی جنس کی خبر۔

سوال: اس کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: اس کی وجہ حصر یہ ہے: عامل یا تو لفظی ہوگا یا معنوی، اگر عامل معنوی ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو مسند الیہ ہوگا یا مسند، اگر مسند الیہ ہے تو مبتدا اور اگر مسند ہے تو خبر۔ اور اگر عامل لفظی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو عامل فعل ہوگا یا حرف، اگر فعل ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی نسبت مرفوع کی طرف علی جهة القیام ہوگی یا علی جهة الوقوع، اول فاعل ہے اور دوسرا نائب فاعل اور اگر عامل حرف ہے تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو معمول مسند الیہ ہوگا یا مسند، اگر اول ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں، اول افعال ناقصہ کا اسم ہوگا اور دوسرا ما و لا المشبهتین بلیس کا اسم ہوگا اور اگر مسند ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو کلام موجب میں یا کلام غیر موجب میں، اول حروف مشبہ بالفعل کی خبر اور دوسرا لائے نفی جنس کی خبر۔

سوال: مصنف نے افعال ناقصہ کے اسم کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: مصنفؒ نے اس کو اس وجہ سے بیان نہیں کیا کیونکہ کافیہ ماخوذ ہے المفصل سے اور المفصل میں علامہ زمخشریؒ نے اس کو منصوبات میں ذکر کیا ہے نہ کہ مرفوعات میں، اس لئے ان کی اتباع میں مصنف نے افعال ناقصہ کے اسم کا تذکرہ نہیں کیا۔

سوال: مرفوع، اسم مذکر ہے، اس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ کیوں نہیں لائے؟

جواب: اسم مرفوع مذکر ہے، لیکن غیر ذوی العقول ہے اور غیر ذوی العقول کی جمع الف اور لمبی تاء کے ساتھ آتی ہے، واؤ اور نون کے ساتھ نہیں آتی، اس لئے مرفوع کی جمع مرفوعات لائے نہ کہ مرفوعون۔

سوال: واو نون اور یاء نون کے ساتھ جمع لانے کے لئے ذوی العقول ہونا شرط

ہے،تو پھر سِنَةٌ(سال) جمع سِنُوْنَ، اَرْض (زمین) کی جمع اَرْضُوْنَ، ثُبَةٌ (جماعت اور گروہ) ثُبُوْن اور قُلَّةٌ (گلی ڈنڈا) جمع قُلُوْنَ یہ چاروں غیر ذوی العقل ہونے کے باوجود ان کی جمع واؤ نون اور یاءنون کے ساتھ کیوں لائے ہیں؟

جواب: سِنَةٌ(سال) جمع سِنُوْن، اَرْض (زمین) کی جمع اَرْضُوْنَ، ثُبَةٌ(جماعت اور گروہ) ثُبُوْنَ اور قُلَّةٌ (گلی ڈنڈا) جمع قُلُوْنَ شاذ ہے اور شاذ معدوم کی طرح ہوتا ہے اور معدوم کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

سوال: قرآن میں رأیتھم لی ساجدین آیا ہے اور ساجدین کواکب کی صفت ہے اور کواکب غیر ذوی العقل ہیں، تو ان کی جمع یاءنون کے ساتھ نہ آنی چاہئے؟

جواب: ساجدین گو ذوی العقل کے قبیل سے نہیں ہیں، لیکن وہ ذوی العقل کے مشابہ ہیں، سجدہ کا فعل کرنے کے اعتبار سے کہ ان سے بھی ذوی العقل کی طرح سجدہ کا فعل صادر ہوا، اس لئے ان کی صفت کی جمع یاءنون کے ساتھ لائے ہیں۔

سوال: مرفوعات کو منصوبات پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: مرفوعات، منصوبات کے مقابلے میں قلیل ہیں اور قلیل کثیر پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے مرفوعات کو مقدم فرمایا۔

تعریف: مرفوع وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

سوال: فاعلیت کی علامت کیا ہے؟

جواب: فاعلیت کی علامت رفع ہے۔

سوال: عبارت میں فاعلیت کیوں کہا؟

جواب: عبارت میں فاعلیت اس لئے کہا تاکہ فاعل کے ساتھ ملحقات فاعل (مبتدا، خبر وغیرہ) بھی داخل ہو جائیں۔

سوال: ما سے کیا مراد ہے اور کیوں؟

جواب: ما سے مراد اسم ہے، اس لئے کہ بحث اسم کی چل رہی ہے، فعل اور حرف

کی بحث نہیں اور یہ بات قرینہ ہے۔

سوال: مصنف نے علی علم الفاعلیۃ کہا علی رفع الفاعلیۃ کیوں نہیں کہا؟

جواب: اگر رفع الفاعلیۃ کہتے تو وہ شخص جو مرفوع کو نہیں جانتا وہ رفع کو کیسے جانے گا، اس لئے رفع الفاعلیۃ کے بجائے علم الفاعلیۃ کہا۔

فَمِنْهُ الْفَاعِلُ وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ وَقُدِّمَ عَلَيْهِ عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَزَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ۔

ترجمہ: پس مرفوعات میں سے ایک فاعل ہے اور فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہو اور اس کو فاعل سے پہلے لایا گیا ہو اس کے ساتھ قائم ہونے کے طور پر جیسے قام زید، و زید قائم ابوہ۔

مختصر تشریح

فاعل: وہ اسم ہے جس کی طرف کسی فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کو پہلے لایا گیا ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ذریعہ وجود میں آیا ہو جیسے قام زید اور قیام زید میں زید کی طرف فعل قام اور مصدر قیام کی نسبت کی گئی ہے، اور کھڑا ہونا زید کے ذریعہ وجود میں آیا ہے، اس لئے زید فاعل ہے۔ شبہ فعل پانچ ہیں (۱) اسم فاعل (۲) اسم مفعول (۳) اسم تفضیل (۴) صفت مشبہ (۵) مصدر۔ یہ سب فعل کی طرح عمل کرتے ہیں اور عام طور پر اپنے پہلے معمول کی طرف مضاف ہوتے ہیں جیسے قیام زید میں مصدر قیام فاعل کی طرف مضاف ہے۔

وضاحت

سوال: مرفوعات آٹھ ہیں، ان میں سے سب سے پہلے فاعل کو کیوں بیان کیا؟

جواب: جملہ کی دو قسمیں ہیں (۱) جملہ فعلیہ (۲) جملہ اسمیہ۔

(۱) جملہ فعلیہ جملہ اسمیہ پر مقدم ہے، اس لئے کہ جملہ فعلیہ میں فاعل شامل ہوتا ہے اور فاعل عمدہ جزء ہے۔

(۲) فاعل میں عامل، لفظی ہوتا ہے اور مبتدا کا عامل، عامل معنوی ہوتا ہے اور عامل لفظی، عامل معنوی کے مقابلے میں قوی ہوتا ہے، اس لئے فاعل کو مقدم کیا۔

(۳) تمام مرفوعات کی اصل فاعل ہے، اس لئے کہ تمام مرفوعات فاعل کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں اس لئے فاعل کو مقدم کیا۔

سوال: فاعل کی تعریف کیا ہے؟

جواب: فاعل: وہ اسم ہے، جس کی طرف فعل کی اسناد یا شبہ فعل کی اسناد کی جائے اور فعل یا شبہ فعل اس اسم پر اس طریقے پر مقدم ہو کہ فعل کا قیام، اس اسم کے ساتھ ہو جیسے قام زید اس میں (قام) فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہے اور زید قائم ابوہ میں قائم شبہ فعل کی اسناد، فاعل (ابوہ) کی طرف ہے۔

سوال: شبہ فعل کسے کہتے ہیں؟

جواب: (۱) جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو۔ (۲) شبہ فعل کہا جاتا ہے جس کی فعل کے ساتھ لفظاً اور معنیً مشابہت پائی جاتی ہو۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: یہ تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے، چنانچہ ما اسند الیہ بمنزلہ جنس ہے اور قدم علیہ فصل اول ہے، اس سے زید ضرب جیسی مثالوں کو خارج کیا اور علی جهة قیامه فصل ثانی ہے، نائب فاعل کو خارج کیا، اس لئے کہ فعل یا شبہ فعل کے قائم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فاعل کی طرف جس کی اسناد ہو رہی ہے وہ معروف کا صیغہ ہو، مجہول نہ ہو اور نائب فاعل میں اس کی طرف فعل مجہول کی اسناد ہوتی ہے۔

فائدہ: شبہ فعل کی قید لگا کر اسم فعل کو خارج کر دیا جیسے علیک اسم فعل ہے، معنیً تو فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے لیکن لفظاً نہیں۔

نوٹ: شبہ فعل پانچ ہیں، اسم فاعل، اسم مفعول، اسم تفضیل، صفت مشبہ اور مصدر یہ سب فعل کی طرح عمل کرتے ہیں اور عام طور پر اپنے پہلے معمول کی طرف مضاف ہوتے ہیں جیسے قیام زید۔

سوال: کافیہ المفصل سے ماخوذ ہے اور المفصل میں علی جهة قيامه کی قید نہیں ہے تو پھر مصنف نے اس کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: مصنفؒ اور صاحب مفصل کے درمیان اختلاف ہے، صاحب مفصل کے نزدیک مفعول ما لم یسم فاعله، فاعل ہی کے حکم میں ہے، اس لئے یہ قید نہیں لگائی تا کہ فاعل کی تعریف میں مفعول ما لم یسم فاعله بھی داخل رہے اور مصنف کافیہ کے نزدیک مفعول ما لم یسم فاعله، فاعل سے خارج ہے، اس لئے مصنف نے یہ قید لگا کر فاعل کی تعریف سے اس کو خارج کر دیا۔

قاعدہ

وَالْاَصْلُ اَنْ يَّلِىَ الْفِعْلَ، فَلِذٰلِكَ جَازَ ضَرَبَ غُلَامَهٗ زَيْدٌ، وَامْتَنَعَ ضَرَبَ غُلَامُهٗ زَيْدًا۔

ترجمہ: اور اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے متصلا بعد ہو اسی وجہ سے جائز ہے ضرب غلامه زید (زید نے اپنے غلام کو مارا) اور ممتنع ہے ضرب غلامُه زیداً (زید کے غلام نے زید کو مارا)۔

مختصر تشریح

اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل آئے (مفعول سے مقدم آئے) اسی ضابطہ سے ضرب غلامَه زید کہنا درست ہے (زید نے اپنے غلام کو مارا) اس میں زید فاعل ہے، جملہ میں اگر چہ مفعول کے بعد آیا ہے، مگر اس کا مرتبہ مقدم ہے اس لئے اس کی طرف غلامه کی ضمیر

لوٹ سکتی ہے، یہ اضمار قبل الذکر نہیں اور ضرب غلامه زیدا کہنا درست نہیں (زید کے غلام نے زید کو مارا)، کیونکہ غلامه کی ضمیر زیداً کی طرف لوٹتی ہے، جو مفعول بہ ہے جو لفظاً اور رتبۃً مؤخر ہے اس لئے یہ اضمار قبل الذکر ہے اور ناجائز ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول کو بیان کرنا ہے کہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل سے متصل ہو۔

سوال: فاعل کے فعل سے متصل ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: فاعل کے فعل سے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے بعد فاعل واقع ہو اور فعل کے معمولات میں سے کوئی معمول فاعل پر مقدم نہ ہو۔

سوال: فاعل کا فعل سے متصل ہونا کیوں مناسب ہے؟

جواب: فاعل کا فعل سے متصل ہونا اس لئے مناسب ہے کہ فاعل فعل کے جز کی طرح ہے، کیونکہ فاعل کی طرف فعل کی احتیاج، دیگر معمولات کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

فائدہ: فاعل کا فعل سے متصل ہونا مناسب اس وقت ہے، جبکہ کوئی مانع نہ ہو، اگر اتصال سے کوئی مانع ہوگا تو اس اصل پر عمل نہ ہوگا جیسے ضربک زید میں زید فاعل اپنے فعل ضرب کے ساتھ اس وجہ سے متصل نہیں ہے کہ اس میں ''ک'' ضمیر مفعول کا اتصال اس سے قبل ہو رہا ہے، اب اگر زید کو ضرب کے ساتھ متصل کرتے ہیں تو ضمیر کو منفصل کرنا لازم آئے گا۔

فلذلک جاز ضرب غلامه زید و امتنع ضرب غلامه زیدا۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اصل مذکور پر تفریع مقصود ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل فاعل کا فعل سے متصل ہونا ہے، اس لئے ضرب غلامه زید جائز ہے کیونکہ زید فاعل ہے اور فاعل مرتبہ کے اعتبار سے ضرب کے متصل ہے لہٰذا غلامه کی ضمیر زید کی طرف لوٹتی ہے اس میں اضمار

قبل الذکر لفظاً لازم آئے گا، رتبۃً لازم نہ آئے گا اور یہ ناجائز نہیں۔

امتنع ضرب غلامہ زیدا۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ضرب غلامہ زیدکا ممتنع (محال) ہونا بیان کرنا ہے۔

سوال: امتناع کی وجہ کیا ہے؟

جواب: امتناع کی وجہ یہ ہے کہ غلامہ فاعل ہے جو اپنے فعل کے ساتھ متصل ہے اس میں ضمیر زیدا کی طرف راجع ہے اور زیدا مفعول بہ ہے جو مؤخر ہے، اس لئے اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں طرح لازم آئے گا جو ناجائز ہے۔

قاعدہ

وَاِذَا انْتَفَى الْاِعْرَابُ فِيهِمَا لَفْظًا وَالْقَرِيْنَةُ اَوْ كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا اَوْ وَقَعَ مَفْعُوْلُهٗ بَعْدَ اِلَّا اَوْ مَعْنَاهَا وَجَبَ تَقْدِيْمُهٗ۔

ترجمہ: اور جب فاعل اور مفعول بہ میں اعراب لفظی اور قرینہ نہ ہو یا فاعل ضمیر متصل ہو یا اس کا مفعول بہ الا یا معنی الا کے بعد واقع ہو، تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: (۱) جب فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں اور اشتباہ کا اندیشہ ہو جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ (موسیٰ نے عیسیٰ کو مارا) تو فاعل کی تقدیم واجب ہے اور اگر اشتباہ کا اندیشہ نہ ہو تو تقدیم واجب نہیں جیسے اکل الکمثری موسی (موسی نے ناش پاتی کھائی) ناش پاتی مفعول ہی ہو سکتی ہے، خواہ پہلے آئے یا بعد میں۔

(۲) جب فاعل ضمیر مرفوع متصل ہو جیسے ضربت زیدا۔

(۳) جب مفعول، الا کے بعد آئے (مفعول کا حصر کرنا مقصود ہو) جیسے ما ضرب

زیدًا الا عمراً (زید نے عمرو ہی کو مارا)۔

(۴) جب مفعول الا کے ہم معنیٰ کلمات حصر کے بعد آئے (مفعول کا حصر کرنا مقصود ہو) جیسے انما ضرب زید عمرا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد فاعل کی تقدیم کے وجوب کی چار صورتوں کو بیان کرنا ہے اور وہ چار صورتیں یہ ہیں۔

پہلی صورت: فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی نہ ہو، جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ، موسیٰ اور عیسیٰ دونوں میں اعراب لفظی نہیں ہے اور قرینہ بھی نہیں ہے لہذا فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی نہ ہو، تو فاعل کو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی نہ ہو تو فاعل کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مقدم کرنا واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس لازم آئے گا، یہ نہ معلوم ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔ قرینہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) قرینۂ لفظیہ جیسے ضربت موسی حبلی اس میں تاء تانیث فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس میں حبلی فاعل ہے، اگر اس کو مؤخر کیا جائے تب بھی اس کا فاعل ہونا معلوم ہو جائے گا۔

(۲) قرینۂ معنویہ: جیسے اکل الکمثری یحیی اس میں الکمثری (ناش پاتی)

مفعول ہے اور یحیی فاعل ہے، از روئے عقل یہ سمجھ لیا جائے گا کہ یحیی فاعل ہے، کیونکہ کھانے کی صلاحیت اس کے اندر ہے۔

سوال: مصنف کی عبارت و اذا انتفی الاعراب فیھما میں اضمار قبل الذکر ہے، کیونکہ ھما ضمیر مجرور کا مرجع، فاعل ومفعول ہے اور فاعل ومفعول کا تذکرہ ماقبل میں نہیں گزرا ہے؟

جواب: ماقبل میں فاعل کا ذکر صراحۃً بھی ہے اور مثالوں کے ضمن میں بھی اور مفعول کا ذکر ماقبل میں اگر چہ صراحۃً نہیں ہے، لیکن مثالوں کے ضمن میں ہے، کیونکہ فرد کا ذکر کلی کے ذکر کو متضمن ہوتا ہے اس لئے اضمار قبل الذکر کا اشکال لازم نہ آئے گا۔

أو کان مضمرا امتصلا

دوسری صورت فاعل ضمیر متصل ہو جیسے ضربت زیدا میں (تُ) ضمیر فاعل متصل ہے۔

سوال: فاعل ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مقدم نہ کریں اور مؤخر کر دیں، تو اس صورت میں اتصال نہ رہے گا اور متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا جیسے ضربت زیدا میں (تُ) ضمیر فاعل ہے اور زیدا مفعول ہے، اب اگر (تُ) ضمیر فاعل ہے اس کو مقدم نہ کریں بلکہ مؤخر کریں تو انفصال کی شکل میں لانا پڑے گا، اس لئے کہ ضمیر متصل کے لئے سہارے کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی سہارا نہیں ہے۔

أو وقع مفعوله بعد الا۔

تیسری صورت فاعل کا مفعول الا کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب زیدٌ الا عمروا۔

سوال: فاعل کا مفعول الا کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل کا مفعول الا کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی الا کے بعد واقع ہوگا، اس میں حصر ہوگا، اس لئے مفعول پر حصر کی صورت میں فاعل کا مقدم کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو فاعل پر حصر ہو

جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

جیسے ما ضرب زیدا لا عمروا (نہیں مارا زید نے مگر عمرو ہی کو) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ زید نے عمرو ہی کو مارا، زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ عمرو کو کسی اور نے بھی مارا ہو، اگر فاعل پر مفعول کو مقدم کر کے اس طرح کہا جائے ما ضرب عمروا الا زیدٌ تو مطلب ہوگا کہ عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہو سکتا ہے زید نے کسی اور کو بھی مارا ہو۔ علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) کو مفعول میں منحصر ہونا بتلانا ہے اگر فاعل کو مقدم نہ کیا جائے تو مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) فاعل میں منحصر ہو جائے گی۔

أو معناها وجب تقديمه:

چوتھی صورت فاعل کا مفعول انما کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب زید عمروا۔

سوال: فاعل کا مفعول انما کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فاعل کا مفعول انما کے بعد واقع ہو تو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی انما کے بعد واقع ہوگا، اس میں حصر ہوگا اور اس جگہ انما کے بعد مفعول ہے، اس لئے مفعول پر حصر ہوگا، اس حصر کی وجہ سے فاعل کا مقدم کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو فاعل پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

جیسے انما ضرب زید عمروا (جز ایں نیست کہ زید نے عمرو ہی کو مارا) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ زید نے عمرو ہی کو مارا، زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ عمرو کو کسی اور نے بھی مارا ہو، اگر فاعل پر مفعول کو مقدم کر کے اس طرح کہا جائے

انما ضرب عمرو ازید تو مطلب ہوگا کہ عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ زید نے کسی اور کو بھی مارا ہو۔ علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) کو مفعول میں منحصر ہونا بتلانا ہے، اگر فاعل کو مقدم نہ کیا جائے تو مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) فاعل میں منحصر ہو جائے گی۔

قاعدہ

وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ ضَمِيرُ مَفْعُولٍ أَوْ وَقَعَ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا أَوِ اتَّصَلَ بِهِ مَفْعُولُهُ وَهُوَ غَيْرُ مُتَّصِلٍ وَجَبَ تَأْخِيرُهُ۔

ترجمہ: اور جب فاعل سے مفعول بہ کی ضمیر متصل ہو، یا فاعل الا یا معنی الا کے بعد واقع ہو، یا فعل سے اس کا مفعول بہ متصل ہو اور فاعل متصل نہ ہو تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: چار صورتوں میں فاعل کو مفعول بہ کے بعد لانا واجب ہے: (۱) جب فاعل کے ساتھ ایسی ضمیر لگی ہوئی ہو جو مفعول کی طرف لوٹتی ہو جیسے ضرب زیدا غلامہ۔ (۲) جب فاعل الا کے بعد آئے جیسے ما ضرب عمرا الا زید۔ (۳) جب فاعل الا کے ہم معنی کلماتِ حصر کے بعد آئے (اس کا حصر کرنا مقصود ہو) جیسے انما ضرب عمرو ازید۔ (۴) فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر ملی ہوئی ہو اور فاعل ضمیر غیر متصل ہو جیسے ضربک زید تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ان مواقع کو بیان کرنا ہے جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔

سوال: وہ مواقع کتنے ہیں اور کون کونسے؟

جواب: وہ مواقع چار ہیں: (۱) مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہو جیسے واذ ابتلی ابراھیم ربہ۔

سوال: مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: مفعول کی ضمیر فاعل کے ساتھ متصل ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جیسے واذ ابتلی ابراھیم ربہ (اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ ابراہیم کو ان کے رب نے آزمایا) اس میں فاعل رب ہے اور ربُّہ میں ضمیر مفعول کی ہے، جو ابراہیم کی طرف لوٹتی ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کریں اور واذ ابتلی ربہ ابراھیم ہو تو ضمیر مفعول (ہ) مقدم ہوگی اور اس کا مرجع ابراہیم، مؤخر ہوگا، تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور وہ ناجائز ہے۔

(۲) فعل کا فاعل الا کے بعد واقع ہو جیسے ما ضرب عمروًا الا زیدٌ۔

سوال: فعل کا فاعل الا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فعل کا فاعل الا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی الا کے بعد واقع ہوگا، اس میں حصر ہوگا اور اس جگہ الا کے بعد فاعل ہے، اس لئے فاعل پر حصر ہوگا، اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو مفعول پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت اس طرح ہے جیسے ما ضرب عمروًا الا زیدٌ (نہیں مارا عمرو کو مگر زید ہی نے) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ عمرو کو فقط زید ہی نے مارا ہے، عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو بھی مارا

ہو، اگر فاعل کو مفعول سے مقدم کر کے اس طرح کہا جائے ماضرب زید الا عمرو اتو مطلب ہوگا کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے بھی مارا ہے۔

علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) کو فاعل میں منحصر کرنا ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) مفعول میں منحصر ہو جائے گی۔

(۳) فعل کا فاعل معنیٰ انما کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب عمرو زیدا۔

سوال: فعل کا فاعل معنیٰ انما کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فعل کا فاعل انما کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی انما کے بعد واقع ہوگا اس میں حصر ہوگا، اور اس جگہ الا کے بعد فاعل ہے، اس لئے فاعل پر حصر ہوگا، اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو مفعول پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: اس کی وضاحت اس طرح ہے جیسے انما ضرب عمرو أزیدٌ (مارا عمرو کو زید ہی نے) اس مثال سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ عمرو کو فقط زید ہی نے مارا ہے عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے نہیں مارا اور ہو سکتا ہے کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو بھی مارا ہو، اگر فاعل کو مفعول سے مقدم کر کے اس طرح کہا جائے ماضرب زید الا عمرو اتو مطلب ہوگا کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا اور عمرو کو زید کے علاوہ کسی اور نے بھی مارا ہے۔

علمی انداز میں اگر کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کا مقصود مفعول (مضروب) کی مفعولیت (مضروبیت) کو فاعل میں منحصر کرنا ہے، اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو فاعل (ضارب) کی فاعلیت (ضاربیت) مفعول میں منحصر ہو جائے گی۔

(۴) فعل کے ساتھ فعل کا مفعول متصل ہو، فاعل متصل نہ ہو جیسے ضربہ زید۔

سوال: فعل کے ساتھ فعل کا مفعول متصل ہو، فاعل متصل نہ ہوتو فاعل کو مؤخر کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب: فعل کے ساتھ فعل کا مفعول متصل ہو، فاعل متصل نہ ہوتو فاعل کو مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو مفعول کی ضمیرِ متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا جیسے ضربہ زید (زید نے اس کو مارا) اس مثال میں ضرب کے ساتھ اس کا مفعول (ہ) ضمیر متصل ہے، اگر فاعل کو مفعول سے مؤخر نہ کریں بلکہ مقدم کریں تو ضمیر کو منفصل کی شکل میں لانا لازم آئے گا اور اتصال، انفصال کے مقابلہ میں اصل ہے۔

قاعدہ

وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ -(الف) جَوَازًا فِيْ مِثْلِ زَيْدٌ لِمَنْ قَالَ مَنْ قَامَ ؟ وَلِيُبْكَ يَزِيْدُ ضَارِعٌ لِخُصُوْمَةٍ وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيْحُ الطَّوَائِحُ (ب) وَوُجُوْبًا فِيْ مِثْلِ وَإِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ وَقَدْ يُحْذَفَانِ مَعًا فِيْ مِثْلِ نَعَمْ لِمَنْ قَالَ اَقَامَ زَيْدٌ ؟

ترجمہ: اور کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت۔ (الف) جواز کے طور پر زید جیسی مثالوں میں، اس شخص کے جواب: میں جو کہے من قام (کون کھڑا ہے؟)- چاہیئے کہ رویا جائے یزید (کون روئے؟ روئے اس کو) جھگڑے کے وقت عاجز رہ جانے والا، اور آفات میں ہلاک ہونے سے بے وسیلہ سوال کرنے والا۔ (ب) اور وجوبی طور پر (فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے) وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ جیسی مثالوں میں۔

مختصر تشریح

قاعدہ (۱) قرینہ کی موجودگی میں فعل کو حذف کیا جاتا ہے جوازاً بھی اور وجوباً بھی،

جوازاً حذف فعل کی مصنفؒ نے دومثالیں دی ہے۔(۱) کسی نے پوچھا: من قام؟ کون کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب دیازید، اور یہاں قام محذوف ہے اور حذف کا قرینہ سوالِ محقق (واقعی سوال) ہے۔(۲) جوازحذف کی دوسری مثال: ایک شاعراپنے بھائی یزید کا مرثیہ کہتا ہے:

ولیبک یزیدضارع لخصومة ومختبط مماتطیح الطوائح

ترجمہ: چاہئے کہ رویا جائے یزید! (کون روئے؟ روئے اس کو) جھگڑے کے وقت عاجز رہ جانے والا۔ اورآفات میں ہلاک ہونے سے بے وسیلہ سوال کرنے والا۔

دوشخص اس کوروئیں ایک جھگڑے کے وقت مدد چاہنے والا، دوسراسخت آفات میں بے وسیلہ تعاون کی درخواست کرنے والا، کیونکہ یزیدان دونوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ اس شعر میں ضارع سے پہلے یبکی محذوف ہے اور قرینہ سوالِ مقدر (فرضی سوال) ہے اور مختبط کا عطف ضارع پر ہے۔

ضارع: عاجز رہ جانے والا۔ لخصومة: لام وقتیہ ہے، مختبط: آفات میں ہلاک ہونے والا، مما میں "ما" مصدریہ ہے، اطاحة: ہلاک کرنا، طائحة: آفت۔

(۳) اوروجوباً فعل محذوف ہونے کی مثال سورۂ توبہ کی آیت ٦ ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِسْتَجَارَکَ۔

ترجمہ: اوراگرکوئی شخص مشرکین میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ کا طلب گار ہو۔

یہاں احد سے پہلے استجارک محذوف ہے اوراس کا قرینہ یہ ہے کہ ان حرف شرط فعل ہی پر داخل ہوتا ہے۔

فی مثل سے مرادمااضمر عامله علی شریطة التفسیر ہے(بعدمیں تفسیر کرنے والافعل آرہاہو) توپہلی جگہ فعل کومقدر ماننا ضروری ہے۔

(۴) قاعدہ: اگرقرینہ موجودہوتوفعل اورفاعل دونوں کوحذف کرنا بھی جائز ہے، جیسے کسی نے پوچھاأقام زید؟ کیازید کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب دیانعم ہاں! تو یہاں قام زید محذوف ہےأی نعم قام زید۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کبھی فعل کو حذف کیا جاتا ہے، جوازی طور پر اور کبھی وجوبی طور پر۔

سوال: فعل کو جوازاً حذف کب کیا جاتا ہے؟

جواب: فعل کو جوازاً حذف اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے من قام کے جواب میں زید کہا جائے، اصل تو یہ تھا کہ کہا جاتا قام زید لیکن اس جگہ سوالِ محقق، قرینہ بنا۔ اس لئے کہ سوال کی دو قسمیں ہیں (۱) سوالِ محقق (۲) سوالِ مقدر۔

سوال: سوال محقق کی تعریف کیا ہے؟

جواب: سوال محقق، حقیقۃً لفظوں میں سوال ہو۔ مذکورہ مثال من قام کے جواب میں زید تو سوال حقیقۃً موجود ہے، جو قرینہ بنا جواب میں قام فعل کے حذف کا۔

سوال: سوال مقدر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: سوال مقدر حقیقۃً لفظوں میں سوال نہ ہو بلکہ مانا جائے۔ جیسے

و لیبک یزید ضارع لخصومہ و مختبط مما تطیح الطوائح

(چاہئے کہ رویا جائے یزید پر ہر ذلیل جس کا کوئی مددگار نہیں اور فقیر جو سوال کرنے والا ہو جس کو زمانے کے حوادثات نے ہلاک کر دیا ہو)۔

یہ مثال سوال مقدر کی ہے، جب شاعر نے و لیبک یزید (چاہئے کہ رویا جائے یزید) کہا تو سوال پیدا ہوا کہ کون روئے؟ تو جواب: میں کہا گیا روئے ضارع لخصومۃ و مختبط مما تطیح الطوائح اصل میں یبکی ضارع لخصومۃ و مختبط مما تطیح الطوائح ہے، گویا یبکی فعل محذوف ہے اس مثال میں من یبکی سوال مقدر ہے جو قرینہ بنا جواب میں یبکی فعل کے حذف کا۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے؟

جواب: اس میں تین قول ہیں: (۱) ضرار بن نہشل (۲) حارث بن نہشل (۳) ضرار اور حارث کی ماں۔

سوال: یہ شعر محل استشہاد کب بنے گا؟

جواب: یہ شعر محل استشہاد اس وقت بنے گا جبکہ و لیُبکَ مجہول پڑھا جائے اور اگر معروف پڑھا جائے تو یزید منصوب ہوگا اور یہ شعر فعل کے محذوف ہونے کی مثال نہ بن سکے گا۔

و وجوبا فی مثل وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

سوال: فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب کب ہوتا ہے؟

جواب: فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب اس وقت ہوتا ہے جبکہ قائم مقام اور قرینہ دونوں پائے جائے۔ جیسے وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِسْتَجَارَكَ، اصل میں تھا وان استجارک احد من المشرکین اس میں احد یہ فاعل ہے، اس کے فعل (استجارک) کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سوال: اس میں قرینہ کیا ہے؟

جواب: اس میں قرینہ حرف (ان) ہے، جو شرط کے لئے ہے اور حرفِ شرط کا مدخول فعل ہوتا ہے اسم نہیں ہوتا اور یہاں مدخول احد ہے جو کہ اسم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان اور احد کے مابین فعل محذوف ہے۔

سوال: اس میں قائم مقام کون ہے؟

جواب: اس میں قائم مقام استجارک ہے، جو اخیر میں ہے، اس لئے کہ اگر

اول استجارک کوحذف نہ کرتے تو گویا مفسرّ اور مفسرِّ دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے، اس لئے اول استجارک کوحذف کردیا۔

نوٹ: مثل سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جہاں قرینہ کی بنیاد پر فعل کو حذف کیا گیا ہو اور اس کی وجہ سے ابہام پیدا ہوا ہو اور ابہام کو دور کرنے کے لئے مفسرِّ کو ذکر کیا جائے، تو فعلِ اول کو حذف کردیا جائے گا۔

و قد یحذف معا۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ بعض مرتبہ قرینہ کی وجہ سے فعل اور فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کردیا جاتا ہے جیسے کسی نے کہا قام زید؟ (کیا زید کھڑا ہے؟) جواب میں کہا جائے نعم حالانکہ اصل نعم قام زید آنا چاہئے لیکن قرینہ سوالیہ محققہ (واقعی سوال) کی وجہ سے فعل اور فاعل دونوں کو حذف کردیا اور فقط نعم کہا۔

تنازع فعلان کا بیان

وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ ظَاهِرًا بَعْدَهُمَا فَقَدْ يَكُوْنُ (الف) فِيْ الْفَاعِلِيَّةِ مِثْلُ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ (ب) وَ فِيْ الْمَفْعُوْلِيَّةِ مِثْلُ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا (ج و د) وَفِيْ الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُوْلِيَّةِ مُخْتَلِفَيْنِ فَيَخْتَارُ الْبِصْرِيُّوْنَ إِعْمَالَ الثَّانِيْ وَ الْكُوْفِيُّوْنَ الْاَوَّلَ (الف) فَاِنْ اَعْمَلْتَ الثَّانِيْ اَضْمَرْتَ الفَاعِلَ فِيْ الْاَوَّلِ عَلٰى وَفْقِ الظَّاهِرِ دُوْنَ الْحَذْفِ خِلَافًا لِلْكِسَائِيْ وَجَازَ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ وَحُذِفَتِ الْمَفْعُوْلُ اِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ وَاِلَّا اَظْهَرْتَ -(ب) وَ اِنْ اَعْمَلْتَ الْاَوَّلَ اَضْمَرْتَ

الْفَاعِلَ فِيْ الثَّانِيْ وَ الْمَفْعُوْلَ عَلَى الْمُخْتَارِ إِلَّا اَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ فَتُظْهِرَ (فائدہ) وَ قَوْلُ اِمْرَءِ الْقَيْسِ شِعْرٌ" كَفَانِيْ وَ لَمْ اَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ لَيْسَ مِنْهُ لِفَسَادِ الْمَعْنٰى"

ترجمہ: اور جب دو فعل کسی ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان دونوں کے بعد واقع ہو تو یہ تنازع کبھی فاعلیت میں ہوتا ہے جیسے ضربني و اکرمني زيداور کبھی مفعولیت میں جیسے ضربتُ و اکرمتُ زیداا ور کبھی فاعلیت اور مفعولیت (دونوں) میں درآنحالیکہ دونوں فعل (عمل میں) مختلف ہوں۔پس بصریین دوسرے فعل کو عمل دلانا پسند کرتے ہیں اور کوفیین پہلے فعل کو (الف) پس اگر آپ (بصریین کے مذہب کے مطابق) دوسرے فعل کو عمل دلائیں، تو آپ پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لے آئیں، حذف نہ کریں، برخلاف امام کسائی کے، اور (مذکورہ صورت میں) دوسرے فعل کو عمل دلانا جائز ہے، برخلاف امام فراء کے اور آپ مفعول بہ کو حذف کردیں اگر اس سے بے نیازی ہو سکے، ورنہ (مفعول بہ کو) ظاہر کردیں۔(ب) اور اگر آپ (کوفیین کے مذہب کے مطابق) پہلے فعل کو عمل دلائیں تو آپ دوسرے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آئیں، اور مفعول بہ کی پسندیدہ قول کے مطابق، مگر یہ کہ کوئی مانع (اس سے) روکے، تو آپ (مفعول بہ کو) ظاہر کردیں۔

فائدہ: اور امرء القیس کا قول: کفاني ولم اطلب قلیل من المال تنازع فعلان کے قبیل سے نہیں ہے معنی کی خرابی کی وجہ سے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد تنازع فعلان کی بحث کو بیان کرنا ہے۔

سوال: تنازع فعلان کسے کہتے ہیں؟

جواب: تنازع فعلان کہتے ہیں، جب دو فعل تنازع کرے ایک اسم ظاہر میں، جو اسم ظاہران دو فعلوں کے بعد آئے۔

سوال: تنازع فعلان کی عقلی طور پر کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: تنازع فعلان کی عقلی طور پر چار صورتیں ہیں۔

(۱) فعل اول وثانی دونوں فاعل کا تقاضہ کریں جیسے ضربنی و اکرمنی زید۔

(۲) فعل اول وثانی دونوں مفعول کا تقاضہ کریں جیسے ضربت و اکرمت زیدا۔

(۳) فعل اول فاعل کا تقاضہ کرے اور فعل ثانی مفعول کا جیسے ضربنی و اکرمت زید

(۴) فعل اول مفعول کا تقاضہ کرے اور فعل ثانی فاعل کا جیسے ضربت و اکرمنی زید

سوال: فعل اول وثانی دونوں میں سے کس کو عمل دیا جائے گا؟

جواب: فعل اول وثانی دونوں کو عمل دینا جائز ہے، البتہ اختلاف، قولِ مختار اور غیرِ مختار میں ہے، چنانچہ بصریین کے نزدیک فعلِ ثانی کو عمل دینا مختار ہے اور کوفیین کے نزدیک فعلِ اول کو عمل دینا مختار ہے۔

سوال: حضرات بصریین فعل ثانی کو عمل دینا پسند فرماتے ہیں، ان کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ان کے پاس دو دلیلیں ہیں: (۱) فعل ثانی معمول سے متصل ہوتا ہے، فعل اول متصل نہیں ہوتا، بلکہ درمیان میں فعل ثانی کا واسطہ ہوتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل قرآن کریم کی آیت ھاؤم اقرءوا کتابیه (آؤ! پڑھو اپنے نامہ اعمال کو) سے استدلال کرتے ہیں، استدلال کی تفصیل یہ ہے کہ ھاؤم فعل اول ہے اور اقرءوا فعل ثانی ہے، دونوں کتابیه کے بارے میں تنازع کر رہے ہیں اور اقرءوا کو عمل دیا ہے، اس لئے کہ اگر ھاؤم کو عمل دیا ہوتا تو کتابیه یہ ھاؤم کا معمول ہوتا اور فعل ثانی میں ضمیر لاتے اور اقرءوہ ہوتا، لیکن ضمیر نہیں لائے اس سے معلوم ہوا کہ عمل فعل ثانی کو دیا ہے۔

سوال: حضرات کوفیین فرماتے ہیں کہ فعل اول کو عمل دینا مختار و پسندیدہ ہے ان کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ان کے پاس بھی دو دلیلیں ہیں: (۱) فعلِ اول، فعل ثانی کے مقابلے میں اصل ہے، اس لئے کہ فعلِ اول، فعل ثانی کے مقابلہ میں طلب میں مقدم ہے، لہذا فعل اول کو عمل دیا جائے گا نہ کہ فعل ثانی کو "الاقدم فالاقدم" کے طور پر۔

(۲) دوسری دلیل امرء القیس کا شعر کفانی و لم اطلب قلیل من المال ہے، اس مثال میں کفانی فعل اول ہے اور و لم اطلب فعل ثانی ہے، قلیل من المال میں دونوں تنازع کر رہے ہیں، کفانی یہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور لم اطلب یہ مفعول کا تقاضا کرتا ہے، تو امرء القیس نے فعل اول کو عمل دیا، اس لئے قلیل پر رفع آیا ہے۔

سوال: مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا قول راجح ہے یا کوفیین کا قول راجح ہے؟

جواب: مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا قول راجح ہے۔

سوال: اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ نے کوفیین کی دلیل کا جواب دیا ہے، یہ بات قرینہ ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا قول راجح ہے چنانچہ فرمایا کوفیین کا کفانی و لم اطلب قلیل من المال کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس شعر کو تنازع فعلان مانتے ہیں تو معنی میں فساد لازم آئے گا۔

سوال: معنی میں فساد کیسے لازم آئے گا؟

جواب: امرء القیس کا شعر اس طرح ہے" و لو ان ما اسعی لا دنی معیشه کفانی و لم اطلب قلیل من المال "اور قاعدہ ہے کہ "لو" اگر داخل ہو مثبت پر تو مثبت کو منفی بنا دے گا اور اگر "لو" کا مدخول منفی ہو تو منفی کو مثبت بنا دے گا اور معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، اب شعر کا ترجمہ ہوگا۔

میں کوشش نہیں کرتا تھوڑے مال کی اور تھوڑا مال مجھ کو کافی نہیں ہے اور میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں۔

تو دعوی میں تناقض لازم آئے گا، اس لئے کہ ایک طرف کہہ رہا ہے کہ میں قلیل مال

کی کوشش نہیں کرتا اور وہ مجھے کافی نہیں ہے اور دوسری طرف کہتا ہے، میں قلیل مال طلب کرتا ہوں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ شعر باب تنازع سے نہیں ہے۔

سوال: جب یہ شعر باب تنازع سے نہیں ہے تو ولم اطلب کا مفعول کون ہوگا؟

جواب: و لم اطلب کا مفعول (الملک و المجد) محذوف ہے اصل عبارت ہے و لم اطلب من الملک و المجداب شعر کا ترجمہ ہوگا میں قلیل مال کی کوشش نہیں کرتا اور وہ مجھے کافی نہیں ہے اور میں طلب کرتا ہوں حکومت اور بزرگی کو۔

سوال: و لم اطلب کا مفعول (الملک و المجد) کو کہاں سے اخذ کیا؟

جواب: و لم اطلب کا مفعول (الملک و المجد) کو ایک دوسرے شعر سے اخذ کیا ہے، وہ کیا ہے۔

و لکنما اسعی لمجد مؤثل۔ و قد یدرک المجد المؤثل امثالی

(بلکہ میں مضبوط بزرگی کے لئے کوشش کرتا ہوں اور تحقیق کہ مضبوط بزرگی مجھ جیسا آدمی پالیتا ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ امرء القیس کے اس شعر سے دعوی کی دلیل پکڑنا درست نہیں ہے

سوال: مصنفؒ نے تنازع کا لفظ استعال کیا ہے تنازع کے معنی آتے ہے لڑنا جھگڑنا اور یہ تو ذی روح کی صفت ہے اور فعل یہ جاندار نہیں ہے؟

جواب: عبارت میں تنازع کے مجازی معنی مراد ہے حقیقی معنی مراد نہیں ہے اور معنیٔ مجازی ہے متوجہ ہونا۔

سوال: مصنفؒ نے فعلان کا صیغہ استعمال کیا، حالانکہ جس طرح فعل تنازع کرتا ہے، اسی طرح اسم بھی تو تنازع کرتا ہے، جیسے زید ضارب مکرم عمرو یہاں پر فعل کو خاص کیوں کیا؟

جواب: فعل کی طرح اسم بھی تنازع کرتا ہے، لیکن عمل میں فعل قوی ہوتا ہے اسم کے مقابلہ میں، اس لئے فعل کو ذکر کیا اور اسم کو اس کے تابع بنادیا۔

سوال: فعلان تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا، حالانکہ دو سے زیادہ فعل بھی تنازع کرتے ہیں جیسے کما صلیت و سلمت و بارکت و رحمت و ترحمت علی ابراھیم اس میں پانچ فعلوں نے تنازع کیا، نیز حدیث میں تسبحون و تحمدون و تکبرون دبر کل صلاۃ ثلاثا و ثلاثین آیا ہے، تو مصنفؒ نے دو کی تخصیص کیوں فرمائی؟

جواب: مصنفؒ نے اقل عدد کو بیان کیا ہے، اس لئے کہ تنازع فعلان کے لئے کم ازکم دو فعلوں کا ہونا ضروری ہے، زائد کی کوئی حد نہیں۔

سوال: ظاھرا کی قید لگا کر کس کو خارج کیا؟

جواب: ظاھرا کی قید لگا کر اسم ضمیر کو خارج کر دیا، اس لئے کے اسم ضمیر میں دو فعل تنازع نہیں کرتے۔

سوال: اسم ضمیر میں فعل تنازع کیوں نہیں کرتا؟

جواب: اسم ضمیر میں فعل تنازع اس لئے نہیں کرتا کہ اسم ضمیر متصل ہوگا یا منفصل ہوگا، اگر متصل ہے تو جس فعل سے متصل ہے اس کو عمل دیں گے، ہاں منفصل کی صورت میں تنازع ہوسکتا ہے لیکن ضمیر متصل میں نہیں تو منفصل کی صورت میں بھی طرداللباب منع کیا۔

سوال: بعدھما کی قید کیوں لگائی؟

جواب: بعدھما کی قید اس لئے لگائی کہ اسم ظاھر دو فعلوں کے درمیان میں ہو یا اول میں ہو تو فعل اول کو عمل دیا جائے گا قرب کی بناء پر۔

فان اضمرت الفاعل الخ:

سوال: اس سے مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد بصریین کے قول کی تفسیر کرنا ہے۔

اگر بصرین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دے دیا تو فعل اول میں اسم ظاہر کے مطابق ضمیر لائیں گے۔

اگر موافق صورتوں میں اسم ظاہر واحد ہے، تو ضمیر بھی واحد جیسے ضربنی و اکرمنی

زید اور اسم ظاہر تثنیہ ہے تو ضمیر بھی تثنیہ جیسے ضربانی و اکرمنی الزیدان اور اگر اسم ظاہر جمع ہے تو ضمیر بھی جمع لائیں گے جیسے ضربونی و اکرمنی الزیدون اور مخالف صورتوں میں ضربنی و اکرمت زیدا و ضربانی و اکرمت الزیدین و ضربونی و اکرمت الزیدین

سوال: فعل اول فاعل کا تقاضہ کرے اور فعل ثانی بھی فاعل یا مفعول کا تقاضہ کرے تو اگر بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول میں کیا لایا جائے گا؟

جواب: اس بارے میں اختلاف ہے۔

(۱) بصریین کے نزدیک فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائیں گے جیسے ضربنی و اکرمنی زید یا ضربنی و اکرمت زیدا۔

سوال: اس سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا؟

جواب: بالکل! اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، لیکن فاعل میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور فاعل کلام میں عمدہ جز ہے اور عمدہ کی وجہ سے اضمار قبل الذکر کی گنجائش ہے، اگر حذف کرتے ہیں تو عمدہ کا حذف لازم آئے گا۔

(۲) امام کسائی کے نزدیک فعل اول کے فاعل کو حذف کریں گے۔

سوال: امام کسائی کی دلیل کیا ہے؟

جواب: امام کسائی کے نزدیک فعل اول کے فاعل کو حذف کریں گے، تاکہ اضمار قبل الذکر کا اعتراض لازم نہ آئے گویا کسائی قصاب (قصائی) ہے۔

(۳) امام فراء کے نزدیک فعل اول کو عمل دیں گے، تاکہ نہ عمدہ کا حذف لازم آئے، نہ اضمار قبل الذکر لازم آئے۔

و حذفت المفعول ان الخ:

سوال: فعلِ اول مفعول کا تقاضہ کرے اور فعلِ ثانی فاعل یا مفعول کا تقاضہ کرے، اگر بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول میں کیا لایا جائے گا؟

جواب: فعلِ اول، مفعول کا تقاضہ کرے اور فعلِ ثانی، فاعل یا مفعول کا تقاضہ

کرے اور اگر بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول میں بالاتفاق مفعول کی ضمیر کو حذف کیا جائے گا، جیسے تم کہو گے موافق صورتوں میں ضربت و اکرمت زیدا و ضربت و اکرمت الزیدین و ضربت و اکرمت الزیدی اور مخالف صورتوں میں کہو گے جیسے ضربت و اکرمنی زید، و ضربت و اکرمنی الزیدان، و ضربت و اکرمنی الزیدین۔

بصریین کے نزدیک: اس لئے کہ فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور کسائی کے نزدیک تو عمدہ اور فضلہ برابر ہے اور فراء کے نزدیک یہ فضلہ ہے حذف کرنا جائز ہے۔

اور اگر فعل اول، افعال قلوب میں سے ہو تو فعل اول میں مفعول کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔

سوال: اگر فعل افعال قلوب میں سے ہو تو فعل اول میں مفعول کا ظاہر کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: اگر فعل، افعالِ قلوب میں سے ہو تو فعل اول میں مفعول کا ظاہر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر حذف کریں تو افعال قلوب میں سے ایک مفعول کا حذف لازم آئے گا، حالانکہ افعال قلوب میں سے کسی مفعول کو بحذف کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: کیوں جائز نہیں؟

جواب: افعال قلوب متعدی بدو مفعول ہیں اور مفعول اول بمنزلہ مبتدا اور مفعول ثانی بمنزلہ خبر ہوتا ہے، اس لئے حذف کرنا جائز نہیں ہے جیسے حسبنی منطلقا و حسبت زیدا منطلقا اس مثال میں حسبنی فعلِ اول ہے اور حسبت فعل ثانی ہے، فعل اول اور فعل ثانی نے اول زیداً میں تنازع کیا، فعل اول نے تقاضہ کیا کہ اس کو اپنا فاعل بناؤں اور فعل ثانی نے تقاضہ کیا کہ اپنا مفعولِ اول بناؤں، بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دے دیا اور اول میں فاعل کی ضمیر پوشیدہ مانی، اب ہر دو فعل نے منطلقا میں تنازع کیا، بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا، اب اول میں یا تو مفعول کی ضمیر پوشیدہ مانیں گے یا حذف کریں گے، دونوں شکلیں ناجائز ہیں، تو لامحالہ اسم ظاہر کی شکل میں لائیں گے، اس لئے کہ افعال قلوب کے دونوں مفعول کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔

و ان اعملت الاول الخ:

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد کوفیین کے مسلک کو بیان کرنا ہے۔

سوال: کوفیین کا مسلک کیا ہے؟

جواب: تنازع فعلان میں ان کے نزدیک فعل اول کو عمل دیا جاتا ہے۔

سوال: اگر فعل ثانی فاعل کا تقاضہ کرے تو فعل ثانی میں کیا کیا جائے گا؟

جواب: کوفیین کے مطابق فعل اول کا معمول بنا دیا تو دیکھو کہ دوسرا فعل کس کا تقاضہ کرتا ہے، اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو فاعل کی ضمیر اسمِ ظاہر کے موافق لے آئیں گے اس لئے کہ اگر اسم ظاہر لائیں گے تو تکرار لازم آئے گا اور اگر حذف کر دیں گے تو عمدہ کا حذف کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے، اب ضمیر ہی لائیں گے اور ضمیر کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا، اس لئے کہ مرجع پہلے اور بعد میں ضمیر ہے جیسے تم کہو گے موافق صورتوں میں ضربنی و اکرمنی زید و ضربنی و اکرمانی الزیدان و ضربنی و اکرمونی الزیدون اور مخالف صورتوں میں ضربت و اکرمنی زیدا و ضربت و اکرمانی الزیدین و ضربت و اکرمونی الزیدین۔

سوال: اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرے تو فعل ثانی میں کیا کیا جائے گا؟

جواب: اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں (۱) دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ مفعول بہ فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف کرنا جائز ہے، جیسے تم کہوں گے موافق صورتوں میں جیسے ضربت و اکرمت زیدا و ضربت و اکرمت الزیدین و ضربت و اکرمت الزیدین اور تم کہوں گے مخالف صورتوں میں جیسے ضربنی و اکرمت زید و ضربنی و اکرمت الزیدان و ضربنی و اکرمت الزیدون۔

(۲) یا مفعول کی ضمیر لے آئیں گے جیسے تم کہوں گے موافق صورتوں میں ضربت و اکرمتہ زیدا و ضربت و اکرمتھما الزیدین و ضربت و اکرمتھم الزیدین اور تم کہوں

گے مخالف صورتوں میں ضربنی و اکرمتہ زید و ضربنی و اکرمتهما الزیدان و ضربنی و اکرمتهم الزیدون۔

اور اگر فعل، افعال قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی میں مفعول کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔

سوال: اگر فعل افعال قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی میں مفعول کا ظاہر کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: اگر دوسرا فعل افعال قلوب میں سے ہو تو فعل ثانی میں مفعول کا ذکر کرنا ضروری ہے حذف جائز نہیں ہے، جیسے حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقا اس مثال میں حسبنی اور حسبتهما منطلقا میں تنازع کر رہے ہیں، فعل اول کو عمل دے دیا اور وہ حسبنی ہے اور دوسرے میں مفعول کو ظاہر کر دیا، پس اگر تم مفعول کو حذف کر دو اور یوں کہ حسبنی و حسبتهما الزیدان منطلقا تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف کرنا لازم آئے گا، جو کہ جائز نہیں ہے اور اگر دوسرے فعل میں ضمیر لائیں گے تو ضمیر دو حال سے خالی نہیں یا تو ضمیر واحد لائیں گے یا ضمیر تثنیہ لائیں گے، اگر ضمیر کو مفرد کی صورت میں لاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں حسبنی و حسبتهما ایاہ الزیدان منطلقا تو مفعول اول اور مفعول ثانی میں مطابقت نہ ہوگی اور اگر تثنیہ کی ضمیر لائیں گے اور یوں کہیں گے حسبنی و حسبتهما ایاهما الزیدان منطلقا تو اس صورت میں تثنیہ کی ضمیر کا مفرد کی طرف لوٹنا لازم آئے گا، اس لئے دونوں میں مطابقت نہیں رہے گی (اور وہ منطلقا ہے) اور یہ بھی جائز نہیں ہے تو حذف اور ضمیر لانا جائز نہیں ہے تو ذکر کرنا واجب ہے۔

فائدہ: فن نحو میں ''تنازع فعلین'' ایک معروف مسئلہ ہے، حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ اس بحث کو پڑھاتے ہوئے طلباء کی تربیت کا کام لیتے ہوئے فرماتے۔

''سوچنے کی بات ہے کہ دو فعل جب آپس میں جھگڑتے ہیں تو اس کو مٹانے کے لئے لمبی چوڑی بحثیں اور تقریریں کی جاتی ہیں، حالانکہ یہ دونوں غیر ذوی العقول ہیں، خطاب باری کے مکلف بھی نہیں ہیں، آج اگر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو جائے جو ذوی العقول بھی ہیں اور

خطاب باری کے مکلف بھی، تو کیا کسی کو جھگڑے کے ختم کرنے کی فکر ہوتی ہے؟ ارباب حل و عقد اس طرف توجہ دیتے ہیں؟ ارے! جھگڑا ختم کرنا تو دور کی بات ہے، لوگوں کو آپس کے جھگڑتے دیکھ کر مزہ آتا ہے، چٹکیاں لیتے رہتے ہیں، کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں ہے؟ اللہ ہم سے نہیں پوچھے گا؟

کبھی دوسرے پیرایہ میں یوں بیان فرمایا: دیکھو! ان اولیاء اللہ اور اللہ کے مقرب بندوں کو انہوں نے فعل، فاعل اور مفعول جو غیر ذوی العقول ہیں ان کے درمیان آپسی حقوق کا کس قدر پاس ولحاظ کیا ہے۔

بصرہ کے رہنے والے علماء فرماتے ہیں کہ اسم ظاہر کا پڑوسی دوسرا فعل ہے، اس لئے اس کو عمل دیا جائے گا، تاکہ پڑوسی کا حق باقی رہے۔

کوفہ کے رہنے والے علماء فرماتے ہیں کہ فعل کو پہلے آنے کا حق دیا جائے گا اس لئے کہ پہلے آنے والے کو حق ملتا ہے اور وہ مقرب ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا: ”آج ہم لوگ ہیں کہ اشرف المخلوقات (انسان) کا حق نہیں دیتے۔ (تذکرۃ الصدیق ج:۱ص:۲۶۶۔۲۶۷)

بیان مفعول مالم یسم فاعلہ

مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ وَاُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهُ۔

ترجمہ: مفعول مالم یسم فاعلہ: ہر ایسا اسم ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو اور اسے فاعل کی جگہ رکھ دیا گیا ہو۔

مختصر تشریح

مفعول مالم یسم فاعلہ : ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور اس کے مفعول کو فاعل کا قائم مقام کیا گیا ہو۔اس لئے اس کو''نائب فاعل'' کہتے ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات میں سے دوسرا مرفوع، مفعول مالم یسم فاعلہ (نائب فاعل) کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے مفعول مالم یسم فاعلہ کو ماقبل کی بحث سے الگ کیوں بیان نہیں کیا؟

جواب: فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہ کے درمیان شدت اتصال ہے، اس لئے الگ سے بیان نہیں کیا۔

سوال: مفعول مالم یسم فاعلہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: مفعول مالم یسم فاعلہ ایسے مفعول کو کہتے ہیں کہ جس کے فاعل کو حذف کیا گیا ہو اور مفعول کو فاعل کا قائم مقام کیا گیا ہو جیسے ضُرِبَ زَیدٌ اصل میں عبارت تھی ضرب عمرو زیدا، عمرو کو گرادیا جو کہ فاعل تھا، اس کی جگہ زیدلایا گیا جو کہ مفعول ہے۔

سوال: مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف میں فرمایا گیا ہر مفعول جس کے فاعل کو حذف کیا جائے، فاعل، فعل کا ہوتا ہے، مفعول کا نہیں ہوتا؟

جواب: فاعل، فعل ہی کا ہوتا ہے، مفعول کا نہیں ہوتا، لیکن فاعل اور مفعول دونوں فعل کے جز ہیں، جز ہونے کی حیثیت سے فعل کی جگہ مفعول کا تذکرہ کیا۔

سوال: یہ تعریف مانع نہیں کیونکہ فاعل پر بھی صادق آتی ہے، مثلاً انبت الربیع البقل میں الربیع پر صادق آتی ہے کیونکہ اصل میں یہ انبت اللہ البقل فی الربیع تھا اسم

جلالت جو فاعل ہے، اس کو حذف کردیا گیا اور الربیع جو مفعول فیہ ہے اس کو فاعل کا قائم مقام کردیا گیا ہے، لہذا الربیع پر مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف صادق آتی ہے، جبکہ وہ بالاتفاق فاعل ہے۔

جواب: اس کا جواب خود مصنفؒ نے دیا ہے کہ مفعول کو فاعل کے قائم مقام کرنے کے لئے شرط ہے کہ معروف کا صیغہ مجہول سے بدل دیا گیا ہو اور انبت اللہ البقل فی الربیع میں انبت معروف کا صیغہ ہے وہ بعینہ انبت اللہ البقل میں باقی ہے اس لئے الربیع مسندالیہ ہونے میں اسم جلالت کا قائم مقام نہیں ہے۔

سوال: اقیم اور مقامہ کے درمیان ھو کی ضمیر کیوں لائے؟

جواب: نادان کے وہم کو دور کرنے کے لئے، کیونکہ کوئی نادان یہ سمجھتا کہ اقیم فعل مجہول ہے اور اس کا نائب فاعل مقامہ ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے ھو لائے کہ ھو نائب فاعل ہے مقامہ نائب فاعل نہیں ہے۔

وَشَرْطُهُ اَنْ تُغَيِّرَ صِيغَةُ الْفِعْلِ اِلٰى فُعِلَ اَوْ يُفْعَلُ.

ترجمہ: اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا وزن فُعِلَ یا یُفعَلُ کی طرف تبدیل کردیا جائے۔

مختصر تشریح

مفعول مالم یسم فاعلہ کے لئے شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعل یا یُفعل سے بدل دیا جائے یعنی فعل کو مجہول بنادیا جائے تبھی اس کا نائب فاعل آئے گا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول مالم یسم فاعلہ کی شرط کو بیان کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کے فعل معروف کو فُعِلَ (ماضی مجہول) یا یُفعَلُ (مضارع مجہول) کی طرف پھیر دیا جائے۔

سوال: فُعِلَ کا صیغہ فعل مجہول سے بدل دیا جائے اس سے مراد کیا ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے حرف کو ضمہ اور آخر سے پہلے حرف کو کسرہ دیا جائے، تاکہ اُفْعِلَ، اُفْتُعِلَ، اُسْتُفْعِلَ، فُعِلَ، فُوْعِلَ، فُعْلِلَ اور تُفُعْلِلَ وغیرہ کو شامل ہو جائے اسی طرح یُفْعَلُ سے مراد پہلے حرف کو ضمہ اور آخر سے پہلے والے حرف کو فتحہ دیا جائے، تاکہ یُفْعَلُ، یُسْتَفْعَلُ وغیرہ کو شامل ہو جائے۔

سوال: فُعِلَ کا صیغہ فعل مجہول سے بدل دیا جائے شرط کیوں؟

جواب: فُعِلَ کا صیغہ فعل مجہول سے بدل دیا جائے یہ شرط اس لئے ہے کہ اصل (فاعل) اور فرع (نائب فاعل) کے درمیان فرق ہو جائے۔ فائدہ: دو لفظ بولے جاتے ہیں (۱) شرط (۲) رکن۔ (۱) شرط کہتے ہیں شئی سے خارج ہو، لیکن شئی کے لئے ضروری ہو جیسے وضو، نماز کے لئے شرط ہے لیکن اس میں داخل نہیں۔ (۲) رکن کہتے ہیں جو شئی میں داخل ہو اور اس کے بغیر وہ چیز پائی نہ جاتی ہو جیسے تکبیر تحریمہ، نماز کے لئے رکن ہے اور نماز میں داخل ہے۔

قاعدہ

وَلَا یَقَعُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ مِنْ بَابِ عَلِمْتُ۔

ترجمہ: اور باب علمت کا دوسرا مفعول نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

مختصر تشریح

چار مفعول نائب فاعل نہیں بن سکتے: (۱) باب علمتُ: متعدی بدو مفعول کا مفعول ثانی

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مذکورہ عبارت سے ان مواقع کو بیان فرمانا ہے، جن مواقع میں مفعول کو نائب فاعل بنانا درست نہیں، ایسے مواقع چار ہیں۔ ان میں سے پہلا یہ ہے: (۱) بابِ علمتُ کا مفعول ثانی نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

سوال: بابِ علمتُ سے کیا مراد ہے؟

جواب: بابِ علمتُ سے وہ فعل مراد ہے جو متعدی بدو مفعول ہو۔ نیز مفعول اول اور مفعول ثانی کے درمیان عینیت کا تعلق ہو جیسے علمتُ زیداً عالماً (میں نے جانا کہ زید عالم ہے)۔

سوال: بابِ علمتُ کا مفعول ثانی نائب فاعل کیوں واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: بابِ علمتُ کا مفعول ثانی نائب فاعل اس لئے واقع نہیں ہوسکتا کہ باب علمت کے مفعول اول اور مفعول ثانی کے درمیان عینیت کا تعلق ہوتا ہے۔

عینیت کا مطلب ہے دونوں کا محل ایک ہو جیسے علمت زیدا عالما میں زید اور عالم دونوں کا محل ایک ہے، زید کا تعلق جس مسمی کے ساتھ ہوتا ہے، اسی مسمی کے ساتھ عالم کا تعلق ہوتا ہے اور مفعول اول بمنزلۂ مبتدا اور مفعول ثانی بمنزلۂ خبر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر علمت زیدا عالما میں سے علمت کو دور کردیں تو زید عالم باقی رہے گا اور وہ مبتدا اور خبر کی ترکیب میں ہوں گے اور مبتدا مسند الیہ اور خبر مسند ہوتی ہے۔ اب اگر مفعول اول کو حذف کر کے مفعول ثانی کو قائم مقام کردیا جائے تو مفعول ثانی جو مسند تھا وہ اب مفعول اول کی جگہ آنے کی وجہ سے مسند الیہ بن جائے گا تو ایک چیز کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا، جو کہ جائز نہیں ہے۔

فائدہ: متأخرین کے نزدیک باب علمت کے مفعول ثانی کو فاعل کا قائم مقام بنانا جائز ہے اور ایک ترکیب میں ایک اسم دو جہت سے مسند اور مسند الیہ ہو تو کوئی حرج نہیں لہذا باب علمت کا مفعول ثانی فعل مجہول کا مسند الیہ اور مفعول اول کا مسند ہوسکتا ہے، جس طرح ایک اسم مضاف اور مضاف الیہ ہوا کرتا ہے، مگر ایک جہت سے نہیں، بلکہ دو جہت سے اس طرح کہ ماقبل کا مضاف الیہ اور مابعد کا مضاف تو اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیں۔

  

وَالثَّالِثُ مِنْ بَابِ اَعْلَمْتُ۔

ترجمہ: باب اعلمت کا مفعول ثالث نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

مختصر تشریح

(۲) باب اعلمت یعنی متعدی بسہ مفعول کا مفعول ثالث۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد دوسرے موقعہ کو بیان کرنا ہے جہاں باب اعلمت کا مفعول ثالث نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

سوال: باب اعلمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب اعلمت سے مراد وہ فعل ہے جو متعدی بسہ مفعول ہو اور مفعول ثانی اور مفعول ثالث کے مابین عینیت کا تعلق ہو۔

سوال: باب اعلمت کا مفعول ثالث، نائب فاعل کیوں واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: باب اعلمت کے مفعول ثانی اور مفعول ثالث کے درمیان عینیت کا تعلق ہے۔ عینیت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کا محل ایک ہو جیسے اعلمت زیدا خالدا عالما میں خالدا اور عالما دونوں کا محل ایک ہے، خالد کا تعلق جس مسمی کے ساتھ ہوتا ہے اسی مسمی کے ساتھ عالم کا تعلق ہوتا ہے۔ مفعول اول بمنزلہ مبتدا اور مفعول ثانی بمنزلہ خبر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر اعلمت زیدا خالدا عالما میں سے اعلمت زیدا کو دور کردے تو خالد عالم باقی رہے گا اور وہ مبتدا اور خبر کی ترکیب میں ہوں گے اور مبتدا، مسند الیہ اور خبر مسند ہوتی ہے۔ اب اگر مفعول ثانی کو حذف کرکے مفعول ثالث کو قائم مقام کردیا جائے تو مفعول ثالث جو مسند تھا وہ اب مفعول ثانی کی جگہ آنے کی وجہ سے مسند الیہ بن جائے گا، تو ایک ہی چیز کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

وَالْمَفْعُوْلُ لَهُ۔

ترجمہ:اور مفعول لہ نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

مختصر تشریح

(۳)مفعول لہ جولام کے بغیر ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد تیسرے موقع کو بتانا ہے کہ مفعول لہ نائب فاعل واقع نہیں ہوسکتا۔

سوال: مفعول لہ نائب فاعل کیوں واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: مفعول لہ نائب فاعل اس لئے واقع نہیں ہوسکتا کہ مفعول لہ علت بیان کرنے کے لئے آتا ہے،اب اگر مفعول لہ کو نائب فاعل کی جگہ پر لا کر نائب فاعل بنادیا جائے تو مفعول لہ کا مقصود(علت بیان کرنا) فوت ہو جائے گا جیسے ضربت تادیبا ،اب اس میں تادیبا کو نائب فاعل بنائیں تو اس میں نائب فاعل کا power آ جائے گا اور جو مقصود ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔

وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ كَذٰلِكَ۔

ترجمہ:اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہے۔

مختصر تشریح

مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد چوتھے موقع کو بیان کرنا ہے کہ مفعول معہ نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

سوال: مفعول معہ، نائب فاعل کیوں نہیں واقع ہوسکتا؟

جواب: مفعول معہ نائب فاعل اس لئے واقع نہیں ہوسکتا کہ اگر مفعول معہ کو نائب فاعل بنائیں اور فعل کی اسناد اس کی طرف کریں تو دوصورتیں ہوگی یاتو واؤ کوذکر کر کے یا واؤ کے حذف کے ساتھ، اگر واؤ کے حذف کے ساتھ فعل کی اسناد کریں تو فعل کی اسناد تو درست ہوگی، لیکن وہ فعل، مفعول معہ نہیں رہے گا (اس لئے کہ مفعول معہ کہا جاتا ہے جس میں واؤ مذکور ہو) اگر واؤ کو باقی رکھتے ہیں تو مفعول معہ کی حقیقت تو اپنی جگہ پر باقی رہے گی، لیکن، فعل کی اسناد ختم ہوجائے گی، اس لئے کہ فعل اور نائب فاعل کے مابین واو کا فصل ہوجائے گا اس لئے مفعول معہ کو نائب فاعل بنانا درست نہیں ہے۔

قاعدہ

> وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُوْلُ بِهِ تَعَيَّنَ لَهُ تَقُوْلُ ضُرِبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيْرِ ضَرْبًا شَدِيْدًا فِيْ دَارِهِ. فَتَعَيَّنَ زَيْدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فَالْجَمِيْعُ سَوَاءٌ۔

ترجمہ: اور جب مفعول بہ موجود ہوتو وہ نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہوگا آپ کہیں گے ضُرِب زیدیوم الجمعة، امام الامیر، ضربا شدیدافی دارہ (زید کی پٹائی کی گئی، جمعہ کے دن، امیر کے سامنے، سخت پٹائی، اس کے گھر میں) پس (یہاں نائب فاعل بننے کے لئے) زید متعین ہے اور اگر مفعول بہ موجود نہ ہوتو سب برابر ہیں۔

مختصر تشریح

قاعدہ: دوسرے تمام مفعول نائب فاعل بن سکتے ہیں، البتہ اگر ان میں مفعول بہ

موجود ہوتو اسی کو نائب فاعل بنائیں گے، کتاب کی مثال میں زید مفعول بہ ہے، اس لئے اسی کو نائب فاعل بنایا گیا ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو باقی کسی کو بھی نائب فاعل بنا سکتے تھے۔ **یوم الجمعه** مفعول فیہ ظرف زمان ہے، **امام الامیر** مفعول فیہ ظرف مکان ہے، **ضربا شدیدا** مفعول مطلق ہے اور **فی دارہ** ظرف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک قاعدہ بیان کرنا ہے کہ کلام میں مفعول بہ کے ساتھ دیگر مفاعیل بھی ہوں، جو نائب فاعل بن سکتے ہیں، تو مفعول بہ نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہو جائے گا۔

سوال: مفعول بہ کو ترجیح کیوں حاصل ہے؟

جواب: مفعول بہ دیگر مفاعیل کے مقابلے میں فعل سے زیادہ قریب ہے۔

سوال: مفعول بہ دیگر مفاعیل کے مقابلے میں فعل سے زیادہ قریب کیوں ہے؟

جواب: فعل کا سمجھنا جیسے فاعل پر موقوف ہوتا ہے، ایسے ہی مفعول بہ پر بھی موقوف ہوتا ہے جیسے مثال دی **ضرب زید یوم الجمعه امام الامیر ضربا شدیدا فی دارہ**۔ اس مثال میں **زید**، مفعول بہ ہے اور **یوم الجمعه**، مفعول فیہ زمانی، **امام الامیر** مفعول فیہ مکانی، **ضربا شدیدا** مفعول مطلق، **فی دارہ** ظرف تو اب اس مثال میں **زید** متعین ہو جائے گا۔

اگر کلام میں مفعول بہ موجود نہیں اور اس کے علاوہ جو مفاعیل ہیں وہ نائب فاعل بن سکتے ہیں، تو کسی کو ترجیح نہیں دیں گے، بلکہ سب کے سب برابر ہوں گے۔

  

قاعدہ

وَالْاَوَّلُ مِنْ بَابِ اَعْطَيْتُ اَوْلٰی مِنَ الثَّانِیْ۔

ترجمہ: اور باب اعطیت کا مفعول اول (نائب فاعل بنائے جانے کا) مفعول ثانی سے زیادہ مستحق ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: باب اعطیت، متعدی بدو مفعول کے پہلے دو مفعولوں کو نائب فاعل بنایا جا سکتا ہے، پھر ان میں سے بھی پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا اولیٰ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے کہ باب اعطیت کے مفعول اول کو نائب فاعل بنانا زیادہ بہتر ہے، دوسرے مفعول کے مقابلے میں۔

سوال: باب اعطیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: باب اعطیت سے مراد یہ وہ فعل ہے جو متعدی بدو مفعول ہو اور مفعول اول، مفعول ثانی کا غیر ہو، ان دونوں کے درمیان اتحاد نہ ہو جیسے اعطیت زیدا درھما اس مثال میں زیدا مفعولِ اول ہے اور درھما مفعول ثانی ہے، ان دونوں کے درمیان اتحاد نہیں، بلکہ زیدا اور درھم دونوں کی ذات الگ الگ ہے۔

سوال: باب اعطیت کا مفعولِ اول، مفعول ثانی کے مقابلے میں نائب فاعل بننے میں اولیٰ کیوں ہے؟

جواب: باب اعطیت کے مفعول اول میں فاعلیت کے معنی ہے اور مفعول ثانی

میں فاعلیت کے معنی نہیں ہے جیسے اعطیت زیدا درھما (میں نے زید کو درہم دیا) تو زید میں فاعل بننے کی صلاحیت ہے، لیکن درھم میں فاعل بننے کی صلاحیت نہیں ہے، زید میں اخذ کی صلاحیت ہے اور درھم میں ماخوذ کی صلاحیت ہے، اس لئے باب اعطیت کے مفعول اول کا نائب فاعل بننا بہتر ہے، مفعول ثانی کے مقابلے میں۔

مبتدا اور خبر کا بیان

وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الْاِسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ مُسْنَدًا اِلَيْهِ۔

ترجمہ: اور مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں۔ پس مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، درانحالیکہ مسند الیہ ہو۔

مختصر تشریح

مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر کو بیان کرنا ہے، مبتدا کی تعریف: (الف) مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور اس کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو، جیسے زید قائم میں زید مبتدا ہے، کیونکہ اس کی طرف قیام منسوب کیا گیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات میں سے مبتدا کو بیان کرنا ہے۔

سوال: فاعل کو جہاں بیان کیا و منه الفاعل کہا اور یہاں و منها المبتدا کہا یعنی مؤنث کی ضمیر لائے؟

جواب: مصنفؒ اس بات کو بتانا چاہتے ہیں کہ ضمیر کو المرفوعات کے مدلول،

مرفوع کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں اور نفس مرفوعات کی طرف بھی، جب مدلول کی طرف لوٹائیں گے تو ضمیر مذکر اور نفس مرفوعات کی طرف لوٹائیں گے تو مؤنث کی ضمیر لانا صحیح ہوگا۔

سوال: مبتدا اور خبر کو ایک عنوان کے تحت کیوں ذکر کیا؟

جواب: (۱) مبتدا اور خبر کے درمیان تلازم کی نسبت ہے، جہاں مبتدا ہوگا، وہاں خبر ہوگی اور جہاں خبر ہوگی وہاں مبتدا ہوگا۔

جواب: (۲) مبتدا اور خبر دونوں مشترک ہیں اس بات میں کہ دونوں کا عامل، عامل معنوی ہوتا ہے۔

سوال: مبتدا کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مبتدا، وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، اور وہ اسم مسند الیہ ہو جیسے زید قائم میں زید اسم ہے، عامل لفظی سے خالی ہے اور مسند الیہ ہے، اس میں قائم کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے، لہذا زید مبتدا ہے۔

سوال: مبتدا کی تعریف جامع نہیں ہے، کیونکہ ان تصوموا خیر لکم میں ان تصوموا مبتدا ہے، لیکن اسم نہیں؟

جواب: مبتدا کا اسم ہونا عام ہے، خواہ حقیقۃً ہو یا تاویلاً ہو اور مثال مذکورہ میں اَن مصدریہ کے سبب، مبتدا بتاویل مصدر اسم ہے ای صیامکم خیر لکم۔

سوال: مبتدا کی تعریف اب بھی مانع نہیں، کیونکہ کبھی کبھی فعل بھی مبتدا ہوتا ہے۔ جیسے یہ شعر ہے:

تسمع المعیدی خیر من ان تراہ و ستعرف قدرہ ان فتح فاہ

ترجمہ: معیدی کو سننا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے اور عنقریب تو پہچان لے گا اس کی قدر اگر وہ اپنا منہ کھولے۔

اس شعر میں تسمع فعل ہے جو مبتدا ہے حالانکہ مبتدا اسم ہوتا ہے؟

جواب: اس جگہ ان تسمع المعیدی ہے اور اَنْ ناصبہ مقدر ہے، لہذا مبتدا

بتاویل مصدر اسم ہے اب کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

فائدہ: معیدی، ایک شخص تھا جو بظاہر اچھا تھا مگر معاملے کے وقت بُرا تھا، اب یہ ہر ایسے آدمی کے حق میں مثل ہو گیا جو بظاہر اچھا ہو مگر معاملے کے وقت برا ہو۔

سوال: مصنف نے المجرد کا صیغہ استعمال کیا، جس کے معنی خالی کیا ہوا، اب مبتدا کی تعریف یہ ہوگی ''مبتدا'' وہ اسم ہے جو خالی ہو عامل لفظی سے، مطلب یہ ہوگا کہ عامل لفظی لایا جائے پھر خالی کیا جائے، حالانکہ نحویوں کے نزدیک ابتدا ہی سے عامل معنوی ہوتا ہے؟

جواب: عبارت میں المجرد بمنزلۂ ضَیِّقُ فم البئر کے ہے، اہل عرب اس وقت اس کا استعمال کرتے ہیں جب کنویں کا منھ ابتدا ہی سے تنگ رکھنا ہو، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پہلے کنویں کا منھ چوڑا کرو پھر تنگ کرو، اسی طرح اس جگہ بھی مطلب یہ ہے کہ ابتدا ہی سے عامل لفظی سے خالی ہو نہ کہ داخل کر کے دور کیا جائے۔

سوال: العوامل جمع کا صیغہ استعمال کیا، جو تین سے زیادہ پر دلالت کرتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ مبتدا ایسے اسم کو کہتے ہیں جو تین عامل سے خالی ہو، اگر ایک عامل یا دو عامل سے خالی ہو تو مبتدا نہیں ہوگا؟

جواب: العوامل پر الف لام جنس کا ہے اور الف لام جنس کا جب جمع پر دخول ہوتا ہے تو اس کی جمعیت کو ختم کر دیتا ہے اور چونکہ جنس میں قلیل و کثیر دونوں مراد لیا جا سکتا ہے، چاہے عامل ایک ہو یا زیادہ ہو، اس کو مبتدا کہا جائے گا۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: پس المجرد عن العوامل اللفظیہ کی قید لگا کر حروف مشبہ بالفعل کے اسم کو، ما اور لا کے اسم کو اور افعال ناقصہ کے اسم اور باب علمتُ کے مفعول اور اَعلمتُ کے مفعولِ ثانی کو خارج کر دیا، اس لئے کہ ان تمام میں عامل لفظی ہوتا ہے۔ مسند الیہ کی قید لگا کر خبر اور مبتدا کی دوسری قسم کو خارج کر دیا، اس لئے کہ وہ تو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں، لیکن مسند الیہ نہیں ہوتے۔

أَوِ الصِّفَةُ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ أَوْ أَلِفِ الْإِسْتِفْهَامِ رَافِعَةً لِظَاهِرٍ مِثْلُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَمَا قَائِمٌ نِ الزَّيْدَانِ وَأَقَائِمٌ نِ الزَّيْدَانِ۔

ترجمہ: درآنحالیکہ وہ کسی اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو، جیسے زید قائم (زید کھڑا ہے) ماقائم الزیدان (دو زید کھڑے نہیں ہے) اور اقائم الزیدان (کیا دو زید کھڑے ہیں؟)

مختصر تشریح

مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف: وہ ایسا صفت کا صیغہ ہو جو حرف نفی یا ہمزۂ استفہام کے بعد آیا ہو، اور وہ اپنے بعد آنے والے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ جیسے ما قائم الزیدان (دو زید کھڑے نہیں) اور اقائم الزیدان (کیا دو زید کھڑے ہیں؟)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مبتدا کی دوسری قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ صفت واقع ہو (صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ وغیرہ ہے) اور ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہو اور وہ صفت کا صیغہ اس اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے ماقائم الزیدان اور أقائم الزیدان۔

فائدہ: (۱) صفت سے عام مراد ہے، حقیقۃً صفت ہو یا قائم مقام کے ہوں جیسے اقریشی زید۔ (۲) اسم ظاہر بھی عام ہے، خواہ حقیقۃً اسم ظاہر ہو یا حکماً اسم ظاہر ہو، اول کی مثال اوپر مذکور ہو چکی ہے، دوسرے کی مثال جیسے أراغب انت میں انت ہے۔

سوال: صفت کا ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہونے کی قید کیوں لگائی؟

جواب: صفت کا ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہونے کی قید اس لئے

لگائی کہ صفت کا وجود بغیر سہارے کے نہیں ہوسکتا ہے اور حرف نفی اور ہمزۂ استفہام صفت کو سہارا دیتے ہیں، اس لئے دونوں کی قید لگائی۔

فائدہ: (۱) حرف نفی سے ما اور لا مراد ہے۔ (۲) اگر صفت کا صیغہ ہمزۂ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع نہ ہو تو مبتداء کی قسم ثانی نہیں بنے گا جیسے قائم زید اس میں قائم کی اسناد تو زید کی طرف پائی گئی، لیکن حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع نہیں ہے۔

فَإِنْ طَابَقَتْ مُفْرَدًا جَازَ الْأَمْرَانِ۔

ترجمہ: پس اگر صیغۂ صفت، مفرد کے مطابق ہو تو وہاں دوصورتیں جائز ہیں۔

مختصر تشریح

اگر صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں، تو دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں: (۱) صفت کا صیغہ مبتدا اور اس کا مابعد فاعل، قائم مقام خبر (۲) صفت کا صیغہ خبر مقدم اور اس کا مابعد مبتدا مؤخر۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں تو دو ترکیبیں جائز ہیں: (۱) صفت مبتدا ہو اور اس کے بعد اسمِ ظاہر، بمنزلۂ خبر کے ہو۔ (۲) صفت خبر مقدم ہو اور اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو۔

سوال: فان طابقت مفردا میں مفردا کی قید اتفاقی ہے یا احترازی؟

جواب: ان طابقت مفردا میں مفردا کی قید احترازی ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ ترکیب کی یہ دوصورتیں جو مذکور ہوئیں اس وقت جائز ہیں جب صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں اور صفت اور اسم ظاہر میں مطابقت تو ہو لیکن مفرد ہونے میں نہیں بلکہ دونوں

تثنیہ ہوں یادونوں جمع ہوں جیسے اقائمان الزیدان، اقائمون الزیدون، اس میں صرف ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو اور صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو، چنانچہ اقائمان الزیدان میں الزیدان مبتدا مؤخر اور قائمان خبر مقدم ہے اور اقائمون الزیدون میں الزیدون مبتدا مؤخر اور قائمون خبر مقدم ہے۔

سوال: اقائمان الزیدان، اقائمون الزیدون میں ایک ہی صورت کیوں جائز ہے، دوسری صورت کہ صفت کا صیغہ مبتدا ہو اور اسم ظاہر خبر ہو، کیوں جائز نہیں؟

جواب: اقائمان الزیدان، اقائمون الزیدون میں ایک ہی صورت جائز ہے، دوسری صورت اس لئے جائز نہیں کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

اور اگر صفت اور اسم ظاہر میں سرے سے مطابقت ہی نہ ہو بلکہ مخالفت ہو اس طرح کہ صفت کا صیغہ تو مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو جیسے اقائم الزیدان، اقائم الزیدون تو اس میں فقط ایک ہی صورت جائز ہے وہ یہ کہ اسم ظاہر، صفت کا فاعل ہو کر قائم مقام خبر ہوگا اور صفت، بمنزلہ مبتدا ہوگی۔

سوال: اقائم الزیدان، اقائم الزیدون میں ایک ہی صورت کیوں جائز ہے، دوسری صورت کہ صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو اور اسم ظاہر، مبتدا مؤخر ہو، کیوں جائز نہیں؟

جواب: اقائم الزیدان، اقائم الزیدون میں ایک ہی صورت کیوں جائز ہے، دوسری صورت اس لئے جائز نہیں کہ اس صورت میں ضمیر اور مرجع میں مطابقت باقی نہیں رہے گی، کیونکہ ضمیر مفرد ہوگی اور مرجع تثنیہ یا جمع ہوگا۔

خبر کی تعریف

وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ-

ترجمہ: اور خبر وہ اسم ہے جو (عوامل لفظیہ سے) خالی ہو، مسند اور مذکورہ صیغہ صفت کے مغائر ہو۔

مختصر تشریح

خبر کی تعریف: خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور اس کو کسی دوسری چیز کی طرف منسوب کیا گیا ہو اور مبتدا کی دوسری تعریف میں جس صیغۂ صفت کا ذکر ہے، اس کے علاوہ ہو کیونکہ وہ بھی مسند بہ ہوتی ہے مگر مبتدا ہوتی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد خبر کی تعریف بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے، جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے اور مسند ہو جیسے زید قائم میں قائم۔

سوال: مسند، اسناد سے مشتق ہے اور اسناد براہ راست متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند کو باء کے ساتھ متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟

جواب: مسند کا باء کے ساتھ متعدی ہونا اس لئے ہے کہ مسند وقوع کے معنی کو شامل ہے اور چونکہ وقوع باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند جو وقوع کے معنی کو شامل ہے، وہ بھی باء کے ساتھ متعدی ہوگا۔

سوال: مبتدا خبر کا عامل ہے اور خبر مبتدا کا عامل ہے، پس یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ مبتدا اور خبر ایسے اسم ہیں جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں تین مذہب ہیں: (۱) مبتدا خبر کا عامل ہے اور خبر مبتدا کا۔ (۲) مبتدا کا عامل معنوی ہے اور خبر کا عامل مبتدا ہے۔ (۳) مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہوتا ہے مصنف کے نزدیک یہی تیسرا مذہب مختار ہے۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: چنانچہ هو المجرد جنس ہے، المسند به فصل اول ہے جس سے مبتدا کی قسمِ اول خارج ہوگئی اور المغائر للصفة المذكورة فصل ثانی ہے، جس سے مبتدا کی قسمِ ثانی خارج ہوگئی۔

قاعدہ

وَاَصْلُ الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيْمُ ،وَمِنْ ثَمَّ جَازَ فِيْ دَارِهِ زَيْدٌ وَامْتَنَعَ صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ

ترجمہ: اور مبتدا میں اصل (خبر پر) مقدم ہونا ہے، اسی وجہ سے فی دارہ زید (زید اپنے گھر میں ہے) جائز ہے اور صاحبھا فی الدار ممتنع ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: اصل یہ ہے کہ مبتدا، خبر سے پہلے آئے ، پس فی دارہ زید کہنا درست ہے، کیونکہ ضمیر زید کی طرف لوٹے گی اور وہ اگر چہ لفظاً بعد میں ہے مگر رتبۃً مقدم ہے، اس لئے ضمیر اس کی طرف لوٹ سکتی ہے اور صاحبھا فی الدار کہنا درست نہیں کیونکہ ضمیر کا مرجع لفظاً اور رتبۃً دونوں اعتبار سے مؤخر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مبتدا میں اصل مقدم ہونا ہے۔

سوال: مبتدا اور خبر میں مبتدا کو مقدم کرنا اصل کیوں ہے؟

جواب: (۱) مبتدا اور خبر میں مبتدا کو مقدم کرنا اصل اس لئے ہے کہ مبتدا بمنزلہ موصوف کے ہے اور خبر بمنزلہ صفت کے اور موصوف، صفت پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے مبتدا بھی خبر پر مقدم ہے۔ (۲) مبتدا، عمدۃ البیان ہے اور خبر، عمدۃ الافادۃ ہے۔ بیان اہم ہوتا ہے اور جو چیز اہم ہوتی ہے وہ تقدیم کے لائق اور مناسب ہوتی ہے۔

فائدہ: فعل اور فاعل میں فعل اہم ہے نہ کہ فاعل۔

سوال: فعل اور فاعل میں فعل اہم کیوں ہوتا ہے؟

جواب: فعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور اسم ثبات اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اس لئے جملۂ اسمیہ میں مبتدا کو اور جملہ فعلیہ میں فعل کو مقدم کیا جاتا ہے۔

سوال: فی الدار رجل سے مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: فی الدار رجل سے مصنف کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ فی الدار رجل مثال کیوں جائز ہے، حالانکہ اس میں ضمیر پہلے اور مرجع بعد میں ہے، اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے؟

جواب: مبتدا کی اصل تقدیم ہے، فی دارہ خبر اور رجل مبتدا ہے، فی دارہ رجل میں رجل مبتدا گو لفظوں کے اعتبار سے مؤخر ہے، لیکن رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، اس لئے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا۔

سوال: صاحبھا فی الدار یہ مثال کیوں درست نہیں ہے؟

جواب: لفظاً اور رتبۃً دونوں اعتبار سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، لفظا بھی ضمیر مقدم ہے اور رتبۃً بھی، اس لئے کہ ضمیر مبتدا کے ساتھ ہے اور مبتدا مقدم ہے۔

قاعدہ

وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً إِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْهٍ مَّا مِثْلُ (الف) وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (ب) أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ؟ (ج) مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِّنْكَ (د) شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ (ہ) فِي الدَّارِ رَجُلٌ (و) سَلَامٌ عَلَيْكَ

ترجمہ: اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے جبکہ اس میں کسی طریقہ سے تخصیص کر لی جائے۔

مثلاً (الف) یقینا مؤمن غلام، مشرک سے بہتر ہے۔ (ب) گھر میں مرد ہے یا عورت؟

(ج) کوئی تجھ سے بہتر نہیں ہے۔(د) بڑے شر نے بھونکایا کتے کو۔(ہ) گھر میں مرد ہے۔
(و) آپ پر سلامتی ہو۔

مختصر تشریح

(ا) مبتدا معرفہ ہوتا ہے،لیکن کبھی نکرہ بھی مبتدا بنتا ہے،مگر نکرہ کے مبتدا بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کسی طرح سے تخصیص ہو جائے۔مصنف رحمۃ اللہ نے چھ مثالیں دی ہیں جن میں مختلف طرح سے تخصیص ہوئی ہے،اس لئے ان کا مبتدا بننا درست ہوا ہے۔
(الف) ولعبد الخ اور یقینا مؤمن غلام،مشرک سے بہتر ہے۔اس میں عبد مؤمن مبتدااور خیر من مشرک خبر ہے۔اور عبد کی صفت چونکہ مؤمن آئی ہے اس لئے عموم باقی نہیں رہااور اس کا مبتدا بننا صحیح ہو گیا۔
(ب) أرجل الخ کیا گھر میں مرد ہے یا عورت؟ متکلم جانتا ہے کہ گھر میں کوئی ہے، مگر مرد ہے یا عورت؟ یہ نہیں جانتا،پس اس کی تعیین چاہتا ہے،یہ تخصیص ہوگئی اس لئے رجل مبتدا ہے،ام حرف عطف ہے،امرأۃ کا رجل پر عطف ہے اور فی الدار خبر ہے۔
(ج) ما احد الخ آپ سے بہتر کوئی نہیں،اس میں احد،مبتدا ہے اور خیر،خبر ہے،احد،نکرہ تحت النفی ہے اور نکرہ نفی کے بعد عام ہوتا ہے اور عام فردِ واحد کی طرح ہوتا ہے، یہ تخصیص ہوئی اس لئے نکرہ کا مبتدا بننا درست ہو گیا۔
(د) شر الخ کسی بڑی برائی نے کتے کو بھونکایا،وہ خطرناک انداز میں بھونک رہا تھا، اس وقت انہوں نے یہ جملہ کہا یعنی کوئی خطرناک بات پیش آئی ہے،کتے کے بھونکنے کا انداز اس کی غمازی کررہا ہے،پس شر کی تنوین تعظیم کی ہے،جس سے تخصیص پیدا ہوئی اور نکرہ کا مبتدا بننا درست ہوا۔أھر:فعل ماضی ہے اور ذاناب مفعول ہے،پھر جملہ فعلیہ،خبر ہے۔ناب: کچلیاں،نوکیلے دانت۔
(ہ) فی الدار الخ گھر میں کوئی مرد ہے۔یہاں خبر کی تقدیم سے نکرہ میں تخصیص پیدا

ہوئی، اس لئے اس کا مبتدا بننا درست ہوا۔

(و) سلام علیک الخ میرا آپ کو سلام۔ یہاں یائے متکلم محذوف ہے، اس لئے سلام خاص ہو گیا اور اس کا مبتدا بننا درست ہوا۔

یہ چند مثالیں ہیں، جن میں مختلف طرح سے تخصیص ہوئی ہے، اسی طرح کسی اور طرح بھی تخصیص ہوسکتی ہے۔ غرض کسی بھی طرح سے نکرہ میں تخصیص ہو جائے تو وہ مبتدا بن سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری ہے۔

سوال: مبتدا کا معرفہ ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: مبتدا محکوم علیہ اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور محکوم علیہ کہتے ہیں جس پر حکم لگایا جائے اور کسی چیز پر حکم لگانا اسی وقت درست ہوگا جبکہ وہ ذاتِ معینہ ہو، اس لئے کہ اگر ذاتِ غیر معینہ ہو تو حکم لگانا بے سود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: مبتدا جب نکرہ ہو تو تخصیص ضروری ہے ورنہ مبتدا بننا صحیح نہیں ہوگا۔

سوال: تخصیص کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، مصنفؒ نے چھ صورتیں بیان کی اور صاحبِ تسہیل نے ۹، اور الفیہ کے حاشیہ میں ۱۹ صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

سوال: مصنف نے چھ کونسی بیان کی؟

جواب: مصنف نے چھ بیان کی جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) صفت کی وجہ سے۔ (۲) متکلم کے علم کے اعتبار سے۔ (۳) نکرہ تحت النفی واقع ہونے کے اعتبار سے۔ (۴) فاعل جیسی تخصیص، بعض نے کہا صفتِ مقدرہ کی وجہ سے۔ (۵) تقدیم خبر کی وجہ سے۔ (۶) متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔

سوال: تخصیص اور تعمیم میں تضاد ہے پس کیسے تخصیص تعمیم سے حاصل ہوگی؟

جواب: تخصیص کے دو معنی ہیں، تخصیص بمعنی قطع شرکت اور دوسرے تخصیص بمعنی رفع ابہام اور یہاں تخصیص سے دوسرے معنی مراد ہے جو تعمیم کے منافی نہیں ہے۔

سوال: صفت کی وجہ سے تخصیص کیسے ہوئی؟

جواب: صفت کی وجہ سے تخصیص جیسے ولعبدمومن خیرمن مشرک اس مثال میں عبدٌ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتدا بننا صحیح نہیں ہے۔عبد میں کافر اور مسلمان دونوں داخل ہیں،لیکن مومن کی قید سے کافر کو خارج کردیا تو تخصیص پیدا ہوئی اب اس تخصیص کی وجہ سے اس میں اتنی قوت پیدا ہوجائے گی کہ اسے مبتدا بنانا درست ہوجائے گا۔

سوال: متکلم کے اعتبار سے تخصیص کیسے؟

جواب: متکلم کے اعتبار سے تخصیص جیسے أرجل فی الدار ام امرأة(کیا گھر میں مرد ہے یا عورت)متکلم کو یہ بات معلوم ہے کہ گھر میں مرد یا عورت دونوں میں سے کوئی ایک یقیناً ہے،صرف وہ تعیین چاہتا ہے،اس اعتبار سے تخصیص پیدا ہوگئی تو اس کا مبتدا بنانا درست ہے۔

سوال: نکرہ،نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے تخصیص کیسے؟

جواب: نکرہ،نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے تخصیص جیسے و ما احد خیر منک (آپ سے بہتر کوئی نہیں)اس میں احد مبتدا ہے اور خیر خبر ہے احد نکرہ ماحرف نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے عام ہوتا ہے اور عام بمنزلۂ مفرد اور خاص ہوتا ہے،اس طرح تخصیص پیدا ہوئی،اس لئے نکرہ کا مبتدا بنانا درست ہوگیا۔

سوال: فاعل جیسی تخصیص کیسے؟

جواب: فاعل جیسی تخصیص جیسے شر اھر ذاناب(کسی بڑی برائی نے کتے کو بھونکایا)

اس مثال میں شر مبتدا ہے،اھر ذاناب اس کی خبر ہے،مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری ہے اور شر معرفہ نہیں ہے،تو مبتدا بننا صحیح نہیں ہے لیکن اس میں فاعل جیسی تخصیص پائی گئی۔

سوال: فاعل جیسی تخصیص کا کیا مطلب؟

جواب: فاعل جیسی تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ شر اھر ذاناب دراصل ما اھر ذا ناب الا شر ہے اور ما اھر ذاناب الا شر اصل میں اھر شر ذاناب ہے، شر کو اھر پر مقدم کر دیا، اس اعتبار سے تخصیص پائی گئی، اب مبتدا بننا درست ہو جائے گا۔

سوال: فاعل جیسی تخصیص کیوں کہا، فاعل کی تخصیص کیوں نہیں کہا؟

جواب: اھر شر ذاناب میں شر یہ اھر کا فاعل نہیں ہے، بلکہ اھر میں جو ضمیر ہے وہ اھر کا فاعل ہے اور شر اس کی ضمیر سے بدل ہے اور بدل بمنزلۂ فاعل کے ہوتا ہے، یہاں مقدم ضمیر کو نہیں کیا، بلکہ شر کو کیا ہے، اس لئے فاعل جیسی تخصیص کی قید لگائی۔

فائدہ: دوسری تقریر شر اھر ذاناب (شر نے بھونکایا کتے کو) کتے کا بھونکنا دو قسم کا ہوتا ہے (۱) معتاد (۲) غیر معتاد۔ معتاد کا مطلب کتے کا بھونکنا عادۃً ہو، تو دو صورتیں ہیں:

(۱) کتے کا عادۃً بھونکنا کسی شر کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خیر کی وجہ سے، اس جگہ شر کی قید لگا کر خیر کو خارج کر دیا تو تخصیص پائی گئی۔

غیر معتاد کا مطلب کتے کا بھونکنا عادۃً نہ ہو، صرف شر کی وجہ سے ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں (۱) عظیم (۲) حقیر شر اھر ذاناب میں شر سے شرِ عظیم مراد ہے، بڑے شر نے کتے کو بھونکایا اس سے شرِ حقیر خارج ہو گیا۔ شر میں تنوین تعظیم کی ہے۔

سوال: تقدیمِ خبر کی وجہ سے تخصیص؟

جواب: تقدیمِ خبر کی وجہ سے تخصیص جیسے فی الدار رجل میں تقدیم ماحقه تاخیر بقید الحصر و التخصیص کے اعتبار سے اس میں تخصیص ہوئی مبتدا بننا درست ہو جائے گا۔

سوال: متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص کیسے؟

جواب: اس کی دو تقریریں ہیں: (۱) متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص جیسے سلام علیک (میرا آپ کو سلام) سلامی علیک، یاءِ متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے تخصیص پیدا ہو گئی، لہٰذا مبتدا بننا درست ہے۔

(۲) فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص جیسے سلام علیک اس میں سلام مبتدا ہے، جو نکرہ ہے اور فعلِ مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے مخصوص ہے، کیونکہ اس جملہ کی اصل سلمت سلاما علیک ہے، مفعول مطلق کا فاعل وہی ہوتا ہے، جو اس کے فعل کا فاعل ہوتا ہے اس لئے سلاما مفعول مطلق کا فاعل وہی ہے جو سلمت فعل کا فاعل ہے، اختصار کے لئے فعل کو حذف کر دیا گیا تو سلاما علیک باقی رہا، پھر دوام واستمرار کی خاطر نصب سے عدول کر کے رفع دیا گیا تو سلام علیک ہوگیا، لیکن سلام چونکہ فعل مقدر سلمت کے فاعل کی طرف منسوب ہے، اس لئے سلام علیک گویا ایسا ہے جیسے کہا جائے سلامی علیک فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص کی۔

دوسری مثال ویل لک ہے، اصل میں هلکت ویلا لک تھا، اس میں ویلا مفعول مطلق ہے مگر فعل مذکور کے لفظ سے نہیں ہے جیسے قعدت جلوسا میں جلوسا مفعول مطلق ہے۔

فائدہ: سیبویہ کے مذہب میں دو جگہ تخصیص کے بغیر نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے، ایک یہ کہ نکرہ استفہام کو متضمن ہو جیسے من ابوک اور ایک یہ کہ نکرہ افعل التفضیل ایسے جملۂ اسمیہ میں مبتدا ہو جو جملۂ اسمیہ صفت ہو جیسے جاء نی رجل افضل منه ابوه پہلی مثال میں من استفہامیہ نکرہ ہے اور مبتدا ہے اور دوسری مثال میں افضل نکرہ ہے اور مبتدا ہے جس کی خبر ابوه ہے اور مبتدا اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے، جس کا موصوف رجل ہے۔

قاعدہ

وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُوْنُ جُمْلَةً مِثْلُ زَيْدٌ اَبُوْهُ قَائِمٌ وَزَيْدٌ قَامَ اَبُوْهُ فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ وَقَدْ يُحْذَفُ۔

ترجمہ: اور خبر کبھی جملہ ہوتی ہے جیسے زید ابوه قائم (زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے) زید قام ابوه (زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے) پس (اس صورت خبر میں) کسی عائد کا ہونا ضروری ہے۔ اور کبھی عائد کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: خبر کبھی جملہ اسمیہ ہوتی ہے، جیسے زید ابوہ قائم۔ زید کہ اس کا باپ کھڑا ہونے والا ہے۔ زید ابوہ قائم میں زید مبتدا، ابوہ قائم خبر، مبتدا خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوکر زید کی خبر۔ اور خبر کبھی جملۂ فعلیہ ہوتی ہے، جیسے زید قام ابوہ (زید اس کا باپ کھڑا ہوا)۔ قام ابوہ فعل فاعل مل کر جملۂ فعلیہ ہوکر زید کی خبر ہے اور جب جملہ خبر ہو تو ضروری ہے کہ اس میں کوئی ضمیر وغیرہ ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے اور یہ عائد کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے، جبکہ قرینہ موجود ہو البر الکر بستین درھما (گیہوں کہ اس کا ایک کر ساٹھ درہم میں ہے)۔ یہاں منه پوشیدہ ہے، کیونکہ گیہوں کا تاجر گیہوں کا ہی بھاؤ بتائے گا کسی اور کا نہیں۔

فائدہ: عائد ضمیر کے علاوہ الف لام عہدی بھی ہوتا ہے، ضمیر کی جگہ اسم ظاہر بھی لایا جاتا ہے اور خبر مبتدا کی تفسیر ہو تو یہ بھی عائد کے قائم مقام ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے کہ جس طرح خبر مفرد کی شکل میں بھی آتی ہے اسی طرح خبر جملۂ خبریہ کی شکل میں بھی آتی ہے جیسے زید قائم میں زید مبتدا ہے اور قائم خبر ہے، یہاں خبر، مفرد ہے اور زید قام ابوہ اور زید ابوہ قائم میں زید مبتدا ہے اور قام زید اور ابوہ قائم خبر ہے، جو جملہ کی شکل میں ہے۔

سوال: مصنفؒ نے جملة کو مطلق کیوں ذکر کیا؟

جواب: مصنفؒ نے جملة کو مطلق اس لئے ذکر کیا کہ جمہور کے نزدیک جس طرح جملہ خبریہ، خبر بن سکتا ہے، اسی طرح جملہ انشائیہ بھی خبر بن سکتا ہے، البتہ ابن الانباری اور کوفیین کے نزدیک جملہ خبریہ کا مبتدا کی خبر بننا درست ہے البتہ جملہ انشائیہ مبتدا کی خبر نہیں بن سکتا۔

سوال: مبتدا کی خبر جب جملہ بنے گا، اس کی کوئی شرط ہے یا مطلقاً؟

جواب: جملہ جب مبتدا کی خبر بنے گا تو جملہ میں عائد کا ہونا ضروری ہے، عائد سے مراد رابط ہے جو جملہ کو مبتدا کے ساتھ ملا دے۔

سوال: مبتدا کی خبر جملہ کی شکل میں ہو تو عائد کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: مبتدا کی خبر جملہ کی شکل میں ہو تو عائد کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ جملہ فی نفسہ مستقل ہوتا ہے کسی کا محتاج نہیں ہوتا، اس جگہ اس کو خبر بنانا ہے اس لئے ربط کی ضرورت پڑ یگی اور وہ عائد اور رابط ہے۔

سوال: عائد اور رابط کتنے ہیں؟

جواب: رابط و عائد کل چار ہیں: (۱) ضمیر جیسے زید ابوہ قائم اور زید قام ابوہ میں ہاء ضمیر۔ (۲) وضع المظهر موضع المضمر: اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لانا جیسے القارعة ما القارعة، الحاقة ما الحاقة یہاں اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لائے۔ (۳) الف لام زائد جیسے نعم الرجل زید اس میں الرجل میں الف لام زائد ہے۔ (۴) مبتدا کی خبر کے لئے تفسیر واقع ہو جیسے قل هو الله احد میں هو مبتدا ہے الله احد تفسیر ہے۔

کبھی کبھی عائد اور رابط کو حذف کر دیا جاتا ہے، جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے البر الکر بستین درهما اصل میں عبارت ہے البر الکر منه بستین درهما اسی طرح السمن منوان بدرهم اصل میں ہے السمن منوان منه بدرهم، اس لئے کہ یہاں پر قرینہ حالیہ ہے کہ گھی اور گیہوں فروخت کرنے والا انہیں چیزوں کا بھاؤ تاؤ کرے گا جس کو فروخت کر رہا ہے، دوسری چیزوں کا نہیں۔

قاعدہ

وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا فَالْاَكْثَرُ عَلٰى اَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِجُمْلَةٍ۔

ترجمہ: اور جو خبر ظرف واقع ہو تو اکثر نحویین اس طرف (گئے) ہیں کہ اس کو (فعل مقدر مان کر) جملہ کی تاویل میں کیا جائے گا۔

مختصر تشریح

قاعدہ: خبر، اگر ظرف زمان یا ظرف مکان یا جار مجرور ہو تو اکثر نحوی حضرات بصریین اس کو جملہ بناتے ہیں اور فعل مقدر مانتے ہیں۔ کوفیین اسم فاعل وغیرہ مقدر مانتے ہیں اور مفرد بناتے ہیں جیسے زید فی الدار کی تقدیر بصریوں کے نزدیک زید استقر فی الدار ہے، اور کوفیوں کے نزدیک زید ثابت فی الدار ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب ظرف خبر واقع ہو تو اکثر لوگوں (بصریین) کے نزدیک ظرف جملہ کی تاویل میں ہوگا جار مجرور جملہ (فعل) کے متعلق ہوگا۔

سوال: ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کا متعلق ظرف میں عامل ہوگا اور عمل میں فعل اصل ہے کیونکہ فعل عمل کے لئے ہی وضع کیا گیا ہے، پس جب تقدیر واجب ہو رہی ہو تو اصل فعل کو مقدر ماننا زیادہ بہتر ہے، یہ بصریوں کی رائے ہے، جو مصنفؒ کے نزدیک مختار ہے۔ اور کوفی حضرات ظرف کو شبہ فعل (اسم فاعل) کے متعلق کرتے ہیں۔

سوال: ان کی دلیل کیا ہے؟

جواب: ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف، محل خبر میں ہے اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے اور مفرد کی رعایت تبھی ہوگی، جب ظرف کو شبہ فعل کے متعلق کیا جائے۔

فائدہ: (الف) چار فعل جن کو مقدر مانا جاتا ہے (۱) وُجُوْدٌ (۲) ثُبُوْتٌ (۳) کَوْنٌ (۴) حُصُوْلٌ۔

(ب) ظرف کی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف مستقر (۲) ظرف لغو۔

ظرف مستقر: اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل (یعنی متعلق) محذوف ہو۔

سوال: ظرف مستقر کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: ظرف مستقر کی وجہ تسمیہ یہ ہے، یہ ظرف عامل محذوف کے قائم مقام ہو تا ہے، گویا یہ ظرف عامل کی جگہ میں مستقر ہوتا ہے۔

سوال: ظرف لغو کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظرف لغو اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل (یعنی متعلق) مذکور ہو۔

سوال: ظرف لغو کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: ظرف لغو کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظرف عمل سے خالی ہو کر لغو ہو جا تا ہے، جیسے لا زید فی الدار و لا بکر میں لا ملغی ہے۔

قاعدہ

وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ (الف) مُشْتَمِلًا عَلٰى مَالَهُ صَدَرُ الْكَلَامِ مِثْلُ مَنْ أَبُوكَ؟ (ب) أَوْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ (ج) أَوْ مُتَسَاوِيَيْنِ، نَحْوُ أَفْضَلُ مِنْكَ أَفْضَلُ مِنِّيْ (د) أَوْ كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا لَهُ مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ وَجَبَ تَقْدِيْمُهُ

ترجمہ: اور جب مبتدا ایسی چیز پر مشتمل ہو جس کے لئے صدارت کلام ہے جیسے من ابوک ؟ (کون ہے تیرا باپ؟) (ب) یا مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں (ج) یا دونوں برابر ہوں جیسے افضل منک افضل منی (تجھ سے افضل، مجھ سے افضل ہے) (د) یا خبر مبتدا کا فعل ہو جیسے زید قام (زید کھڑا ہے)۔ تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: چار صورتوں میں مبتدا کو خبر سے پہلے لانا ضروری ہے: (ا) جب مبتدا ایسے لفظ پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہو، جیسے حرف استفہام جو کلام کے شروع ہی میں آ سکتا ہے جیسے من ابوک؟ تیرا باپ کون ہے؟ اس میں من مبتدا اور ابوک خبر ہے۔

(۲) جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور مبتدا کی تعیین کا کوئی قرینہ نہ ہو، جیسے **زید المنطلق** (زید چلنے والا ہے یا چلنے والا زید ہے)۔ اس میں دونوں معرفہ ہے اور دونوں مبتدا بن سکتے ہیں ایسی صورت میں مبتدا کو پہلے لانا ضروری ہے پس ترجمہ ہوگا: زید چلنے والا ہے، دوسرا ترجمہ نہیں ہوگا۔

(۳) مبتدا اور خبر دونوں تخصیص میں برابر ہوں جیسے **افضل منک افضل منی**، جو شخص تجھ سے بہتر ہے وہ مجھ سے بہتر ہے، اس میں اصل تخصیص میں دونوں برابر ہیں، اس لئے مبتدا کی تقدیم واجب ہے تاکہ التباس نہ ہو۔

(۴) مبتدا کی خبر ایسا کام ہو جو مبتدا سے وجود میں آیا ہو جیسے زید قام، یہاں مبتدا کی تقدیم اس لئے واجب ہے کہ فاعل سے التباس نہ ہو۔ ان چاروں صورتوں میں مبتدا کو پہلے لانا واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان چار مواقع کو بیان کرنا ہے، جہاں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ وہ چار مواقع حسب ذیل ہیں۔

(۱) مبتدا ایسی چیز بنے جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہے۔

سوال: کتنی چیزیں ہیں جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہیں؟

جواب: سات چیزیں ایسی ہیں جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہیں (۱) استفہام جیسے من ابوک۔ (۲) شرط جیسے من یکرمنی فانا اکرمہ اسی طرح من یقتل مومنا متعمدا فجزائه جهنم۔ (پ:۵ النساء) (۳) ضمیر شان جیسے **هو زید منطلق**۔ (۴) مبتدا پر لام ابتداء کا دخول جیسے **لزید منطلق**۔ (۵) تعجب جیسے **مااحسن زید**۔ (۶) نفی جیسے **مازید قائم**۔ (۷) قسم جیسے لعمرک انهم فی سکرتهم یعمهون۔ (پ:۱۴ الحجر)

کسی شاعر نے چھ چیزوں کو ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

شش بود مقتضی صدر کلام   در جمیع فصیح شدن این نظم تمام
شرط و قسم و تعجب و استفہام   نفی و لام ابتدا گشت تمام

سوال: یہ سات چیزیں صدر کلام کا تقاضہ کیوں کرتی ہیں؟

جواب: یہ ساتوں چیزیں جملہ کی نوعیت پر دلالت کرتی ہیں اور جملہ کے لئے عنوان کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے ان کو شروع میں لاتے ہیں تاکہ پہلے سے پتہ چل جائے کہ یہ استفہام ہے یا شرط ہے یا قسم ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو، تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے زید المنطلق میں زید مبتدا ہے اور المنطلق خبر اور دونوں معرفہ ہیں، اس لئے مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب کیوں؟

جواب: مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر مبتدا کو مقدم نہ کیا گیا تو خبر کے ساتھ التباس لازم آئے گا جیسے زید المنطلق میں زید مبتدا ہے اور المنطلق خبر ہے اگر المنطلق زید کہا جائے تو کوئی نادان المنطلق کو مبتدا مانے گا، اس لئے کہ وہ بھی معرفہ ہے، تو التباس سے بچنے کے لئے مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: زید المنطلق اس میں قرینہ موجود ہے، اس لئے کہ ذات کا تعلق زید کے ساتھ ہے اور المنطلق یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے تو ذات اور اسم فاعل صفت دونوں الگ الگ ہیں؟

جواب: زید کا تعلق ذات سے ہے اور المنطلق اسم فاعل، اس کا تعلق ذات سے نہیں، لیکن ذات کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے، جب المنطلق میں ذات مراد لی جائے تو التباس باقی رہے گا۔

(۳) مبتدا اور خبر دونوں کا درجہ تخصیص میں برابر ہو تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے افضل منک افضل منی (جو تجھ سے افضل ہے وہ مجھ سے افضل ہے) افضل منک مبتدا اور افضل منی خبر ہے۔

سوال: افضل منک افضل منی تخصیص کے درجہ میں برابر کیسے ہیں؟

جواب: مبتدا اور خبر دونوں مفضول ہیں اور تیسرا افضل ہے، تو مفضول ہونے میں مبتدا اور خبر دونوں برابر ہیں۔

سوال: افضل منک افضل منی دونوں تخصیص میں برابر نہیں ہے، اس لئے کہ افضل منک میں ضمیر مخاطب اور افضل منی میں ضمیر متکلم ہے اور متکلم کی ضمیر میں ضمیر مخاطب کے مقابلہ میں تخصیص زیادہ ہوتی ہے، تو اس کو مقدم کرنا چاہیئے؟

جواب: یہاں نفس تخصیص کو مراد لیا گیا ہے دونوں کے مفضول ہونے کے اعتبار سے، تخصیص کی کمی اور زیادتی مراد نہیں ہے۔

(۴) مبتدا کی خبر فعل ہو تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے زید قام۔

سوال: مبتدا کی خبر فعل ہو تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب کیوں ہوگا؟

جواب: اگر مبتدا کو مقدم نہ کریں، فعل کو مقدم کریں تو وہ جملہ اسمیہ نہیں رہے گا، بلکہ جملہ فعلیہ ہو جائے گا، جو اصل مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا اور قلب موضوع لازم آئے گا اس لئے کہ جملہ اسمیہ دوام اور اثبات پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدد پر۔ جیسے زید قام۔

فائدہ: مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا دس صورتوں میں واجب ہے، جن میں سے صرف چار صورتوں کو کافیہ میں ذکر کیا گیا ہے، یہ چار صورتیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔

بقیہ چھ صورتیں حسب ذیل ہیں۔

(۵) مبتدا ضمیر شان ہو جیسے هو الله احد (۶) خبر طلب ہو جیسے زید اضربه اور زید هلا ضربته (۷) مبتدا دعاء ہو جیسے سلام علیک اور ویل لزید (۸) مبتدا اما کے بعد واقع ہو جیسے اما زید فمنطلق (۹) مبتدا کم خبریہ ہو جیسے کم من قربته اهلکناها (۱۰) مبتدا الا سے پہلے یا انما کے بعد بلا فصل واقع ہو جیسے ما محمد الا رسول اور انما انت نذیر۔

قاعدہ

(الف) وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبَرُ الْمُفْرَدُ مَالَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ مِثْلُ أَيْنَ زَيْدٌ؟ (ب) أَوْ كَانَ مُصَحِّحًا لَهُ مِثْلُ فِي الدَّارِ رَجُلٌ (ج) أَوْ لِمُتَعَلِّقِهِ ضَمِيرٌ فِي الْمُبْتَدَأِ مِثْلُ عَلَى التَّمَرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا (د) أَوْ كَانَ خَبَرًا عَنْ "أَنَّ" مِثْلُ عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ۔

ترجمہ: (الف) اور جب خبر مفرد ایسے معنیٰ کو متضمن ہو، جس کے لئے صدارت کلام ہے جیسے این زید؟ زید کہاں ہے؟ (ب) یا خبر مبتدا کو صحیح کرنے والی ہو جیسے فی الدار رجل گھر میں مرد ہے (ج) یا خبر کے متعلق کی مبتدا میں ضمیر ہو جیسے علی التمرۃ مثلھا زبدا کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے (د) یا وہ اَن کی خبر ہو جیسے عندی انک قائم میرے نزدیک تیرا کھڑا ہونا ثابت ہے۔ تو خبر کو (مبتدا) پر مقدم کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

(۳) چار صورتوں میں خبر کو پہلے لانا ضروری ہے: (الف) جب خبر مفرد کلمہ ہو اور وہ صدارت کلام کو چاہتا ہو، جیسے این زید؟ زید کہا ہے؟ اس میں این خبر مقدم ہے، کیونکہ وہ حرف استفہام ہے، جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ حرف استفہام کے لئے شروع میں آنا ضروری ہے

(ب) خبر کی تقدیم ہی سے مبتدا کا مبتدا بننا درست ہوا ہو جیسے فی الدار رجل گھر میں کوئی آدمی ہے۔ اس میں رجل نکرہ ہے، وہ اسی وقت مبتدا بن سکتا ہے جب اس کی خبر مقدم ہوا اور تقدیم سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہو۔

(ج) خبر سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی طرف لوٹنے والی ضمیر مبتدا میں ہو جیسے علی التمرۃ مثلھا زبدا کھجور پر اس کے بقدر مکھن ہے، اس میں خبر ثابت علی التمرۃ ہے اور تمرۃ کی طرف لوٹنے والی ضمیر مثلھا میں ہیں جو مبتدا ہے۔ اس صورت میں خبر کی تقدیم اس

لئے ضروری ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

(د) جب أَنَّ اپنے اسم وخبر کے ساتھ مل کر بتاویل مفرد ہو، تو اس کی خبر کی تقدیم ضروری ہے جیسے عندی انک قائم میرے نزدیک یہ بات ہے کہ آپ کھڑے ہیں۔ یہاں اگر مبتدا کو پہلے لائیں گے تو أَنَّ مفتوحہ أِنَّ مکسورہ ہو جائے گا۔ کیونکہ شروع کلام میں أِنَّ مکسورہ ہی آتا ہے، أَنَّ مفتوحہ درمیان کلام میں آتا ہے۔ ان چاروں صورتوں میں خبر کو پہلے لانا واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان مواقع کو بیان کرنا ہے، جہاں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، چار جگہوں میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے (ا) مبتدا کی خبر ایسی چیز پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہے جیسے این زید اس مثال میں زید مبتدا ہے اور این خبر ہے لیکن یہاں پر این کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لئے کہ این استفہام ہے اور استفہام صدارت کو چاہتا ہے۔

سوال: مصنف نے خبر کے ساتھ مفرد کی قید کیوں لگائی؟

جواب: مصنف نے خبر کے ساتھ مفرد کی قید اس لئے لگائی کہ خبر اگر جملہ ہو اور جملہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتی ہے، تو اس کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جملہ کے شروع میں لانا کافی ہوگا جیسے زید من ابوہ اس مثال میں زید مبتدا ہے من ابوہ خبر ہے من استفہامیہ جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ جملہ ہے اور جملہ کے شروع میں مَن لاتے ہیں جو صدارتِ کلام کا تقاضا کرتا ہے اس لئے یہاں مبتدا (زید) پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔

سوال: مصنف نے این زید کی مثال قائم کی، این مفرد نہیں ہے اس لئے کہ این ظرف ہے اور اکثر حضرات ظرف کا متعلق جملہ کو مانتے ہیں پھر تو مثال درست نہیں ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد، مفرد سے صورۃً مراد ہے اور این صورۃً مفرد ہے۔

او کان مصححا له الخ

(۲) مبتدا کی خبر، مبتدا کے لئے تصحیح کرنے والی ہوتو مبتدا پر خبر کو مقدم کرنا واجب ہوگا، جبکہ مبتدا نکرہ ہو اور اس کی خبر ظرف کے قبیل سے ہو، جیسے **فی الدار رجل** مبتدا اور خبر کو مقدم و مؤخر کر دیا تو اس میں تخصیص پیدا ہوگئی لہذا مبتدا کو مؤخر کرنا واجب ہوگا۔

او لمتعلقه

(۳) خبر کے متعلق کی ضمیر مبتدا میں موجود ہوتو خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے **علی التمرة مثلها زبدا** (کھجور پر کھجور کے مانند مسکہ ہے) اس مثال میں **علی التمرة** خبر ہے **مثلها** مبتدا ہے **زبدا** تمیز ہے **مثلها** سے۔

دیکھئے اس مثال میں **مثلها** مبتدا میں ضمیر ہے مونث کی جو **تمرة** کی طرف لوٹتی ہے اور **تمرة** خبر کا ایک جز ہے، خبر نہیں ہے، لہذا خبر کو **مثلها** پر مقدم کیا، اگر مقدم نہ کریں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

سوال: مصنفؒ کا یہ قول غلط ہے کہ مبتدا میں کوئی ایسی ضمیر ہو جس کا مرجع خبر سے تعلق رکھنے والا کوئی لفظ ہوتو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، کیونکہ بولا جاتا ہے **علی اللہ عبدہ متو کل** اس مقولہ میں **متو کل** خبر ہے اور **عبدہ** مبتدا ہے جس میں ایک ایسی ضمیر ہے جس کا مرجع اسم جلالت (**اللہ**) ہے جو خبر **متو کل** سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ **علی اللہ** جار مجرور مل کر **متو کل** سے متعلق ہے؟

جواب: متعلقِ خبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا تابع ہو کہ اپنے تابع ہونے کی حالت میں خبر پر مقدم نہ ہوسکتا ہو، اس وقت خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ نہیں اور یہاں **علی اللہ** جار مجرور اگرچہ خبر کا متعلق اور تابع ہے، لیکن خبر **متو کل** پر مقدم کرنا صحیح ہے، کیونکہ ظرف اور جار مجرور میں ایسی وسعت ہے کہ عامل پر مقدم ہو جائے تو جب اس کی تقدیم خبر پر جائز ہے تو صرف اتنے حصہ کو مبتدا پر مقدم کریں گے پوری خبر کو مقدم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۴) **اَنَّ** حروف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا

اور اس کی کوئی خبر ہو تو اس صورت میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے عندی انک قائم اس میں اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر مبتدا مؤخر اور عندی اپنے عامل سے مل کر خبر مقدم ہے، اگر اس کو مؤخر کر دیں تو عبارت ہوگی اِنَّک قائم عندی اس میں اَنَّ کے شروع میں آنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اس کو اِن بالکسر سمجھ لے، تو التباس سے بچنے کے لئے اس کا مؤخر ہونا اور خبر کا مقدم ہونا ضروری ہے، اگر تلفظ میں کوئی رعایت کر دے اور اس کو اَنَّ بالفتح پڑھیں تو کتابت میں جو التباس ہوگا اس کا تحفظ نہیں ہو سکتا، اس لئے بہر حال خبر کی تقدیم ضروری ہے۔

فائدہ: خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا دس صورتوں میں واجب ہے، جن میں سے صرف چار صورتیں کافیہ میں مذکور ہیں اور وہ چار صورتیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں، بقیہ حسب ذیل ہیں:

(۵) خبر کا حصر مبتدا ہو جیسے ماقائم الا زیدیا انما قائم زید۔ (۶) فاء جزائیہ داخل ہو جیسے اما عندک فزید۔ (۷) خبر اسم اشارہ مکانی ہو جیسے ثم زید (۸) مبتدا کی خبر کم خبریہ ہو جیسے کم درھم مالک (۹) مبتدا کی خبر کا مضاف الیہ کم خبریہ ہو جیسے صاحب کم غلام انت (۱۰) خبر کی تاخیر مقصود میں مخل ہو۔

قاعدہ

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِثْلُ زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ

ترجمہ: اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے جیسے زید عالم عاقل (زید جاننے والا اور عقلمند ہے)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: خبر کبھی ایک سے زائد آتی ہے، جیسے زید عالم عاقل میں دو خبریں ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ اس عبارت سے اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح مبتدا کی خبر ایک ہوتی ہے اسی طرح مبتدا کی خبر متعدد بھی ہوتی ہے۔

مبتدا کی خبر میں تعدد، دوقسم کا ہوتا ہے (۱) لفظاً اور معنیً تعدد ہوتا ہے (۲) کبھی صرف لفظاً تعدد ہوتا ہے۔ اگر مبتدا کی خبر میں تعدد لفظاً اور معنیً دونوں اعتبار سے ہو تو اس کی دوصورتیں ہیں (۱) حرف عطف کے ساتھ لائیں گے (۲) بلاحرف عطف کے لائیں گے۔

(۱) حرف عطف کے ساتھ جیسے **زید عالم و فاضل و قاری و کاتب و حافظ** لفظوں اور معنوں کے اعتبار سے مفہوم الگ الگ ہے۔

سوال: مصنف نے لفظاً اور معنیً کی تعدد کی وہ صورت جو بلا عطف ہے اس کی مثال تو بیان کی مگر مع عطف کی مثال بیان نہیں کی؟

جواب: مصنف کا مقصود بلاعطف کی مثال بیان کرنا ہے، اس لئے کہ جو تعدد مع عطف ہے، اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے بلکہ مشہور ہے۔

(۲) صرف لفظاً خبر میں تعدد ہو اس کی دوصورتیں ہیں (۱) بلاعطف (۲) مع عطف البتہ بلاعطف بہتر ہے جیسے **هذا حلو حامض**۔ اور مع عطف، بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

قاعدہ

وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ فَيَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ وَذٰلِكَ الْاِسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا مِثْلُ الَّذِيْ يَأْتِيْنِيْ وَفِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ وَكُلُّ رَجُلٍ يَأْتِيْنِيْ أَوْفِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ

ترجمہ: اور کبھی مبتدا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے پس (اس صورت میں) خبر پر فاء کا داخل ہونا صحیح ہے اور وہ اسم موصول ہے جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو یا وہ نکرہ موصوفہ ہے جس کی صفت فعل یا ظرف لائی گئی ہو جیسے **الذی یأتینی او فی الدار فله درهم** (جو شخص میرے

پاس آئے گا یا جو شخص گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے) کل رجل یأتینی او فی الدار فله درهم (ہر وہ شخص جو میرے پاس آئے گا یا ہر وہ شخص جو گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو یعنی شرط کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہو تو خبر پر فاء جزائیہ آسکتی ہے۔ شرط کے معنی سے مراد یہ ہے کہ مبتدا، خبر کا سبب ہو اور اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) مبتدا ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ فعل (جملہ فعلیہ) ہو جیسے الذی یأتنی فله درهم (جو شخص میرے پاس آئے گا، اس کے لئے ایک درہم ہے) اس میں مبتدا اسم موصول الذی ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ یأتینی ہے۔

(۲) مبتدا ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ ظرف (جملہ ظرفیہ مؤول بجملہ فعلیہ ہو) ہو جیسے الذی فی الدار فله درهم (جو شخص گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے) اس میں الذی مبتدا ہے اور اس کا صلہ جملہ ظرفیہ فی الدار ہے جو بصریین کے مذہب میں مؤول بجملہ فعلیہ ہے ای الذی استقر فی الدار فله درهم۔

(۳) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو جیسے کل رجل یاتینی فله درهم۔

(۴) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ مؤول بجملہ فعلیہ ہو جیسے کل رجل فی الدار فله درهم۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس عبارت کے ذریعہ ایک اصول بیان کرنا ہے، وہ یہ

ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتو خبر پر فاء کا داخل کرنا جائز ہے۔

سوال: مبتدا میں شرط کے معنیٰ پائے جانے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: مبتدا میں شرط کے معنیٰ پائے جانے کی کل آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) مبتدا اسم موصول ہو اس کا صلہ جملۂ فعلیہ ہو جیسے **الذی یأتینی فلہ درھم** (جو میرے پاس آئے گا اس کو ایک درہم دوں گا) اس مثال میں **الذی** اسم موصول ہے اس کا صلہ **یاتینی** جملۂ فعلیہ ہے۔

(۲) مبتدا اسم موصول ہو اس کا صلہ اسم ظرف ہو جیسے **الذی فی الدار فلہ درھم** (جو گھر میں ہے اس کے لئے ایک درہم ہے) اس مثال میں **الذی** اسم موصول ہے اور **فی الدار** ظرفیہ ہے۔

(۳) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی صفت اسم موصول ہو اور اس کا صلہ جملۂ فعلیہ ہو۔

(۴) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی صفت اسم موصول ہو اور اس کا صلہ جملۂ ظرفیہ ہو۔

(۵) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملۂ فعلیہ ہو۔

(۶) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملۂ ظرفیہ ہو۔

(۷) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے اور اس نکرہ کی صفت جملہ فعلیہ ہو۔

(۸) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے اور اس نکرہ کی صفت جملہ ظرفیہ ہو۔

نوٹ: اسی طرح مبتدا ایسا موصوف ہو کہ جس کی صفت ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو جیسے **ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم** اس مثال میں **الذی تفرون منہ** موصول صلہ سے مل کر **الموت** کی صفت ہے (یہ صورت متن میں مذکور نہیں ہے، البتہ ملحوظ ہے)۔

سوال: مبتدا اگر شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتو خبر میں فاء کیوں لائی جاتی ہے؟

جواب: شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتو خبر میں فاء اس لئے لائی جاتی ہے، تاکہ مبتدا کی مشابہت فعل کے ساتھ ہوجائے۔

سوال: مصنفؒ نے فیصح دخول الفاء کیوں لکھا، فیجب دخول الفاء فی الخبر کہتے؟

جواب: مبتدا اگر شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتو مطلقاً خبر میں فاء کا لانا واجب نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تین صورتیں ہیں: (۱) ایک صورت میں لانا واجب۔ (۲) دوسری صورت میں نہ لانا واجب۔ (۳) تیسری صورت میں اختیار۔

(۱) فاء کا لانا اس وقت واجب ہوگا جبکہ مبتدا کی دلالت سبب کے معنیٰ پر مقصود ہو۔

(۲) فاء کا نہ لانا واجب اس وقت ہوگا جبکہ مبتدا کی دلالت سبب کے معنیٰ میں مقصود نہ ہو۔

(۳) فاء کے لانے اور نہ لانے میں اختیار اس وقت ہوگا جبکہ دلالت اور عدم دلالت میں سے کوئی مقصود نہ ہو۔ کتاب میں تیسری صورت مراد ہے۔

قاعدہ

وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مَانِعَانِ بِالْاِتِّفَاقِ وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ "اَنَّ" بِهِمَا۔

ترجمہ: اور لیت اور لعل بالاتفاق (خبر پر فاء داخل کرنے سے) مانع ہیں اور بعض نحویوں نے انّ کو (بھی) ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جب مبتدا متضمن معنیٰ شرط پر لیت یا لعل داخل ہوتو پھر خبر پر فاء جزائیہ نہیں آسکتی جیسے لعل، لیت، الذی یأتینی فی الدار فلہ درھم کہنا صحیح نہیں۔

اور بعض نحویوں نے انّ کو بھی لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ اس کی خبر پر بھی

فاء جزائیہ نہیں آسکتی (مگر قرآن میں ہے، جیسے ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ ثم ماتوا وھم کفار فلن یغفر اللہ لھم۔ (محمد ۳۴) اس لئے یہ مذہب ضعیف ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد عبارت سے یہ ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو، لیکن مبتدا میں لیت اور لعل کا استعمال کیا گیا ہو تو خبر پر فاء کا لانا ممتنع ہے۔

سوال: مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو، لیکن مبتدا میں لیت اور لعل کا استعمال کیا گیا ہو تو خبر پر فاء کا لانا ممتنع کیوں ہے؟

جواب: خبر پر فاء کا لانا ممتنع اس لئے ہے کہ لیت تمنی کے لئے آتا ہے اور لعل ترجی کے لئے اور تمنی اور ترجی غیر محکوم علیہ ہے، صدق اور کذب کا تعلق اس کے ساتھ نہیں کیا جاتا اور فاء کا مابعد محض خبر ہوتا ہے، جس میں صدق اور کذب کا احتمال ہے، اگر لیت اور لعل کی خبر بن جائے گا تو اس میں صدق اور کذب کا احتمال باقی نہیں رہے گا۔

و ألحق بعضھم أَنَّ بھما:

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بعض نحاۃ نے لعل اور لیت کے ساتھ اَنَّ کو بھی شامل کردیا ہے، کہ مبتدا پر اَنّ ہو تو اس کی خبر پر فاء کا لانا ممتنع ہے، جیسا کہ امام سیبویہ فرماتے ہیں، لیکن ان کا قول درست نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں فاء کے ساتھ استعمال ہوا ہے جیسے وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ۔ (پ:۱۰)

بعض نحاۃ نے اِنّ کو بھی شامل کیا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں فاء کے ساتھ مستعمل ہے جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ۔ (پ:۳)

سوال: باب کان اور باب علمت میں بھی بالاتفاق مانع ہیں، مصنف نے ان دونوں کو کیوں نہیں بیان کیا؟

جواب: اس کتاب میں تمام موانع کا احاطہ مقصود نہیں ہے، بلکہ حروف مشبہ بالفعل میں جو موانع ہیں، ان کو بیان کرنا ہے۔

سوال: حروف مشبہ بالفعل کی خصوصیت کیا ہے؟

جواب: حروف مشبہ بالفعل میں بڑے درجہ کے نحویوں کا اختلاف تھا، اس لئے اس کو بیان کیا گیا۔

بعض حضرات نے لکنَّ کو بھی مانع مانا ہے، لیکن ان کا قول بھی درست نہیں ہے، جیسے شاعر کہتا ہے

فَوَ اللّٰہِ مَافَارَقْتُمْ قَالِیًا لَکُمْ   وَلٰکِنَّ مَایَقْضِی فَسَوْفَ یَکُوْنُ نَجْدًا

ترجمہ: خدا کی قسم، میں نے تم سے جدائی کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں کی، لیکن خدا کا فیصلہ ٹل نہیں سکتا، لیکن نصیب میں ایسا ہی تھا، اس مثال میں لکنَّ کے بعد فاء داخل ہے لہذا ان کا قول بھی درست نہیں ہے۔

قاعدہ

وَقَدْ یُحْذَفُ الْمُبْتَدَأُ لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ جَوَازًا کَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ "اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ"۔

ترجمہ: اور کبھی مبتدا کو حذف کر دیا جاتا ہے کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت جوازاً جیسے نیا چاند دیکھنے والے کا قول: الھلال و اللہ (بخدا یہ چاند ہے)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جب قرینہ موجود ہو تو مبتدا کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے چاند دیکھنے والے کا

کہنا: الھلال و اللہ! بخدا! یہ ہے چاند۔ یہاں ھذا مبتدا محذوف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مبتدا کو حذف کرنا جائز ہے۔

سوال: مبتدا کو حذف کرنا کب جائز ہے؟

جواب: مبتدا کو حذف کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ کوئی قرینہ پایا جائے جیسے الھلال و اللہ اصل میں ھذا الھلال و اللہ ہے، قرینۂ حالیہ کی وجہ سے ھذا کو حذف کر دیا۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔ اور قرینہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قرینۂ لفظیہ (۲) قرینۂ حالیہ۔

سوال: قرینۂ لفظیہ اور حالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینۂ لفظیہ کہتے ہیں جو لفظ سے سمجھ میں آئے۔ اور قرینۂ حالیہ کہتے ہیں جو حالت سے معلوم ہو۔

سوال: یہ مثال خبر محذوف کی بھی تو ہوسکتی ہے، کیونکہ الھلال ھذا یہ بھی تو صحیح ہے؟

جواب: متکلم کا مقصود چاند کی تعیین نہیں ہے بلکہ نفس چاند کو دکھانا ہے، خبر محذوف کی مثال اس وقت ہوتی جبکہ متکلم کا مقصود چاند کی تعیین ہوتی۔

سوال: مثال میں و اللہ کا اضافہ کیوں کیا، جبکہ اس کا حذفِ مبتدا میں کوئی دخل نہیں؟

جواب: (۱) اہل عرب کی عادت اکثر یہی ہے کہ چاند دیکھنے کے وقت الھلال و اللہ بولا کرتے ہیں تو ماتن نے ان کا پورا قول نقل کر دیا۔

(۲) اگر صرف الھلال ذکر کیا جائے تو وقف کی حالت میں کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ منصوب ہے اور فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، لہذا اپنے وہم کی بناء پر یہ خیال کرے گا کہ یہ

مثال صحیح نہیں ہے اور جب و اللہ کا اضافہ کر دیا گیا تو الھلال پر وقف نہیں ہوگا اور مرفوع پڑھا جائے گا، لہذا کسی کو یہ خیال نہیں ہوگا کہ یہ مثال صحیح نہیں ہے۔

فائدہ: کبھی کبھی مبتدا کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

سوال: مبتدا کو حذف کرنا واجب کب ہوتا ہے؟

جواب: جبکہ صفت موصوف سے ہٹا دیا جائے جیسے الحمدللہ, اھل الحمد اس میں للہ میں البتہ موصوف ہے اور اسکی صفت اھل الحمد ہے اھل الحمد جو صفت ہے اس کو موصوف سے ہٹا کر یعنی جر دینے کے بجائے رفع دیں گے اھل الحمد (مدح وثناء میں زیادتی ہے) جب ہٹا دیں گے تو اھل الحمد سے پہلے ھو مبتدا محذوف مانیں گے۔

(الف) جَوَازًا مِثْلُ خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ۔

ترجمہ: (الف) جوازاً (حذف کردیا جاتا ہے) جیسے خرجت فاذاالسبع (میں نکلا تو اچانک درندہ موجود تھا۔

مختصر تشریح

(۳) جب قرینہ موجود ہو تو خبر کا حذف کرنا جائز بھی ہے اور واجب بھی۔ جائز اس وقت ہے جب کسی چیز کو خبر کے قائم مقام نہ کیا گیا ہو، جیسے خرجت فاذاالسبع (میں باہر نکلا تو اچانک درندہ (کھڑا ہے) یہاں واقف خبر محذوف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد عبارت سے اس بات کو بیان فرمانا ہے کہ خبر کا حذف کرنا کبھی جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً ہوتا ہے۔

سوال: خبر کو حذف کرنا جوازاً کب ہوگا؟

جواب: خبر کو حذف کرنا جوازاً اس وقت ہوگا جبکہ کلام میں کوئی قرینہ موجود ہو، لیکن قائم مقام موجود نہ ہو جیسے خرجت فاذاالسبع (میں باہر نکلا تو اچانک درندہ کھڑا ہے) اس مثال میں واقف یا موجود خبر محذوف ہے اور قرینہ اذا ہے، اور وہ اس طرح کہ اذا مفاجاتیہ ہے، اس کا مدخول جملۂ اسمیہ ہوتا ہے اور مثال مذکور میں فقط مبتدا ہی ہے، خبر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خبر محذوف ہے، اب خرجت فاذاالسبع کی اصل خرجت ففی وقت خروجی السبع واقف ہوگی اور واقف خبر محذوف ہے۔

فائدہ: یہ مثال، ممثل لہ کے مطابق اس وقت ہوگی جبکہ اذا مفاجاتیہ زمانی ہو، اس لئے کہ اگر اذا مفاجاتیہ مکانی ہو تو یہ مثال، ممثل لہ کے مطابق نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں خرجت فاذا السبع کی اصل خرجت ففی مکانی السبع (میں نکلا تو میری جگہ پر درندہ ہے) ہوگی، اس صورت میں یہ مثال، ممثل لہ کے مطاق نہیں ہوگی۔

(ب) وَالْخَبَرُ وُجُوْبًا فِيْمَا الْتُزِمَ فِيْ مَوْضِعِهِ غَيْرُهُ مِثْلُ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا وَمِثْلُ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا وَكُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ وَلَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا۔

ترجمہ: اور خبر کو وجوباً (حذف کردیا جاتا ہے) ان مواقع میں جہاں خبر کی جگہ، خبر کے علاوہ کا التزام کیا گیا ہو جیسے: لولازیدلکان کذا (اگر زید نہ ہوتا تو ایسا ہوجاتا) اور جیسے ضربی زیدا قائما (میرا زید کو مارنا کھڑا ہونے کی حالت میں ہے) کل رجل وضیعته (ہر شخص اپنے پیشہ کے ساتھ ہے) لعمرک لافعلن کذا (تیری زندگی کی قسم! میں ضرور ایسا کروں گا)۔

مختصر تشریح

خبر کو حذف کرنا واجب اس وقت ہے جبکہ کسی چیز کو خبر کے قائم مقام کیا گیا ہو، اور

ایسا چار جگہوں پر ہوتا ہے۔

(۱) جب مبتدا لو لا کے بعد آئے اور خبر افعال عامہ یعنی کون و حصول وغیرہ سے ہو تو وہاں لو لا کی جزاء خبر کے قائم مقام ہو جاتی ہے، جیسے لو لا زید لکان کذا ای لو لا زید موجود لکان کذا۔

(۲) جب مبتدا مصدر ہو اور اس کی فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کی گئی ہو اور اس کے بعد حال آ رہا ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے جیسے ضربی زیدا قائما (میرا زید کو مارنا کھڑے ہونے کی حالت میں ہے)۔ یہاں خبر حاصل وجوباً محذوف ہے۔

(۳) جب مبتدا پر واو بمعنی مع کے ذریعہ کسی چیز کا عطف کیا گیا ہو، جیسے کل رجل و ضیعته (ہر شخص اپنی جائداد کے ساتھ ہے) ای کل رجل مقرون مع ضیعته۔

(۴) جب مبتدا مُقسَم بہ اور اس کی خبر لفظِ قسم ہو، جیسے لعمرک لافعلن کذا (تیری زندگی کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا) اس کی اصل لعمرک قسمی لافعلن کذا ہے، قسمی کو جو کہ خبر ہے حذف کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ لام قسم اس پر دلالت کرتا ہے، اور جوابِ قسم اس کا قائم مقام ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان مواقع کو بیان کرنا ہے، جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

سوال: خبر کو حذف کرنا کب واجب ہے؟

جواب: خبر کو حذف کرنا اس وقت واجب ہے، جبکہ کلام میں قرینہ اور اس کا قائم مقام دونوں موجود ہوں۔

سوال: وہ کتنے مواقع ہیں جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے؟

جواب: چار مواقع ایسے ہیں جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

(ا) مبتدا لو لا کے بعد واقع ہو اور خبر افعال عامہ میں سے ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے جیسے لو لا زید لکان کذا, لو لا علی لھلک عمر۔ اس مثال میں موجود خبر محذوف ہے اور حذف کا قرینہ لو لا بنتا ہے، اس لئے کہ لو لا کا مدخول جملۂ اسمیہ ہوتا ہے اور جملۂ اسمیہ میں دو جز ہوتے ہیں۔

مبتدا اور خبر کی مثال میں مبتدا زید تو موجود ہے لیکن اس کی خبر موجود نہیں ہے، لہٰذا لا محالہ خبر محذوف ہوگی اور قائم مقام لو لا زید لکان کذا ہے، یہ لکان کذا، موجود کے قائم مقام ہے۔ لو لا علی لھلک عمر میں لھلک عمر یہ موجود کے قائم مقام ہے۔

سوال: اس صورت میں مبتدا کی خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے یہ شرط کیوں ہے کہ خبر افعال عامہ میں سے ہو؟

جواب: اس لئے کہ خبر اگر افعال عامہ میں سے نہ ہو تو خبر کا حذف واجب نہیں ہوتا جیسے شعر۔

وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالعُلَمَاءِ يُزْرِي لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدِ
ولو لا خشيةُ الرّحمنِ ربّي حسبتُ الناسَ كلَّهم عبيدي

ترجمہ: اگر شعر کہنا علماء کے لئے عیب دار نہ ہوتا تو میں آج لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا، اور اگر رحمٰن کہ جو میرا پروردگار ہے اس کا خوف نہ ہوتا تو میں تمام لوگوں کو میرا غلام شمار کرتا۔

اول شعر میں یزری اور دوسرے شعر میں عبیدی خبر مذکور ہے، مشہور ہے کہ یہ دونوں شعر حضرت امام شافعیؒ کے ہیں۔

سوال: افعال عامہ اور افعال خاصہ میں فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب: (ا) افعال عامہ اور افعال خاصہ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ لو لا افعال عامہ کے حذف کا قرینہ بنتا ہے اور افعال خاصہ کے حذف کا قرینہ نہیں بنتا، کیونکہ لو لا کا مدلولِ اول، وجود ہے اور وجود افعال عامہ میں سے ہے، تو لو لا سے فعل عام کا علم تو ہو جائے گا لیکن فعل خاص کا علم نہیں ہو سکے گا۔

(۲)و مثل ضربی زیداً سے مراد مبتدا مصدر ہونا چاہئے حقیقتاً ہو یا تاویلاً اور مصدر کی نسبت فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف کی جائے یا دونوں کی طرف، پھر اس کے بعد کوئی ایسا اسم ہو جو فاعل یا مفعول یا دونوں سے حال واقع ہو جیسے ضربی زیدا قائما یہ زیدا سے حال واقع ہے (میرا مارنا حاصل ہے زید کو کھڑے ہونے کی حالت میں) حاصل، خبر محذوف ہے۔

عقلی طور پر اس کی چھ صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) مبتدا مصدرِ حقیقی ہو فاعل کی طرف منسوب ہو اور فاعل سے حال واقع ہو جیسے ضربی قائما اس میں ضربٌ کی اضافت یائے متکلم فاعل کی طرف ہے، اس کی اصل ضربی زید حاصل اذا کنت قائما ہے۔

(۲) مبتدا مصدر حقیقی ہو، مفعول کی طرف منسوب ہو اور مفعول سے حال واقع ہو جیسے ضربی زیدا قائما اس کی اصل ضربی زیداً حاصل اذا کان قائما ہے۔

(۳) مبتدا مصدر حقیقی ہو، اس کی نسبت فاعل اور مفعول کی طرف ہو اور دونوں سے حال واقع ہو جیسے ضربی زیدا قائمین اس کی اصل (ضربی زیدا حاصل اذا کنا قائمین) ہے۔

(۴) مبتدا مصدرِ تاویلی ہو اور فاعل کی طرف منسوب ہو اور فاعل سے حال واقع ہو جیسے اَنْ ضربت قائما اس کی اصل ضربی حاصل اذا کنت قائما ہے۔

(۵) مبتدا مصدرِ تاویلی ہو مفعول کی طرف منسوب ہو اور مفعول سے حال واقع ہو جیسے اَنْ ضرب زید قائما اصل میں ضرب زید حاصل اذا کان قائم ہے۔

(٦) مبتدا مصدر تاویلی ہو اور فاعل اور مفعول کی طرف منسوب ہو اور دونوں سے حال واقع ہو جیسے ان ضربت زیدا قائمین اصل میں ہے ضربی زیداً حاصل اذا کنا قائمین ہے

تنبیہ: فعلِ متعدی معروف اور مصدرِ معروف کو جس طرح اپنے فاعل کے ساتھ نسبت ہوتی ہے، اسی طرح اپنے مفعول کے ساتھ بھی نسبت ہوتی ہے، فاعل کی طرف جو نسبت ہوتی ہے اسکو نسبتِ اسنادی کہتے ہیں اور مفعول کی طرف جو نسبت ہوتی ہے اس کو نسبتِ ایقاعی کہتے ہیں۔

(۳) مبتدا کی خبر مقارنت کے معنی کو مشتمل ہو اور اس پر ایسے واؤ کے ذریعہ عطف کیا

گیا ہو جو مع کے معنی میں ہو جیسے کل رجل و ضیعته (ہر شخص اپنی جائداد کے ساتھ ہے) اس کی اصل کل رجل مقرون مع ضیعته ہے اس میں واؤ قرینہ ہے جو مقرون پر دال ہے اور معطوف ضیعته قائم مقام بنتا ہے۔

(۴) مبتدا مُقسَم بہ ہو جیسے لعمرک لافعلن کذا، اس مثال میں لعمرک مقسم بہ (مبتدا) ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، جو اقسم ہے، اس لئے کہ عبارت میں قرینہ پایا جاتا ہے اور وہ قرینہ لعمرک کالام ہے اور لافعلن کذا قائم مقام خبر ہے۔

نوٹ: ایک اور جگہ بھی مبتدا کی خبر کو حذف کرنا جائز ہے کہ مبتدا اسم تفضیل ہو جس کی اضافت مصدر صریح یا مصدر تاویلی کی طرف ہو تو اس کی بھی چھ صورتیں نکلیں گی۔

اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر

خَبَرُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ مِثْلُ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

ترجمہ: وہ اسم ہے جو ان حروف (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے انَّ زیدا قائم (بلاشبہ زید کھڑا ہے)۔

مختصر تشریح

اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر (حروف مشبہ بالفعل کی خبر): حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں: اِنَّ، اَنَّ، کَاَنَّ، لَیتَ، لٰکِنَّ اور لَعَلَّ۔ ان کی خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ یہ حروف، فعل کے ساتھ لفظاً بھی مشابہ ہیں اور معنیً بھی۔

لفظی مشابہت دو طرح سے ہے، جس طرح فعل، ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا ہے یہ حروف بھی تینوں طرح کے ہیں اور جس طرح فعل ماضی مبنی بر فتحہ ہوتا ہے یہ بھی فتح پر مبنی ہیں۔

معنوی مشابہت یہ کہ یہ حروف فعل کے معنی میں ہیں پہلے دو حروف حققتُ کے معنی

میں ہیں اور باقی حروف شبہت، تمنیت، استدرکت اور ترجیت کے معنی میں ہیں۔
یہ حروف جملۂ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنا لیتے ہیں۔اِنَّ وغیرہ کے داخل ہونے بعد جملہ میں جو جز مسند ہوتا ہے وہی ان کی خبر ہوتا ہے، جیسے اِنَّ زیدا قائم۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات میں سے اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر کو بیان کرنا ہے، اس کو حروف مشبہ بالفعل بھی کہتے ہیں۔

سوال: ان کو حروف مشبہ بالفعل کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ان کو حروف مشبہ بالفعل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حروف فعل کے ساتھ لفظاً معنیً اور عملاً مشابہ ہوتے ہیں۔فعل کے ساتھ لفظاً مشابہت: فعل جیسے ثلاثی ہوتا ہے اِنَّ، اَنَّ، لیت یہ بھی ثلاثی ہیں۔فعل جیسے رباعی ہوتا ہے لکنَّ، کانَّ، لعلَّ یہ حروف رباعی ہوتے ہیں۔
معنیً مشابہت: ان حروف میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں جیسے اِنَّ، اَنَّ حققتُ کے معنی میں کَأَنَّ، شَبَّهتَ کے معنی میں۔لِکِنَّ، استدْرَکتُ کے معنی میں۔لیت، تمنیتُ کے معنی میں اور لعل، ترجیتُ کے معنی میں۔
عملاً مشابہت: فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے یہ حروف بھی ایسا ہی عمل کرتے ہیں۔

سوال: یہ حروف تو برعکس عمل کرتے ہیں، اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں؟

جواب: اصل اور فرع کے درمیان فرق کرنے کے لئے برعکس عمل دے دیا۔

سوال: حروف مشبہ بالفعل کی خبر کسے کہتے ہیں؟

جواب: حروف مشبہ بالفعل میں سے کسی ایک حرف کے داخل ہونے کے بعد جو اسم مسند بنے جیسے اِنَّ زیدا قائم اس میں زید، اِنَّ کا اسم، مسند الیہ ہے اور قائم خبر اور مسند ہے

پہلے قائم خبر بنتی تھی مبتدا کی، لیکن اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد اِنَّ کی خبر بنے گی۔ تو یہاں پر قائم خبر تو ہے، لیکن مبتدا کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اِنَّ کی خبر ہونے کی حیثیت سے ہے۔

سوال: الحروف جمع کا صیغہ استعمال کیا، اور جمع کا اطلاق تین سے زائد پر ہوتا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر جب حروف مشبہ بالفعل میں سے تین حروف اِنَّ اور اس کے اخوات کے مبتدا کی خبر پر داخل ہوں گے تب جا کر وہ اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ہوگی، ورنہ نہیں؟

جواب: الحروف پر الف لام جنس کا ہے، جب یہ داخل ہوتا ہے تو جمع کی جمعیت کو ختم کر دیتا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ چاہے ایک حرف داخل ہو چاہے دو سے زائد داخل ہوں، حروف مشبہ بالفعل کی خبر ہوگی۔

سوال: مصنفؒ نے تعریف کی: اِنَّ اور اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند بنے، حالانکہ ہم ایسی مثال بیان کرتے ہیں جس میں حروف مشبہ بالفعل میں سے کوئی حرف داخل ہے، لیکن وہ اسم مسند نہیں ہوتا، اس کے باوجود وہ اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر بنتی ہے جیسے اِنَّ زیدا ابوہ قائم، اس مثال میں اِنّ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے زیدا اس کا اسم ہے ابوہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مسند الیہ، قائم مسند، ابوہ قائم اس کی خبر بنتی ہے، تو یہاں اِنّ داخل ہوا ابوہ اس کی خبر ہے، لیکن مسند نہیں ہے، بلکہ مسند الیہ ہے تو آپ کی تعریف صحیح نہیں ہے؟

جواب: تعریف میں دخول کا جو لفظ آیا ہے، اس سے اثر مراد ہے اور اِنّ کا اثر صرف ابوہ پر نہیں بلکہ ابوہ قائم پر ہے تو تاویل میں ہو کر اِنّ کی خبر اور مسند ہے، لہذا التعریف اپنی جگہ پر درست ہے۔

سوال: اِنّ اور اس کے اخوات، مرفوعات کی ایک مستقل قسم ہے یا نہیں؟

جواب: بصریین کے نزدیک مرفوعات کی ایک مستقل قسم ہے اور کوفیین کے نزدیک اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر مرفوعات کی مستقل قسم نہیں ہے، بلکہ عامل معنوی کی وجہ

سے وہ مرفوع ہے، گویا بصریین اِنَّ زیدا قائم میں قائم کا عامل اِن کو مانتے ہیں اور کوفیین اِنَّ کو عامل نہیں بلکہ عامل معنوی مانتے ہیں۔

سوال: اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کہا اور اخوات کا تعلق ذی روح کے ساتھ ہوتا ہے اور اِنَّ اور اس کے اخوات تو غیر ذی روح ہے لہذا مصنف کا اخوات کہنا صحیح نہیں ہے؟

جواب: یہاں اخوات سے مجازی معنی اشباہ مراد ہے۔

سوال: أخت کے بجائے أخ سے تعبیر کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ تعبیر بتاویلِ کلمہ ہے ,اِنَّ چونکہ کلمہ ہے اور کلمہ مؤنث ہے، اس لئے اخواتها کہا نہ کہ اخوۃ کہا۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: مذکورہ تعریف میں هو المسند بمنزلۂ جنس ہے، اس میں مبتدا کی خبر وغیرہ بھی داخل ہے اور بعد دخول هذه الحروف بمنزلۂ فصل ہے جس سے مبتدا وغیرہ کی خبر خارج ہو جائے گی، اس لئے کہ وہ مسند ہوتی ہے مبتدا کی خبر ہونے کی حیثیت سے۔

قاعدہ

وَاَمْرُهٗ كَاَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ اِلَّا فِيْ تَقْدِيْمِهٖ اِلَّا اِذَا كَانَ ظَرْفاً۔

ترجمہ: اور اس کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کے مانند ہے، مگر اس کو مقدم کرنے کے سلسلے میں، بجز اس صورت کے جبکہ خبر ظرف ہو۔

مختصر تشریح

(۲) حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے۔ جس طرح مبتدا کی ایک اور متعدد خبریں آسکتی ہیں اور مفرد یا جملہ ہوتی ہے اور جملہ ہونے کی صورت میں لوٹنے والی ضمیر ضروری ہے، یہ سب باتیں ان حروف کی خبر میں بھی پائی جاتی ہیں، البتہ اِنَّ کی خبر اِنَّ کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی ,اِنَّ قائم زیدا نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ حروف عاملِ ضعیف ہیں۔

البتہ ان کی خبر ظرف ہوتو اسم سے پہلے آسکتی ہیں، بشرطیکہ اسم معرفہ ہو جیسے اِنَّ الینا ایابھم اور اگر اِنَّ کا اسم نکرہ ہوتو خبر کی تقدیم واجب ہے، جیسے اِنَّ من البیان لسحرا (بیشک بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں) یہاں من البیان خبر لائی گئی ہے کیونکہ سحرا نکرہ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اِنَّ اور اس کے اخوات کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے یعنی جس طرح۔ (۱) مبتدا کی خبر جملہ کی شکل میں ہوتی ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر بھی جملہ کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۲) مبتدا کی خبر مفرد کی شکل میں ہوتی ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر بھی مفرد کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۳) مبتدا کی خبر جب جملہ کی شکل میں ہوتو اس میں ایک عائد ہونا ضروری ہے، اسی طرح ان حروف کی خبر میں بھی عائد ہونا ضروری ہے۔

(۴) قرینہ کی وجہ سے مبتدا کی خبر میں جو عائد ہوتا ہے، حذف ہوتا ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر میں بھی بر بنائے قرینہ عائد کو حذف کیا جاتا ہے۔

(۵) مبتدا کی خبر کا بعض مواقع میں حذف ضروری ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو بھی بعض مواقع میں حذف کرنا ضروری ہے۔

الّا فی تقدیمه:

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کیا جاتا ہے، لیکن اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو، ان کے اسماء پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اِنَّ اور اس کے اخوات، عاملِ ضعیف ہیں، فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے

ہیں، لہٰذا ترتیب میں تو عمل کریں گے، خلاف ترتیب عمل نہیں کریں گے۔

سوال: کوئی ایسی صورت ہے جس میں اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو ان کے اسماء پر مقدم کرنا جائز ہو؟

جواب: ہاں! ایک صورت ہے جس میں اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کو ان کے اسماء پر مقدم کرنا جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ظرف کے قبیل سے ہو جیسے ان الینا ایابھم میں الینا، اِنَّ کی خبر ہے، ایابھم اس کا اسم ہے، لیکن ظرف کی وجہ سے الینا خبر کو ایابھم اسم پر مقدم کیا گیا، کیونکہ کثرت استعمال اور قاعدہ، الظرف یتوسع فیہ مالا یتوسع فی غیرہ کی وجہ سے ظرف کو کچھ اختیارات حاصل ہیں، منجملہ ان کے ایک تقدیم کا بھی ہے۔ اسی کو مصنف نے الا اذا کان ظرفا سے بیان کیا ہے۔

فائدہ: جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو اور اس کا اسم معرفہ ہو تو خبر کی تقدیم صرف جائز ہے جیسے ان الینا ایابھم اور اگر نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے جیسے ان من البیان لسحرا اور ان من الشعر لحکمۃ (بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں) یہاں من البیان خبر پہلے لائی گئی ہے، سحراً نکرہ ہونے کی وجہ سے۔

فائدہ: بعض علماء نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب (ھمع الھوامع) سے یہ نقل کیا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر متعدد نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی خبر کا تعدد جائز نہیں۔

لائے نفی جنس کی خبر

خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔

ترجمہ: وہ اسم ہے جو اس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے لا غلام رجل ظریف فیھا (مرد کا کوئی غلام ہوشیار گھر میں نہیں ہے)۔

مختصر تشریح

لائے نفی جنس: وہ لا ہے جو نکرہ پر داخل ہو کر ساری جنس کی نفی کرتا ہے، جیسے لا ساکن فی الدار گھر میں کوئی رہنے والا نہیں (ایک دوسرا لا مشابہ بلیس ہوتا ہے، یعنی لیس کے معنی میں ہوتا ہے، وہ صرف اپنے مدخول کی نفی کرتا ہے، اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

لائے نفی جنس جملۂ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اس کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جز مسند ہو، وہی اس کی خبر ہوگا، جیسے لا غلام رجل ظریف فی الدار (کسی شخص کا غلام ہوشیار گھر میں نہیں) اس میں غلام رجل، لا کا اسم ہے اور ظریف خبر ہے، کیونکہ وہی مسند ہے، غلام کی رجل کی طرف نسبت کی گئی ہے اور فی الدار کائن سے متعلق ہو کر رجل کی صفت ہے۔

لائے نفی جنس، حروف مشبہ بالفعل جیسا عمل کرتا ہے یعنی اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے، اس کا اسم مضاف یا شبہ مضاف ہوتا ہے، جیسے لا صاحب جود ممقوت (کوئی سخی آدمی مبغوض نہیں) اور لا طالعا جبلا حاضر (کوئی کوہ پیما حاضر نہیں)۔ اور لائے نفی جنس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے، جیسے لا الہ الا اللہ ای لا الہ موجود الا اللہ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات میں سے لائے نفی جنس کی خبر کو بیان کرنا ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کی مشابہت کس کے ساتھ ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کی مشابہت اَنَّ مفتوحہ کے ساتھ لفظاً اور معنیً ہے۔ لفظاً مشابہت شروع حرف کے مفتوح ہونے میں ہے اور معنیً مشابہت دو طرح سے ہے۔

(۱) تضاد کے علاقہ کی وجہ سے اور وہ نقیض کا نقیض پر محمول کرنا ہے، اس طرح کہ لا نفی کے لئے آتا ہے اور اَنَّ مفتوحہ اثبات کے لئے، گویا نفی اور اثبات کے مابین تضاد ہے۔

(٢) مناسبت کے علاقہ کی وجہ سے۔ اور وہ اس لئے کہ لا نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اَنَّ اثبات کی تاکید کے لئے ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کی خبر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کی خبر: وہ اسم ہے جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند بنے جیسے **لا غلام رجل ظریف فیھا**، مثال مذکورہ میں محل استدلال **ظریف** ہے، یہ پہلے مسند تھا اور مبتدا کی خبر تھی لیکن **لا** کے دخول کے بعد اب یہ لائے نفی جنس کا مسند ہوگا۔

سوال: **لا غلام رجل ظریف فیھا** میں **فیھا** کی قید کیوں لگائی؟

جواب: **فیھا** کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ خلاف وضع لازم نہ آئے (١) اس لئے کہ اگر **فیھا** کی قید نہ ہوتی تو خلاف واقع لازم آتا، کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوتا کہ کسی مرد کا غلام ظریف نہیں ہے، حالانکہ یہ کذب ہے، بہت سے لوگوں کے غلام ظریف ہوتے ہیں سب بے وقوف نہیں ہوتے، **فیھا** کے اضافہ سے یہ خرابی لازم نہ آئے گی، اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عقلمند غلام گھر میں نہیں ہے۔

(٢) مصنفؒ کا مقصد لائے نفی جنس کی خبر کی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر اسمِ ظرف بھی آسکتی ہے جیسے **فیھا** اور غیر ظرف بھی جیسے **ظریف**۔

سوال: عام کتابوں میں لائے نفی جنس کی خبر کی مثال **لا رجل فی الدار** بیان کی جاتی ہے مصنفؒ نے اس سے عدول کیوں کیا؟

جواب: **لا رجل فی الدار** یہ مثال مشہور ہے، لیکن اس میں خبر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا تھا، کیونکہ اس میں احتمال تھا کہ **فی الدار**، **کائن** سے متعلق ہو کر پھر **رجل** کی صفت ہو اور خبر محذوف ہو تو چونکہ مثال مشہور اپنے ممثل لہ میں نص نہیں ہے، اس لئے اس سے عدول کر کے ایسی مثال بیان کی جس میں خبر کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہ ہو۔

قاعدہ

وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا وَبَنُوْ تَمِيْمٍ لَا يُثْبِتُوْنَهُ.

ترجمہ: اور اس کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور قبیلہ بنو تمیم کے لوگ اس کو ثابت نہیں مانتے۔

مختصر تشریح

جمہور کے نزدیک اکثر لائے نفی جنس کی خبر کو حذف کر دیا جاتا ہے، جبکہ بنو تمیم، خبر کو ثابت نہیں رکھتے یعنی ان کے نزدیک یا تو خبر کا حذف کرنا واجب ہے یا وہ خبر کے قائل ہی نہیں

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر اکثر مرتبہ حذف کر دی جاتی ہے۔ نیز بنو تمیم کے قول کو بیان کرنا ہے کہ وہ لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں مانتے۔

سوال: لائے نفی جنس کی خبر اکثر مرتبہ حذف کب کی جاتی ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کی خبر جب افعال عامہ وجود، کون، ثبوت، حصول میں سے ہو تو خبر کو کثرت سے حذف کر دیا جاتا ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کی خبر افعال عامہ میں سے ہو تو اکثر حذف کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شئ ہو جس کی نفی کی جائے، گویا منفی کا ہونا ضروری ہے، ورنہ نفی کا تحقق نہیں ہوگا، اب جب حرف نفی ہو اور منفی نہ ہو تو لامحالہ قانون کے مطابق حرف نفی کے لئے منفی کا ہونا ضروری ہے، لہذا منفی، افعال عامہ میں سے ہوگا جیسے لا الہ الا اللہ اصل میں تھا لا الہ موجود الا اللہ تو موجود افعال عامہ میں سے ہے، اس کو حذف کر دیا۔

و بنو تمیم لا یثبتونہ:

سوال: اس عبارت کے کتنے مطلب ہیں؟

جواب: اس عبارت کے دو مطلب ہیں: (۱) قبیلۂ بنوتمیم لائے نفی جنس کی خبر کو بالکلیہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ لائے نفی جنس ان کے نزدیک، اسم فعل ہے، جو انتفیٰ کے معنی میں ہے جو فاعل سے پورا ہوجاتا ہے، لہذا خبر کی کوئی ضرورت ہی نہیں جیسے لا اھل و لا مال أی انتفی الاھل و المال (مال اور اہل دونوں ختم ہوگئے)۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ قبیلۂ بنوتمیم لائے نفی جنس کی خبر، لفظاً ثابت نہیں مانتے بلکہ قبیلۂ تمیم، لائے نفی جنس کی خبر کو لفظاً حذف کرنا واجب مانتے ہیں، خواہ خبر عام ہو یا خاص، اس لئے کہ بنوتمیم کے نزدیک کثرتِ حذف؛ وجوبِ حذف کی دلیل ہے، پس خبر وجوباً مذکور نہیں ہوگی، بلکہ خبر مقدر ہوگی۔

سوال: بنوتمیم اگر لائے نفی جنس کی خبر تسلیم ہی نہیں کرتے یا کرتے ہیں لیکن حذف کو واجب بتاتے ہیں تو ان کا لا رجل قائم جیسی مثال میں کیا کہنا ہے؟

جواب: وہ اس جیسی مثال میں قائم کو رجل کی صفت مانتے ہیں۔

ما و لا مشابہ بلیس کا اسم

اِسْمُ مَا وَلَا اَلْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا مِثْلُ مَا زَيْدٌ قَائِمًا وَلَا رَجُلٌ اَفْضَلَ مِنْكَ۔

ترجمہ: وہ اسم ہے جو ان دونوں (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو جیسے ما زید قائما (زید کھڑا نہیں ہے) لا رجل افضل منک (کوئی مرد تجھ سے افضل نہیں ہے)

مختصر تشریح

وہ ما اور لا جو بمعنیٰ لیس ہیں، لیس فعل ناقص ہیں، یہ دونوں لیس سے مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، یہ دونوں جملۂ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، اور جملہ کا جو جز، مسند الیہ ہوتا ہے، وہی ان کا اسم ہوتا ہے جیسے ما زید قائما (زید کھڑا نہیں) اور لا رجل افضل منک (کوئی آدمی آپ سے بہتر نہیں)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ما و لا مشابہ بلیس کے اسم کو بیان کرنا ہے۔

سوال: ما اور لا کی مشابہت لیس کے ساتھ برابری کی ہے یا کمی زیادتی کے ساتھ؟

جواب: ما کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی ہے اور لا کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔

سوال: ما کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی اور لا کے ساتھ ضعیف کیسے؟

جواب: لیس جس طرح حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور ما بھی حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور لا مطلق نفی کے لئے آتا ہے۔

سوال: ما و لا مشابہ بلیس کا اسم کسے کہتے ہیں؟

جواب: ما و لا مشابہ بلیس کا اسم، جو ما و لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو جیسے ما زید قائما میں زید مسند الیہ ہے، پہلے بھی مسند الیہ تھا، اب بھی ہے لیکن حیثیت بدل گئی، پہلے مبتدا ہونے کی حیثیت سے تھا، اب ما کے اسم ہونے کی حیثیت سے ہے۔

لا رجل افضل منک میں رجل مسند الیہ ہے، پہلے بھی مسند الیہ تھا، اب بھی ہے لیکن حیثیت بدل گئی، پہلے مبتدا ہونے کی حیثیت سے تھا، اب لا کے اسم ہونے کی حیثیت سے ہے۔

سوال: ما اور لا حرف ہے اور لیس فعل ہے، تو ما اور لا کس طرح لیس کے مشابہ

ہوسکتے ہیں؟

جواب: جس طرح لیس کے معنی نفی کے ہیں اسی طرح ما اور لا کے معنی بھی نفی کے ہیں اور جس طرح لیس مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما اور لا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، اس معنی میں مشابہت ہے، نہ کہ حرف اور فعل میں۔

سوال: ما کی مثال میں مدخول، معرفہ اور لا کی مثال میں مدخول، نکرہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) ما اور لا میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ما کی مشابہت لیس کے ساتھ تام ہے، جس طرح لیس نفیٔ حال کے لئے ہے، اسی طرح ما بھی نفیٔ حال کے لئے ہے تو مشابہت تام ہونے کی وجہ سے جس طرح لیس معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما بھی دونوں پر داخل ہوتا ہے۔ اور لا کی مشابہت لیس کے ساتھ ناقص ہے، اس لئے کہ وہ مطلق نفی کے لئے آتی ہے، تو مشابہت ناقص ہونے کی وجہ سے اس کے عمل کو صرف نکرہ پر ہی منحصر کردیا۔

(۲) ما مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے اور مطلق نفی کے لئے نکرہ کا ہونا ضروری نہیں ہے اور لا جنس کی نفی کے لئے آتا ہے اور جنس کے لئے نکرہ ہونا ضروری ہے، اس لئے لا کا دخول ہمیشہ نکرہ پر ہوگا۔

سوال: مصنف نے ما کے بعد صرف معرفہ کی مثال بیان کی، نکرہ کی مثال بیان نہیں کی؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو معرفہ ہے اور نکرہ اس کی فرع ہے، تو جس کا عمل اصل پر ہوتا ہے فرع پر بدرجۂ اولی ہوگا۔

سوال: لا مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس کے مابین فرق کیا ہے؟

جواب: لا مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس کے مابین دو، وجہوں سے فرق ہے۔

(۱) لا مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس کے مابین عمل کے اعتبار سے فرق ہے کہ لا مشابہ بلیس اپنے اسم کو رفع اور اپنی خبر کو نصب دیتا ہے اور لائے نفی جنس، عمل کے اعتبار سے

اس کے برعکس ہے۔

(۲)لا مشابہ بلیس، افراد میں سے صفتِ فردِ واحد کی نفی کرتی ہے جیسے لا رجل قائما کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایک مرد کھڑا نہیں، اب ہوسکتا ہے کہ دو یا زیادہ مرد کھڑے ہوں، اسی لئے لا رجل قائما بل رجلان کہنا جائز ہے۔

اور لائے نفی جنس رجل سے صفت کی نفی کرتی ہے جیسے لا رجل قائم کا مطلب ہے جنس رجل میں سے کسی بھی فرد کے ساتھ صفتِ قیام ثابت نہیں، اسی لئے لا رجل قائم بل رجلان جائز نہیں۔

قاعدہ

وَهُوَ فِي "لَا" شَاذٌّ۔

ترجمہ: اور وہ (یعنی عامل ہونا) لا میں شاذ ہے۔

مختصر تشریح

اور لیس جیسا عمل لا میں شاذ ہے، کیونکہ لا کی لیس کے ساتھ مشابہت ضعیف ہے۔ لیس نفیٔ حال کے لئے ہے اور ما کی مشابہت لیس کے ساتھ قوی ہے، کیونکہ وہ بھی نفیٔ حال کے لئے ہے۔ لا زیادہ تر جنس کی نفی کے لئے آتا ہے، لیس کے معنیٰ میں اس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لا میں عمل شاذ ہے (قلیل) ہے۔

سوال: ما اور لا، عامل ہیں یا نہیں؟

جواب: بنوتمیم کے نزدیک یہ دونوں عامل نہیں ہیں اور اہل حجاز کے نزدیک عامل ہیں۔

سوال: بنوتمیم کی دلیل کیا ہے؟

جواب: بنوتمیم کی دو دلیلیں ہیں۔ دلیل اول: عامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک نوع کے ساتھ خاص ہو اور ما اور لا نوع واحد کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ما اور لا، اسماء و افعال دونوں پر داخل ہوتے ہیں۔

سوال: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب کیا دیا گیا؟

جواب: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا کہ ما اور لا جو اسم پر داخل ہوتے ہیں وہ، وہ نہیں ہے جو فعل پر داخل ہوتے ہیں، بلکہ ما اور لا جو اسم پر داخل ہوتے ہیں ان کی نوعیت الگ ہے اور جو فعل پر داخل ہوتے ہیں ان کی نوعیت الگ ہے۔

دلیل ثانی: شاعر کے اس شعر سے ہے:

وَ مُهَفْهَفٍ كَالْغُصْنِ قُلْتُ لَهُ انْتَسِبْ   فَاَجَابَ مَاقَتْلُ الْمُحِبِّ حَرَامُ

اور محل استشہاد ماقتل المحب حرام ہے، اگر ما عامل ہوتا تو شاعر حرام پر رفع نہیں بلکہ نصب پڑھتا، رفع پڑھنا دلیل ہے اس بات کی کہ ما و لا عامل نہیں ہے۔

سوال: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب کیا دیا گیا؟

جواب: اہل حجاز کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا کہ حرام پر رفع ضرورتِ شعری کی وجہ سے آیا ہے، لہٰذا اس شعر سے دلیل پکڑنا صحیح نہ ہوگا۔

سوال: اہل حجاز کی دلیل کیا ہے؟

جواب: اہل حجاز ما اور لا کو عامل مانتے ہیں، ان کی دلیل قرآن کی آیت کریمہ ما هذا بشرا ہے کہ اس میں هذا یہ ما کا اسم اور بشرا اس کی خبر ہے، هذا مرفوع ہے تقدیراً اور بشرا پر نصب ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ما عامل ہے جس نے نصب دیا۔

سوال: دونوں میں سے کن کی دلیل قوی ہے؟

جواب: اہل حجاز کی دلیل قوی ہے، اس لئے کہ اہل حجاز کے نظریہ کی قرآن حمایت کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے اور قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے مصنف نے اہل حجاز کے مسلک کو بیان کیا۔

فائدہ: لا کی مشابہت لیس کے ساتھ کمزور ہے، اس لئے لیس کا عمل لا میں شاذ ہے، مشابہت کی کمزوری اس وجہ سے ہے کہ لیس تو حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور لیس میں کسی زمانہ کی قید نہیں مطلق نفی کے لئے آتا ہے خواہ ماضی ہو یا حال ہو یا استقبال، اور ما بھی لیس کی طرح حال کی نفی کے لئے آتا ہے، اس لئے ما کے عمل میں کوئی قید نہیں، البتہ لا کا عمل مورد سماع پر محدود رہے گا، جہاں کلام عرب میں اس کا عمل سنا گیا ہے وہیں عمل کرے گا دوسری جگہ نہیں، جیسے مَنْ صَدَّ عَنْ نِيْرَانِهَا فَاَنَا ابْنُ قَيْسٍ لَا بَرَاحَ

ترجمہ: جو شخص لڑائی کی آگ سے اعراض کرتا ہے اور جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا وہ شریک نہ ہو، میں تو قیس کلا بیٹا ہوں جس کی شجاعت مشہور ہے، میں جنگ سے روگردانی نہ کروں گا۔

اس میں براح، لا کا اسم ہے اور لی اس کی خبر محذوف ہے، یہ شعر سعد ابن مالک کا ہے وہ اپنی شجاعت کو بیان کررہے ہیں۔

تمت بالخیر

منصوبات کا بیان

اَلْمَنْصُوْبَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ

ترجمہ: (منصوب) وہ اسم ہے جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

مختصر تشریح

منصوب: وہ اسم ہے جو مفعول ہونے کی علامت (زبر) پر مشتمل ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مرفوعات کے بعد اب منصوبات کو بیان کرنا ہے۔

سوال: منصوبات کو مجرورات پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: منصوبات مجرورات کے مقابلہ میں کثیر ہے اور کثیر کو قلیل پر مقدم کیا جاتا ہے۔

سوال: قلیل کو کثیر پر مقدم کیا جاتا ہے نہ کہ کثیر کو قلیل پر؟

جواب: قلیل کو کثیر پر اس جگہ مقدم کرتے ہیں جہاں قلیل کثیر کا جز ہو یا قلیل سے کثیر سمجھ میں آتا ہو اور یہاں قلیل منصوبات کا جز بھی نہیں اور قلیل سے کثیر سمجھ میں نہیں آتا۔

سوال: منصوبات، منصوب کی جمع ہے، الف لام کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائے، واؤ نون کے ساتھ منصوبون کیوں نہیں کہا؟

جواب: منصوب اسم صفت غیر ذوی العقول ہے اور اسم صفت غیر ذوی العقول کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے نہ کہ واؤ نون کے ساتھ اس لئے الف اور تاء کے ساتھ لائے اور نون اور واؤ کے ساتھ نہیں لائے۔

سوال: المنصوبات میں اعراب کے اعتبار سے کتنے احتمال ہیں؟

جواب: المنصوبات میں اعراب کے اعتبار سے تین احتمال ہیں: (۱) رفع

(۲) نصب (۳) جزم۔

سوال: المنصوبات پر رفع، نصب اور جزم کب آئے گا؟

جواب: (۱) المنصوبات پر رفع آئے گا جبکہ وہ خبر ہو مبتدا محذوف کی جیسے هذه المنصوباتُ۔ (۲) المنصوبات پر رفع آئے گا جبکہ وہ مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو، جیسے المنصوباتُ هذه۔

المنصوبات پر نصب آئے گا جبکہ اس کو مفعول بہ بنا دیں جیسے خُذِ المنصوباتِ

المنصوبات پر جزم آئے گا جبکہ ترکیب سے خالی ہو جیسے المنصوباتْ۔

سوال: منصوبات کتنے ہیں اور کونسے؟

جواب: منصوبات بارہ ہیں: (۱) مفعول مطلق (۲) مفعول بہ (۳) مفعول فیہ (۴) مفعول لہ (۵) مفعول معہ (۶) حال (۷) تمیز (۸) مستثنیٰ (۹) اِنَّ اور اس کے اخوات کا اسم (۱۰) لائے نفی جنس کا اسم (۱۱) کان اور اس کے اخوات کی خبر (۱۲) ماو لا مشابہ بلیس کی خبر۔

سوال: ان کی وجہ حصر کیا ہے؟

جواب: ان کی وجہ حصر یہ ہے: اسم منصوب کا عامل یا تو فعل ہوگا یا حرف، اگر فعل ہے تو پھر اس کا معمول اصول منصوبات میں سے ہے یا ملحقات منصوبات میں سے، اگر فعل کا معمول اصول منصوبات میں سے ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ جزء فعل ہوگا یا نہیں ہوگا، اول مفعول مطلق ہے اور ثانی میں چار احتمال ہیں یا تو فعل اس پر واقع ہوگا یا اس میں واقع ہوگا یا اس کے واسطے واقع ہوگا یا اس کے ساتھ واقع ہوگا، اول مفعول بہ، ثانی مفعول فیہ، ثالث مفعول لہ، رابع مفعول معہ، اور اگر معمول ملحقات سے ہے تو معمول واضح ہوگا یا نہیں، ثانی مستثنیٰ اور اول دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ واضح الذات ہوگا یا واضح الصفات ہوگا اول تمیز اور ثانی حال ہوگا۔

اور اگر منصوب کا عامل حرف ہے تو اس کا معمول یا تو مسند الیہ ہوگا یا مسند، اگر مسند الیہ ہے تو کلام موجب میں ہوگا یا غیر موجب میں، پہلا اِنَّ اور اس کے اخوات کا اسم کہلائے گا اور

ثانی لائے نفی جنس کا اسم۔ اور اگر معمول مسند ہے تو پھر کلام موجب میں ہوگا یا غیر موجب میں اول افعال ناقصہ کی خبر سوائے لیس کے اور ثانی لیس اور ماو لامشابہ بلیس کی خبر ہوگی۔

سوال: منصوب کی تعریف کیا ہے؟

جواب: منصوب وہ اسم ہے جو شئی کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں مفعول کی علامت پائی جائیں گی وہ چیز منصوب ہوگی۔

سوال: مفعول کی علامت کیا ہے؟

جواب: مفعول ہونے کی علامت مفردات اور غیر منصرف میں فتحہ اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ اور اسمائے ستہ مکبرہ میں الف ہے جبکہ تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں یاء ہے۔

سوال: ھو مااشتمل میں ھو کا مرجع کیا ہے؟

جواب: ھو ضمیر کا مرجع منصوبات کے ضمن میں جو منصوب ہے وہ ہے اس لئے کہ اگر منصوبات کو مرجع بنائیں گے تو ضمیر مفرد ہوگی اور مرجع جمع ہوگا، مطابقت نہیں ہوگی۔

سوال: مصنفؒ نے علی علم المفعولیۃ کیوں کہا؟

جواب: مصنفؒ نے علی علم المفعولیۃ اس لئے کہا تاکہ مفاعیلِ خمسہ کے ساتھ ملحقات مفاعیل تمیز، حال وغیرہ داخل ہو جائے اس لئے کہ مفعولیت عام ہے چاہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو تمیز حال مستثنیٰ وغیرہ حکماً مفعول ہیں۔

سوال: مفاعیل خمسہ کو ملحقات مفاعیل پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: مفاعیل خمسہ کو ملحقات مفاعیل پر مقدم اس لئے کیا کہ مفاعیل خمسہ اصل اور اہم ہے۔

مفعول مطلق کا بیان

(۱) فَمِنْهُ اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ وَهُوَ اِسْمٌ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ

ترجمہ: پس منصوبات میں سے مفعول مطلق ہے۔ اور وہ اس چیز کا نام ہے جس کو اس فعل کے فاعل نے کیا ہو جو (اس سے پہلے) مذکور ہو اور اس کے معنی میں ہو۔

مختصر تشریح

مصنفؒ مفاعیل خمسہ میں سے مفعول مطلق کو بیان فرما رہے ہیں۔ مفعول مطلق وہ اسم ہے جو اس فعل کے فاعل نے کیا ہو جو اس سے پہلے ہو اور اس کے ہم معنی ہو جیسے ضربت ضربا میں ضربا مفعول مطلق ہے اس لئے کہ ضربا اسم ہے اس کو ضربت میں تُ ضمیر واحد متکلم فاعل نے کیا ہے نیز فعل مذکور ضربتُ ضربا سے پہلے ہے اور ضرباً و ضربت دونوں ہم معنی ہے لہذا ضرباً مفعول مطلق ہوگا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منصوبات میں سے مفعول مطلق کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مفاعیل خمسہ میں سے مفعول مطلق کو مقدم کیوں کیا؟

جواب: مفعول مطلق کے علاوہ دوسرے مفاعیل کسی نہ کسی قید کے ساتھ مقید ہے جیسے مفعول بہ "بہ" کی قید کے ساتھ، مفعول فیہ "فیہ" کی قید کے ساتھ، مفعول لہ "لہ" کی قید کے ساتھ، مفعول معہ "معہ" کی قید کے ساتھ اور مفعول مطلق بلا قید کے ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔

سوال: مفعول مطلق یہ بھی تو مطلق کی قید کے ساتھ مقید ہے؟

جواب: مطلق یہ قید نہیں ہے بلکہ لفظ ''مطلق'' اس کے بلا قید ہونے کو واضح کرتا ہے۔

سوال: مفعول مطلق کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق وہ اسم ہے جس کو فعل مذکور کے عامل نے کیا ہو اور مفعول مطلق اس فعل کا ہم لفظ و ہم معنی یا فقط ہم معنی ہو اور فعل کے بعد آئے جیسے ضربت ضرباً۔

سوال: مثال مذکورہ کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: ضربت ضرباً میں ضرباً مفعول مطلق ہے اس لئے کہ فعل مذکور ضرب ہے اس کا فاعل ''تُ'' ضمیر فاعل نے ضَرْب کا کام کیا اور مفعول مطلق اور فعل مذکور دونوں کا معنی ایک ہے اور ضرباً ضربت فعل کے بعد آیا ہے۔

سوال: مفعول مطلق کی تعریف فعل مثبت پر تو ثابت آتی ہے لیکن فعل منفی پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ تعریف میں مافعلہ فاعل فعل مذکور بمعناہ کہا ہے یہ تو اثبات ہے؟

جواب: مافعلہ فاعل فعل مذکور سے مراد اس سے فعل کی اسناد فاعل کی طرف صحیح ہو خواہ ثبوتی ہو یا سلبی ہو چاہے اثبات کی شکل میں ہو یا منفی کی شکل میں ہو۔

سوال: مصنف نے مفعول مطلق کی تعریف میں اسم کا لفظ کیوں بڑھایا؟

جواب: مصنفؒ نے مفعول مطلق کی تعریف میں اسم کا لفظ اس لئے بڑھایا تا کہ اس بات کا علم ہو کہ مافعلہ فاعل فعل مذکور مفعول مطلق نہیں ہے بلکہ اسم، مفعول مطلق ہے۔

سوال: مفعول مطلق کی تعریف میں مافعلہ فاعل فعل مذکور کی قید لگائی حالانکہ مات موتاً۔ جسم جسامۃً۔ شرف شرافۃً میں (موتاً۔ جسامۃً۔ شرافۃً) مفعول مطلق ہے حالانکہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے نہیں کیا؟

جواب: مافعلہ فاعل فعل مذکور سے مراد عام ہے چاہے فعل کے فاعل سے اسکا صدور ہوا ہو یا فعل کے فاعل کے ساتھ کسی طریقے سے اس کا تعلق ہو اس جگہ دوسرا معنی ہے اس لئے کہ موتاً، جسامۃً اور شرافۃً کا صدور تو فعل مذکور کے فاعل سے نہیں ہوا لیکن تعلق فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ ضرور ہے۔

سوال: زید ضارب ضربا پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ ضربا جو مفعول مطلق ہے اس کو فعل مذکور کے فاعل نے نہیں کیا بلکہ اس میں صدور اسم فاعل ضارب سے ہوا ہے؟

جواب: فعل سے فعل لغوی مراد ہے فعل اصطلاحی مراد نہیں اس میں صفت (اسمائے مشتقات) اور فعل دونوں شامل ہیں۔

سوال: مافعلہ فاعل فعل مذکور فعل مذکور کے فاعل نے اس کو کیا ہو ہم دو مثالیں ایسی بیان کرتے ہیں جس میں مفعول مطلق کو فعل مذکور کے فاعل نے نہیں کیا اس کے باوجود دونوں مفعول مطلق بنتے ہیں (۱) تربا (مٹی) (۲) جندلاً (کنکری) یہ دونوں ذات کے قبیل سے ہے تو فعل مذکور کے فاعل نے اس کو کیا ہو، یہ بات صادق نہیں آتی؟

جواب: تربا اور جندلا میں تاویل کی گئی جیسے تربا ای ھلکت ھلاکا بالتراب اور جندلا ای ھلکت ھلاکا بالجندل ہے اس طرح اس میں حدوث کے معنی پیدا ہوں گے۔

سوال: ہم تین مثالیں ایسی پیش کرتے ہیں جن کے شروع میں فعل مذکور نہیں پھر بھی اس کو مفعول مطلق مانا گیا ہے، وہ مثالیں یہ ہیں قرآن کی آیت کریمہ (۱) فضرب الرقاب میں ضرب مفعول مطلق ہے فعل اس کے شروع میں مذکور نہیں ہے۔ (۲) شکراً مفعول مطلق ہے اس میں فعل مذکور نہیں ہے (۳) حمداً مفعول مطلق ہے اس میں فعل مذکور نہیں اس کے باوجود ضرب الرقاب میں ضرباً، شکراً اور حمداً مفعول مطلق ہیں؟

جواب: فعل مذکور میں مذکور سے عام مراد ہے چاہے حقیقۃً ذکر کیا جائے یا حکماً جیسے ضربت ضرباً میں فعل حقیقت میں مذکور ہے اور فضرب الرقاب، حمداً اور شکراً میں حکماً مذکور ہے۔

سوال: عبارت میں بمعناہ سے مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مفعول مطلق فعل مذکور کے ہم معنی ہو جیسے ضربت ضرباً۔ شکرت شکراً۔ حمدت حمداً۔

سوال: ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں جس میں مفعول مطلق اور فعل مذکور ایک معنیٰ نہیں ہے جیسے ضربت سوطاًمیں سوطاًمفعول مطلق ہے اور فعل مذکور ضربت ہے اور ان کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے لہذا سوطاً کا مفعول مطلق ہونا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: سوطاً سے پہلے مضاف (ضَرْب) محذوف ہے اصل عبارت ضربت ضربَ سوط ہے ضرب مضاف کو حذف کر کے سوط لے آئے اور چونکہ ضرباً منصوب تھا تو سوطاً کو بھی نصب دے دیا۔

سوال: مفعول مطلق کی تعریف مانع نہیں کیونکہ (کرھت کراھتی) میں کراھتی مفعول بہ ہے جس پر مفعول مطلق کی تعریف صادق ہے اس لئے کہ فعل مذکور اور مفعول بہ دونوں ہم معنی ہے؟

جواب: مثال مذکور کی دو حیثیتیں ہیں: (۱) اگر کرھت کراھتی کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ (میں نے ناپسند رکھا، اپنے ناپسند رکھنے کو) تو اس صورت میں کراھتی مفعول بہ ہے اور اس صورت میں مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ فعل مذکور کا جز نہیں ہے بلکہ فعل مذکور اس پر واقع ہے جس طرح کہ دوسرا فعل اپنے مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے۔

(۲) اگر کرھت کراھتی کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ (میں نے ناپسند رکھا اپنے ناپسند رکھنے کی طرح) تو اس صورت میں کراھتی مفعول مطلق ہے اس لئے کہ اس صورت میں کراھتی نوع کے لئے ہوگا اور وہ فعل مذکور کا جز ہوگا اور مفعول بہ محذوف ہوگا۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: چنانچہ مفعول مطلق کی تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔

ما جنس ہے، تمام مفاعیل کو شامل ہے، **فعله فاعل فعل مذکور** فصلِ اول ہے اس سے مفعول لہ کے علاوہ تمام مفاعیل خارج ہو گئے اس لئے کہ ان میں فعل فعل مذکور کا فاعل نہیں کرتا اور **بمعناه** فصل ثانی ہے اس سے مفعول لہ خارج ہو گیا اس لئے کہ مفعول لہ علت ہوتی ہے فعل کے لئے نہ کہ فعل کے ہم معنی۔

وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّاكِيْدِ، وَالنَّوْعِ، وَالْعَدَدِ،
نَحْوُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا، وَجِلْسَةً وَجَلْسَةً

ترجمہ: اور کبھی مفعول مطلق تاکید، نوع، یا عدد کے لئے ہوتا ہے، جیسے جلست جلوساً / جِلسةً / جَلسةً (میں بیٹھا اچھی طرح بیٹھنا / ایک قسم کا بیٹھنا / ایک مرتبہ بیٹھنا)۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق تین مقاصد کے لئے آتا ہے: (۱) فعل کی تاکید کے لئے جیسے جلستُ جلوسا میں بیٹھا بیٹھنا (میں واقعۃً بیٹھا)۔ (۲) فعل (کام) کی نوعیت بیان کرنے کے لئے جیسے جلستُ جِلسةً میں خاص نشست بیٹھا مثلاً قاری کی نشست۔ (۳) فعل کی تعداد بیان کرنے کے لئے جیسے جلستُ جلسةً، جلستُ جلستین، جلست جلساتٍ

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مفعول مطلق کا استعمال تین طرح ہوتا ہے:
(۱) تاکید کے لئے جیسے جلستُ جلوساً۔ اس کا نام مفعول مطلق تاکیدی ہے۔ (۲) نوع کے لئے جیسے جلستُ جِلسةَ القاری۔ اس کا نام مفعول مطلق نوعی ہے۔ (۳) عدد کے لئے جیسے جلستُ جلسةً، جلست جلستینِ، جلست جلساتٍ۔ اس کا نام مفعول مطلق عددی ہے۔

سوال: مفعول مطلق تاکیدی، نوعی اور عددی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مفعول مطلق سے فعل کے معنی میں پختگی مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو تاکیدی کہتے ہیں، مفعول مطلق فعل کی کسی نوعیت اور ہیئت پر دلالت کرے جیسے جلستُ

جلسةَ القاری (میں قاری کی طرح بیٹھا)۔اس لئے اس کو نوعی کہتے ہیں۔مفعول مطلق فعل (کام) کی تعداد بیان کرنے کے لئے آتا ہے جیسے جلستُ جلسةً (میں ایک مرتبہ بیٹھا)۔ اس لئے اس کو عددی کہتے ہیں۔

فَالْاَوَّلُ لَایُثَنّٰی وَلَایُجْمَعُ ۔بِخِلَافِ اٰخَوَیْهِ

ترجمہ: مفعول مطلق جو تاکید کے لئے آتا ہے وہ تثنیہ اور جمع کے لئے نہیں لایا جائے گا۔ برخلاف دوسری اور تیسری صورت کے۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق اگر تاکید کے لئے ہو تو اس کو ہر وقت مفرد کی شکل میں لایا جائے گا وہ تثنیہ اور جمع کی صورت میں نہیں لا سکتے چنانچہ جلست جلوسا کہہ سکتے ہیں لیکن جلستُ جلوسین وغیرہ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ مفعول مطلق کی دوسری اور تیسری قسم تثنیہ اور جمع کی شکل میں استعمال ہو سکتی ہے آپ یوں کہہ سکتے ہیں جلست جلسةً, جلست جلستین جلست جلساتٍ اسی طرح عدد میں جلست جلسةً جلست جلستین وغیرہ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مفعول مطلق جو تاکید کے لئے آتا ہے اس کا استعمال تثنیہ وجمع کی شکل میں نہیں ہوتا۔ برخلاف دوسری اور تیسری صورت میں مفعول مطلق کا استعمال تثنیہ اور جمع کی شکل میں ہوتا ہے۔

سوال: مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے اس کا استعمال تثنیہ وجمع کی شکل میں کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: مفعول مطلق ماہیت اور حقیقت کی تاکید کرتا ہے اور ماہیت وحقیقت

میں تعدد نہیں ہوتا اب اگر مفعول کو تاکید کے لئے مستعمل ہو اور تثنیہ وجمع میں استعمال کیا جائے تو تعدد لازم آئے گا اس وجہ سے تثنیہ وجمع میں مستعمل نہیں ہوتا۔

سوال: دوسری قسم نوع اور تیسری قسم عدد کو تثنیہ اور جمع کی شکل میں استعمال کیوں کر سکتے ہیں؟

جواب: نوع کا تعلق افراد سے ہے اور عدد کا تعلق اجزاء سے ہے افراد اور اجزاء دونوں میں تعدد پایا جاتا ہے اور تعدد کو بیان کرنے کے لئے تثنیہ وجمع کا استعمال کیا جاتا ہے۔

وَقَدْ يَكُوْنُ بِغَيْرِ لَفْظِهٖ نَحْوُ قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔

ترجمہ: اور کبھی مفعول مطلق فعل مذکور کے لفظ کے علاوہ ہوتا ہے جیسے قعدت جلوسا

مختصر تشریح

مفعول مطلق جس طرح فعل مذکور کے ہم لفظ اور ہم معنی ہوتا ہے جیسے ضربت ضرباً اسی طرح کبھی مفعول مطلق فعل مذکور کے ہم لفظ نہیں ہوتا بلکہ مغائر ہوتا ہے البتہ ہم معنی ہوتا ہے جیسے قعدت جلوساً اس میں جلوساً فعل مذکور قعدت کے ہم لفظ نہیں ہے لیکن ہم معنی ہے اس لئے کہ قعود اور جلوس دونوں کے معنی بیٹھنے کے ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ کبھی مفعول مطلق فعل کے لفظ سے نہیں آتا بلکہ فعل کے علاوہ کے لفظ سے آتا ہے گو دونوں کا معنی ومفہوم ایک ہوتا ہے جیسے قعدت جلوساً میں جلوساً کا لفظ قعدت سے الگ ہے۔

فائدہ: مفعول مطلق کی دو صورتیں ہیں: (۱) مفعول مطلق فعل مذکور کے ہم لفظ اور ہم معنی ہو جیسے ضربت ضرباً۔ (۲) مفعول مطلق فعل مذکور کے ہم لفظ نہ ہو اور ہم معنی ہو جیسے قعدت جلوساً۔

سوال: مفعول مطلق کے اپنے فعل سے مغائر ہونے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: مفعول مطلق کے اپنے فعل سے مغائر ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) مادہ کے اعتبار سے مغائرت ہو اور معنی ایک ہو جیسے قعدت جلوساً (میں بیٹھا بیٹھنا) اس مثال میں فعل کا مادہ قعود ہے اور مفعول مطلق کا مادہ جلوس ہے، گو دونوں کا معنی ایک ہے۔

(۲) باب کے اعتبار سے مغائرت ہو اور معنی ایک ہو جیسے انبت اللہ نباتاً اس مثال میں فعل کا باب افعال ہے اور مفعول مطلق کا باب مجرد ہے، گو دونوں کا معنی ایک ہے۔

(۳) مادہ اور باب دونوں اعتبار سے مغائرت ہو جیسے فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسی اس مثال میں فعل کا باب افعال ہے اور مفعول مطلق کا باب مجرد ہے اور دونو کا مادہ بھی الگ ہے گو دونوں کا معنی ایک ہے۔

قاعدہ

> وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ
>
> (۱) جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ خَيْرَ مَقْدَمٍ !

ترجمہ: اور کبھی فعل کو حذف کیا جاتا ہے قرینہ پائے جانے کی وجہ سے (۱) اور جائز طور پر جیسے آنے والے سے کہنا: خیرَ مقدم خوش آمدید۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق کے فعل کو قرینہ کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے اور یہ حذف کبھی جوازاً ہوتا ہے جیسے تیرا سفر سے آنے والے شخص کو خیرَ مقدم کہنا جو اصل میں قدمت خیر مقدم تھا

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول مطلق کے عامل کوحذف کرنا جائز ہے اس کو بتانا ہے۔

سوال: مفعول مطلق کے عامل کوحذف کرنا کب جائز ہے؟

جواب: مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ قرینہ پایا جائے جیسے سفر سے آنے والے شخص کو کہا جائے خیر مقدم اصل میں قدمت خیر مقدم تھا، قدمت کوقرینہ کی وجہ سے حذف کردیا۔

سوال: مثال مذکور میں قرینہ کیا ہے؟

جواب: مثال مذکور میں آثار سفر قرینہ ہے۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔

سوال: خیر مقدم کوآپ نے مفعول مطلق کہا حالانکہ مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے اور مثال میں خیر مفعول مطلق ہے اور وہ تو اسم تفضیل ہے؟

جواب: (۱) خیرَ مقدم سے پہلے قدوماً محذوف ہے قدوماً موصوف ہے خیر مقدم اس کی صفت ہے خیر مقدم کو قدوما کی جگہ پر لائے لہذا خیرَ مقدم کا مصدر کی جگہ آنے سے وہ بھی مصدر کے قائم مقام ہو گیا۔(۲) خیر مضاف اور مقدم مضاف الیہ مضاف الیہ مقدم مصدر میمی ہے مضاف اور مضاف الیہ میں اتصال ہوتا ہے اس وجہ سے مضاف الیہ کا اثر مضاف میں آئے گا اور اس جگہ مضاف الیہ مقدم مصدر ہے لہذا خیر جو کہ مضاف ہے یقیناً اثر آئے گا تو خیر کا مفعول مطلق ہونا صحیح ہوگا۔

(۲) وَوُجُوْبًا (الف) سِمَاعًا مِثْلُ سَقْيًا، وَرَعْيًا، وَخَيْبَةً، وَجَدْعًا، وَحَمْدًا، وَشُكْرًا، وَعَجَبًا۔

ترجمہ: (۲) اور وجوبی طور پر (الف) سماعاً جیسے سقیاً (اللہ آپ کوخوب سیراب کرے) رعیاً (اللہ آپ کی خوب حفاظت کرے) خیبةً (وہ بہت نامراد ہوا) جدعاً (اس

کی ناک کاٹی گئی) حمداً (میں نے خوب تعریف کی) شکراً (میں نے خوب شکرادا کیا) عجباً (میں نے خوب تعجب کیا)۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا سماعاً واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا سماعاً واجب ہے۔اور سماعاً کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل لغت سے سنا گیا ہو اور اس کے لئے کوئی حاصل قاعدہ نہ ہو۔جیسے(۱)سقیاً: اللہ آپ کو سیراب کرے سیراب کرنا اس کی اصل سقاک اللہ سقیا ہے۔(۲)رعیاً:اللہ آپ کا حامی و مددگار ہو اس کی اصل رعاک اللہ رعیا ً ہے۔(۳)خیبةً:وہ نامراد ہوا،وہ ویران ہوا اس کی اصل خاب خیبةً ہے۔(۴)جدعاً: اس کی ناک کٹی ناک کٹنا اس کی اصل جدع جدعا ہے۔(۵)حمداً: میں آپ کی تعریف کرتا ہوں تعریف کرنا اس کی اصل حمدتک حمداً ہے۔(۶)شکراً:میں شکر کرنے والا ہوں شکر کرنا اس کی اصل شکرتک شکراً ہے۔(۷)عجباً: مجھے تعجب ہوا تعجب ہونا اس کی اصل عجبت عجباً ہے۔

(ب)وَقِيَاسًا فِيْ مَوَاضِعَ

ترجمہ:اور قیاس کے طور پر چند مواقع میں۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا قیاسا چند مواقع میں واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا قیاساً واجب ہے۔

سوال: قیاساً کسے کہتے ہیں؟

جواب: قیاساً کہتے ہیں جس کے لئے کوئی قاعدہ ہو۔

سوال: مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا قیاساً کب واجب ہے؟

جواب: مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا اس وقت واجب ہے جبکہ قرینہ بھی پایا جائے اور قائم مقام بھی۔

سوال: وہ کتنے مواقع ہیں جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے؟

جواب: چھ مواقع ہیں جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔

مِنْهَا مَا وَقَعَ مُثْبَتًا بَعْدَ نَفْيٍ، اَوْ مَعْنٰى نَفْيٍ دَاخِلٌ عَلٰى اِسْمٍ لَا يَكُوْنُ خَبَرًا عَنْهُ، اَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا، نَحْوُ مَا اَنْتَ اِلَّا سَيْرًا، وَمَا اَنْتَ اِلَّا سَيْرَ الْبَرِيْدِ، وَاِنَّمَا اَنْتَ سَيْرًا، وَزَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا -

ترجمہ: ان میں سے ایک وہ مفعول مطلق ہے جو مثبت واقع ہو ایسی نفی یا معنی نفی کے بعد جو اس اسم پر داخل ہو جس کی وہ مفعول مطلق خبر نہ بن سکے، یا مفعول مطلق مکرر واقع ہو جیسے ماانت الا سیراً (آپ صرف چلتے ہیں) ماانت الا سیرَ البرید (آپ تو صرف ڈاک کی سواری کی طرح چلتے ہیں) انما انت سیراً (آپ تو صرف چلتے ہی ہیں) زید سیراً سیرا (زید چلتا ہے)۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق کے عامل فعل کو وجوباً قاعدہ کے مطابق چھ جگہ حذف کیا جاتا ہے ان میں سے پہلی جگہ یہ ہے۔

جب مفعول مطلق نفی یا معنی نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور وہ اسم جو نفی کے بعد آیا ہے مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکتا ہو جیسے ما انت الا سیراً: نہیں ہیں آپ مگر چلنا۔اس میں سیراً (مصدر مفعول مطلق) ما نافیہ کے بعد مثبت آیا ہے کیونکہ وہ الا کے بعد آیا ہے اور الا سے نفی ٹوٹ جاتی ہے اور سیراً، انت کی خبر نہیں بن سکتا اور یہ مثال مفعول مطلق نکرہ کی ہے اور معرفہ کی مثال ہے ما انت الا سیرَ البرید: (آپ قاصد (ڈاکیہ) کی چال ہی چلتے ہیں) اور یہ دونوں مثالیں نفی کے بعد مفعول مطلق کی ہیں۔

اور معنی نفی کے بعد مفعول مطلق آنے کی مثال: انما انت سیراً (آپ بس چلتے ہی ہیں) انما میں ما اور الا کے معنی ہیں۔پس اس جگہ تَسِیْرُ فعل وجوباً محذوف ہوگا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان چھ مواقع میں سے پہلا موقع بیان کرنا ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں دو صورتیں ہیں (۱) مفعول مطلق حرفِ نفی یا معنی نفی کے بعد اثبات کی شکل میں واقع ہو اور نفی ایسے اسم پر داخل ہو جس اسم سے مفعول مطلق خبر نہ بن سکے (۲) مفعول مطلق مکرر واقع ہو۔اول صورت کی مثال جیسے ما انت الا سیراً، ما انت الا سیرَ البرید۔

اس مثال میں سیراً مفعول مطلق ہے، حرف نفی ما کے بعد واقع ہے، سیراً مفعول

مطلق مثبت ہے الا کی وجہ سے نیز سیراً ، ما کے اسم سے خبر بھی نہیں بن سکتا۔

سوال: سیراً، انت سے خبر واقع کیوں نہیں ہوسکتا؟

جواب: سیراً مصدر ہے اور انت اسم ضمیر ہے جس کا تعلق ذات سے ہے اور مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں ہے جیسے زید علم۔

سوال: یہ شرط کیوں لگائی گئی کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر واقع نہ ہو جو اسم نفی یا معنی نفی کے بعد واقع ہو؟

جواب: اگر مفعول مطلق اس کی خبر بنے گا تو وہ مرفوع ہوگا وہ مفعول مطلق نہیں رہے گا اس لئے کہ مفعول مطلق کی علامت نصب ہے اور یہاں مفعول مطلق بنانا ہے۔

سوال: یہ قید کیوں لگائی کہ نفی یا معنی نفی اسم پر داخل ہو؟

جواب: اگر نفی یا معنی نفی فعل پر داخل ہو تو فعل مذکور ہوگا اور فعل مذکور ہوگا تو فعل محذوف نہیں ہوگا اور یہاں فعل محذوف کو بتانا ہے۔

سوال: معنی نفی کی مثال اور اس کی وضاحت کیا ہے؟

جواب: معنی نفی کی مثال انما انت سیراً ہے۔اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ انما معنی نفی ہے،انت اس کا اسم ہے اور سیرا مفعول مطلق مثبت ہے اور معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہے جس سے سیرا کا خبر بننا صحیح نہیں ہے جس کی تفصیل ماقبل کی مثال میں گزر چکی۔

سوال: جو مفعول مطلق نفی کے بعد مثبت واقع ہو اس کی دو مثالیں مصنفؒ نے کیوں لکھی ہیں؟

جواب: (۱) اس بات کو بتانے کے لئے کہ وہ مفعول مطلق کبھی نکرہ ہوگا جس طرح کہ پہلی مثال میں اور کبھی معرفہ ہوگا جس طرح کہ دوسری مثال میں۔

جواب: (۲) مفعول مطلق کبھی مفرد ہوگا جس طرح کہ پہلی مثال میں اور کبھی مضاف ہوگا جس طرح دوسری مثال میں۔

فائدہ: پہلی مثال میں الا کے بعد فعل محذوف ہے یعنی ماانت الا تسیر سیراً،

ورنہ استثناء الشئی من نفسہ لازم آئے گا اور دوسری مثال میں الا کے مابعد فعل محذوف مانیں یا پہلے دونوں صحیح ہیں جیسے ما انت الا تسیر سیراً البرید یا ما انت تسیر الا سیراً البرید۔

أَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا

ترجمہ: یا آیا ہو مفعول مطلق مکرر۔

مختصر تشریح

مفعول مطلق مکرر واقع ہو اور وہ خبر بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ جیسے زید سیراً سیراً (زید چلتا ہے چلنا) اس جگہ بھی تَسِیْرُ وجوباً محذوف ہوگا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اول موقع کی دوسری صورت مفعول مطلق مکرر واقع ہو اس کو بیان کرنا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مفعول خبر کی جگہ مکرر واقع ہو اور اس کا خبر بننا صحیح نہ ہو تو مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے جیسے زید سیراً سیراً (زید چلتا ہے چلنا) مذکورہ مثال میں سیراً مفعول مطلق ہے، خبر کی جگہ مکرر واقع ہے اصل میں زید یسیر سیراً سیراً تھا، یسیر کو حذف کر دیا۔

سوال: جب مفعول مطلق مکرر واقع ہو تو کیا دوسرا مفعول پہلے کی تاکید ہوگا؟

جواب: بظاہر تاکید ہی معلوم ہوتا ہے لیکن تاکید، متکلم کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایسی عبارت سے متکلم کا مقصود پے در پے فعل کا بیان ہوتا ہے چنانچہ جب بولا جاتا ہے (زید سیراً سیراً) تو عرف میں اس سے پے در پے سیر سمجھا جاتا ہے، لہٰذا دوسرا سیراً مفعول فیہ کی بناء پر

منصوب ہے کہ اصل میں (بعد سیر) تھا اسی طرح آیت کریمہ (دُکَّتِ الارضُ دکاًّ دکاًّ) میں بھی سمجھنا چاہئے۔

سوال: مصنفؒ نے دونوں صورتوں کو ایک ساتھ بیان کیوں کیا؟

جواب: قاعدہ اولی میں ما اور الا کی وجہ سے حصر پایا جاتا ہے اور قاعدہ ثانیہ میں تکرار ہے دونوں سے مقصود دوام اور استمرار ہے اور فعل چونکہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے لہذا اس کی موجودگی میں دوام اور استمرار نہیں پایا جاتا ہے اس لئے دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا الگ الگ بیان نہیں کیا۔

جواب: دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق خبر نہیں بن سکتا اس لئے مصنفؒ نے ایک ساتھ بیان کیا۔

(۲) وَمِنْهَا مَا وَقَعَ تَفْصِيلاً لِاَثَرِ مَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ، مِثْلُ "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً"

ترجمہ: اور ان میں سے (دوسرا موقع) وہ مفعول مطلق ہے جو سابقہ جملہ مضمون کے اثر کی تفصیل واقع ہو جیسے (فشدوا الوثاق، فاما منا بعد و اما فداءا) تو بیڑی مضبوط باندھ دو، پھر یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو)۔

مختصر تشریح

دوسری جگہ جہاں مفعول مطلق کے ذریعہ پہلے والے جملہ کی غرض اور فائدہ بیان کیا گیا ہو جیسے ارشاد پاک ہے: فشدوا الوثاق، فاما منا بعد و اما فداء ا (جنگ میں کفار کو خوب مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا ہے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا ہے)۔ (سورۂ محمد: آیت: ۴)۔

اس میں پہلا جملہ ہے شدوا الوثاق، اس کی تفصیل بعد کے جملہ میں ہے جس میں

دو مفعول مطلق آئے ہیں ایک منّاً دوسرا فداءً دونوں کے عامل تَمُنُّونَ اور تَفِدُوْنَ وجوباً محذوف ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد دوسرا موقع بیان کرنا ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔اوراس کی تفصیل یہ ہے کہ مفعول مطلق گذشتہ جملے کے مضمون کے غرض کی تفصیل واقع ہو۔

سوال: مضمون جملہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مضمون جملہ سے مراد وہ مصدر ہے جو جملہ سے مفہوم ہوتا ہے اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہوتا ہے مذکورہ مثال میں فشدوا الوثاق سے شدالوثاق جملہ کا مضمون ہے۔

نوٹ: فائدہ کا مدار اگر فاعل کی طرف ہے تو اضافت فاعل کی طرف ہوتی ہے اور اگر فائدہ کا مدار مفعول کی طرف ہے تو اضافت مفعول کی طرف ہوتی ہے۔

سوال: اثر مضمون جملہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اثر مضمون جملہ سے مراد، مضمون جملہ کی غرض وغایت ہے۔

مثال مذکور فشدوا الوثاق فاما منابعد و اما فداء ا۔ میں منا اور فداء امفعول مطلق ہے اور وہ گذشتہ جملہ فشدوا الوثاق کے بعد واقع ہے، اس کا مضمون جملہ کفار کو مضبوط باندھنا ہے اور مضمون جملہ کی غرض (احسان کرنا یا فدیہ دینا) کی تفصیل واقع ہو رہا ہے اس لئے مفعول مطلق منا سے پہلے عامل تمنون فعل محذوف ہے اور فداء سے پہلے فعل تفدون فعل محذوف ہے اصل میں عبارت تھی فشدوا الوثاق فاماتمنون و اماتفدون فداء۔

فائدہ: فشدوا الوثاق الخ سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جہاں فعل (مصدر) صیغہ

امر سے طلب کیا جائے اور پھر امر کے فائدے کو بصورت مصدر علی سبیل التردید بیان کیا جائے

سوال: یہاں مفعول مطلق کے عامل کو حذف کیا ہے تو قرینہ اور قائم مقام کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق کا نصب قرینہ ہے کہ اس کا کوئی عامل ہے اور ماقبل کا جملہ فعل کا قائم مقام ہے۔

(۳) وَمِنْهَا مَا وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ عِلَاجًا بَعْدَ جُمْلَةٍ مُشْتَمِلَةٍ عَلَى اِسْمٍ بِمَعْنَاهُ وَصَاحِبِهِ نَحْوُ مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ، وصراخٌ صراخَ الثُّكْلَى

ترجمہ: اوران میں سے (تیسرا موقع) وہ مفعول مطلق ہے جو تشبیہ کے لئے واقع ہو درآنحالیکہ وہ علاج ہو، ایسے جملے کے بعد جو اس (مفعول مطلق) کے ہم معنی کسی اسم اور اس کے صاحب پر مشتمل ہو جیسے مررت به فاذا صوت صوتَ حمار / وصراخ صراخَ الثكلي (میں اسکے پاس سے گزرا تو اچانک اس کی آواز تھی گدھے جیسی آواز، اور چیخ کررونا تھا اس عورت کے چیخ کررونے کے مانند جس کا لڑکا مرگیا ہو)۔

مختصر تشریح

تیسری جگہ: جب مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو اور وہ افعال جوارح میں سے ہو (اعضائے بدن سے تعلق رکھتا ہو) افعال قلوب سے نہ ہو اور وہ ایسے جملہ کے بعد آیا ہو جس میں مفعول مطلق کے ہم معنی لفظ ہو اور مفعول مطلق جس شخص کا فعل ہے اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی اس جملہ میں ہو تو وہاں مفعول مطلق کا عامل وجوباً قیاساً محذوف رہتا ہے۔

پہلی مثال: مررت به فاذاله صوت صوتَ حمار (میں اس کے پاس سے گزرا وہ گدھے کی طرح آواز لگا رہا تھا) اس میں صوتَ حمار مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہے، اور

3

آواز افعالِ جوارح میں سے ہے، کیونکہ وہ حلق سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے پہلے جملہ له صوت ہے، جو اسم مفعول کا ہم معنی لفظ ہے اور صاحب صوت کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی له میں ہے اس لئے یہاں مفعول مطلق کا عامل یصوت وجوباً محذوف ہے۔

دوسری مثال: مررت به فاذا له صُراخٌ صُراخَ الثَكلیٰ (میں اس کے پاس سے گزرا وہ ایسے رو رہا تھا جس طرح وہ عورت روتی ہے جس کا بچہ مرگیا ہو) اس میں صُراخَ الثکلیٰ مفعول مطلق ہے اور اس کا عامل یصرُخُ وجوباً محذوف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد تیسرے موقع کو بیان کرنا ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔ اور مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے جبکہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو اور علاج کے لئے ہو، نیز وہ جملہ کے بعد واقع ہو اور وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو جو مفعول مطلق کے معنی میں ہو نیز اس اسم کے صاحب پر بھی مشتمل ہو۔

سوال: مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو اس کا کیا مطلب؟

جواب: مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ مفعول مطلق کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ دی جاوے۔

سوال: علاج کا کیا مطلب؟

جواب: علاج کا مطلب مفعول مطلق افعال جوارح کے قبیل سے ہو۔

سوال: مفعول مطلق افعال جوارح کے قبیل سے ہو اس کا کیا معنی؟

جواب: مفعول مطلق افعال جوارح کے قبیل سے ہو اس کا معنی اعضاء ظاہرہ سے صادر ہونے والے افعال میں سے کسی پر دال ہو۔

پہلی مثال: مررت به فاذا له صوت صوتَ حمار (میں اس کے پاس سے گزرا پس اچانک وہ گدھے کی طرح آواز لگا رہا تھا)۔

اس میں صوتَ حمارٍ مفعول مطلق ہے اس کا عامل یصوت فعل محذوف ہے اصل میں عبارت ہے فاذاله صوت یصوت صوتَ حمار۔ صوتَ حمار جو مفعول مطلق ہے تشبیہ کے لئے ہے اس لئے کہ انسان کی آواز کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ افعال جوارح میں سے ہے اس لئے کہ آواز کا تعلق حلق سے ہے اور یہ اعضاء ظاہرہ میں سے ہے اور فاذاله صوت جملہ کے بعد صوت حمار مفعول مطلق واقع ہے نیز وہ مفعول مطلق جملہ کے ہم معنی میں ہے اس لئے کہ دونوں میں صوت ہے اور اسم صاحب صوت بھی جملہ میں موجود ہے اس لئے کہ صاحب صوت کا ذکر له میں موجود ہے۔

دوسری مثال: فاذا له صراخ صراخ الثكلى (میں اس کے پاس سے گزرا پس اچانک وہ ایسا رو رہا تھا جس طرح وہ عورت روتی ہے جس کا بچہ مر گیا ہو)۔

اس میں صراخَ الثكلى مفعول مطلق ہے اس کا عامل یصرخ محذوف ہے اصل میں عبارت ہے فاذاله صراخ یصرخ صراخَ الثكلى، اور صراخَ الثكلى جو مفعول مطلق ہے، وہ تشبیہ کے لئے ہے اس لئے کہ انسان کے رونے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ افعال جوارح میں سے ہے اس لئے کہ رونے کا تعلق آنکھ سے ہے اور یہ اعضاء ظاہرہ میں سے ہے اور فاذاله صراخ جملہ کے بعد صراخَ الثكلى مفعول مطلق واقع ہے نیز وہ مفعول مطلق جملہ کے ہم معنی میں ہے اس لئے کہ دونوں میں صراخ ہے اور اسم صاحب صراخ بھی جملہ میں موجود ہے اس لئے کہ صاحب صراخ کا ذکر له جملہ میں موجود ہے۔

سوال: ایک ہی قاعدہ کی دو مثالیں کیوں بیان کی؟

جواب: ایک ہی قاعدہ کی دو مثالیں اس لئے بیان کی کہ ان دونوں مثالوں میں تین فرق ہیں: (۱) مثال اول میں مفعول مطلق مصدر تاویلی ہے اور دوسری مثال میں تحقیقی۔
(۲) مثال اول میں مفعول مطلق کی نکرہ کی طرف اضافت ہے اور ثانی میں معرفہ کی طرف۔
(۳) پہلی مثال میں مضاف الیہ غیر ذوی العقول ہے اور ثانی میں ذوی العقول ہے۔

سوال: حذف کیوں واجب ہے؟

جواب: قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں۔

سوال: قرینہ اور قائم مقام کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق پر نصب آنا اس بات کا قرینہ ہے کہ فعل محذوف ہے۔ اور مفعول مطلق سے پہلے جو جملہ ہے وہ قائم مقام ہے۔

فوائد قیود: للتشبیه کی قید سے مررت به فاذا له صوت صوت حسن جیسی مثالوں کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس میں صوت حسن تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ صوت سے بدل واقع ہے۔

علاجا کی قید سے مصنفؒ نے مررت به فاذا له زهد زهد الصلحاء جیسی مثالوں کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس مثال میں زهد الصلحاء مفعول مطلق تو ہے لیکن اعضاء ظاہری سے صادر ہونا، یہ شرط مفقود ہے اس لئے کہ زهد کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں ہے بلکہ باطنی عضو، قلب سے ہے۔

بعد جملة کی قید سے مصنفؒ نے صوت زید صوت حمار جیسی مثال کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس مثال میں صوت حمار مفعول مطلق تو ہے لیکن اس سے پہلے صوت زید جملہ نہیں ہے بلکہ مرکب غیر مفید ہے (زید کی آواز) اور مرکب غیر مفید جملہ نہیں ہوتا ہے۔

علی اسم بمعناه کی قید سے مررت بزید فاذا له صفة صوت حمار جیسی مثال کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس مثال میں صوت حمار مفعول مطلق تو ہے لیکن جو شرط تھی کہ وہ مفعول مطلق اس جملہ کے مفعول مطلق کے ہم معنی میں ہو, دونوں کا ایک معنی ہو یہ شرط مفقود ہے اس لئے کہ صفة کا معنی الگ ہے اور صوت کا معنی الگ ہے اس لئے حذف واجب نہیں ہے۔

وصاحبه کی قید سے مررت بالبلد فاذا له صوت صوت حمار جیسی مثال کو خارج کر دیا اس لئے کے جملہ میں مفعول مطلق کا صاحب موجود نہیں ہے اس لئے حذف واجب نہیں

فائدہ: صوت کا معنی آواز بھی اور آواز کرنا بھی جیسے لفظ کا معنی بات اور بات کرنا بھی چنانچہ شرح جامی میں ہے صات الشیء صوتا بمعنی صوّت تصویتا۔

(۴) وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مَضْمُوْنَ جُمْلَةٍ لَا مُحْتَمِلَ لَهَا غَيْرُهُ، نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ اِعْتِرَافًا. وَيُسَمّٰى تَاكِيْدًا لِنَفْسِهٖ۔

ترجمہ: اوران میں سے (چوتھا موقع) وہ مفعول مطلق ہے جوایسے جملے کا مضمون واقع ہوجس میں مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال نہ ہو جیسے له علی الف درهم اعترافا (اس کے میرے ذمہ ایک ہزار درہم ہیں، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں) اوراس کوتا کیدلنفسہ کہا جا تا ہے۔

مختصر تشریح

چوتھی جگہ: مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ ہوجس میں مفعول مطلق کے علاوہ دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو جیسے له عليَّ اَلفُ دِرهَم اعترافاً (اس کے میرے ذمہ ہزار درہم ہیں، میں اس کا اعترف کرتا ہوں) اس جگہ فعل اعترفت محذوف ہے۔کیونکہ اعترافاً له علی الف درهم کا خلاصہ ہےاوراس میں اقرار کے علاوہ دوسرا کوئی احتمال نہیں۔اس قسم کے مفعول مطلق کا نام تاکیدلنفسہ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد چوتھا موقع بیان کرنا ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق کے عامل کو قیاسی طور پر حذف کرنا واجب ہے ان مواقع میں سے ایک موقع یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملے کا خلاصہ واقع ہو کہ وہ جملہ مفعول مطلق کے علاوہ کسی اور چیز کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے له علی الف درهم اعترافا مذکورہ مثال کی اصل له علی الف درهم اعترفت اعترافا تھی، اعترافا مفعول مطلق ہے جس کے معنی اقرار کرنا جو

له علی الف درهم کا خلاصہ ہے اس لئے کہ له علی الف درهم میں بھی اقرار کا مفہوم پایا جاتا ہے اور له علی الف درهم میں مفعول مطلق اعترافا کے علاوہ کسی اور چیز کا احتمال نہیں ہے اس لئے اعترفت کو حذف کیا۔

سوال: اعترفت کو کیوں حذف کیا؟

جواب: قرینہ اور قائم مقام موجود ہے۔

سوال: قرینہ اور قائم مقام کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق پر نصب آنا اس بات کا قرینہ ہے کہ فعل محذوف ہے۔ اور مفعول مطلق سے پہلے جو جملہ ہے له علی الف درهم وہ قائم مقام ہے۔

سوال: اس مفعول مطلق کو تاکید لنفسہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: مفعول مطلق اور جملہ دونوں کا معنی ایک ہے گویا مفعول مطلق اپنی ذات کے لئے تاکید ہوئی اس لئے اس کو تاکید لنفسہ کہتے ہیں، دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ مفعول مطلق کے جو معنی ہے وہ ہی معنی اور مضمون جملہ سے مفہوم ہوتا ہے اس اعتبار سے گویا دونوں ہم معنی ہوئے اس لئے اس کو تاکید لنفسہ کہتے ہیں۔

(۵)وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مَضْمُوْنَ جُمْلَةٍ لَهَا مُحْتَمِلُ غَيْرِهِ،
نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا ،وَيُسَمّٰى تَاكِيْدًا لِّغَيْرِهِ۔

ترجمہ: اور ان میں سے (پانچواں موقع) وہ مفعول مطلق ہے جو ایسے جملے کا مضمون واقع ہو جس میں مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال ہو، جیسے زید قائم حقا (زید کھڑا ہے حقیقۃً) اور اس کو تاکید لغیرہ کہا جاتا ہے۔

مختصر تشریح

پانچویں جگہ: مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ ہو جس میں دوسرے معنی کا احتمال ہو

جیسے زید قائما حقاً (زید کھڑا ہے یہ بات بالکل درست ہے)ای حق حقاً۔زید قائم جملہ خبریہ ہے اس میں صدق وکذب کا احتمال ہے پس اس میں حقاً کے علاوہ کا بھی احتمال ہے۔ اس قسم کا مفعول مطلق تاکید لغیرہ کہلاتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد پانچواں موقع بیان کرنا ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ واقع ہو کہ وہ جملہ مفعول مطلق کے علاوہ کسی اور چیز کا احتمال رکھتا ہو جیسے زید قائم حقااس کی اصل زیدقائم حق حقا ہے اس مثال میں حقامفعول مطلق ہے جوزید قائم کا خلاصہ واقع ہے لیکن جملہ مفعول مطلق صدق کے علاوہ کذب کا بھی احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ زید قائم جملہ خبریہ ہے جس میں صدق اور کذب کا احتمال ہوتا ہے۔

سوال: حق کو حذف کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: قرینہ اور قائم مقام موجود ہے۔

سوال: قرینہ کیا ہے؟ اور قائم مقام کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق پر نصب آنا اس بات کا قرینہ ہے کہ فعل محذوف ہے۔اور مفعول مطلق سے پہلے جو جملہ زید قائم ہے وہ قائم مقام ہے۔

سوال: اس مفعول مطلق کو تاکید لغیرہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس مفعول مطلق کو تاکید لغیرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے والے جملہ میں غیر کا احتمال پایا جاتا ہے۔

سوال: تاکید تو ذات کی ہوتی ہے غیر کی نہیں ہوتی تو تاکید لغیرہ کیوں کہا؟

جواب: تاکید تو ذات ہی کی ہورہی ہے لیکن جس کی تاکید ہورہی ہے اس میں غیر کا احتمال ہے۔

(٦) وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى، مِثْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ

ترجمہ: اوران میں سے (چھٹا موقع) وہ مفعول مطلق ہے جوتثنیہ واقع ہو جیسے لبیک (میں آپ کا حکم ماننے کے لئے مسلسل حاضر ہوں) سعدیک (میں پے در پے آپ کی مدد کروں گا)۔

مختصر تشریح

چھٹی جگہ: وہ مفعول مطلق جوتثنیہ ہواور برائے تکرار وتکثیر آیا ہواس کا فعل بھی قیاساً محذوف رہتا ہے جیسے لَبَّیکَ (خدایا! میں آپ کے سامنے ایک دفعہ نہیں، بار بار مقیم وموجود ہوں اس میں لبّی مصدر منصوب (مفعول مطلق) ہے کیونکہ اس کو برائے تکثیر تثنیہ بنا کر کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔اسی طرح سعدیک ہے اس کی اصل اسعدک اسعادا بعد اسعاد ہے (میں بار بار آپ کی مدد کرتا ہوں)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد چھٹا موقع بیان کرنا ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق کے عامل کو قیاسی طور پر حذف کرنا واجب ہے جہاں مفعول مطلق تثنیہ ہو جیسے لبیک اصل میں تھا الب لک البابین ہے الب کو حذف کیا پھر اس کے بعد مصدر البابین کو اس کے قائم مقام کیا تو عبارت ہوئی البابین لک پھر البابین مصدر سے حروف زوائد الف کو شروع سے اور با کے بعد الف کو حذف کیا تو لبین لک ہوا اس کے بعد لک کے لام کو تخفیف کے لئے ہٹا دیا پھر لبین کی اضافت ک کی طرف کی جس کی وجہ سے نون حذف کر دیا لبیک ہو گیا۔

جیسے سعدیک اصل میں تھا اسعدک اسعادین لک ہے اسعدک کو حذف کیا
پھراس کے بعد مصدر اسعادین کو اس کے قائم مقام کیا تو عبارت ہوئی اسعادینک پھر
اسعادین مصدر سے حروف زوائد الف کو شروع سے اور ع کے بعد الف کو حذف کیا تو
سعدینک ہوا اس کے بعد سعدین کی اضافت ک کی طرف کی جس کی وجہ سے نون حذف
کردیا تو سعدیک ہوگیا۔

سوال: ولبیک کی اصل میں فعل کے بعد لام جارہ ہے لیکن سعدیک کی اصل
میں فعل کے بعد لام جارہ نہیں، کیوں؟

جواب: الباب متعدی باللام ہے اور اسعاد متعدی بنفسہ ہے۔

سوال: حذف کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: قرینہ اور قائم مقام موجود ہے۔

سوال: قرینہ کیا ہے؟ اور قائم مقام کیا ہے؟

جواب: مفعول مطلق پر نصب آنا اس بات کا قرینہ ہے کہ فعل محذوف ہے۔ اور
مفعول مطلق، فعل محذوف کا قائم مقام ہے۔

سوال: مثنی سے کیا مراد ہے؟

جواب: مثنی سے مراد تکریر و تکثیر ہے نہ کہ حقیقی تثنیہ۔

سوال: آیت کریمہ ثم ارجع البصر کرتین میں کرتین تثنیہ ہے اس کا فعل
محذوف نہیں بلکہ ارجع مذکور ہے، لہذا آپ کا قانون غلط ہے؟

جواب: قاعدہ کی ایک شرط مفقود ہے کہ تثنیہ کا صیغہ ہو اور وہ فاعل یا مفعول کی
طرف مضاف ہو اور کرتین تثنیہ تو ہے لیکن مضاف نہیں اس لئے حذف بھی واجب نہیں ہوگا۔

مفعول بہ کا بیان

اَلْمَفْعُوْلُ بِہٖ۔ ھُوَ مَا وَقَعَ عَلَیْہِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، نَحْوُ ضَرَبْتُ زَیْدًا

ترجمہ: مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربت زیدا (میں نے زید کو مارا)۔

مختصر تشریح

مفعول بہ: وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہو جیسے ضربتُ زیداً (میں نے زید کو مارا) اس میں ضمیر متکلم فاعل سے ضرب کا صدور ہوا اور اس کا وقوع زید پر ہوا اس لئے زید مفعول بہ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفاعیل خمسہ میں سے مفعول بہ کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مفعول بہ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضرب زید عمروا میں عمروا مفعول بہ ہے اس لئے کہ اس پر فاعل زید کا فعل (مارنا) واقع ہوا ہے۔

سوال: وقوع فعل سے کیا مراد ہے؟

جواب: وقوع فعل سے مراد فعل کا تعلق کسی ایسی شئی کے ساتھ ہو جس کے بغیر فعل سمجھ میں نہ آوے۔

سوال: ضُرِبَ زَیْدٌ میں زید پر ضرب کا وقوع ہو رہا ہے اس کے باوجود زید مفعول بہ نہیں ہے؟

جواب: فعل سے ایسا فعل مراد ہے جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو اور اس

مثال میں ایسی اسنادنہیں پائی جاتی اس لئے کہ فاعل معلوم ہی نہیں تو پھراس کی طرف اسناد کس طرح ہوسکتی ہے۔

سوال: مفعول بہ کی تعریف جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتوایاک نعبد جیسی مثال میں نعبدفعل با فاعل ایاک مفعول بہ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) گویا بندہ کی عبادت کا وقوع ذات باری پر ہورہا ہے حالانکہ کوئی فعل بندہ کی طرف سے ذات باری پر واقع نہیں ہوسکتا؟

جواب: وقوع فعل سے مراد تعلق ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں گویا عبادت کا تعلق ذات باری کے ساتھ ہورہا ہے۔

سوال: مررت بزید میں مرور کا تعلق زید کے ساتھ ہوا ہے، تو زید کو مفعول بہ کیوں نہیں کہتے؟

جواب: فعل کا تعلق بغیر حرف جر کے ہونا چاہئے اور مثال میں حرف جر کا واسطہ ہے اس لئے مفعول بہ نہیں ہوگا۔

سوال: مفعول بہ کی تعریف صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ضربت زیدا میں لفظ زید مفعول بہ ہے لیکن اس لفظ پر فاعل کا فعل واقع نہیں ہوا ہے بلکہ فاعل کا فعل اس آدمی پر واقع ہوا ہے کہ جس کا نام زید ہے؟

جواب: تعریف میں مضاف محذوف ہے، اصل عبارت المفعول بہ اسم ما وقع علیہ فعل الفاعل ہے۔

سوال: مفعول بہ کی تعریف میں لفظ فاعل کا ذکر بے فائدہ ہے اس لئے کہ فعل تو فاعل ہی کا ہوتا ہے نہ کہ کسی دوسرے کا؟

جواب: اگر تعریف میں لفظ فاعل نہ ہوتا تو مفعول بہ کی تعریف نائب فاعل پر صادق آجاتی جیسے (ضُرِبَ زید) میں زید پر کیونکہ زید پر فعل واقع ہوا ہے۔

فوائد قیود: ما جنس ہے تمام مفاعیل کو شامل ہے، وقع علیہ فصل اول ہے اس سے مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ وغیرہ خارج ہو گئے۔

مفعول فیہ تو اس لئے نکل گیا کہ فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں ہوتا بلکہ اس میں واقع ہوتا ہے، مفعول لہ اس لئے خارج ہو گیا کہ فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے واقع ہوتا ہے، مفعول معہ اس لئے نکل گیا کہ فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ واقع ہوتا ہے اور فعل الفاعل فصل ثانی ہے اس سے مفعول مطلق نکل گیا اس لئے کہ ماوقع علیه فعل الفاعل سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل اور ہے اور جس پر واقع ہوا ہے وہ اور ہے، ان دونوں میں اتحاد نہیں ہے بلکہ مغایرت ہے اور مفعول مطلق اپنے فعل کے معنی میں ہوتا ہے لہذا اس میں اور اس کے فعل میں اتحاد ہوگا مغایرت نہیں ہوگی۔

قاعدہ

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفِعْلِ، نَحْوُ زَيْدًا ضَرَبْتُ

ترجمہ: اور کبھی مفعول بہ فعل پر مقدم ہوتا ہے جیسے زیدا ضربت (زید کو میں نے مارا)۔

مختصر تشریح

ایک قاعدہ بیان کیا گیا کہ کبھی مفعول بہ فعل سے پہلے آتا ہے جیسے زیدا ضربت (میں نے زید کو مارا) اس مثال میں زیدا مفعول بہ اپنے عامل فعل ضربت سے مقدم ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول بہ کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد مفعول بہ کے چند احکام بیان کرنا ہے چنانچہ پہلا حکم کبھی مفعول بہ اپنے عامل فعل پر مقدم ہوتا ہے۔ اور مقدم ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) مفعول بہ مقدم ہوتا ہے جوازاً جیسے وجه الحبيب اتمنی۔ (۲) مفعول بہ مقدم ہوتا ہے وجوباً۔

سوال: مفعول بہ وجوباً کب مقدم ہوتا ہے؟

جواب: اگر مفعول بہ صدر کلام کو چاہتا ہو اور مفعول بہ شرط اور استفہام کے معنی کو شامل ہو تو مفعول بہ کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے من رأیت میں رأیت فعل با فاعل ہے اور من مفعول بہ ہے لیکن من کلمات استفہام میں سے ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے مقدم کرنا واجب ہے۔ اور من تکرم اکرم میں من یہ حروف شرط میں سے ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے مقدم کرنا واجب ہے۔

سوال: اصول ہے کہ مفعول بہ کو مقدم کرنا جائز ہے حالانکہ ہم ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے جیسے من البر ان تکف لسانک (نیکی میں سے یہ ہے کہ اپنی زبان کو بند کردے) اس مثال میں ان تکف فعل ہے اور لسانک مفعول بہ ہے لیکن لسانک کو ان تکف پر مقدم کرنا درست نہیں ہے۔

جواب: ان تکف فعل ہے لیکن ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے شروع میں ان مصدریہ ہے، جس کی وجہ سے فعل مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے اور مصدر عامل ضعیف میں سے ہے۔

قاعدہ

وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ (الف) جَوَازًا كَقَوْلِكَ "زَيْدًا" لِمَنْ قَالَ مَنْ أَضْرِبُ

ترجمہ: اور کبھی فعل کو حذف کردیا جاتا ہے کسی قرینے کے پائے جانے کے وقت۔

(الف) جوازاً جیسے زیدا (زید کو) اس شخص کے جواب میں جو کہے: من اضرب (میں کس کو ماروں؟)۔

مختصر تشریح

مفعول بہ کے عامل فعل کو حذف کرنا قرینہ کی وجہ سے جائز ہے جیسے کسی نے پوچھا من اضرب (کس کو ماروں؟) آپ نے جواب دیا: زیدا (زید کو) یہاں فعل اضرِبُ محذوف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول بہ کا دوسرا حکم بیان کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ کبھی مفعول بہ کے عامل (فعل) کو حذف کیا جاتا ہے۔

سوال: مفعول بہ کے عامل (فعل) کو حذف کیا جانا کتنے طریقوں پر ہیں؟

جواب: مفعول بہ کے عامل (فعل) کو دو طریقوں پر حذف کیا جاتا ہے: (۱) جوازاً (۲) وجوباً

سوال: مفعول بہ کا عامل جوازاً حذف کب ہوتا ہے؟

جواب: مفعول بہ کا عامل جوازاً حذف اس وقت جائز ہے جبکہ کوئی قرینہ پایا جائے۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو چیز مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔

سوال: قرینہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: قرینہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قرینہ حالیہ (۲) قرینہ مقالیہ

سوال: قرینہ حالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: فاعل کی حالت سے معلوم ہو جیسے ایک شخص مکہ کا ارادہ کر رہا ہے، سامان سفر باندھ دیا ہے تو اس سے کہے: مکۃ مطلب تو مکہ کا ارادہ کر رہا ہے گویا ترید فعل کو حذف کیا۔

سوال: قرینہ مقالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینہ مقالیہ کہتے ہیں کلام میں کوئی چیز موجود ہو جیسے من اضرب کے جواب میں کہا جائے زیدا جو اصل میں ہے اِضرِب زیدا۔تو اِضرِب کو حذف کر دیا اس لئے کہ یہ بات سوال سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

(ب)وَوُجُوْبًا فِيْ اَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ: اَلْاَوَّلُ سِمَاعِيٌّ، نَحْوُ اِمْرَأً وَنَفْسَهُ، وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَكُمْ "وَاَهْلًا وَسَهْلًا"

ترجمہ: (ب) اور وجوبی طور پر چار مواقع ہیں۔ پہلا موقع سماعی ہے جیسے امرء ا و نفسه (چھوڑ انسان کو اور اس کے نفس کو) اور انتهوا خیر الکم (باز آجاؤ تم اے نصاری کی جماعت تین خداؤں کے ماننے سے اور ارادہ کرو اپنے لئے بھلائی کا) اور اھلا و سھلا (آپ اپنے ہی لوگوں میں آئے، آپ نے نرم زمین کو روندا)۔

مختصر تشریح

چار جگہوں میں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے: (ا) سماعی ہے، اہل لسان سے حذف سنا گیا ہے۔ چند مثالیں: (ا) اِمرأً و نفسه آدمی کو اور اس کی ذات کو چھوڑ۔ اس جگہ اُترُک فعل محذوف ہے۔ (۲) انتھوا خیر اًلکم (تثلیث سے باز آجاؤ) اپنے لئے بہتر بات (توحید) کا ارادہ کرو اس جگہ اقصُدُوا محذوف ہے۔ (۳) اھلا و سھلا (اپنے گھر والوں میں آئے، اور نرم زمین کو روندا) اس جگہ أَتیتَ اور وَطِئتَ محذوف ہیں۔ باقی تین جگہیں جہاں مفعول بہ کا فعل وجوباً محذوف ہوتا ہے وہ منادیٰ، مااضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر اور تحذیر ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کرنے کی چار صورتوں کو بیان کرنا ہے، ان چار میں سے اول سماعی ہے اور تین قیاسی ہیں۔

سوال: سماعی کسے کہتے ہیں؟

جواب: سماعی کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل لسان سے سنا گیا ہو اور اس کے لئے کوئی حاصل قاعدہ نہ ہو۔

سوال: مصنفؒ نے سماعی کی کتنی مثالیں بیان کی؟

جواب: مصنفؒ نے سماعی کی چار مثالیں بیان کی۔
جوحسبِ ذیل ہیں:(۱)امرا ونفسه (آدمی کو اس کے نفس کے ساتھ چھوڑو) امرأ سے پہلے فعل اترک محذوف ہے اصل میں اترک امرا ونفسه ہے۔
(۲)انتهوا خيراً لكم (تم تثلیث سے باز آجاؤ، اپنے لئے (توحید) کا ارادہ کرو) خیراً سے پہلے اقصدوا فعل محذوف ہے اصل میں انتهوا عن التثليث واقصدوا خيراًلكم ہے۔
(۳)اهلا (۴)و سهلا (گھر والوں میں آئے اور نرم زمین کو روندا) اتیت اور وطیت فعل محذوف ہے اصل میں اتيت اهلا و وطيت سهلا ہے۔اهلا سے پہلے اتيتَ فعل محذوف ہے اور سھلا سے پہلے وطیتَ محذوف ہے۔اور حذف پر دلیل صرف سماع ہے۔
سوال: آیت کریمہ وانتهوا خير الكم میں خیر امفعول بہ ہے اور اس کا فعل (وانتهوا) مذکور ہے لہذا اس کو مثال میں پیش کرنا صحیح نہیں ہوگا۔
جواب: آیت کریمہ وانتهوا خير الكم میں خیر اًمفعول بہ ہے اور اس کا فعل (وانتهوا) نہیں ہے، اگر خیرا کو انتھوا کا مفعول بہ مانا جائے تو معنی فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ تم خیر سے بچو جو صحیح نہیں ہے بلکہ فعل محذوف اقصدوا کا مفعول بہ ہے۔
سوال: اھلاً کا کیا معنی ہے؟
جواب: لغت میں اھلاً دو چیزوں کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے:(۱) ویران اور غیر آباد جگہ کے مقابلے میں (۲) اغیار اور اجانب کے مقابلہ میں۔اول صورت میں اہل کے معنی آباد جگہ اس لئے اہل بمعنی ماحول ہوگا اس سے پہلے مکانا موصوف محذوف ہوگا اور معنی ہوں گے''تو آباد جگہ میں آیا ویرانہ میں نہیں آیا''۔ثانی صورت میں معنی ہوں گے''تو اپنے عزیزوں اور دوستوں میں آیا، اجنبیوں میں نہیں آیا۔
سوال: سھلاً کے کیا معنی ہے؟
جواب: سھلاً کے معنی نرم زمین کے ہیں جو سخت کے مقابلہ میں ہے معنی یہ ہوئے

کہ تو نرم زمین پر چلا ہے سخت پر نہیں۔

سوال: قیاسی کسے کہتے ہیں؟

جواب: قیاسی کہتے ہیں جس کے لئے کوئی حاصل قاعدہ ہو۔

سوال: وہ تین جگہیں جو قیاسی ہیں وہ کونسی ہیں؟

جواب: وہ تین جگہ جو قیاسی ہیں وہ یہ ہیں (۱) منادیٰ (۲) ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر (۳) تحذیر۔

سوال: کیا مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کرنا صرف چار مواضع کے ساتھ مخصوص ہے؟

جواب: مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کرنا صرف چار مواضع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ چند صورتیں اور ہیں۔

(۱) باب اعزا میں بھی حذف واجب ہے جیسے اخاک اخاک (اپنے بھائی کا خیال کر اپنے بھائی کا خیال کر) اس صورت میں الزم فعل مقدر ہے جو اکرم کے وزن پر ہے۔

(۲) منصوب علی المدح کے فعل کا حذف واجب ہے جیسے الحمد للہ اس صورت میں امدح فعل محذوف ہے۔

(۳) منصوب علی الذم کے فعل کا حذف واجب ہے جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اس صورت میں اذم فعل محذوف ہے۔

(۴) منصوب علی الترحم کے فعل کا حذف واجب ہے جیسے مررت بزید المسکین اس صورت میں ترحم فعل محذوف ہے۔

مصنفؒ نے چار جگہ کی تخصیص حصر کی غرض سے نہیں کی ہے بلکہ اس لئے کہ ان چاروں کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔

وَالثَّانِيْ اَلْمُنَادىٰ وَهُوَ الْمَطْلُوْبُ اِقْبَالُهُ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ اَدْعُوْ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيْرًا ۔

ترجمہ: اور دوسرا موقع منادیٰ ہے۔ اور وہ (منادیٰ) وہ اسم ہے جس کے متوجہ ہونے کو طلب کیا جائے ایسے حرف کے ذریعے جو ''أدعو'' فعل قائم مقام ہو، خواہ وہ حرف لفظوں میں موجود ہو یا تقدیراً (پوشیدہ) ہو۔

مختصر تشریح

ان چار جگہوں میں سے دوسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، منادیٰ ہے۔ منادیٰ: وہ اسم ہے جس کی توجہ طلب کی گئی ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو لفظاً یا تقدیراً فعل ادعوا کے قائم مقام ہو۔ لفظاً قائم مقام کی مثال یا زید ہے اور تقدیراً قائم مقام کی مثال (یوسف اعرض عن هذا) ہے اس جگہ حرفِ ندا یا مقدر ہے۔ اور حروف ندا پانچ ہیں: (۱) یا (۲) أیا (۳) هیا (۴) أی (۵) ہمزۂ مفتوحہ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ان چار جگہوں میں سے دوسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، وہ منادیٰ ہے، اس کو بیان کرنا ہے۔

سوال: منادیٰ کونسا صیغہ ہے؟

جواب: منادیٰ اسم مفعول کا صیغہ ہے، باب مفاعلۃ سے بمعنی پکارا ہوا۔

سوال: منادیٰ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: منادیٰ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہو جو ادعو فعل کے قائم مقام ہو خواہ وہ حرف لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً۔

لفظاً کی مثال یا زید میں حرف ندا یا مذکور ہے، یا زید اصل میں تھا ادعو زیدا گویا زید مفعول بہ ہے اور ادعو عامل ہے لیکن اس کو حذف کر کے حرف ندا یا لائے۔ تقدیراً کی مثال یوسف اعرض عن ھذا میں یوسف منادیٰ ہے اور اس سے قبل حرف ندا یا محذوف ہے۔

سوال: منادیٰ کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ کبھی ایسے آدمی کو پکارا جاتا ہے جس کی توجہ پہلے سے پکارنے والے کی طرف ہوتی ہے اگر اس کے باوجود اس کو ندا دی جائے تو تحصیل حاصل لازم آئے گا؟

جواب: منادیٰ کی تعریف میں لفظ اقبال سے مراد توجہ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں (۱) توجہ بالوجہ (۲) توجہ بالقلب۔

توجہ بالوجہ: جس کو ندا دی جا رہی ہے اگر وہ پہلے سے متکلم کی طرف متوجہ نہ تھا بلکہ پشت کئے کھڑا تھا تو اس وقت ندا کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ متکلم کی طرف اپنا رخ کر لے۔

توجہ بالقلب: اگر وہ شخص متوجہ تو تھا لیکن اندیشہ ہو کہ کسی اور خیال میں مست ہے بات اچھی طرح نہ سنے گا تو اس وقت ندا کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنا رجحان ہر طرف سے ہٹا کر ہماری بات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے اور دل سے بات سنے۔

مذکورہ تفصیل سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ سوال میں موجود صورت میں ندا درست ہے تحصیل حاصل لازم نہ آئے گا۔

سوال: کبھی آسمان جیسے یا سماء اور زمین کو یا ارض سے ندا دی جاتی ہے جبکہ ان دونوں میں توجہ کی صلاحیت نہیں ہے؟

جواب: توجہ کی دو قسمیں ہیں (۱) توجہ حقیقی (۲) توجہ حکمی

توجہ حقیقی: اگر منادیٰ میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو اس سے مراد وہ ذوی العقول کے قبیل سے ہو جیسے یا زید۔

توجہ حکمی: اگر منادہ ذوی العقول کے قبیل سے نہ ہو تو پہلے اس کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار کر اس کو منادیٰ بنایا جائے۔ مذکورہ سوال میں موجود صورت توجہ حکمی کے قبیل سے ہے۔

لَفْظًا اَوْ تَقْدِيْرًا

ترجمہ: حرف ندا خواہ لفظاً قائم مقام کیا گیا ہو یا تقدیراً۔

مختصر تشریح

حرف ندا لفظاً ادعو کے قائم مقام ہو جیسے یا زید ہے اس میں حرف ندا یا لفظوں میں موجود ہے۔ حرف ندا تقدیراً ادعو کے قائم مقام ہو۔ جیسے یوسف اعرض عن ھذا میں یوسف سے پہلے حرف ندا "یا" تقدیراً موجود ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے حرف ندا کبھی لفظوں میں ہوگا جیسے یا زید میں حرف ندا یا لفظوں میں ہے اور کبھی مقدر ہوگا جیسے یوسف اعرض عن ھذا میں یوسف سے پہلے یا مقدر ہے اصل میں یا یوسف تھا۔

سوال: یوسف مبتدا اور اعرض عن ھذا اس کی خبر ہو یہ ترکیب نہیں کر سکتے؟

جواب: یہ ترکیب نہیں کر سکتے اس لئے کہ مبتدا کی خبر جملہ خبریہ ہوتی ہے اور یہاں اعرض عن ھذا جملہ انشائیہ ہے۔

سوال: ادعو کو حذف کر کے اس کی جگہ یا حرف ندا کیوں لاتے ہیں؟

جواب: منادیٰ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور جس چیز کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے وہ چیز تخفیف کو چاہتی ہے اس لئے بغرض تخفیف ادعو کو حذف کر کے حرف ندا کو اس کے قائم مقام کیا جاتا ہے۔

فائدہ: لفظاً او تقدیراً کا تعلق منادیٰ کے ساتھ بھی کر سکتے ہیں تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ منادیٰ کبھی لفظوں میں ہوگا جیسے یا زید میں زید منادیٰ ہے جو لفظوں میں ہے اور کبھی مقدر ہوگا جیسے الا یا اسجدوا میں قوم منادیٰ محذوف ہے اصل میں یا قوم اسجدوا ہے۔

سوال: منادیٰ کی تعریف مندوب پر بھی صادق آتی ہے جیسے کوئی اپنے باپ کی موت پر یاابتاہ کہہ کرروئے۔

جواب: اس میں متکلم کامقصود پکارنانہیں ہوتا نہ حقیقۃً نہ حکماً بلکہ حسرت اورحزن کا اظہار ہوتا ہےاس لئے مندوب پر منادیٰ کی تعریف صادق نہیں۔

فائدہ: شرح جامی میں لکھا ہے کہ مندوب کوبھی منادیٰ میں داخل کرلینا بہتر ہے۔

سوال: لفظاًاوتقدیراً منصوب کیوں ہیں؟

جواب: یہ طالباًموصوف محذوف کی صفت ہےاورموصوف اپنی صفت سےمل کر مفعول مطلق ہےجس کونصب دینے والاالمطلوب اسم مفعول ہے۔

سوال: منادیٰ منصوب کیوں ہے؟

جواب: منادیٰ کے منصوب ہونے کے بارے میں تین قول ہیں:(۱) سیبویہ: منادیٰ پرنصب فعل مقدر کی بناپر ہے۔(۲) مبرد: منادیٰ حرف ندا کی وجہ سے منصوب ہے۔ (۳) ابوعلی: حرف ندااسمائے افعال کے قبیل سے ہے اس وجہ سے اسم فعل ہونے کی بناپر منادیٰ کونصب دے گا۔

فائدہ: مبرداورابوعلی کےقول کےمطابق منادیٰ کےمنصوب ہونے میں فعل کاکوئی دخل نہیں ہے اس لئے ان دونوں کے مذہب پر منادیٰ مفعول بہ نہ ہوگااور ہماری بحث سے خارج ہوگااورمنادیٰ کو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ مفعول بہ ہےاوراس کافعل وجوباًمحذوف ہےلیکن مصنفؒ نے سیبویہ کا قول اختیارکیا ہے اوران کے نزدیک منادیٰ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے چنانچہ یازید کی اصل ان کےنزدیک ادعو زیدا ہے،ادعوفعل کوحذف کر دیا گیااوریہ حذف واجب ہے۔

سوال: یازید جس کی اصل ادعو زیدا ہےاس میں فعل کاحذف کیوں واجب ہے؟

جواب: اس میں قرینہ اورقائم مقام دونوں پائے جاتے ہیں۔

سوال: قرینہ اورقائم مقام کیا ہے؟

جواب: کثرت استعمال اس کے لئے قرینہ ہے۔اورحرف ندااس کا قائم مقام ہے،لہذا قرینہ اورقائم مقام کی وجہ سے حذف واجب ہوگا۔

منادیٰ کااعراب

(۱)وَیُبْنٰی عَلٰی مَا یُرْفَعُ بِہٖ اِنْ کَانَ مُفْرَدًا مَعْرِفَۃً، نَحْوُ یَازَیْدُ،وَیَارَجُلُ،وَیَازَیْدَانِ،وَیَازَیْدُوْنَ۔

ترجمہ:(۱)اورمنادیٰ مبنی ہے اس علامت پرجس کے ذریعہ رفع دیا جاتا ہے اگر منادیٰ مفردمعرفہ ہوجیسے یا زید(اے زید)یا رجل (اے مرد)یازیدان (اے دوزید)، یازیدون (اےسب زیدو)۔

مختصرتشریح

منادیٰ کےاعراب کی چارصورتیں ہیں۔

(۱)منادیٰ اگرمفردمعرفہ یا نکرہ معینہ ہوتو رفع پرمبنی ہوتا ہے جیسے یازید اور بینا آدمی کا پکارنا یار جل۔اورمفردکا مطلب وہ مضاف یاشبہ مضاف نہ ہواورکسی بھی نکرہ پرحرفِ ندا داخل کیا جائے تو وہ نکرہ معینہ ہوجاتا ہے(یازیداس منادیٰ مفردکی مثال ہے جوندا سے پہلے معرفہ ہواورضمہ پرمبنی ہے اوریارجل اس منادیٰ کی مثال ہے جوندا کے بعدمعرفہ بنا ہے اورضمہ پرمبنی ہےاوریازیدان:الف تثنیہ پرمبنی ہےاوریازیدون واوضمہ پرمبنی ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصدکیاہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصدمنادیٰ کےاعراب کوبیان کرنا ہے۔

سوال: منادیٰ کےاعراب کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: منادیٰ کے اعراب کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) منادیٰ مفرد معرفہ ہوتو مبنی بر رفع ہوگا جیسے یا زید، یا زیدان، یا زیدون۔

(۲) منادیٰ مستغاث باالف ہوتو فتحہ پر مبنی ہوتا ہے یا زیداہ۔

(۳) منادیٰ پر اگر لام استغاثہ داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہوگا جیسے یا لَزید۔

(۴) منادیٰ مضاف ہو، نصب کے ساتھ معرب ہوگا جیسے یا رسولَ اللہ۔

(۵) منادیٰ مشابہ مضاف ہونصب کے ساتھ معرب ہوگا جیسے یا طالعا جبلا۔

(۶) منادیٰ مفرد ہو، نکرہ غیر معینہ ہو جیسے کسی اعمیٰ کا قول یا رجلا۔

سوال: منادیٰ مفرد معرفہ ہوتو مبنی کیوں ہوگا؟

جواب: منادیٰ مفرد معرفہ کافِ اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی کافِ حرفی کے مشابہ ہے لفظاً اور معناً اور کاف حرفی مبنی الاصل ہے اس لئے اس کی مشابہت کی وجہ سے کاف اسمی مبنی ہوگا اور کاف اسمی کی جگہ منادیٰ واقع ہوگا تو وہ بھی مبنی ہوگا۔

سوال: کاف اسمی کسے کہتے ہیں؟

جواب: کاف اسمی کہا جاتا ہے ایسے کاف کو جس کو ہٹا کر اسم کا لانا درست ہو جیسے یا زید اصل میں تھا ادعوک اس مثال میں ک کو ہٹا کر زیدا لانا درست ہے اور ادعو زیداً کہنا درست ہے۔

سوال: کاف حرفی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس میں کاف کو ہٹا کر کسی اسم کا لانا درست نہ ہو جیسے ذالک, تلک وغیرہ میں کاف کو ہٹا کر اسم لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔

سوال: مفرد سے کیا مراد ہے؟

جواب: مفرد سے مراد مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو چاہے تثنیہ ہو یا جمع ہو جیسے یا زید، یا زیدان، یا زیدون یہاں پر زید مفرد ہے رفع پر مبنی ہے اور یا زیدان تثنیہ ہے اور الف نون پر مبنی ہے اس لئے کہ تثنیہ کا اعراب حالت رفعی میں الف نون کے ساتھ آتا ہے اور

یازیدون جمع ہےاور واؤنون پر مبنی ہےاس لئے کہ جمع مذکر سالم کا حالت رفعی میں اعراب واو نون کے ساتھ آتا ہے۔

سوال: مفرد کی قید کیوں لگائی؟

جواب: منادیٰ اگر مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: معرفہ کی قید کیوں لگائی؟

جواب: معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو تو اس کا یہ اعراب نہیں بلکہ اس کا اعراب الگ آتا ہے۔

سوال: منادیٰ مفرد معرفہ رفع پر مبنی کیوں؟

جواب: منادیٰ مفرد معرفہ رفع پر مبنی اس لئے ہے کہ اگر سکون پر مبنی ہو تو سکون مبنی الاصل کے لئے اصل ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ مشابہ مبنی ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

اور اگر کسرہ پر مبنی ہو تو التباس لازم آئے گا اس منادیٰ کے ساتھ جس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی گئی ہو اور یاء کو حذف کر دیا ہو جیسے یاعبادی میں یا کو حذف کر کے یاعبادِ پڑھتے ہیں۔

اور اگر فتحہ پر مبنی ہو تو التباس لازم آئے گا اس منادیٰ کے ساتھ جس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی گئی ہو اور یاء کو الف سے بدل دیا گیا ہو اور ماقبل والے فتحہ پر اکتفا کیا گیا ہو جیسے یاغلامَ اصل میں یاغلامی تھا، یاء کو الف سے بدلا اور اس کی مناسبت سے میم کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا تو یاغلاما ہوا پھر الف کو حذف کر دیا تو یاغلامَ ہوا اس لئے اب ایک ہی شکل باقی تھی کہ رفع پر مبنی پڑھا جائے، پس مبنی بر رفع پڑھا گیا۔

سوال: مصنفؒ یبنی علی مایرفع کیوں کہا، یبنی علی الضم کیوں نہیں کہا؟

جواب: مصنفؒ یبنی علی مایرفع کہا، یبنیٰ علی الضم نہیں کہا اس لئے کہ یا رجلان، یامسلمون ضمہ پر نہیں ہیں بلکہ علامت رفع پر مبنی ہیں۔

(۲)وَيُخْفَضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ نَحْوُ يَالَزَيْدٍ

ترجمہ: اورمنادیٰ مجرورہوتا ہے لام استغاثہ کی وجہ سے جیسے یالزید(اے زید! مدد کر)

مختصر تشریح

(۲)منادیٰ کے اعراب کی دوسری صورت: منادیٰ پرلام استغاثہ داخل کردیا جائے تووہ معرب اورمجرورہوگا جیسے یالزیدٍ۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصدکیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصدمنادیٰ کے اعراب کی دوسری صورت کو بیان کرنا ہے اوروہ یہ ہے کہ منادیٰ پرلام استغاثہ داخل کردیا جائے تووہ معرب اورمجرورہوگا جیسے یالزیدٍ۔

سوال: منادیٰ پرلام استغاثہ داخل ہوتو معرب اورمجرور کیوں؟ منادیٰ مفرد معرفہ ہے مبنی بررفع ہونا چاہئے؟

جواب: منادیٰ مفردمعرفہ کی صورت میں مبنی بررفع کی وجہ یہ تھی کہ وہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہےاورکاف اسمی مشابہ ہےکاف حرفی کےاورحرف مبنی الاصل ہےتوجوحرف کے مشابہ ہوگا وہ بھی مبنی ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ منادیٰ مفردمعرفہ کا مبنی ہوناحرف کی مشابہت کی بناء پرتھا اورلام استغاثہ لام جارہ ہے جواسم کا خاصہ ہےاس لئے اس لام کے دخول کی وجہ سےحرف کےساتھ مشابہت ضعیف ہوگئی اس لئے اسم کا جواصل حال ہے معرب ہونا اس پراس کوقائم کرکے معرب کیا گیااورلام کی وجہ سے جردیا گیا۔

نوٹ: اگرمستغاث پربغیرحرف ندا کےعطف کیا جائےتومعطوف کےلام پرکسرہ پڑھ سکتے ہیں جیسے یالزیدٍ و لعمرو، معطوف علیہ پرحرف ندا داخل ہےاورلام استغاثہ داخل ہےاورمعطوف میں بغیرحرف ندا کےلام استغاثہ داخل ہےتومعطوف کےلام کو لعمر بکسر اللام اوربفتح اللام دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

(۳) وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا، وَلَا لَامَ فِيهِ، نَحْوُ يَا زَيْدَاهُ!

ترجمہ: اور منادیٰ مفتوح ہوتا ہے (اس کے آخر میں) الف استغاثہ لاحق کردینے کی وجہ سے، درآنحالیکہ اس پر لام داخل نہ ہو جیسے یا زیداہ (اے زید! مدد کر)۔

مختصر تشریح

(۳) منادیٰ کے اعراب کی تیسری صورت: منادیٰ مستغاث بالالف فتح پر مبنی ہوتا ہے درآنحالیکہ منادیٰ میں لام نہ ہو جیسے یا زیداہ اس مثال میں یا حرف ندا ہے اور زید امنادیٰ مستغاث ہے اور استغاث الف سے ہے اور ہ وقف کی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ منادیٰ الف کے ساتھ مستغاث ہو تو فتحہ پر مبنی ہوتا ہے۔

سوال: منادیٰ مستغاث بالالف مبنی کیوں ہوتا ہے؟

جواب: منادیٰ مستغاث بالالف مفرد معرفہ ہے اس لئے مبنی ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

سوال: منادیٰ مستغاث بالالف فتح پر مبنی کیوں؟

جواب: منادیٰ مستغاث بالالف فتحہ پر مبنی اس لئے ہے کہ الف اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے۔

نوٹ: منادیٰ مستغاث بالالف میں لام داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ الف بھی استغاثہ کا ہے اور لام بھی استغاثہ کا دو کا ایک جگہ پر اجتماع لازم آئے گا اس لئے کہ لام تقاضہ کرے گا جر کا اور الف تقاضہ کرے گا فتحہ کا اور دونوں کا ایک ساتھ آنا محال ہے۔

فائدہ: مستغاث استغاث سے ماخوذ ہے بمعنی مدد طلب کرنا، منادیٰ مستغاث میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ (۱) مستغاث (۲) مستغاث لہ۔

(۱) مستغاث کہتے ہیں جس سے مدد طلب کی جائے۔(۲) مستغاث لہ کہتے ہیں جس کے لئے مدد طلب کی جائے۔

مستغاث اور مستغاث لہ دونوں پر لام آتا ہے جیسے **یالزید للمظلوم** مثال مذکورہ میں زید مستغاث ہے اور مظلوم مستغاث لہ ہے اور دونوں پر لام داخل ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مستغاث کا لام مفتوح ہے اور مستغاث لہ کا لام مکسور ہوگا۔

سوال: مستغاث کا لام مفتوح کیوں؟

جواب: مستغاث کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی کے شروع میں لام مفتوح ہوتا ہے جیسے لک وغیرہ۔

سوال: مستغاث لہ کے لام کو مکسور کیوں پڑھتے ہیں؟

جواب: مستغاث اور مستغاث لہ کے مابین تمیز کرنے کیلئے۔

سوال: منادیٰ مستغاث کا عامل کون ہوگا حرف ندا یا لام؟

جواب: حرف ندا اور لام دونوں کو عامل بنا سکتے ہیں۔البتہ لام کو عامل بنانا حرف ندا یا کے مقابلے میں بہتر ہے اس لئے کہ (۱) یا کے مقابلہ میں لام قریب ہے اور جو قریب ہوتا ہے اس کا حق بھی زیادہ ہوتا ہے (۲) لام بذات خود عامل ہے اور یا بذات خود عامل نہیں بلکہ یہ ادعو کے قائم مقام ہے اس لئے لام کو عامل بنانا بہتر ہوگا۔

سوال: لام استغاثہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: لام استغاثہ سے لام جارہ مراد ہے جو استغاثہ کے وقت مستغاث پر داخل ہو۔

سوال: لام استغاثہ کا متعلق کون ہے؟

جواب: اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) سیبویہ کے نزدیک لام استغاثہ کا متعلق ادعو فعل مقدر ہے گویا ظرف مستقر ہے۔(۲) ابن خروف کے نزدیک لام زائدہ ہے تو اس کا متعلق کوئی نہیں اور اس کا مدخول منصوب ہے محلاً یا تقدیراً۔(۳) مبرد کے نزدیک اس کا متعلق حرف ندا ہے کیونکہ حرف ندا فعل کے قائم مقام ہے تو ان کے نزدیک یہ ظرف لغو ہے۔

(۴) وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا نَحْوُ يَا عَبْدَ اللهِ وَيَا طَالِعًا جَبَلًا وَيَا رَجُلًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ

ترجمہ: اور جو منادیٰ ان دونوں (یعنی منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مستغاث) کے علاوہ ہو، وہ منصوب ہوتا ہے جیسے یا عبد اللہ (اے اللہ کے بندے)، یا طالعا جبلا (اے پہاڑ پر چڑھنے والے) اور یا رجلا (اے کوئی مرد) کسی غیر متعین شخص کے لئے۔

مختصر تشریح

منادیٰ کے اعراب کی چوتھی صورت: منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف ہو یا نکرہ غیر معینہ ہو تو منصوب ہوگا جیسے منادیٰ مضاف کی مثال: یا عبدَ اللہ۔ منادیٰ مشابہ مضاف کی مثال: یا طالعا جبلا۔ منادیٰ نکرہ غیر معینہ کی مثال: یا رجلا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ اور مستغاث نہ ہو تو منادی معرب ہوگا اور اس کا اعراب نصب کے ساتھ آئے گا۔

سوال: عقلی طور پر اس کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: عقلی طور پر اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) منادی معرفہ نہ ہو بلکہ مضاف ہو جیسے یا عبد اللہ۔ (۲) منادیٰ مفرد نہ ہو بلکہ مشابہ مضاف ہو جیسے یا طالعا جبلا۔ (۳) منادیٰ مفرد نہ ہو نکرہ ہو جیسے اندھے کا پکارنا یا رجلا۔ (۴) نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو جیسے یا حسن و جھہ ظریفا۔

نوٹ: مصنفؒ نے نمبر چار کو بیان نہیں کیا اس لئے کہ نمبر ۲ کی مثال میں اس کا احتمال پایا جاتا ہے۔

سوال: شبہ مضاف کسے کہتے ہیں؟

جواب: شبہ مضاف وہ اسم ہے جو دوسرے اسم (معمول) سے مل کرتام ہوجائے جس طرح مضاف، مضاف الیہ سے مل کر تام ہوجاتا ہے جیسے **طالعا جبلا** میں **طالعا** اس کے معمول **جبلا** سے مل کرتام ہوگیا۔

سوال: مصنفؒ نے منادیٰ کے چاراحوال لکھے ہیں (۱) علامت رفع پر مبنی ہونا (۲) مجرورہونا (۳) فتح پر مبنی ہونا (۴) منصوب ہونا۔ ان چاروں میں منصوب پر باقی تین کو مقدم کیوں کیا؟

جواب: (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ منصوب کے مواقع کثیر ہے (۱) مضاف (۲) مشابہ مضاف۔ (۳) نکرہ لیکن باقی تینوں میں سے ہر ایک کا موقع قلیل ہے اس لئے کہ علامت رفع پر مبنی ہونا مفرد معرفہ کے ساتھ مختص ہے اور مجرور ہونا لام استغاثہ کے ساتھ مختص ہے اور فتحہ پر مبنی ہونا الف استغاثہ کے ساتھ خاص ہے اور قلیل بمنزلہ جز ہوتا ہے اور کثیر بمنزلہ کل ہے اور جز، کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے منصوب پر باقی تین کو مقدم کیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اختصار ہے اس طرح کہ تینوں مواقع بیان کر کے مصنفؒ نے لکھ دیا کہ **وینصب ما سوا ھما** اگر اس کے برعکس کرتے تو عبارت طویل ہوجاتی۔

سوال: کافیہ کی عبارت **وینصب ما سوا ھما** میں تثنیہ کی ضمیر صحیح نہیں اس لئے کہ مرجع تین ہیں (۱) منادیٰ مفرد معرفہ (۲) مستغاث باللام (۳) مستغاث بالالف؟

جواب: ضمیر کا مرجع منادیٰ مفرد معرفہ اور مستغاث ہے خواہ مستغاث باللام ہو یا مستغاث بالالف ہو لہٰذا تثنیہ کی ضمیر صحیح ہے۔

منادیٰ کے توابع کا اعراب

(۱) وَتَوَابِعُ الْمُنَادٰی اَلْمَبْنِیِّ الْمُفْرَدَۃُ مِنَ التَّاکِیْدِ، وَالصِّفَۃِ، وَعَطْفِ الْبَیَانِ، وَالْمَعْطُوْفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُوْلُ "یَا" عَلَیْہِ تُرْفَعُ عَلٰی لَفْظِہٖ، وَتُنْصَبُ عَلٰی مَحَلِّہٖ، مِثْلُ یَازَیْدُنِ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ

ترجمہ: (۱) اور منادیٰ مبنی کے مفرد توابع یعنی تاکید، صفت، عطف بیان اور وہ معطوف بحرف جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہوتا ہے منادیٰ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے، اور منصوب ہوتے ہیں منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے جیسے یا زید العاقلُ / العاقلَ (اے عقلمند زید)۔

مختصر تشریح

منادیٰ کے دو اعراب ہیں: (۱) منادیٰ اگر مفرد معرفہ یا نکرہ معینہ ہو تو رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ (۲) اگر منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف ہوتا ہے یا نکرہ غیر معینہ ہوتا ہے تو منصوب ہوتا ہے۔
اب یہ جاننا چاہئے کہ منادیٰ کے بعد کبھی چار چیزوں میں سے کوئی ایک چیز آتی ہے:
(۱) منادیٰ کی تاکید (۲) منادیٰ کی صفت (۳) منادیٰ کا عطف بیان (۴) معرف باللام عطف کے ساتھ۔ ان چاروں توابع کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ اس عبارت میں اس کا بیان ہے۔
چنانچہ (۱) منادیٰ مبنی علی الرفع (منادیٰ کے اعراب کی پہلی قسم) کا تابع: تاکید، صفت، عطف بیان اور وہ معطوف جس پر حرف ندا یا داخل نہیں ہوسکتا (معطوف معرف باللام ہو) اگر مفرد ہو تو ان توابع کا حکم یہ ہے کہ لفظِ منادیٰ پر حمل کرتے ہوئے ان کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے، کیونکہ منادیٰ لفظاً مرفوع ہے اور منادیٰ کے محل پر حمل کر کے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ منادیٰ محلاً بر بنائے مفعولیت منصوب ہے۔ تاکید کی مثال جیسے یا قوم اجمعون۔ اجمعین۔ صفت کی مثال جیسے یا زید العاقلُ۔ العاقلَ۔ عطف بیان کی مثال جیسے یا غلام بشرٌ۔ بشراً۔ معرف باللام کی مثال جیسے یا زید و الحارث و الحارثَ۔

اور چوتھی صورت: جب منادیٰ کا تابع معرف باللام ہوتو بہتر کونسا اعراب ہے؟
اس میں اختلاف ہے: خلیل نحوی کے نزدیک بہتر رفع ہے اور ابو عمرو بن العلانحوی کے نزدیک بہتر نصب ہے اور ابوالعباس مبرد کے نزدیک اگر معطوف سے الف لام دور ہوسکتا ہے جیسے **الحسن** سے دور ہوسکتا ہے تو پھر رفع بہتر ہے اور اگر الف لام دور نہیں ہوسکتا جیسے **العجم** سے تو پھر نصب بہتر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: منادیٰ مبنی کے توابع کا اعراب بیان کرنا ہے۔ اور اس سے مراد وہ اسماء ہیں جو منادیٰ مبنی کے تابع ہو کر مذکور ہوتے ہیں۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اس کی تفصیل یہ ہے کہ منادیٰ مبنی علی الضم کے توابع کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) تاکید، صفت، عطف بیان اور معطوف معرف باللام۔ (۲) بدل اور معطوف غیر معرف باللام۔
اول کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ توابع جو مفرد ہو (۲) وہ توابع جو مضاف ہوتے ہیں۔

سوال: مفرد سے کیا مراد ہے؟

جواب: مفرد سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔

سوال: حکماً سے کیا مراد ہے؟

جواب: حکماً سے مراد اضافت لفظی ہے۔

فوائد قیود

(۱) **توابع المنادیٰ المبنی** میں **المبنی** کی قید سے منادیٰ معرب کے توابع کو خارج کر دیا اس لئے کہ معرب کا تابع لفظ میں ہوتا ہے۔

(۲)**علی الضم** کی قید سے منادیٰ مبنی علی الفتحہ کے توابع کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس کے تابع میں نصب متعین ہے کیونکہ اس صورت میں منادیٰ کا لفظ اور محل ایک ہی چیز کا تقاضہ کرتا ہے اور وہ نصب ہے۔

(۳)**المفرد** کی قید سے مضاف توابع کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس میں بھی نصب متعین ہے کیونکہ جب وہ براہ راست منادیٰ ہوتا ہے تب تو منصوب ہی ہوتا ہے تو توابع ہونے کی صورت میں بدرجہ اولی ہوگا۔

نوٹ: مفرد سے مراد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی, حکمی سے مراد اضافت لفظی اور شبہ مضاف اور اضافت معنوی مراد نہیں ہے اسلئے کہ اضافت معنوی سے مضاف ہونا یہ دونوں مفرد کے حکم ہے اسلئے کہ دونوں میں مفرد کی طرح رفع اور نصب دونوں پڑھنا درست ہے۔

اب اصل حکم کی طرف آیئے۔

منادیٰ مبنی علی الضم کے وہ توابع جو مفرد میں خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً جیسے تاکید، صفت، عطف بیان اور معطوف معرف باللام (ایسا معطوف جس پر حرف ندا کا داخل ہونا محال ہو) پس ایسے توابع کا حکم یہ ہے کہ لفظ منادیٰ پر حمل کرتے ہوئے ان کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے اور منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھنا بھی جائز ہے۔

سوال: لفظ منادیٰ پر حمل کرتے ہوئے ان کو مرفوع پڑھنا کیوں جائز ہے؟

جواب: لفظ منادیٰ پر حمل کرتے ہوئے ان کو مرفوع پڑھنا اس لئے جائز ہے اس کا متبوع منادیٰ لفظاً مرفوع ہے اور اس کا مبنی ہونا عارضی ہے۔

سوال: منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھنا کیوں جائز ہے؟

جواب: منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ منادیٰ مبنی کے تابع کا حق ہے کہ محل متبوع منادیٰ کا تابع ہو اور متبوع اس جگہ مفعولیت کی بنا پر محلاً منصوب ہے اس لئے اس کا تابع بھی منصوب ہوں گا۔

صفت کی مثال: **یازیدن العاقلُ** منادیٰ مبنی کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع ہے۔

اوریازیدن العاقلَ منادیٰ مبنی کے محل پرحمل کرتے ہوئے منصوب ہے۔ چنانچہ زید بربنائے مفعولیت محلاً منصوب ہےاس لئے کہ یا حرف ندا ادعو فعل کے قائم مقام ہوکرفعل بافاعل اورزید مفعول بہ۔

تاکید لفظی کی مثال: یامطر مطرُ منادیٰ مبنی کے لفظ پرحمل کرتے ہوئے مرفوع ہے۔ یامطر مطرا منادیٰ مبنی کے محل پرحمل کرتے ہوئے منصوب ہے۔

تاکید معنوی کی مثال: یاتیم اجمعون منادی مبنی کے لفظ پرحمل کرتے ہوئے مرفوع ہے۔یاتیم اجمعین منادی مبنی کے محل پرحمل کرتے ہوئے منصوب ہے۔

عطف بیان کی مثال: یاغلام بشر بشرُ منادی مبنی کے لفظ پرحمل کرتے ہوئے مرفوع ہے۔یاغلام بشر بشرا منادی مبنی کے محل پرحمل کرتے ہوئے منصوب ہے۔

معطوف معرف باللام کی مثال: یازیدن الحارثُ لفظ پرحمل کرتے ہوئے مرفوع ہے۔ یازیدن الحارثَ محل پرحمل کرتے ہوئے منصوب ہے۔

سوال: مصنفؒ نے فقط صفت کی مثال کو کیوں بیان کیا؟

جواب: کثرت استعمال کی وجہ سے صفت کی مثال کو بیان فرمایا۔

وَالْخَلِيْلُ فِي الْمَعْطُوْفِ يَخْتَارُ الرَّفْعَ، وَاَبُوْ عَمْرٍو النَّصْبَ، وَاَبُو الْعَبَّاسِ اِنْ كَانَ كَالْحَسَنِ فَكَالْخَلِيْلِ، وَاِلَّا فَكَاَبِيْ عَمْرٍو

ترجمہ: اورامام خلیل معطوف میں رفع پسند کرتے ہیں، اوراماابوعمرونصب پسند کرتے ہیں، اورامام ابوالعباس (مبرد کہتے ہیں کہ) اگر وہ معطوف الحسن کی طرح ہےتو (ان کا مذہب) امام خلیل کی طرح ہے، ورنہ توان کا مذہب امام ابوعمرو کی طرح ہے۔

مختصر تشریح

جب منادیٰ کا تابع معرف باللام ہوتو بہتر کونسا اعراب ہے؟ اس میں اختلاف ہے:

5 خلیل نحوی کے نزدیک بہتر رفع ہے اور ابوعمرو بن العلانحوی کے نزدیک بہتر نصب ہے اور ابو العباس مبرد کے نزدیک اگر معطوف سے الف لام دور ہوسکتا ہے جیسے **الحسن** سے دور ہوسکتا ہے تو پھر رفع بہتر ہے اور اگر الف لام دور نہیں ہوسکتا جیسے **العجم** سے تو پھر نصب بہتر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اختلافی مسئلہ کو بیان کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ منادی مبنی علی الضم کا تابع معطوف معرف باللام ہو تو اس کا (معطوف جو تابع ہے) حکم یہ ہے کہ لفظ پر حمل کرتے ہوئے رفع اور محل پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھ سکتے ہیں البتہ مختار کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔

چنانچہ اس میں تین قول ہیں: (۱) خلیل نحوی کہتے ہیں مختار معطوف میں رفع ہے۔ (۲) ابوعمرو کہتے ہیں کہ معطوف میں نصب مختار ہے۔ (۳) اور ابوالعباس المبرد کہتے ہیں کہ معطوف پر الف لام جو داخل ہے وہ الف لام **الحسن** کے مانند ہو تو خلیل نحوی کے قول کے مانند رفع پڑھنا مختار ہے اگر **الحسن** کے الف لام کے مانند نہ ہو تو ابوعمرو کے قول کے مانند نصب پڑھنا مختار ہے۔

سوال: خلیل نحوی معطوف میں رفع کو پسندیدہ اور مختار کیوں کہتے ہیں؟

جواب: خلیل نحوی معطوف میں رفع کو پسندیدہ اور مختار اس لئے کہتے ہیں کہ معطوف دراصل مستقل منادی ہے کیونکہ حرف عطف، حرف ندا کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن اس جگہ معطوف معرف باللام ہے جس کی وجہ سے حرف ندا اس پر داخل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ الف ولام حرف تعریف ہے اس سے بھی کلمہ معرفہ ہوجاتا ہے اور حرف ندا بھی حرف تعریف ہے لہذا معرف باللام کے ساتھ اگر حرف ندا داخل ہوتا تو تعریف کے دو آلے ایک اسم پر جمع ہوجاتے اور یہ ناجائز ہے، بہرحال معطوف معرف باللام پر حرف ندا تو داخل نہ ہوسکے گا اس لئے ہم یہ

نہیں کہہ سکتے کہ اس کو مستقل منادی کا درجہ دے دیا جائے لیکن اس کو اس کے درجہ سے بالکل گرا کر خالص تابع کے درجہ میں بھی نہ رکھا جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر معطوف پر الف لام داخل نہ ہوتا تو وہ مستقل منادیٰ ہوتا اور مفرد، معرفہ ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہوتا (مفرد میں رفع، تثنیہ میں الف اور جمع میں واو) آتا لیکن معرف باللام ہونے کی وجہ سے حرف ندا نہ آیا جس کی وجہ سے ایسا منادیٰ نہ بن سکا، لیکن کچھ ایسی صورت اختیار کی جائے کہ اس کا منادی پن ختم نہ ہو کچھ اثر منادیٰ کا باقی رہے اس کی شکل یہی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے کہ اس کو مبنی تو قرار نہ دیجئے، معرب کر دیجئے؛ لیکن معرب کرنے کے بعد اس کو مرفوع رکھئے، تاکہ دونوں کی رعایت ہو جائے۔

سوال: ابوعمرو معطوف میں نصب کو پسندیدہ اور مختار کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ابوعمرو: جب معطوف معرف باللام ہے اور معرف باللام ہونے کی وجہ سے حرف ندا اس پر داخل نہیں ہو سکتا تو اس کو خواہ مخواہ منادیٰ بنانے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے وہ تو خالص تابع ہے اور چونکہ منادیٰ مبنی ہے، مبنی کا تابع محل کے تابع ہوتا ہے اور منادیٰ مفعول ہونے کی وجہ سے محل کے اعتبار سے منصوب ہے اس لئے معطوف پر نصب آنا چاہئے۔

سوال: ابوالعباس المبرد کے نزدیک معطوف پر الف لام جو داخل ہے وہ الف لام **الحسن** کے مانند ہو تو خلیل نحوی کے قول کے مانند رفع پڑھنا مختار ہے اگر **الحسن** کے الف لام کے مانند نہ ہو تو ابوعمرو کے قول کے مانند نصب پڑھنا مختار ہے ایسا کیوں؟۔

(۳) ابوالعباس مبرد کے قول کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے ایک بات جاننا ضروری ہے۔

الف لام کی تین قسمیں ہیں (۱) ایسا اسم جس پر الف لام داخل نہ ہو سکتا ہو یہ اس وقت ہے جب کہ صیغہ صفت اور مصدر نہ ہو لفظ کو بغیر الف کے وضع کیا ہو جیسے جعفر وغیرہ۔

(۲) ایسا اسم جس کے شروع میں الف لام وضع کے ساتھ ہو یہ الف لام وجوبی ہے جیسے **النجم، الصعق**، وغیرہ

(۳) ایسا اسم جس پر الف لام داخل کرنا جائز ہو جبکہ علم صفت کا صیغہ ہو یا مصدر ہو

اور وضع کے وقت الف لام داخل نہ ہو اور یہ الف لام جوازی ہے جیسے **الحسن**۔

رفع: اگر معطوف پر الف لام جوازی ہے تو خلیل نحوی کے قول کو راجح قرار دیا جائے گا اس لئے کہ الف لام جوازی ہے جو جدا ہو سکتا ہے اور الف لام جدا ہونے کی صورت میں معطوف کو مستقل منادیٰ ممکن ہے لہٰذا مستقل منادیٰ کی رعایت کرتے ہوئے اس میں رفع مختار ہوگا۔

نصب: اگر معطوف پر الف لام وجوبی ہے تو ابوعمرو کے قول کو راجح قرار دیا جائے گا اس لئے کہ الف لام وجوبی ہوگا تو کبھی جدا نہ ہوگا تب تو ظاہر ہے کہ حرف ندا داخل نہیں ہوگا لہٰذا اس کو مستقل منادیٰ بنانا صحیح نہ ہوگا اس لئے خالص تابع کا حکم ہوگا اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ منادیٰ مبنی کا تابع محل کے تابع ہوگا اور منادیٰ کا محل مفعولیت کی بنیاد پر نصب کا ہے اس لئے معطوف پر بھی نصب مختار ہوگا۔

(۲)وَالْمُضَافَةُ تُنْصَبُ

ترجمہ: (منادیٰ کے توابع کا دوسرا اعراب) اور (منادیٰ مبنی بر علامت رفع کے) مضاف توابع منصوب ہوں گے۔

مختصر تشریح

اگر منادیٰ مبنی علی الرفع کا تابع مضاف ہو تو صرف منصوب ہوگا جیسے (۱) تاکید کی مثال: یاتیمُ کلھم۔ (۲) صفت کی مثال: یازیدُ ذا المال۔ (۳) عطف بیان کی مثال: یارجلُ اباعبداللہ۔ معرف باللام معطوف مضاف نہیں ہوسکتا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منادیٰ مبنی کی قسم اول۔ جس کی دوسری صورت کو بیان کرنا ہے کہ جب منادیٰ مبنی علی الرفع کے توابع مضاف ہو تو منصوب ہوں گے۔

سوال: منادیٰ مبنی علی الرفع کا توابع مضاف ہوتو منصوب کیوں ہوں گے؟

جواب: منادیٰ مبنی علی الرفع کا توابع مضاف ہوتو منصوب اس لئے ہیں کہ اگر یہ توابع منادیٰ ہوتے تو مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے تو جب منادیٰ کی حالت میں نصب آتا تو تابع ہونے کی صورت میں بدرجہ اولی نصب آنا چاہئے۔

سوال: اضافت سے کیا مراد ہے؟

جواب: اضافت سے اضافت معنویہ مراد ہے کیونکہ اضافت لفظی اور شبہ مضاف مفرد کے حکم میں ہے۔

منادیٰ مبنی علی الرفع کے توابع مضاف ہو اس کے مثالیں حسب ذیل ہیں: (۱) تاکید کی مثال: یاتیمُ کلّھم۔ (۲) صفت کی مثال: یازیدُ ذاالمال۔ (۳) عطف بیان کی مثال: یارجلُ اباعبداللہ۔

قاعدہ

وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوْفُ غَيْرَ مَاذُكِرَ حُكْمُهُ حُكْمُ الْمُسْتَقِلِّ مُطْلَقًا

ترجمہ: اور بدل اور اس کے معطوف کا حکم جو مذکورہ معطوف کے علاوہ ہو، مطلقاً منادیٰ مستقل کا حکم ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: منادیٰ مبنی علی الرفع کا بدل اور اس معطوف کا حکم جو معرف باللام نہ ہو، مستقل منادیٰ کا حکم ہے۔ اور یہ حکم مطلقاً ہے خواہ وہ بدل اور معطوف مفرد ہوں یا مضاف ہوں یا مشابہ مضاف ہوں، ہر حال میں وہ مستقل منادیٰ کی طرح ہیں جیسے یازیدُ عمرو، یازیدُ اخاعمرو، یازیدُ طالعاً جبلاً، یازیدُ رجلاً صالحاً یہ تمام بدل کی مثالیں ہیں۔ یازیدُ و عمرو، یازید وأخاعمرو، یازیدو طالعا جبلا، یازیدو رجلا صالحا یہ تمام معطوف کی مثالیں ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد دوسری قسم بدل اور معطوف غیر معرف باللام کے حکم کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: بدل اور معطوف غیر معرف باللام مستقل منادیٰ کا حکم رکھتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ ہوتو مبنی بر رفع اور منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ ہوتو منصوب اسی طرح ان کا بھی یہ حکم ہوگا چنانچہ

(۱) بدل کی مثال: یازید عمرو میں عمرو، زید سے بدل ہے اور مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے اور مفرد معرفہ ہے لہذا مبنی بر رفع ہوگا۔

(۲) مضاف کی مثال: یازید اخاعمرو میں اخاعمرو بدل ہے اور مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے اور وہ مضاف ہے لہذا منصوب ہوگا۔

(۳) شبہ مضاف کی مثال: یازید طالعا جبلا میں طالعا جبلا بدل ہے اور مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے اور شبہ مضاف ہے لہذا منصوب ہوگا۔

نکرہ کی مثال: یازید رجلا صالحا میں رجلا بدل ہے اور مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے اور نکرہ ہے لہذا منصوب ہوگا۔

نوٹ: بدل جب نکرہ ہوتو اس کی صفت لانا ضروری ہے جیسے مثال مذکور رجلا صالحا میں لائے ہیں۔

سوال: اس کا حکم مستقل منادیٰ کا کیوں؟

جواب: اس کا حکم مستقل منادیٰ اس لئے ہے کہ مبدل منہ اور بدل میں اصل بدل ہوتا ہے اور عطف بیان میں مقصود تابع ہوتا ہے گویا یوں سمجھا جائے گا کہ اصل منادیٰ، بدل اور عطف بیان ہے۔

قاعدہ

وَالْعَلَمُ الْمَوْصُوْفُ بِابْنٍ وَابْنَةٍ مُضَافًا اِلٰی عَلَمٍ آخَرَ يُخْتَارُ فَتْحُهُ

ترجمہ: اور وہ (منادیٰ برضمہ) علم جس کی صفت ابن یا ابنة کے ساتھ لائی گئی ہو، درآنحالیکہ وہ ابن اور ابنة دوسرے علم کی مضاف ہوں، اس پر فتحہ پسند کیا جاتا ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جب منادیٰ مفرد معرفہ عَلَم ہو، اور اس کی صفت لفظ ابن یا ابنة آئے اور لفظ ابن یا ابنة دوسرے عَلَم کی طرف مضاف ہوں تو فتحہ بہتر ہے اور ضمہ جائز ہے۔ جیسے یازیدَ بنَ الحارث کیونکہ اس طرح کے ناموں کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس لئے تخفیف کی غرض سے فتحہ بہتر ہے۔

نوٹ: یہ قاعدہ مذکورہ بالا ضابطے سے گویا مستثنیٰ ہے۔ ضابطہ یہ تھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ بہرصورت علامتِ رفع پر مبنی ہوتا ہے اس ضابطہ سے یہ صورت مستثنیٰ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اس عبارت سے مصنفؒ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے کہا منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الرفع ہوتا ہے یہ قاعدہ یازیدَ بن عمرو جیسی مثال سے ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ زید مفرد معرفہ ہے اس کے باوجود اس میں فتحہ مختار ہے؟

اس کا جواب مذکورہ عبارت سے دیا کہ وہ علم جو منادیٰ مفرد معرفہ ہو اور ابن یا ابنة سے اس کی صفت لائی گئی ہو اور ابن یا ابنة کی اضافت دوسرے علم کی طرف ہو تو ایسے منادی کو مبنی بررفع پڑھنا بھی جائز ہے لیکن فتحہ مختار ہے جیسے یازیدَ بن عمرو۔

اس مثال میں زید منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس کی صفت ابن کے ذریعے لائی گئی اور ابن کی اضافت عمرو علم کی طرف کی گئی تو قاعدہ کی رو سے زید کو مبنی بر رفع پڑھنا بھی جائز ہے لیکن فتحہ مختار ہے۔

سوال: فتحہ کیوں مختار ہے؟

جواب: فتحہ اس لئے مختار ہے کہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور جو چیز کثیر الاستعمال ہوتی ہے وہ تخفیف کو چاہتی ہے اور ضمہ کے مقابلہ میں فتحہ میں خفت ہے پس فتحہ پڑھنا اولی ہے۔

سوال: بحث منادیٰ کی ہے اور علم کی مستقل بحث معرفہ کے بیان میں آنے والی ہے اس لئے علم کا ذکر اس جگہ بے محل ہے؟

جواب: العلم میں الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد وہ علم ہے جو منادیٰ ہو چنانچہ شرح جامی میں ہے (ای العلم المنادی) معلوم ہوا اس جگہ علم مطلق مراد نہیں ہے۔

سوال: یازید الظریف ابن بکر میں زید علم ہے جو منادیٰ ہے اور ابن سے موصوف ہے اور دوسرے علم کی طرف مضاف بھی ہے اس کے باوجود منادیٰ پر فتحہ جائز نہیں؟

جواب: ایک شرط یہ بھی ہے کہ علم اور ابن کے درمیان فصل نہ ہو اور مثال مذکور میں فصل ہے کیونکہ الظریف درمیان میں ہے۔

قاعدہ

وَاِذَا نُوْدِیَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ قِیْلَ یَآاَیُّهَا الرَّجُلُ، وَیَاهٰذَا الرَّجُلُ، وَیَا اَیُّ هٰذَا الرَّجُلُ، وَالْتَزَمُوْا رَفْعَ الرَّجُلِ لِاَنَّهُ اَلْمَقْصُوْدُ بِالنِّدَاءِ وَتَوَابِعِهٖ لِاَنَّهَا تَوَابِعُ مُعْرَبٍ

ترجمہ: اور جب معرف باللام کو پکارا جائے، تو کہا جائے گا: یا ایها الرجل (اے مرد) یا هذا الرجل اور یا ایهذا الرجل اور نحویوں نے رجل کے رفع کو التزام کیا ہے، اس

لئے کہ وہی نداء سے مقصود ہے، اور اس کے توابع کے رفع کا (التزام کیا ہے) اسلئے کہ وہ معرب کے توابع ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: معرف باللام پر حرف ندا داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ دو حرف تعریف جمع نہیں ہو سکتے ،لیکن اگر اس کو منادیٰ بنانا مقصود ہو تو اسم مبہم کا واسطہ لانا ضروری ہے اور وہی بظاہر منادیٰ ہوگا اور معرف باللام اس کی صفت ہوگا اور حقیقت میں معرف باللام منادیٰ ہوگا اور وہ اسم مبہم أیھا، ھذا، اور أیھذا ہیں۔

جیسے یا ایھا الرجلُ، یا ھذا الرجلُ، یا ایھذا الرجلُ میں الرجل پر بھی رفع پڑھیں گے کیونکہ حقیقت میں وہی منادیٰ ہے، اگرچہ لفظوں میں اسم مبہم کی صفت ہے پس اس پر رفع ونصب دونوں جائز ہونے چاہیئے، مگر نحویوں نے اس کے رفع کا التزام کیا ہے۔

اسی طرح الرجل کا جو تابع آئے گا نحویوں نے اس کے رفع کا بھی التزام کیا ہے جیسے یاایھا الرجل الظریف اور یاایھا الرجل ذو المال، یہ منادیٰ معرب کا تابع ہے اور رفع ونصب دونوں کا جواز منادیٰ مبنی کے توابع میں تھا نہ کہ منادیٰ معرب کے توابع میں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جب متکلم معرف باللام کے ذریعہ پکارنے کا ارادہ کرے تو حرف ندا اور منادیٰ کے درمیان فصل لانا ضروری ہے جیسے یاایھا الناس اس میں الناس معرف باللام ہے، براہ راست اس پر حرف ندا داخل نہیں کر سکتے لہذا یا اور الناس کے مابین ایھا کا فصل لانا ضروری ہوگا۔

سوال: فصل لانا کیوں ضروری ہے؟

جواب: جب منادیٰ معرف باللام ہوگا حرف ندا لائیں گے اور حرف ندا بھی آلۂ

تعریف ہے تو دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم آئے گا اس لئے درمیان میں فصل لانا ضروری ہے۔

سوال: فصل کس چیز سے لایا جائے گا؟

جواب: عامۃً فصل تین طریقوں سے لاتے ہیں۔(۱) کبھی فصل ایھا کے ذریعہ جیسے یا ایھا الرجل (۲) کبھی فصل ھذا کے ذریعہ لائیں گے جیسے یا ھذا الرجل (۳) کبھی فصل ایھذا کے ذریعہ جیسے یا ایھذا الرجل۔

سوال: فصل کے لئے ایھا، ھذا، ایھذا کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: ایھا کا انتخاب اس لئے کیا کہ ای ابہام کے لئے آتا ہے ھا تنبیہ کے لئے اور ابہام کے بعد جو چیز ذکر کی جاتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے۔

سوال: ھذا کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: ھذا کا انتخاب اس لئے کیا اسم اشارہ ابہام کے لئے آتا ہے اور ابہام کے بعد جو چیز ذکر کی جاتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے۔

سوال: ایھذا کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: ایھذا کا انتخاب اس لئے کیا کہ ای ابہام کے لئے اور ھذا اسم اشارہ ابہام کے لئے اور ابہام کے بعد جو چیز ذکر کی جاتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے، اسی لئے ان تینوں کا انتخاب کیا۔

سوال: یا ایھا الرجل، یا ھذا الرجل، یا ایھذا الرجل میں الرجل پر کیا اعراب آئے گا؟

جواب: اس کے اعراب میں اختلاف ہے نحویوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان تینوں مثالوں میں الرجل پر رفع، فتحہ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: رفع اور فتحہ کیوں؟

جواب: رفع اس لئے کہ مقصود بالنداالرجل ہے نہ کہ فصل اس لئے الرجل منادیٰ مفرد معرفہ کے حکم میں ہے اور وہ مبنی بر رفع ہوتا ہے۔ اور فتحہ پڑھنا محل پر حمل کرتے ہوئے۔

(۲)دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ الرجل پر رفع لازم اور ضروری ہے کیونکہ مقصود بالندا الرجل ہے اور ای اور فصل ندا کے لئے وسیلہ ہے اس لئے اگر الرجل کو حذف کر دیا جائے تو ندا باطل ہو گی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فصل وسیلہ ہے لہذا رفع لازم ہے۔

سوال: یا ایھا الرجل میں الرجل کا جو تابع ہوگا اس پر کیا اعراب آئے گا؟

جواب: یا ایھا الرجل میں الرجل کا جو تابع ہوگا اس پر رفع لازم ہے چاہے تابع مفرد ہو یا مضاف جیسے یا ایھذا الرجل الکریم میں الکریم، یا ایھذا الرجل صاحب الکریم میں صاحب الکریم پر رفع لازم ہے۔

سوال: کیوں رفع لازم ہے؟

جواب: رفع اس لئے لازم ہے کہ وہ معرب کے توابع ہیں ،رفع ونصب کا حکم منادیٰ مبنی کے توابع کا ہے۔

قاعدہ

وَقَالُوا يَا اَللّٰهُ خَاصَّةً

ترجمہ: اور اہل عرب یا اللہ کہتے ہیں خاص طور پر۔

مختصر تشریح

اللہ: معرف باللام ہے پس قاعدہ سے اس پر حرف ندا اسم مبہم کے توسط کے بغیر نہیں آسکتا مگر یا اللہ کہتے ہیں یہ صرف اسی کلمہ کی خصوصیت ہے کیونکہ یہ کلمہ بکثرت استعمال ہوتا ہے اس لئے تخفیف کی گئی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ معرف باللام پر حرف ندا کا دخول براہ راست درست نہیں ہے تو یہ قاعدہ یا اللہ کی مثال سے ٹوٹ گیا اس لئے کہ یا اللہ میں اللہ معرف بالام ہے اس کے باوجود حرف ندا اس پر براہ راست داخل ہے تو مصنفؒ نے اپنے قول و قالوا سے اس کا جواب دیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حرف ندا کا معرف باللام پر براہ راست دخول اس وقت درست نہیں جب الف لام عوضی نہ ہو اور اللہ میں الف لام تعریف کا نہیں بلکہ حرف اصلی کا عوض ہے اللہ میں لام لازم عوضی ہے, لام لازم اس لئے کہ وہ علم کا جز ہے اور عوضی اس لئے کہ وہ اصل میں الالٰہ تھا، الالٰہ سے ہمزہ مکسور کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میں لام تعریف لے آئے پس ال لاہ ہوا اور لام کا لام میں ادغام کر دیا تو اللہ ہو گیا۔

سوال: خاصۃ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: خاصۃ کا مطلب یہ ہے اللہ ہی ایک ایسا مادہ ہے جس میں لام لازم اور عوضی دونوں ہے ورنہ فصیح اور کثیر الاستعمال لفظ عربی میں لام لازم عوضی نہیں ہوتا۔

(۲) لفظ اللہ کی خصوصیت کی بنا پر حرف ندا کو direct داخل کر دیا، درمیان میں کوئی فصل نہیں لائے۔

قاعدہ

وَلَكَ فِيْ مِثْلِ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ اَلضَّمُّ وَالنَّصَبُ

ترجمہ: اور آپ کے لئے یا تیمُ تیمَ عدی جیسی مثالوں میں ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جب منادیٰ مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو اور دوسرے منادیٰ کے بعد مضاف الیہ آ رہا ہو تو پہلے منادیٰ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اور دوسرے پر صرف نصب جیسے یا تیمَ تیمَ عدی۔ پہلے منادیٰ پر رفع اس لئے جائز ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور وہ رفع پر مبنی ہوتا

ہے اور نصب اس لئے جائز ہے کہ وہی درحقیقت عدی کی طرف مضاف ہے اور دوسرا تیم تاکید ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد مثل سے کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مثل سے ایک اصول کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں منادیٰ مفرد معرفہ ہو اور منادیٰ مکرر ہو اور ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو تو منادیٰ اول پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اور ثانی میں صرف نصب جائز ہے جیسے یا تیم تیم عدی۔ بلکہ تیم منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس کو مکرر لائے اور دوسرا تیم اضافت کی شکل میں ہے تو پہلے تیم پر رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: اول تیم پر رفع اور نصب کیوں پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: رفع تو اس لئے پڑھ سکتے ہیں منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الرفع ہوتا ہے اور نصب اس لئے پڑھ سکتے ہیں کہ اول تیم عدی کی طرف مضاف ہے اور ثانی تیم اول تیم کے لئے بطور تاکید کے ہے، پہلا تیم اس کی اضافت عدی کی طرف ہے تو اضافت کی وجہ سے اس پر نصب آیا۔

(۲) یا مضاف الیہ عدی کو اول تیم کے بعد محذوف مانیں گے اصل میں تھا یا تیم عدی تیم عدی پس اضافت کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

سوال: تیم ثانی میں کیا اعراب ہوگا؟

جواب: دوسرا تیم ہر حال میں منصوب ہوگا اس لئے کہ وہ مضاف ہے۔

سوال: مصنفؒ نے الفتح اور الضم کے بجائے الرفع و النصب کیوں کہا؟

جواب: مصنفؒ نے الفتح اور الضم کے بجائے الرفع و النصب اس لئے کہا کہ مضاف ہے تو وہ معرب ہوگا اور معرب کے لئے نصب کا استعمال ہوتا ہے۔

فائدہ۔یاتیم تیم عدی مصرعہ کا جز ہے پورا شعر یوں ہے۔شعر

یاتیم تیم عدی لا ابالکم لا یلتبتکم فی سوءة عمرو

یہ جریر کا شعر ہے جس کو جریر نے عمرو تیمی کے ہجو میں کہا ہے،عرب میں تیم نامی چند قبائل ہیں جیسے تیم بن غالب بن مرہ اور تیم بن عبد مناف اسی طرح ایک قبیلہ تیم عدی کے نام سے بھی ہے،عمرو تیمی نے جریر کی ہجو کا ارادہ کیا تھا جب یہ خبر جریر کو پہنچی تو قبیلہ تیم عدی کو مخاطب کرکے اس نے یہ کیا کہ اے تیم تیم عدی تمہارے لئے کوئی باپ نہیں تم عمرو تیمی کو میری ہجو سے روکو، ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو قباحت اور مصیبت میں ڈال دے کہ میں تمہارے قبیلہ کی ہجو شروع کردوں۔

قاعدہ

وَالْمُضَافُ اِلٰی یَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یَجُوْزُ فِیْهِ یَا غُلَامِیْ،وَیَا غُلَامِیَ، وَیَا غُلَامِ وَیَا غُلَامَا ،وَبِالْهَاءِ وَقْفًا-

ترجمہ:اور جو منادیٰ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو،اس میں جائز ہے یا غلامیْ، یا غلامیَ، یا غلامِ، یا غلاما (اے میرے غلام) اور حالت وقف میں ہاء کے ساتھ (بھی پڑھ سکتے ہیں)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جو منادیٰ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار صورتیں جائز ہیں: (۱) یاء کا فتحہ جیسے یَا غلامِیَ (۲) یاء کا سکون جیسے یَا غلامِیْ (۳) یاء حذف کرکے کسرہ پر اکتفا کرنا جیسے یا غلامِ (۴) یاء کو الف سے بدل دینا جیسے یا غلاما۔

اور چاروں صورتوں میں حالت وقف میں ہاء بڑھا سکتے ہیں جیسے یَا غلامِیَهْ، یا غلامِیْهْ، یا غلامِهْ، یا غلامَاهْ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟۔

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ منادیٰ جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں چار صورتیں جائز ہیں (۱) یاء کا فتحہ جیسے یاغلامیَ: اخف الحرکت کی وجہ سے۔(۲) یاء کا سکون جیسے یاغلامی: مبنی میں اصل سکون ہے۔(۳) یاء کو حذف کر کے کسرہ پر اکتفاء کرنا جیسے یاغلامِ: حذفِ یاء تخفیف کی وجہ سے اور کسرہ بطور علامت کے (۴) یاء کو الف سے بدل دینا جیسے یاغلاما: الف مدصوت کی وجہ سے۔

نوٹ: ان چار صورتوں میں وقف کی حالت میں ہاء لانا بھی درست ہے جیسے یاغلامیَہ، یاغلامیہ، یاغلامہ، یاغلاماہ۔

فائدہ: شرح جامی میں ہے کہ جس اسم کی اضافت یائے متکلم کی طرف غالب ومشہور ہو وہ اسم اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے عدوی تو اس میں صرف دو ہی طریقے جائز ہیں (۱) یائے متکلم کا فتحہ (۲) یائے متکلم کا سکون۔

قاعدہ

وَقَالُوا يَا أَبِي، وَيَا أُمِّي، وَيَا أَبَتِ، وَيَا أُمَّتِ فَتْحًا وَكَسْرًا وَبِالْأَلِفِ دُونَ الْيَاءِ

ترجمہ: اور اہل عرب کہتے ہیں: یاابی، یاامیْ، یاابتَ، یاامتَ فتحہ اور کسرے کے ساتھ اور الف کے ساتھ، نہ کہ یاء کے ساتھ۔

مختصر تشریح

(۲) اب اور أم کی جب یاء کی طرف اضافت کی جائے تو مذکورہ چار صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور بھی جائز ہیں: (۱) ی کو ت سے بدلنا اور ت پر فتحہ یا کسرہ پڑھنا۔(۲) ت کے بعد الف بڑھانا۔ ی بڑھانا جائز نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لفظ اب یا ام، جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو مذکورہ بالا چار صورتوں کے علاوہ باقی دو صورتیں اور بھی جائز ہیں گویا مجموعی چھ صورتیں جائز ہیں (۱) یاابیِ، یاامیَ (۲) یاابیْ، یا امیْ (۳) یا ابِ، یا امِ (۴) یاابَا، یاامّا (۵) یاء کو ت سے بدلنا اور ت پر فتحہ یا کسرہ پڑھنا یا ابتَ، یا ابتِ، یاامتَ یا امتِ (۶) یاء کو حذف کر کے تاء سے بدلنا اور اس کے بعد الف بڑھانا یاابتَا یاامتَا۔

فائدہ: آخری صورت میں یاء کو باقی رکھنے کے ساتھ ت لانا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں عوض اور معوض کا اجتماع لازم آئے گا۔

فائدہ: بعض کتابوں میں ساتواں طریقہ بھی لکھا ہے کہ یائے متکلم کو تاء سے بدل کر ضمہ کے ساتھ لائیں جیسے یاابتُ مگر یہ قلیل الاستعمال اور نادر ہے۔

قاعدہ

وَيَاابْنَ أُمِّ، وَيَاابْنَ عَمِّ خَاصَّةً مِثْلُ بَابِ يَاغُلَامِيْ،
وَقَالُوْا يَاابْنَ أَمَّ، وَيَاابْنَ عَمَّ

ترجمہ: اور یاابنَ امِّ اور یا ابنَ عمِّ خاص طور پر باب یاغلامی کی طرح ہیں، اور اہل عرب کہتے ہیں: یاابن ام اور یاابن عم۔

مختصر تشریح

(۳) قاعدہ: جب أُمَّ اور عَمَّ پر ابن یا بنت داخل کیا جائے اور اس کو منادیٰ بنایا جائے تو ان میں پانچ صورتیں جائز ہیں۔

چار صورتیں یاغلامی والی اور پانچویں صورت: یاء کوحذف کر کے میم پرفتحہ پڑھنا۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے جب منادیٰ ابن، ام یاعم کی طرف مضاف ہو پھر ام یاعم کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو اس میں یاغلامی کے مانند چار صورتیں جائز ہیں، البتہ اس میں بعض حضرات نے پانچویں صورت کوجائز قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یاء کوالف سے بدلنا اور الف کوحذف کر کے الف کے ماقبل فتحہ پر اکتفا کرنا جیسے یا ابن امَّ، یا ابن عمَّ ایسا اس لئے درست ہے کہ یہ منادیٰ اس منادیٰ (یاغلامی) سے جو یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہو اس سے زیادہ ثقیل اور کثیر الاستعمال ہے اور جو ثقیل اور کثیر الاستعمال ہوتا ہے اس میں تخفیف کی جاتی ہے اور اس کی وہی صورت ہے کہ اس میں فتحہ دے دیا جائے۔

سوال: خاصةً کا کیا مطلب ہے؟

جواب: پانچواں طریقہ یاء کوحذف کر کے میم پرفتحہ پڑھنا جب أُمَّ اور عَمَّ پر ابن یابنت داخل کیا جائے اور اس کومنادیٰ بنایا جائے تو خاص طور پر جائز ہے اور کسی قسم کے منادیٰ میں درست نہیں، چاہے وہ مضاف ابن کے علاوہ ہو جیسے یاغلام امی، یاغلام عمی، یا (ابن) عم اور ام کے علاوہ کسی اور طرف مضاف ہو جیسے یاابن اخی یا مضاف ابن اور مضاف الیہ ام اور عم کے علاوہ ہو جیسے یاغلام اخی اور یاغلام غلامی۔

سوال: پانچواں طریقہ جائز ہونے کے لئے اگر لفظ ابن شرط ہے تو یا بنت ام جائز نہیں ہونا چاہئے اور اگر پانچواں طریقہ جائز ہونے کے لئے لفظ ابن شرط نہیں ہے تو یا اخ ام جائز ہونا چاہئے؟

جواب: پانچواں طریقہ جائز ہونے کے لئے لفظ ابن شرط ہے اور لفظ بنت لفظ ابن کی طرح کثیر الاستعمال ہے اس لئے لفظ بنت لفظ ابن کے حکم میں ہے اس لئے جائز ہوگا۔

6

منادیٰ کی ترخیم

وَتَرْخِيمُ الْمُنَادٰى جَائِزٌ وَفِي غَيْرِهٖ ضَرُورَةً،
وَهُوَ حَذْفٌ فِي آخِرِهٖ تَخْفِيفًا۔

ترجمہ: اور منادیٰ میں ترخیم کرنا جائز ہے، اور غیر منادیٰ میں (صرف) ضرورت شعری کی وجہ سے جائز ہے، اور وہ (ترخیم) اسم کے آخر سے تخفیف کے لئے حذف کرنا ہے۔

مختصر تشریح

رَخَّمَ الشئی کے معنیٰ ہیں: نرم و آسان بنانا، ہلکا کرنا۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہیں ندا کے وقت اسم کے آخری حرف کو تلفظ آسان کرنے کے لئے حذف کرنا۔

منادیٰ کی ترخیم ہر حال میں جائز ہے، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو اور غیر منادیٰ میں ضرورتِ شعری کی وجہ سے جائز ہے نثر میں جائز نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منادیٰ کی ترخیم کی بحث کو بیان کرنا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ترخیم باب تفعیل کا مصدر ہے ہلکا کرنا، آسان بنانا اور اصطلاح نحویین میں ترخیم کہا جاتا ہے منادیٰ کے اخیر سے تخفیف کے لئے کسی حرف کو حذف کرنا جیسے یا عثمان سے یا عثم، یا مروان سے یا مرو وغیرہ۔

نوٹ: ترخیم منادیٰ کا خاصہ ہے۔

سوال: ترخیم منادیٰ کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب: (۱) منادیٰ میں ترخیم نثر اور نظم دونوں اعتبار سے ہوتی ہے برخلاف غیر

منادیٰ میں صرف نظم میں ہوتی ہے نثر میں نہیں ہوتی۔(۲) ترخیم منادیٰ کا خاصہ اس لئے ہے کہ اس کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔

سوال: ترخیم منادیٰ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ یا ید میں ترخیم نہیں ہے مگر ترخیم کی تعریف صادق ہے اس لئے کہ ید کا آخری حرف محذوف ہے اس لئے کہ ید کی اصل میں یدی ہے؟

جواب: ترخیم سے مراد منادیٰ کے آخر میں حذف محض تخفیف کے لئے ہو، تعلیل کے لئے حذف نہ ہو اور ید کے آخر میں حذف تعلیل کے لئے ہے اگر چہ تعلیل سے بھی تخفیف ہوتی ہے۔

وَشَرْطُهُ (الف) اَنْ لَا يَكُوْنَ مُضَافًا, وَلَا مُسْتَغَاثًا, وَلَا جُمْلَةً (ب) وَيَكُوْنُ اِمَّا عَلَمًا زَائِدًا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَحْرُفٍ, وَاِمَّا بِتَاءِ التَّانِيْثِ

ترجمہ: اور ترخیم کی شرط یہ ہے کہ (الف) منادیٰ، مضاف، مستغاث اور جملہ نہ ہو۔
(ب) بلکہ یا تو ایسا علم ہو جو تین حرف سے زائد ہو، یا تائے تانیث کے ساتھ ہو۔

مختصر تشریح

(۲) منادیٰ کی ترخیم کے لئے منفی پہلو سے تین باتیں ضروری ہیں: (۱) منادیٰ مضاف نہ ہو۔ (۲) منادیٰ مستغاث نہ ہو۔ (۳) منادیٰ جملہ نہ ہو۔

اور مثبت پہلو میں سے دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ضروری ہے: (۱) اگر منادیٰ علم ہو تو ضروری ہے کہ وہ تین حروف سے زائد ہو۔ (۲) اور علم نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کے آخر میں گول ۃ ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ منادیٰ کی ترخیم مطلقاً نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔اور منادیٰ کی ترخیم کے شرائط دو قسم کے ہیں (۱) عدمی (۲) وجودی۔

سوال: عدمی شرائط کتنے ہیں اور کونسے؟

جواب: عدمی شرائط تین ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) منادیٰ مضاف نہ ہو (۲) منادیٰ مستغاث نہ ہو (۳) منادیٰ جملہ نہ ہو۔

سوال: منادیٰ مضاف نہ ہو یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: منادیٰ جب مضاف ہوگا تو یقیناً اس کا مضاف الیہ ہوگا اور مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال ہوتا ہے اب یا تو ترخیم مضاف کے اخیر میں کریں گے یا مضاف الیہ کے اخیر میں؛ اگر مضاف کے اخیر میں کرتے ہیں تو ترخیم کا وسط کلام میں ہونا لازم آئے گا اور اگر مضاف الیہ کے اخیر میں ترخیم کریں گے تو ترخیم کا غیر منادیٰ پر ہونا لازم آئے گا اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں اصل مضاف ہوتا ہے۔

سوال: ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں جس میں منادیٰ مضاف ہے اس کے باوجود وہ ترخیم میں مستعمل ہے وہ مثال یہ ہے یا صاحبی اس میں ترخیم کرکے یا صاح کہتے ہیں۔

جواب: یہ شاذ ہے نیز کثیر الاستعمال ہے اس لئے خلاف قیاس اس میں ترخیم ہوتی ہے۔

سوال: منادیٰ مستغاث نہ ہو یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: منادیٰ اگر مستغاث ہے تو مستغاث میں مدِ صوت مطلوب ہے اخیر میں اگر ترخیم کریں گے تو مد صوت جو مستغاث سے مطلوب ہے وہ فوت ہوجائے گا۔

سوال: منادیٰ جملہ نہ ہو یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: جملہ، حکایت بیان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو بمنزلہ مبنی کے ہیں اگر جملہ میں ترخیم کریں گے تو جملہ کا مقصود جو حکایت بیان کرنا ہے وہ فوت ہوجائے گا۔

سوال: وجودی شرائط کتنی ہیں اور کونسی؟

جواب: وجودی شرائط دو ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) منادیٰ مرخم یا تو علم ہو جو تین حرف سے زائد ہو۔ (چار حرفی ہو)۔ (۲) اگر علم نہ ہوتو منادیٰ مرخم تائے تانیث کے ساتھ ہو۔

سوال: منادیٰ مرخم علم ہو یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: علم ہونے کی شرط اس لئے کہ (۱) ترخیم کے بعد علم کی شہرت کی وجہ سے اشتباہ لازم نہ آوے (۲) علم اپنے شہرت کی وجہ سے حذف کئے گئے حرف پر دلیل ہوگا۔

سوال: تین حرف سے زائد ہو یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: تین حرف سے زائد کی شرط اس لئے لگائی تاکہ ترخیم کے بعد کلمہ کا وزن باقی رہے اس لئے کہ عامۃ کلمہ تین حرف کا ہوتا ہے۔

فائدہ: کوفیین فرماتے ہیں کہ اگر منادیٰ تین حرفی ہو اور درمیانی حرف متحرک ہو تب بھی ترخیم جائز ہے اس لئے کہ اس متحرک کو چوتھا حرف کا درجہ دے سکتے ہیں، لیکن یہ ضعیف ہے اس لئے کہ متحرک کو چوتھے حرف کا درجہ دینا رائج نہیں ہے۔

سوال: منادیٰ مرخم تائے تانیث کے ساتھ ہو یہ شرط کیوں لگائی؟

جواب: منادیٰ مرخم علم اور تین حرف سے زائد نہ ہوتو تائے تانیث کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تاء کو زائل کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے پس تانیث کے زوال کی وجہ سے ترخیم میں سقوط کا کم از کم تقاضہ پورا ہو جائے گا جیسے شاۃ۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ جس میں تائے تانیث ہے ورنہ مذکر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

نوٹ: ان دونوں شرطوں میں سے ہر ایک کا بیک وقت پایا جانا ضروری نہیں بلکہ ایک پائی جائے تب بھی کافی ہے گویا اس میں مانعۃ الخلو ہے۔

فَاِنْ كَانَ فِيْ آخِرِهٖ زِيَادَتَانِ فِيْ حُكْمِ
الْوَاحِدَةِ كَاَسْمَاءَ وَمَرْوَانَ۔

ترجمہ: پس اگر منادیٰ کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہوں جو ایک زیادتی کے حکم میں ہو جیسے اسماء اور مروان۔

مختصر تشریح

مقدار محذوف کا بیان: ترخیمِ منادیٰ کے آخر سے کتنے حروف حذف کئے جائیں گے؟ اس کی چار صورتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔

(۱) اگر منادیٰ کے آخر میں ایسے دو حرف ہو جن کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہو تو ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر دیں گے جیسے اسماء اور مروان میں یا اسمُ، یا مروُ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ترخیم کے طریقوں اور مرخم کی مقدار کو بیان فرمانا ہے اس لئے کہ بعض مرتبہ ایک حرف کو حذف کیا جاتا ہے اور بعض مرتبہ ایک سے زائد حروف کو حذف کیا جاتا ہے۔

سوال: منادیٰ مرخم کی وہ صورتیں جن میں ایک سے زائد حروف کو حذف کیا جاتا ہے کتنی ہیں؟

جواب: وہ تین صورتیں ہیں۔

سوال: ان میں سے پہلی صورت کیا ہے؟

جواب: ان میں سے پہلی صورت یہ ہے اگر اسم منادیٰ کے آخر میں دو حرف زائد ہوں اور ان کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہو تو ایسی صورت میں ترخیم کے وقت دونوں کو ایک

ساتھ حذف کردیں گے جیسے یا اسماء میں ہمزہ اور الف دونوں ایک ساتھ زائد کئے گئے لہذا ترخیم کی صورت میں یا اسم ہوگا۔ یامروان میں ہمزہ اور الف دونوں ایک ساتھ زائد کئے گئے اس لئے ترخیم کی صورت میں یا مرو ہوگا۔

سوال: صورتِ اول میں ایک ساتھ دوحرفوں کو حذف کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: صورتِ اول میں ایک ساتھ دوحرفوں کوحذف اس لئے کیا جاتا ہے کہ دونوں حرفوں کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہے اگرایک کوحذف کیا جائے توترجیح بلامرجح لازم آتی ہے۔

نوٹ: اگر دوحرفوں کی زیادتی ایک ساتھ نہ ہوئی ہوتوترخیم میں کوایک ساتھ حذف نہیں کریں گے بلکہ ایک حرف کوحذف کریں گے۔

اَوْحَرْفٌ صَحِيْحٌ قَبْلَهُ مَدَّةٌ وَهُوَ اَكْثَرُ مِنْ اَرْبَعَةِ اَحْرُفٍ حُذِفَتَانِ

ترجمہ: یا ایسا حرف صحیح ہو جس سے پہلے مدہ (زائدہ) ہو، درآنحالیکہ وہ اسم چار حرف سے زائد ہو، توان دونوں حرفوں کوحذف کیا جائے گا۔

مختصر تشریح

(۲) منادیٰ کے آخر میں حرف صحیح ہواوراس سے پہلے مدہ ہواس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا حرف علت ہوجس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہوتوبھی ترخیم کے وقت دونوں کوحذف کریں گے بشرطیکہ کلمہ چار حروف سے زائد ہو جیسے عمار اور منصور میں یاعمُّ، یامنصُ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منادیٰ مرخم کی چار صورتوں میں سے دوسری صورت کو بیان کرنا ہے۔ اس صورت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اسم حرف صحیح ہو (جس کے اخیر میں حرف علت نہ ہو) اوراس کا ماقبل مدہ زائدہ ہو (مدہ سے مراد حرف علت ساکن ہواوراس کے ماقبل کی

حرکت کے موافق ہو) اور اس اسم میں چار سے زائد حروف ہو (تا کہ حذف کے بعد تین حرف باقی رہے) تو ایسی صورت میں ترخیم کے وقت دونوں حرفوں کو حذف کریں گے جیسے یا منصور میں راء حرف صحیح ہے اور اس سے پہلے حرف مدہ زائدہ ہے اور چار حرف سے زائد ہے تو ترخیم کے وقت یا منص ہوگا۔

سوال: صورت ثانی میں ایک ساتھ دو حرفوں کو حذف کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: صورت ثانی میں ایک ساتھ دو حرفوں کو حذف اس لئے کیا جاتا ہے کہ آخری حرف اصلی ہے اور اس سے پہلے والا حرف، حرفِ علت ہے نیز مدہ زائدہ ہے اگر ترخیم میں آخری حرف کو فقط حذف کیا جائے تو اصل کا حذف اور زائدہ کو باقی رکھنا لازم آئے گا اور یہ خلاف اصل ہے۔

سوال: مدہ زائدہ اور غیر زائدہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: مدہ زائدہ اس مد کو کہتے ہیں جو حروف اصلیہ میں سے نہ ہو۔ اور مدہ غیر زائدہ اس مد کو کہتے ہیں جو حروف اصلیہ میں سے ہو۔

سوال: سعلاۃ بروزن فعلاۃ کے اخیر میں حرف صحیح ہے جس سے پہلے مدہ بھی ہے اور یہ کلمہ چار حرفی سے زیادہ بھی ہے اس کے باوجود ترخیم میں صرف تاء ہی حذف ہوتی ہے؟

جواب: حرف صحیح سے وہ حرف صحیح مراد ہے جو اصلی بھی ہو اور سعلاۃ کے اخیر میں حرف اصلی نہیں ہے۔

سوال: مختار کے اخیر میں حرف اصلی ہے جس سے پہلے مدہ بھی ہے اور یہ کلمہ چار حرفی سے زیادہ بھی ہے اس کے باوجود ترخیم میں اخیر سے صرف ایک حرف محذوف ہوتا ہے؟

جواب: مدہ سے مدہ زائدہ مراد ہے اور مختار میں مدہ غیر زائدہ ہے، کیونکہ وہ عین کلمہ ہے۔

سوال: چار حرفوں سے زائد ہو یہ قید کیوں لگائی؟

جواب: چار حرفوں سے زائد ہو یہ قید اس لئے لگائی تا کہ ترخیم کے بعد کلمہ تین حرفی باقی رہے اس لئے کہ اہل عرب کے نزدیک کلمہ کی اصل تین حروف ہونا ہے۔

وَإِنْ كَانَ مُرَكَّبًا حُذِفَ الِاسْمُ الْآخِيْرُ

ترجمہ: اور اگر منادیٰ مرکب ہو تو آخری اسم کو حذف کیا جائے گا۔

مختصر تشریح

(۳) اگر کلمہ مرکب ہو اور اسناد اور اضافت نہ ہو تو ترخیم میں دوسرے اسم کو حذف کریں گے جیسے بعل بک میں یا بعلُ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منادیٰ مرخم کی چار صورتوں میں سے تیسری صورت کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر کلمہ مرکب ہو اور اسناد اور اضافت نہ ہو تو ترخیم میں دوسرے اسم کو حذف کریں گے جیسے بعل بک میں یا بعلُ۔

سوال: صورتِ ثالث میں پورے کلمہ کو حذف کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: (۱) کلمہ، کلمہ ہونے میں مستقل ہوتا ہے لیکن اس جگہ پورا کلمہ، کلمہ کے ساتھ ملایا گیا ہے تو حذف میں بھی پورے کلمہ کو حذف کیا جائے گا۔

(۲) اگر منادیٰ مرکب ہو تو ترخیم کے وقت آخر جز کو حذف کر دیا جائے گا کیونکہ یہ آخری جز، آخری حرف کے قائم مقام ہے جیسے یا خمسة عشر میں یا خمس یا بعلبک میں یا بعل

سوال: اسناد کی نفی کیوں کی؟

جواب: اگر اسناد ہو تو وہ کلمہ مبنی ہوگا اور مبنی میں ترخیم جائز نہیں ہے۔

سوال: اضافت کی نفی کیوں کی؟

جواب: اگر کلمہ اضافت کے ساتھ ہو تو ترخیم یا تو مضاف کے آخر میں کریں گے تو وسط کلمہ میں ترخیم لازم آئے گی اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے مابین اتصال قوی ہوتا

ہے گویا بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہے۔ اور اگر ترخیم مضاف الیہ کے آخر میں ہو تو گویا دوسرے کلمہ میں ترخیم ہوگی اس لئے کہ درحقیقت مضاف الیہ دوسرا کلمہ ہے۔

نوٹ: مرکب سے مراد مرکب بنائی اور مرکب منع صرف ہے۔

وَاِنْ كَانَ غَيْرُ ذٰلِكَ فَحَرْفٌ وَاحِدٌ

ترجمہ: اور اگر منادیٰ ان کے علاوہ ہو تو (صرف) ایک حرف کو حذف کیا جائے گا۔

مختصر تشریح

(۴) اگر منادیٰ مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ ہو تو ترخیم میں آخر میں ایک حرف حذف کریں گے جیسے خالد میں یا خال۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منادیٰ مرخم کی چار صورتوں میں سے چوتھی صورت کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ تین قسموں کے علاوہ منادیٰ ترخیم کی چوتھی قسم اس میں ایک حرف حذف ہوگا جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی اسم کے اخیر میں دو حرف ایک ساتھ زائد نہ ہو اور آخری حرف صحیح ہو لیکن ماقبل مدہ نہ ہو اور چار حرف سے زائد بھی نہ ہو تو ترخیم کے وقت ایک حرف کو حذف کیا جائے گا جیسے یا حارث سے یا حار اور یا مالک سے یا مال وغیرہ۔

قاعدہ

(۱) وَهُوَ فِيْ حُكْمِ الثَّابِتِ عَلَى الْاَكْثَرِ، فَيُقَالُ يَا حَارُ، وَيَا ثَمُوْ، وَيَا كَرَوَ.

ترجمہ: اور وہ (محذوف حرف) اکثر استعمال میں موجود کے حکم میں ہوتا ہے، پس (اس صورت میں) کہا جائے گا: یا حار، یا ثمو، یا کرَوَ۔

مختصر تشریح

منادیٰ مرخم کا استعمال اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ گویا حرف محذوف ثابت ہے چنانچہ محذوف سے پہلے والا حرف بدستور اپنی حالت پر رہتا ہے پس یا حارث سے یا حارِ یا ثمودُ سے یا ثموُ اور یا کروانُ سے یا کروَ۔

نوٹ: کروان لمبی چونچ اور بھورے رنگ کا ایک پرندہ ہے جو کبوتر کے ہم شکل اور خوش آواز ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ترخیم کے بعد منادیٰ کے اخیر میں حرکت کے باقی رکھنے اور بدلنے کے اعتبار سے دو صورتوں میں سے پہلی صورت کو بیان کرنا ہے۔

سوال: ان میں سے پہلی صورت کیا ہے؟

جواب: ان میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اکثر استعمال کے مطابق منادیٰ مرخم موجود کے حکم میں ہوگا یعنی ترخیم کے بعد جو منادیٰ کے اخیر میں حرکت ہے اسی کو برقرار رکھنا جیسے یا حارث میں یا حارِ (را کے کسرہ کے ساتھ) یا ثمود میں یا ثمو (واو کے سکون کے ساتھ) اور یا کروان سے یا کرو (واؤ متحرک ماقبل کے فتحہ کے ساتھ)۔

وَقَدْ يُجْعَلُ اِسْمًا بِرَاسِهٖ فَيُقَالُ يَا حَارُ وَيَا ثَمِيْ وَيَا كَرَا۔

ترجمہ: اور کبھی منادیٰ مرخم کو مستقل اسم قرار دیا جاتا ہے، پس (اس صورت میں) کہا جائے گا: یا حارُ، یا ثمیُ، یا کرَا۔

مختصر تشریح

کبھی ترخیم کے بعد منادیٰ مرخم کو مستقل اسم کی حیثیت دے دیتے ہیں اور تعلیل

وبنا میں اس کے ساتھ مستقل اسم جیسا معاملہ کرتے ہیں چنانچہ یا حارث میں یا حارُ، کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس لئے ضمہ پر مبنی ہے۔یا ثمودُ میں یا ثمیْ، کیونکہ واو سے پہلے ضمہ ہے اس لئے معتل کے قاعدہ کے مطابق واو کو ی سے بدل دیا اور میم کو کسرہ دیا۔یا کروان میں یا کرا؛ کیونکہ واو متحرک ماقبل مفتوح ہے اس لئے معتل کے قاعدہ کے مطابق الف سے بدل دیا

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ترخیم کے بعد منادیٰ کے اخیر میں حرکت کے باقی رکھنے اور بدلنے کے اعتبار سے دوصورتوں میں سے دوسری صورت کو بیان کرنا ہے۔

سوال: ان میں سے دوسری صورت کیا ہے؟

جواب: دوسری صورت میں تفصیل ہے۔اس کی تین شکلیں ہیں۔وہ حسب ذیل ہیں: (۱) اقل الاستعمال میں منادیٰ مرخم کے اخیر کو معرب و مبنی ہونے میں مستقل اسم کا درجہ دے دیا جاتا ہے لہذا اگر علم مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہوگا پس یاحارث میں حار کو ضمہ پر مبنی قرار دے کر یاحارُ پڑھا جائے گا۔

(۲) اور کبھی اس میں تعلیل کی ضرورت ہو تو اس میں تعلیل بھی کر سکتے ہیں جیسے یا ثمو سے یا ثمی (واؤ متطرفہ کے یاء سے اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدلنے کیساتھ) اس لئے کہ واؤ طرف میں واقع ہے اور اسکا ماقبل مضموم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب واؤ کنارے میں واقع ہو تو واؤ یاء سے اور اس کا ماقبل کا ضمہ کسرہ سے بدل کیا جاتا ہے۔

(۳) اوریا کروان سے یا کرا اس میں قاعدہ پایا گیا واؤ متحرک ماقبل مفتوح تو اس کو الف سے بدل دیا۔

مندوب کا بیان

وَقَدِ اسْتَعْمَلُوْا صِيْغَةَ النِّدَاءِ فِي الْمَنْدُوْبِ
وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا اَوْوَا ، وَاخْتُصَّ بِوَا

ترجمہ: اور کبھی اہل عرب ندا کے صیغہ (یا) کو مندوب میں استعمال کرتے ہیں اور وہ (مندوب) وہ اسم ہے جس پر یا یا وا کے اظہار رنج و غم کیا جائے اور مندوب وا کے ساتھ خاص ہے۔

مختصر تشریح

دہائی دینے والے کو نادب اور جس کو پکارا جائے اس کو مندوب کہتے ہیں۔ عرب ندا کے صیغہ کو مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں اور صیغہ ندا سے مراد فقط یاء ہے اور دوسرے حروف ندا، ندبہ میں استعمال نہیں کئے جاتے۔

مندوب وہ ہے جس پر یا اور وا کے ذریعہ رویا جائے جیسے یازیداہ، وا ویلاہ۔ اور وا صرف ندبہ میں استعمال ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مندوب کا حکم اور اس کی تعریف کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مندوب کو مستقل عنوان کے بجائے منادیٰ کے بیان کے درمیان کیوں ذکر کیا؟

جواب: مندوب کو مستقل عنوان کے بجائے منادیٰ کے بیان کے درمیان اس لئے ذکر کیا کہ مندوب ملحقاتِ منادیٰ میں سے ہے۔

سوال: مندوب کسے کہتے ہیں؟

جواب: مندوب اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی رویا ہوا۔اصطلاح نحویین میں مندوب کہا جاتا ہے جس پر اظہار افسوس کیا جائے یا یا وا کے ذریعہ، کسی چیز کے فوت ہونے پر ہو یا کسی چیز کے پیش آنے پر ہو جیسے یازیداہ، یاعمراہ، یامصیتاہ، یاواویلاہ۔

سوال: مصنفؒ نے مندوب کو منادیٰ میں کیوں نہیں داخل کیا جبکہ مندوب کے احکام وہی ہیں جو منادیٰ کے احکام ہیں؟

جواب: مندوب پر کبھی وا بھی آتا ہے اور منادیٰ پر کبھی وا نہیں آتا تو مندوب کو منادیٰ میں داخل کرنا کیسے صحیح ہوگا۔

نوٹ۔ واؤ مندوب کے ساتھ خاص ہے برخلاف یا عام ہے منادیٰ اور مندوب کے مابین اور باقی حروف ندا صرف منادیٰ میں آتے ہیں مندوب میں نہیں آتے۔

وَحُكْمُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُكْمُ الْمُنَادٰى

ترجمہ: اور اس کا حکم معرب ومبنی ہونے میں منادیٰ کے حکم کی طرح ہے۔

مختصر تشریح

اور معرب ومبنی ہونے میں مندوب منادیٰ کی طرح ہے۔جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے اسی طرح مندوب بھی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے وازید۔

اور جس طرح منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اسی طرح مندوب بھی منصوب ہوتا ہے جیسے واعبدَاللہ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مندوب کا حکم منادیٰ کی طرح

ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس صورت میں منادیٰ مبنی ہوتا ہے اسی صورت میں مندوب بھی مبنی ہوگا۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ مندوب منادیٰ مفرد معرفہ ہو مبنی بر رفع ہوگا جیسے وازید۔

اور جس صورت میں منادیٰ معرب منصوب ہوتا ہے، اسی صورت میں مندوب بھی معرب منصوب ہوگا اور وہ صورت یہ ہے کہ مندوب مضاف ہو (مندوب نکرہ اور شبہ مضاف واقع نہیں ہوتا) جیسے واعبدَاللہ۔ اور منادیٰ کے توابع کے مانند مندوب کے توابع ہیں۔

قاعدہ

وَلَكَ زِيَادَةُ الْاَلِفِ فِيْ آخِرِهٖ

ترجمہ: اور آپ کے لئے مندوب کے آخر میں الف کو زیادہ کرنا جائز ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: آواز کی درازی کے لئے مندوب کے آخر میں الف زائد کرنا جائز ہے کیونکہ ندبہ میں آواز کی درازی مطلوب ہے جیسے وازیدا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آواز کی درازی کے لئے مندوب کے آخر میں الف زائد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مندوب کے مقصد میں الف معاون بنتا ہے اس لئے کہ ندبہ میں آواز کی درازی مطلوب ہے اور الف کی زیادتی سے آواز میں درازی پیدا ہوتی ہے جیسے وازیدا۔

قاعدہ

فَاِنْ خِفْتَ اللَّبْسَ قُلْتَ وَاغُلَامَكِيْهْ وَاغُلَامَكُمُوْهْ

ترجمہ: اور اگر آپ التباس کا خوف کریں تو آپ کہیں گے واغلامکیہ و اغلامکموہ

مختصر تشریح

قاعدہ: اگر مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنے سے التباس پیدا ہو تو الف کو اس حرف سے بدل دیں گے جو مندوب کے آخر کی حرکت کے ہم جنس ہو جیسے واحد مؤنث حاضر کے غلام کے ندبہ میں اگر کہا جائے وا غلامکاہ تو واحد مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ سے اشتباہ پیدا ہوگا، کیونکہ اس میں بھی یہی صیغہ استعمال کیا جائے گا اور علم نہ ہوگا کہ کاف اصل میں مکسور ہے یا مفتوح اس لئے وا غلامکیه کہا جائے گا الف کو کاف کے زیر کی مناسبت کی وجہ سے یاء سے بدلیں گے۔ اسی طرح جمع مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ میں کہا جائے گا وا غلامکماہ۔

تو تثنیہ مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ سے التباس ہو جائے گا اس لئے کہا جائے گا وا غلامکموہ الف کو میم کے پیش کی مناسبت سے واو سے بدلیں گے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر مندوب کے اخیر میں الف کے زیادہ کرنے سے کسی دوسرے صیغے کے ساتھ التباس کا اندیشہ ہو تو الف کو اس حرف سے بدل دیں گے جو مندوب کے آخری حرف کی حرکت کے مناسب ہے جیسے جب واحد مؤنث حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جائے گا جیسے وا غلامکیه اس میں کاف کے بعد الف تھا اگر الف کو باقی رکھتے یا غلامکاہ ہوتا تو پتہ نہ چلتا کہ نہ یہ ندبہ واحد مونث حاضر کا کیا جارہا ہے یا واحد مذکر حاضر کا، اس لئے کہ واحد مذکر حاضر کا غلام کا ندبہ اگر کرنا ہو اس کے لئے وا غلامکاہ بولا جاتا ہے اس لئے الف کو مندوب کے اخیر حرف کی حرکت کسرہ کے مناسب حرف یاء سے بدل دیا۔

اسی طرح جب جمع مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جائے تو کہا جائے گا وا غلامکموہ کیونکہ اگر الف کو باقی رکھا جاتا اور یوں کہا جاتا وا غلامکماہ تو پتہ نہیں چلتا کہ تثنیہ مذکر حاضر کا ندبہ ہے یا جمع مذکر غائب کا ندبہ ہے اس لئے الف کو مندوب کے آخری حرف کی حرکت ضمہ کے مناسب حرف واو سے بدل دیا۔

قاعدہ

وَلَكَ الْهَاءُ فِي الْوَقْفِ

ترجمہ: اور آپ کے لئے حالت وقف میں ھاء لانا بھی جائز ہے۔

مختصر تشریح

حالت وقف میں الف ندبہ کے بعد سکتہ کی ھا بڑھانا جائز ہے اسی طرح یاء اور وا کے بعد بھی۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مندوب کے اخیر میں ہائے سکتہ بھی لا سکتے ہیں۔ جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حرف کا بیان بھی ہو جائے گا کہ وہ الف ہے یا یا ہے یا واو ہے، نیز مدصوت کی حفاظت بھی ہو جائے گی۔

قاعدہ

وَلَا يُنْدَبُ إِلَّا الْمَعْرُوفُ فَلَا يُقَالُ وَارَجُلَاهُ

ترجمہ: اور مندوب نہیں ہوتا مگر مشہور پس وارجلاہ نہیں کہا جائے گا۔

مختصر تشریح

ندبہ صرف مشہور شخص کا ہوتا ہے، مجہول اور غیر معروف کا ندبہ نہیں ہوتا اس لئے وا رجلاہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔

7

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ ندبہ صرف مشہور ومعروف شئی کا ہی ہوتا ہے، غیر مشہور اور غیر معروف شئی کا ندبہ نہیں ہوتا لہذا وا رجلاہ نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ رجلا نکرۂ غیر معینہ ہے۔

سوال: معروف ومشہور شخص کا ہی ندبہ کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: (۱) ندبہ کیا جانا افسوس کا اظہار کیا جانا بمنزلۂ حکم کے ہے اور حکم کے لئے معروف اور مشہور شخص کا ہونا ضروری ہے غیر معروف اور غیر مشہور شخص پر حکم نہیں ہوتا ہے اس لئے ندبہ بھی غیر مشہور وغیر معروف شخص پر نہیں کیا جائے گا۔

(۲) ندبہ جب مشہور شخص کا ہوتا ہے تو لوگ رونے والے کو معذور خیال کریں گے اور جب مجہول اور غیر معروف شخص کا ہو تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔

قاعدہ

وَامْتَنَعَ وَازَيْدُنِ الطَّوِيْلَاهُ خِلَافًا لِيُوْنُسَ

ترجمہ: اور ممتنع ہے وازیدن الطویلاہ برخلاف امام یونس کے۔

مختصر تشریح

جمہور کے نزدیک مندوب کی صفت کے آخر میں الف ندبہ کا لاحق کرنا جائز نہیں پس وازیدن الطویلاہ کہنا صحیح نہیں۔ البتہ یونس نحوی کے نزدیک جائز ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اختلاف کو بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ اختلاف کیا ہے؟

جواب: وہ اختلاف یہ ہے کہ مندوب کے اخیر میں الف کی زیادتی جائز ہے، لیکن مندوب کی صفت کے اخیر میں الف کی زیادتی جائز ہے یا نہیں تو اس میں دو قول ہیں:

(۱) جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (۲) یونس نحوی کے نزدیک جائز ہے۔

یونس نحوی کے دلیل: وہ ترکیب اضافی پر قیاس کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے، دونوں ایک نہیں ہوتے اس کے باوجود مضاف الیہ کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے چنانچہ یا امیر المومنیناہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر صفت کے آخر میں الف کی زیادتی کو کیوں منع کیا جاتا ہے جبکہ وہ دونوں تو متحد ہیں جیسے زیدن الطویل میں زید اور طویل دو الگ الگ نہیں دونوں کا مصداق ایک ہے تو پھر اتحاد ذاتی کے ہوتے ہوئے صفت کے آخر میں الف کی زیادتی کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟۔

جمہور کی طرف سے یونس نحویؒ کے استدلال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مضاف الیہ کے بغیر مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے اس لئے مضاف الیہ مضاف کے جز کی طرح ہے تو ان میں اتصال قوی ہوا اور موصوف صفت کے درمیان ایسا اتصال نہیں ہوتا اس لئے ترکیب اضافی پر ترکیب توصیفی کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو صحیح نہیں۔

یونس نحویؒ کی دوسری دلیل: ایک اعرابی کے دو پیالے گم ہو گئے تھے اس نے وا جمجمی الشامیتناہ کہا تھا، اس کا ترجمہ یہ ہے "ہائے میرے دو شامی پیالے" اس میں شامیتناہ صفت ہے اور اس کے آخر میں الف لایا گیا، معلوم ہوا صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے۔

جمہور کی طرف سے یونس نحویؒ کے استدلال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شاذ اور غیر فصیح ہے۔ جیسے وازید الطویلاہ نہیں کہہ سکتے۔

قاعدہ

وَيَجُوزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ، إِلَّا مَعَ اِسْمِ الْجِنْسِ، وَالْإِشَارَةِ، وَالْمُسْتَغَاثِ، وَالْمَنْدُوبِ، نَحْوُ "يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا" وَأَيُّهَا الرَّجُلُ۔

ترجمہ: اور حرف ندا کو حذف کرنا جائز ہے، مگر اسم جنس، اسم اشارہ، مستغاث اور مندوب کے ساتھ، جیسے یوسف اعرض عن ھذا (اے یوسف! اس سے اعراض کرو) اور ایھا الرجل (اے مرد)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: چار صورتوں کے علاوہ جب قرینہ پایا جائے تو منادیٰ پر سے حرف ندا حذف کرنا جائز ہے جیسے یوسف اعرض عن ھذا اس کی اصل یا یوسف اعرض عن ھذا ہے اور قرینہ یہ ہے کہ اگر یوسف مبتدا ہو تو اعرض خبر نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ وہ جملہ انشائیہ ہے اسی طرح ایھا الرجل اور ایھذا الرجل حرف ندا (یا) محذوف ہے۔

وہ چار جگہیں جہاں حرف ندا کو حذف کرنا جائز نہیں ہے: (۱) اسم جنس (۲) اسم اشارہ (۳) مستغاث (۴) مندوب۔ اول دو میں اس لئے جائز نہیں کہ ان کا ندا کثرت سے نہیں کیا جاتا اور آخر دو میں اس لئے جائز نہیں کہ ان میں آواز کی درازی مطلوب ہے اور حرف ندا کا حذف اس کے منافی ہے۔ پس ندا میں صرف رجل، ھذا، لزید اور زید کہنا جائز نہیں بلکہ یا رجل، یا ھذا، یالَزید یا وازید یا یازید کہنا ضروری ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا اس بات کو بیان کرنا ہے کہ حرف ندا کو حذف کرنا جائز ہے جبکہ

قرینہ پایاجائے جیسے یوسف اعرض عن ھذا، ایھا الرجل، ایھذا الرجل۔ یوسف اعرض عن ھذا میں حرف ندایا محذوف ہے اصل میں تھایا یوسف اعرض عن ھذا۔

سوال: یوسف اعرض عن ھذا میں حذف کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: حذف کا قرینہ یہ ہے کہ اگر حرف ندا محذوف نہ ہواور یوسف منادیٰ نہ ہوتو پھر یوسف ترکیب میں مبتدا ہوگا اور اعرض عن ھذا اس کی خبر ہوگی حالانکہ اعرض عن ھذا امر ہے جو انشاء کی قسم ہے اور جملہ انشائیہ خبر نہیں ہوسکتا۔

سوال: ایھاالرجل میں حذف کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: حذف کا قرینہ ایھا ہے چونکہ منادیٰ معرف باللام میں ایھا کا فصل اس لئے لاتے ہیں تا کہ دوآلہ تعریف کا ایک جگہ اجتماع نہ ہو۔

سوال: ایھذاالرجل میں حذف کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: حذف کا قرینہ ایھذا ہے چونکہ منادیٰ معرف باللام میں ایھذا کا فصل اس لئے لاتے ہیں تا کہ دوآلہ تعریف کا ایک جگہ اجتماع نہ ہو۔

البتہ چار جگہوں میں حرف ندا یاء کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا (۱) منادیٰ اسم جنس ہو (۲) منادی اسم اشارہ ہو (۳) منادی مستغاث ہو (۴) منادی مندوب ہو۔

سوال: منادیٰ اسم جنس ہوتو حرف ندا کا حذف کیوں جائز نہیں؟

جواب: اسم جنس بمنزلہ نکرہ ہوتا ہے، حرف ندایا کے دخول کی وجہ سے یہ معرفہ بنتا ہے لہذا حرف ندایا کو حذف کردیں گے تو معرفہ کا التباس نکرہ کے ساتھ لازم آئے گا مخاطب سمجھ نہیں پائے گا کہ اس جگہ حرف ندا حذف ہوا ہے یا نہیں اس لئے وہ اس کو نکرہ مانے گا۔

(۲) اسم جنس کے ساتھ حرف ندا کا استعمال بہت کم ہوتا ہے لہذا اگر ندا حذف کر دیں گے تو مخاطب کا ذہن اسم جنس کے منادیٰ ہونے کی طرف سبقت نہیں کرے گا۔

(۳) حرف ندا لام تعریف کے قائم مقام ہے تو اگر حرف ندا کو حذف کیا جاتا ہے تو اصل اور نائب دونوں کا حذف لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے۔

سوال: منادیٰ اسم اشارہ ہو تو حرف ندا کا حذف کیوں درست نہیں؟

جواب: اسم اشارہ بھی ابہام میں اسم جنس کے مشابہ ہے، جب حرف ندا اسم جنس سے محذوف نہیں ہوتا تو پھر اسم اشارہ کے منادیٰ ہونے کی صورت میں بھی اس سے حذف نہیں ہوگا۔

سوال: منادیٰ جب مستغاث یا مندوب ہو تو حرف ندا یا کا حذف کرنا کیوں جائز نہیں؟

جواب: منادیٰ مستغاث اور منادیٰ مندوب دونوں سے مدصوت مطلوب ہے اگر حرف ندا کو حذف کر دیں گے تو جو مطلوب ہے وہ فوت ہو جائے گا۔

فائدہ: باقی معارف جن سے حرف ندا کا حذف درست ہے چار قسموں پر ہے۔

(۱) علم ہو خواہ میم مشددہ کے ابدال کے ساتھ ہو جیسے اللھم یا بغیر اس کے ہو جیسے یوسف اعرض عن ھذا۔ (۲) ایّ جس کی صفت معرف باللام ہو جیسے یاایھا الرجل یا، ایّ کی صفت کی صفت معرف باللام ہو جیسے یاایھذا الرجل۔ (۳) منادیٰ مطلقاً معرفہ کی طرف مضاف ہو جیسے ربنا آتنا غلام زید افعل کذا اصل میں یاربنا ہے۔ (۴) منادیٰ موصول ہو جیسے من لایزال محسنا اصل میں یامن لایزال محسنا ہے۔

اب جہاں تک ضمائر کی بات ہے تو ضمائر کا منادیٰ واقع ہونا شاذ ہے یاانت وغیرہ۔

فائدہ

وَشَذَّ اَصْبِحَ لَيْلُ وَافْتَدِ مَخْنُوقُ وَاَطْرِقْ كَرَا

ترجمہ: اور شاذ ہے اصبح لیل (اے رات! صبح ہو جا) افتدمخنون (اے گلا گھونٹے ہوئے شخص! اپنا فدیہ ادا کر) اور اطرق کرا (اے کراوان پرندے! گردن جھکا)۔

مختصر تشریح

فائدہ: (۲) تین محاوروں میں اسم جنس پر سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے جو شاذ ہے۔

(۱)امرأالقیس کی بیوی کا قول اَصۡبِحۡ لَیۡلُ (اے رات ختم ہو)اس جگہ لیل اسم جنس سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔

(۲)اِفۡتَدِ مَخۡنُوۡقُ (اے گلا گھونٹے ہوئے فدیہ دے)اس جگہ مخنوق اسم جنس سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔

(۳)اَطۡرِقۡ کَرَا (اے کروان سر جھکا)اس کا مطلب یہ ہے کہ نیچے اتر آ،تا کہ میں تیرا شکار کروں اس جگہ بھی کرا اسم جنس سے حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اعتراض کا جواب دینا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابھی آپ نے بیان کیا کہ منادیٰ اگر اسم جنس ہو تو اس وقت حرف ندا کا حذف جائز نہیں حالانکہ اصبح لیل، افتد مخنوق، اطرق کرا ان مثالوں میں لیل، مخنوق اور کرا باوجود اسم جنس ہونے کے حرف ندا محذوف ہے۔

جواب: یہ شاذ ہے، قیاس کے مطابق نہیں ہے۔

سوال: اَصۡبِحۡ لَیۡلُ کس کا قول ہے؟ اور اس کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: اَصۡبِحۡ لَیۡلُ امرءالقیس کی بیوی کا قول ہے۔اس کے پس منظر میں دو قول ہیں۔(۱)امرءالقیس بد شکل تھا اور بد خصال بھی تھا اس لئے اس کی بیوی کو نفرت ہوگئی اور اَصۡبِحۡ لَیۡلُ کہا کہ اے رات تو صبح ہو جا تا کہ میں اس سے چھٹکارا حاصل کروں۔

(۲)امرءالقیس جب شب زفاف میں چراغ جل رہا تھا اپنی بیوی کے پاس گیا اور چراغ بجھانے کے لئے بجائے اطفئی السراج کے اقتلی السراج کہہ دیا، بیوی کے دل میں یہ سن کر نفرت ہوئی کہ یہ بڑا جاہل ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امرءالقیس مالک الشعراء تھا، اس کو افصح العرب کہا جاتا تھا، اتنی فاحش غلطی کیسے کر سکتا ہے؟۔

سوال: اِفْتَدِ مَخْنُوْق یہ کس کا قول ہے؟ اور اس کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: ایک شخص کا قول ہے۔ اور اس کے پس منظر میں یہ تفصیل ہے کہ سلیک بن سلکہ چت لیٹا ہوا تھا، ایک شخص آیا اور اس کا گلا گھونٹ کر اِفْتَدِ مَخْنُوْق کہا ''اے گلا گھونٹے ہوئے مجھ کو فدیہ دے تا کہ میں تجھ کو چھوڑ دوں'' یا مطلب یہ ہے کہ ''بدلہ دے ورنہ میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں''۔

سوال: اَطْرِقْ کَرا یہ کس کا قول ہے؟ اور اس کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: اہل عرب کا منتر ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ اہل عرب اس منتر کو پڑھ کر شکار کرتے ہیں، پورا منتر یہ ہے ''اَطْرِقْ کَرا اَطْرِقْ کَرا۔ ان النعامۃ فی القری'' اے کروان! تو اپنا سر جھکا لے شتر مرغ جو تجھ سے بڑا ہے اس کا شکار ہم نے کر لیا ہے اور بستی میں اس کو پہونچا دیا گیا ہے، اس کے پڑھنے کے بعد وہ بالکل ٹھہر جاتا ہے اور گردن جھکا دیتا ہے اور لوگ اس طرح شکار کر لیتے ہیں۔

قاعدہ

وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُنَادٰى لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا، مِثْلُ اَلَا يَا اُسْجُدُوْا

ترجمہ: اور کبھی منادیٰ کو کسی قرینہ کے پائے جانے کے وقت جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے الا یا اسجدو (سنو! اے میری قوم سجدہ کرلو)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: اگر قرینہ موجود ہو تو منادیٰ کو بھی حذف کرنا جائز ہے جیسے اَلَا یَا اسْجُدُوْا ''سنو! اے قوم! سجدہ کرو'' اس جگہ منادیٰ قوم محذوف ہے اور قرینہ یہ ہے کہ حرف ندا فعل پر داخل نہیں ہوتا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ کبھی منادیٰ کو قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے جیسے اَلَا یَا اسْجُدُوْا، اس جگہ اسجدو افعل امر ہے اور حرف ندا فعل پر داخل نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ یاء کا مدخول منادیٰ محذوف ہے اور اصل میں تھا یاقوم اسجدوا ہے۔

فائدہ: ایک قرأت میں ان لا یسجدوا ہے اس میں ان ناصبہ ہے اور لا یسجدوا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، نون اعرابی اَنْ ناصبہ کی وجہ سے ساقط ہوگیا اور اَنْ ناصبہ کا لام میں ادغام ہوگیا ہے اس قرأت میں یہ منادیٰ محذوف کی مثال نہ ہوگی۔

وَالثَّالِثُ مَا اُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰی شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ اَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيْرِهٖ اَوْ مُتَعَلِّقِهٖ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ اَوْ مُنَاسِبُهُ لَنَصَبَهُ مِثْلُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ وَزَيْدًا مَرَرْتُ بِهٖ وَزَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ وَزَيْدًا حُبِسْتُ عَلَيْهِ يُنْصَبُ بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ اَيْ ضَرَبْتُ وَجَاوَزْتُ وَاَهَنْتُ وَلَابَسْتُ۔

ترجمہ: اور تیسرا موقع ماضمر عامله علی شريطة التفسير ہے (وہ مفعول بہ جس کے عامل کو تفسیر کی شرط پر پوشیدہ رکھا گیا ہو) اور وہ (ماضمر عامله علی شريطة التفسير) ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو، جو اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس میں عمل کرنے سے اعراض کررہا ہو، اس طور پر کہ اگر اس اسم پر وہ فعل یا اس کا مناسب مسلط کردیا جائے تو وہ اس کو نصب دیدے جیسے زید ضربته (میں نے زید کو مارا)،

زیدا امررت به (میں زید کے پاس سے گذرا)، زیدا ضربت غلامه (میں نے زید کی توہین کی، میں نے اس کے غلام کو مارا)، زیدا حبست علیه (میں زید کے ساتھ رہا، مجھے اس کی وجہ سے قید کرلیا گیا)، یہاں زید اس فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اس کا مابعد فعل کررہا ہے، یعنی ضربت، جاوزت، اھنت، اور لابست (کی وجہ سے)۔

مختصر تشریح

تیسرا مقام: جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے: ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر ہے۔ شریطۃ اور شرط کے ایک معنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مفعول بہ جس کا ناصب بشرط تفسیر پوشیدہ کیا گیا ہو (بعد میں اس کی وضاحت آرہی ہو)۔ اور اس موقع پر عامل کا حذف اس لئے واجب ہے کہ مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

تعریف: ما اضمر وہ اسم ہے جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل آئے جو اس اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں یا اس کے کسی متعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرسکتا ہو؛ لیکن اگر اس فعل یا شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے جیسے زیداً ضربتُهُ (زید کو مارا میں نے)۔

اس جگہ زیداً سے پہلے ضربتُ عامل محذوف ہے اس کی تفسیر بعد میں آنے والا فعل ضربتهُ کررہا ہے جو زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہے، اس کا عامل ہونے کی وجہ سے زیداً کو نصب نہیں دے سکتا؛ لیکن اگر ضمیر ہٹا کر ضربتُ زیدا کہا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔

ما اضمر کی چار صورتیں ہیں:

(۱) بعد میں آنے والا فعل اس اسم (مفعول بہ) کی ضمیر میں مشغول ہو اور اس کو بعینہ اس اسم پر مسلط کیا جاسکتا ہو جیسے زیداً ضربته۔

(۲) بعد میں آنے والا فعل اس اسم (مفعول بہ) کی ضمیر میں مشغول ہو مگر اس فعل کو

بعینہ اس اسم پر مسلط کیا نہ جا سکتا ہو البتہ اس کے مناسب فعل کو مسلط کیا جا سکتا ہو جیسے زیداً مررت بہ ای جاوزت زیداً۔

(۳) بعد میں آنے والا فعل اس اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہو اور نہ اس فعل کو بعینہ مسلط کیا جا سکتا ہو نہ اس کے مناسب مترادف کو مسلط کیا جا سکتا ہو البتہ اس سے مناسبت رکھنے والے اور اس کے لئے لازم کسی فعل کو مسلط کیا جا سکتا ہو جیسے زیدا ضربتُ غلامہ ای اھنتُ زیداً؛ کیونکہ غلام کی توہین درحقیقت آقا کی توہین ہے۔

(۴) بعد میں آنے والا فعل اس اسم کے کسی متعلق میں مشغول ہو اور اس کے مناسب لازم ہی کو مسلط کیا جا سکتا ہو جیسے زیداً حبستُ علیه (میں زید پر محبوس کیا گیا اس جگہ لابستُ لازم فعل ہی کو مسلط کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب متکلم زید پر روکا گیا تو وہ اس کے ساتھ ہوا۔

ما اضمر کی یہ چار صورتیں ہیں، مصنفؒ نے ان کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔

پہلی مثال: زیداً ضَرَبْتُهُ۔ اس مثال میں زیداً کے بعد آنے والا فعل ضربتُهُ زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہے اور اس کو بعینہ زید پر مسلط کیا جا سکتا ہے، چنانچہ کہہ سکتے ہیں: ضربتُ زیداً۔

دوسری مثال: زیداً مررتُ بہ۔ اس میں بھی مررت، زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر ''بہ'' میں حرفِ جر کے واسطہ سے مشغول ہے؛ مگر اس فعل کو بعینہ زید پر مسلط نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مررت بزید کہیں تو ب ''زید'' کو جر دے گی؛ چنانچہ وہ ''مررت'' فعل زید کو نصب نہیں دے گا۔ ہاں! اس کا مفہوم دوسرا فعل جاوزت (آگے بڑھ گیا) ہے، اس کو مسلط کیا جا سکتا ہے وہ زید کو نصب دے گا۔ پس یہ صورت بھی ما اضمر میں چلے گی۔

تیسری مثال: زیداً ضربتُ غلامَه۔ اس میں بھی ضربتُ زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول ہے اور اس فعل کو بعینہ مسلط نہیں کیا جا سکتا؛ اگر کریں تو ضربت غلام زید ہوگا اور زید پر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے جر آئے گا، مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب نہیں آئے گا اور کوئی دوسرا مترادف فعل بھی نہیں ہے جس کو زید پر مسلط کیا جا سکے البتہ ایک فعل لازم ہے اس کو

مسلط کیا جا سکتا ہے اور وہ فعل ہے أهنتُ (ذلیل کیا میں نے) کیونکہ کسی کے غلام کو مارنا آقا کو ذلیل کرنا ہے۔ پس أهنت زيدا کہہ سکتے ہیں۔ ما اضمر عامله کی یہ صورت بھی معتبر ہے۔

چوتھی مثال: زيداً حبستُ عليه۔ اس میں بھی فعل کو زید پر مسلط نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ علیٰ کی وجہ سے زید پر جر آئے گا البتہ لابستُ (ملا ہوا ہونا) ایک مناسب لازم فعل ہے جس کو مسلط کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ جب متکلم زید کے پاس روکا گیا تو وہ اس کے ساتھ ہوا۔ ما اضمر عامله کی یہ صورت بھی معتبر ہے۔

پس ان چاروں صورتوں میں زید کو عامل مقدر نصب دے گا۔

شبہ فعل کی مثالیں: (۱) زيداً انا ضاربه، ای أنا ضاربٌ زيداً۔ (۲) زيداً انا مارٌّ به، ای انا مجاوزٌ زيداً۔ (۳) زيداً انا ضاربٌ غلامَه ای انا مهينٌ زيداً۔ (۴) زيداً انا محبوسٌ عليه ای أنا حابسٌ زيداً۔

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد تیسرے موقع کو بیان کرنا ہے جہاں مفعول بہ کے عامل کو قیاسی طور پر حذف کرنا واجب ہے اور وہ ما اضمر عامله علیٰ شريطة التفسير ہے۔

سوال: ما اضمر عامله علیٰ شريطة التفسير کا کیا مطلب؟

جواب: ما اضمر عامله علیٰ شريطة التفسير کا مطلب یہ ہے کہ تیسرا موقع وہ مفعول بہ ہے کہ جس کے عامل کو اس بنا پر حذف کر دیا گیا ہو کہ اس کی تفسیر آگے آ رہی ہے۔

سوال: ما اضمر عامله علیٰ شريطة التفسير کی تعریف کیا ہے؟

جواب: ما اضمر عامله علیٰ شريطة التفسير وہ اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس فعل یا شبہ فعل کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کر دیں تو وہ اس اسم کو نصب دے۔ جیسے زيدا ضربته میں زيدا سے پہلے ضربت عامل محذوف ہے اس کی تفسیر بعد میں آنے والا فعل ضربته کر رہا ہے جو زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں مشغول

ہے؛ لیکن اگر ضمیر ہٹا کر ضربت کو زیدا پر مقدم کرے تو نصب دے سکتا ہے۔

زیدا مررت بہ ای جاوزت زیدا: یہ مثال ہے اس فعل کی جو اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط مناسبِ مرادف کی ہو۔

زیدا ضربتہ غلامہ ای اھنت زیدا: یہ مثال ہے اس فعل کی جو اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط مناسبِ لازم کی ہو۔

زیدا حبست علیہ ای لابست زیدا: یہ مثال ہے اس فعل کی جو اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط مناسبِ لازم کی ہو۔

سوال: مصنفؒ نے اشتغال کی دو صورتیں (۱) اشتغال ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو (۲) اشتغال اسم کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو، بیان کی ہیں۔

صورت اول میں تسلیط کی تین شکلیں ہیں: (۱) تسلیط بعینہ فعل مذکور کی ہو۔ (۲) فعل کے مناسب مرادف کی ہو (۳) فعل کے مناسب لازم کی ہو۔ اور صورت ثانی میں تسلیط کی فقط ایک شکل (اشتغال اسم کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو) ہے، قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ مصنفؒ صورت اوّل کی تینوں شکلوں کی مثالیں ایک ساتھ بیان فرماتے، پھر اس کے بعد صورت ثانی کی فقط ایک شکل کی مثال بیان فرماتے۔ خلاف ترتیب کیوں کیا؟

جواب: دراصل وہ فعل جو اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط مناسبِ لازم کی ہو یہ اکثری ہے۔ اور وہ فعل جو اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط مناسبِ لازم کی ہو، یہ قلیل ہے۔ اس لئے خلاف ترتیب ذکر کیا۔

فوائد قیود:

بعدہ فعل او شبھہ: مذکورہ قید سے اس اسم کو نکالنا ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہ ہو۔ جیسے زید ابوک۔

فائدہ: لفظ بعد سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فعل یا شبہ فعل بالکل اس اسم سے متصل ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جز ہو جو اس اسم کے بعد مذکور ہے۔

مشتغل عنه بضميره او متعلقه: مذکورہ قید سے اس اسم کو خارج کرنا ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اور اسم پر عمل کرنے سے اعراض نہ کرتے ہوں؛ بلکہ اس پر عامل ہوں جیسے زیدا ضربت۔ اس میں ضربت فعل ہے جو زید پر عمل کرنے سے اعراض نہیں کر رہا ہے بلکہ اس کو اپنا مفعول بہ بنایا ہے۔

بحيث لو سلط عليه: مذکورہ قید سے اس اسم کو نکالنا ہے جس پر فعل یا شبہ فعل کو مسلط کیا جائے تو اس اسم پر نصب نہ آئے جیسے زید ضُرِبَ میں ضرب فعل مجہول ہے اس میں ضمیر جو زید کی طرف راجع ہے وہ نائب فاعل ہے اور ضرب نے اس ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے زید پر عمل نہیں کیا؛ لیکن اگر ضرب کو زید پر مقدم کر دیں تو زید کو نصب نہ دے گا بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اس پر رفع آئے گا۔

تسلیط کی دو صورتیں ہیں: (۱) کبھی بعینہ فعل یا شبہ فعل کی تسلیط ہوگی (۲) کبھی فعل یا شبہ فعل کے مناسب کی تسلیط ہوگی۔ پھر مناسب کی دو صورتیں ہوگی (۱) مناسب مرادف (۲) مناسب لازم۔

عقلی طور پر بارہ صورتیں ہوگی جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) جو فعل اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط بعینہ فعل کی ہو جیسے زیدا ضربته ای ضربت زیدا۔

(۲) جو فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط مناسب مرادف کی ہو جیسے زیدا مررت به ای جاوزت زیدا۔

(۳) جو فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط مناسب لازم کی ہو جیسے زیدا ضربته غلامه ای اهنت زیدا۔

(۴) جو شبہ فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط بعینہ شبہ فعل کی ہو جیسے زیدا انا ضاربه ای انا ضارب زیدا۔

(۵) جو شبہ فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط شبہ فعل کے مناسب مرادف کی ہو۔ جیسے زیدا انا مار به ای انا مجاوز زیدا۔

(۶) جو شبہ فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط شبہ فعل کے مناسب لازم کی ہو جیسے زیدا انا محبوس علیہ ای انا ملابس زیدا۔

(۷) جو فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط بعینہ فعل کی ہو یہ صورت صحیح نہیں ہے؛ جیسے زیدا ضربت غلامہ کیونکہ اس جگہ فعل اسم مذکور زیداً کے متعلق غلام میں عمل کرنے کی وجہ سے زیداًمیں عمل کرنے سے اعراض کرر ہا ہے؛ لیکن اس جگہ بعینہ فعل یا اس کے ہم معنی دوسرے فعل (مناسب مرادف) کی تسلیط نہیں ہوسکتی؛ اس لئے کہ ضربت کو اگر مقدم کریں گے تو معنی ہوں گے (میں نے زید کو مارا) حالانکہ زید مضروب نہیں ہے، مضروب تو اس کا غلام ہے؛ اس لئے یہ صورت باطل ہے۔

(۸) جو فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط فعل کے مناسب لازم کی ہو۔ جیسے زیدا ضربت غلامہ ای اھنت زیدا۔

(۹) جو فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط فعل کے مناسب مرادف کی ہو یہ صورت صحیح نہیں۔

(۱۰) جو شبہ فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط بعینہ شبہ فعل کی ہو یہ صورت صحیح نہیں ہے؛ تفصیل (۷) نمبر پر بیان ہو چکی ہے۔

(۱۱) شبہ فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط شبہ فعل کے مناسب مرادف کی ہو یہ صورت صحیح نہیں۔ تفصیل (۷) نمبر پر بیان ہو چکی ہے۔

(۱۲) جو شبہ فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط شبہ فعل کے مناسب لازم کی ہو۔ جیسے زیدا انا ضارب غلامہ ای انا مھین زیدا۔

سوال: مصنفؒ نے فعل کے تسلیط کی فقط چار صورتیں مع امثلہ بیان کی، شبہ فعل کے تسلیط کی کیوں بیان نہیں کی؟

جواب: مصنفؒ نے طالب علم پر اعتماد کرتے ہوئے بیان نہیں کی اس لئے کہ طالب علم ادنی توجہ سے انہیں مثالوں کو شبہ فعل کے تسلیط پر بھی منطبق کر سکتا ہے۔

ما اضمر عامله کے وجوہ اعراب

(۱) وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالْاِبْتِدَاءِ عِنْدَ عَدَمِ قَرِيْنَةِ خِلَافِهٖ اَوْعِنْدَ وُجُوْدِ اَقْوٰى مِنْهَا كَاَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ وَاِذَا لِلْمُفَاجَاةِ

ترجمہ: اور (مذکورہ اسم پر) ابتدا کی وجہ سے رفع پسند کیا جاتا ہے خلاف رفع کے قرینہ کے نہ پائے جانے، یا خلاف رفع کے قرینہ سے قوی تر قرینہ کے پائے جانے کے وقت، جیسے اما غیر طلب کے ساتھ اور اذا مفاجاتیہ۔

مختصر تشریح

ما اضمر عامله کا اعراب جو اسم ما اضمر عامله کے قبیل سے ہو خواہ حقیقۃً اس پر ما اضمر کی تعریف صادق آتی ہو یا نہ آتی ہو اس کے اعراب کی پانچ شکلیں ہیں۔

(۱) رفع پسندیدہ (۲) نصب پسندیدہ (۳) رفع واجب (۴) نصب واجب (۵) رفع ونصب دونوں یکساں۔

پہلی شکل جس میں دوصورتوں میں رفع پسندیدہ ہے: (۱) جب وہ اسم أَمَّا کے بعد کلامِ غیر طلبی میں آئے، جیسے لقیت القوم فاما زیدٌ فأکرمتُهٗ۔ (۲) جب وہ اسم إِذَا مفاجاتیہ کے بعد آئے، جیسے خرجت فِاِذا زیدٌ یضربُهٗ عمروٌ۔

نوٹ: کلامِ طلبی امر، نہی اور دعا ہے ان کے علاوہ کلام غیر طلبی ہے۔

مذکورہ دوصورتوں میں رفع پسندیدہ اس لئے ہے کہ پہلی صورت میں نصب کا کوئی قرینہ نہیں ہے، رفع ہی کا قرینہ ہے کیونکہ أَمَّا کے بعد اکثر مبتدا آتا ہے اور دوسری صورت میں اگرچہ رفع اور نصب دونوں کے قرینے موجود ہیں؛ مگر رفع کا قرینہ اقویٰ ہے کیونکہ اذا مفاجاتیہ اکثر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور خرجتُ پر عطف نصب کا قرینہ ہے مگر وہ قرینہ ضعیف ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی اعراب کے اعتبار سے پانچ شکلوں میں سے پہلی شکل کو بیان کرنا ہے۔

سوال: وہ پانچ شکلیں کیا ہیں؟

جواب: وہ پانچ شکلیں یہ ہیں: (۱) رفع مختار (۲) نصب مختار (۳) رفع اور نصب دونوں برابر ہوں (۴) نصب واجب (۵) رفع واجب۔

سوال: پانچ شکلوں میں سے پہلی شکل کیا ہے؟

جواب: پانچ شکلوں میں سے پہلی شکل رفع مختار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسم ما اضمر عامله پر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے لیکن رفع مختار ہے۔

سوال: وہ کتنی صورتیں ہیں جہاں رفع مختار ہے؟ اور وہ کونسی ہیں؟

جواب: دو صورتیں ہیں جہاں رفع مختار ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) جو اسم، ما اضمر عامله کا احتمال رکھتا ہو اور رفع کے خلاف کوئی قرینہ مرجحہ نہ پایا جائے۔

سوال: رفع کیوں اور نصب کیوں؟

جواب: رفع اس لئے کہ اسم مبتدا ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے۔ اور نصب اس لئے کہ ما اضمر عامله کی وجہ سے مفعولیت کی بنا پر آتا ہے۔

سوال: رفع اور نصب کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: رفع کا قرینہ اسم کا عامل لفظیہ سے خالی ہونا ہے۔ اور نصب کا قرینہ اسم کے بعد ایسا فعل ہے جس میں فعل محذوف کی تفسیر بننے کی صلاحیت ہے۔ گویا رفع اور نصب دونوں کے لئے قرینہ مصححہ موجود ہے لیکن قرینہ مرجحہ رفع کے لئے ہے نہ کہ نصب کے لئے۔

نوٹ: عند خلافه کا مطلب یہ ہے کہ قرینہ تو ہو لیکن مرجحہ نہ ہو۔

سوال: رفع کا قرینہ مرجحہ کیوں ہے؟

جواب: رفع کی صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا اور نصب میں فعل محذوف ماننا پڑتا ہے جس کی فعل مذکور تفسیر کرتا ہے۔ جیسے زید ضربته اس میں ضربت فعل زید کے بعد ہے جس میں احتمال ہے کہ زید سے پہلے ضربت فعل محذوف ہو اور زید کے بعد والا فعل اس کی تفسیر ہو یہ نصب کا قرینہ مصححہ ہے اور یہ خیال کیا جائے کہ زید سے پہلے کوئی فعل نہیں ہے اور وہ عوامل لفظیہ سے خالی ہے تو یہ اس کے رفع کا قرینہ ہے لیکن اس میں حذف نہیں ماننا پڑتا اس لئے رفع کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) جو اسم، ما اضمر عامله کا احتمال رکھتا ہو اور اس میں رفع اور نصب کے قرینہ مصححہ کے ساتھ دونوں کے لئے قرینہ مرجحہ بھی پایا جائے لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہو۔

سوال: اس کے کتنے مواقع ہیں؟

جواب: اس کے دو مواقع ہیں، ان میں سے پہلا موقع: (۱) وہ اسم جس میں ما اضمر عامله کا احتمال ہو اور اس پر اما داخل ہو اور اس اسم کے بعد جو فعل ہو وہ طلب پر دلالت نہ کرتا ہو (اسم کے بعد جملہ خبریہ ہو، جملہ انشائیہ نہ ہو) جیسے لقيت القوم اما زيد فاكرمته۔

سوال: طلب پر دلالت نہ کرتا ہو یہ قید کیوں؟

جواب: یہ قید اس لئے لگائی کہ اما کے بعد والے اسم کے بعد جملہ انشائیہ ہو تو نصب مختار ہوتا ہے۔

سوال: رفع اور نصب کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: اس میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ مصححہ ہے۔ اور زید کے بعد فعل ہونا جس میں فعل محذوف کے تفسیر کی صلاحیت ہے یہ نصب کا قرینہ مصححہ ہے۔

سوال: رفع اور نصب کا قرینہ مرجحہ کیا ہے؟

جواب: رفع کا قرینہ مرجحہ اما کا زید پر داخل ہونا ہے۔ اور نصب کا قرینہ مرجحہ زید کے بعد والے جملہ کا اس کے ماقبل والے جملہ پر عطف ہے، اس لئے کہ زید سے پہلے

لقیت القوم جملہ فعلیہ ہے اگر زید سے پہلے فعل محذوف مانا جاتا ہے اور زید پر نصب پڑھا جاتا ہے تو یہ بھی جملہ فعلیہ ہوگا اسی طرح دونوں جملوں میں مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

سوال: رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی کیوں؟

جواب: رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی اس لئے ہے کہ نصب کا قرینہ اس وجہ سے راجح کہا جاتا ہے کہ نصب کی صورت میں دونوں جملے فعلیہ ہوں گے اور اسی طرح معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ہوگی لیکن ان دونوں میں مناسبت کوئی ضروری نہیں ہے اس کے خلاف بھی بکثرت ہوتا ہے اکثر جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف اما ہمیشہ اسم ہی پر داخل ہوتا ہے اس میں تخلف نہیں ہوتا نیز رفع کی صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا، معلوم ہوا کہ رفع کا قرینہ مرجحہ زیادہ قوی ہے۔

(۲) وہ اسم جس میں ما اضمر عامله کا احتمال ہو اور اس پر اذا داخل ہو۔ جیسے خرجت اذا زید یضربه۔

سوال: رفع اور نصب کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: اس میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ مصححہ ہے۔ اور زید کے بعد فعل ہونا جس میں فعل محذوف کے تفسیر کی صلاحیت ہے یہ نصب کا قرینہ مصححہ ہے۔

سوال: رفع اور نصب کا قرینہ مرجحہ کیا ہے؟

جواب: رفع کا قرینہ مرجحہ اذا مفاجاتیہ کا زید پر داخل ہونا ہے۔ مفاجات کے معنی اچانک کسی چیز کا ہونا ہے۔ اور نصب کا قرینہ مرجحہ زید کے بعد والے جملہ کا اس کے ماقبل والے جملہ پر عطف ہے اس لئے زید سے پہلے اگر فعل محذوف مانا جاتا ہے اور زید پر نصب پڑھا جاتا ہے تو یہ بھی جملہ فعلیہ ہوگا اسی طرح دونوں جملوں میں مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

سوال: رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی کیوں؟

جواب: رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی اس لئے ہے کہ نصب کا قرینہ اس وجہ سے راجح کہا جاتا ہے کہ نصب کی صورت میں دونوں جملے فعلیہ ہوں گے

اور اسی طرح معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ہوگی لیکن ان دونوں میں مناسبت کوئی ضروری نہیں ہے اس کے خلاف بھی بکثرت ہوتا ہے اکثر جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف اذامفاجاتیہ اکثر اسم ہی پر داخل ہوتا ہے نیز رفع کی صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا، معلوم ہوا کہ رفع کا قرینہ مرجحہ زیادہ قوی ہے۔

سوال: بحث ظروف میں مصنفؒ نے کہا کہ اذامفاجاتیہ ہمیشہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ رفع واجب ہو اور یہاں تو رفع مختار کہتے ہیں؟

جواب: بحث ظروف میں لزوم سے مراد غلبہ وقوع ہے، مجازاً لزوم سے تعبیر کر دیا۔

(۲) وَيُخْتَارُ النَّصْبُ بِالْعَطْفِ عَلٰى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ لِلتَّنَاسُبِ وَبَعْدُ حَرْفِ النَّفْيِ وَالْإِسْتِفْهَامِ وَإِذَا الشَّرْطِيَّةِ وَحَيْثُ وَفِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ إِذْ هِيَ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ وَعِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ بِالصِّفَةِ مِثْلُ "إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ"

ترجمہ: اور (مذکورہ اسم پر) نصب پسند کیا جاتا ہے تناسب کی رعایت کرنے کے لئے جملہ فعلیہ پر عطف کرنے کی وجہ سے، اور حرف نفی، حرف استفہام اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر و نہی میں اس لئے کہ یہ سب فعل کے مواقع ہیں، اور مفسر کے صفت کے ساتھ التباس کے خوف کے وقت جیسے انا کل شیء خلقنٰہ بقدر (بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا ہے)۔

مختصر تشریح

دوسری شکل جس میں آٹھ صورتوں میں نصب پسندیدہ ہے۔

(۱) اس جملہ کا جس میں وہ اسم واقع ہے اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدمہ پر ہو جیسے ضربتُ زیداً وعمرواً اکرمتہ۔ اس صورت میں نصب پسندیدہ اس لئے ہے کہ معطوف اور

معطوف علیہ میں تناسب حاصل ہوجاتا ہے۔

(۲) وہ اسم حرف نفی کے بعد آیا ہو جیسے ما زیداً ضربتُهٗ (میں نے زید کونہیں مارا)۔

حرف نفی میں ما کے ساتھ لااور اِنْ نافیہ بھی داخل ہے۔

(۳) وہ اسم حرف استفہام کے بعد آیا ہو جیسے أَزیداً ضربتَهٗ (کیا تو نے زید کو مارا؟)

(۴) وہ اسم اِذا شرطیہ کے بعد آیا ہو جیسے اِذا زیداً تلقهُ فأکرمْهُ (جب تیری زید سے ملاقات ہو تو تُو اس کا اکرام کر)۔

(۵) وہ اسم حیث کے بعد آیا ہو جیسے حیث زیداً تجدہُ فأکْرِمْهُ (جہاں زید تجھے ملے اس کا اکرام کر)۔

نوٹ: اذا مجازاتِ زمانی پر اور حیث مجازاتِ مکانی پر دلالت کرتا ہے۔

(٦) وہ اسم امر سے پہلے آیا ہو جیسے زیداً اِضرِبْهُ (زید کو مار)۔

(۷) وہ اسم نہی سے پہلے آیا ہو جیسے زیداً لاتضرِبْهُ (تو زید کو مت مار)۔

نوٹ: (۲) نمبر سے (۷) نمبر تک میں نصب پسندیدہ اس لئے ہے کہ فعل مقدر ماننے کی جگہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد فعل کا واقع ہونا اولیٰ ہے۔

(۸) رفع کی صورت میں جملہ تفسیریہ کا صفت کے ساتھ اشتباہ ہوتا ہو جیسے اِنَا کُلَّ شَیءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ای اِنّا خَلَقْنَا کُلَّ شَیءٍ اور رفع کی صورت میں خَلَقْنَاهُ یہ شیئ کی صفت بھی بن سکتا ہے جبکہ یہ مراد نہیں اس لئے نصب اولیٰ ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد پانچ مواقع میں سے دوسرے موقع کو بیان کرنا ہے جہاں نصب مختار ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسم ما اضمر عاملہ پر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے لیکن نصب مختار ہے۔

سوال: وہ کتنے مواقع ہیں جہاں نصب مختار ہے؟

جواب: چھ مواقع ہیں جہاں نصب مختار ہے۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اسم ما اضمر عاملہ جس جملہ میں واقع ہے اس کا عطف اس سے پہلے والے جملہ فعلیہ پر ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا تاکہ معطوف اور معطوف الیہ کے درمیان تناسب حاصل ہو جائے جیسے خرجت فزیدا القیتہ۔اس میں زیدا سے پہلے خرجت جملہ فعلیہ ہے اگر زیدا پر نصب پڑھا جائے تو اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا تو معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملہ فعلیہ ہوں گے اور دونوں میں مناسبت ہوگی اور اگر زید پر رفع پڑھا جائے تو معطوف علیہ جملہ فعلیہ ہوگا اور معطوف جملہ اسمیہ ہوگا دونوں میں مناسبت نہ ہوگی اس لئے نصب کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) حرف نفی کے بعد اسم ما اضمر عاملہ واقع ہو۔

سوال: حرف نفی سے کیا مراد ہے؟

جواب: حرف نفی سے مراد ما، لا اور اِن ہیں لم، لما اور لن اس میں داخل نہیں، کیونکہ یہ تینوں فعل مضارع پر داخل ہوتے ہیں اسم پر داخل نہیں ہوتے۔

سوال: ما، لا اور اِن کی مثالیں کیا ہیں؟

جواب: ما کی مثال ما زیدا ضربتہ ہے اور لا کی مثال لا زیدا ضربتہ و لا عمرا اور اِن کی مثال اِن زیدا ضربتہ الا تادیبا۔

(۳) حرف استفہام کے بعد اسم ما اضمر عاملہ واقع ہو۔

سوال: مصنفؒ نے حرف استفہام کیوں کہا؟

جواب: مصنفؒ نے حرف استفہام اس لئے کہا کہ استفہام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حرف استفہام (۲) اسم استفہام۔

جو اسم ما اضمر حرف استفہام کے بعد آئے تو نصب مختار ہے اگر اسم استفہام کے بعد آئے تو رفع مختار ہے اس لئے حرف استفہام کہا۔

(۴) جب اسم ما اضمر عاملہ، اذا شرطیہ کے بعد واقع ہو۔جیسے اذا عبد اللہ تلقہ فاکرمہ۔

سوال: نصب مختار کیوں؟

جواب: نصب مختار اس لئے ہے کہ اذا شرطیہ کی دلالت مجازات زمانی (زمان) پر ہوتی ہے۔

(۵) حیث کے بعد اسم ما اضمر عاملہ واقع ہو۔ جیسے حیث زیدا تجدہ فاکرمہ

نوٹ: اذا مجازاتِ زمانی پر اور حیث مجازاتِ مکانی پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) اسم ما اضمر عاملہ اگر امر سے پہلے واقع ہو۔ جیسے زیدا اضربہ۔

(۷) اسم ما اضمر عاملہ اگر نہی سے پہلے واقع ہو۔ جیسے زیدا لاتضربہ۔

سوال: مذکورہ مواقع میں نصب مختار کیوں؟

جواب: حرف نفی، حرف استفہام، اذا شرطیہ، حیث کے بعد اور امر و نہی کے ماقبل اسم ما اضمر واقع ہو تو اس میں نصب مختار اس لئے ہیں کہ ان مواقع میں اکثر فعل لایا جاتا ہے اور چونکہ فعل لفظوں میں نہیں ہے اس لئے مقدر مانا جائے گا اور جب فعل مقدر ہوگا تو نصب اولی ہوگا۔

(۸) اسم ما اضمر عاملہ پر رفع پڑھنے کی صورت میں مفسّر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہو۔

سوال: مفسّر نصب کی صورت میں ہوتا ہے اور صفت کا احتمال تو رفع کی صورت میں ہے؟

جواب: مفسّر سے مراد خبر ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ رفع کی صورت میں پتہ نہیں چلے گا کہ جو فعل اسم پر نصب کی صورت میں فعل محذوف کی تفسیر کر رہا تھا وہ اب رفع کی صورت میں اسم کی خبر ہے یا کسی اور اسم کی صفت ہے اگر اسم کی خبر ہے تو مقصود کے خلاف لازم نہیں آتا اور اگر دوسرے اسم کی صفت ہے تو مقصود کے خلاف لازم آئے گا اس سے بچنے کے لئے اسم پر نصب مختار ہوگا۔

سوال: مفسّر سے مراد خبر ہے تو مصنفؒ نے مفسر کیوں کہا؟

جواب: یہ اطلاق مجازی ہے چونکہ نصب کی صورت میں وہ مفسّر ہے اس لئے رفع

کی حالت میں بھی اس پر مفسّر کا اطلاق کردیا ہے اگرچہ رفع کی حالت میں مفسّر نہیں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اس جگہ مجاز ما کان ہے۔جیسے انا کل شئی خلقناہ بقدر میں کل پر نصب اسم ما اضمر کی وجہ سے ہے اصل عبارت ہے خلقنا کل شئی بقدر۔ کل شیئ، خلقنا کا مفعول بہ ہے اور بقدر جار مجرور خلقنا کا متعلق ہے۔(ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا ہے)۔

سوال: آیت کا مقصود کیا ہے؟

جواب: آیت کا مقصود یہ بتانا ہے کہ تمام موجودات کے ہم خالق ہیں اور ہر چیز کو اس کے اندازہ کے ساتھ ہم ہی نے پیدا کیا ہے کوئی اور خالق نہیں ہے۔

سوال: نصب کیوں مختار ہے؟

جواب: نصب اس لئے مختار ہے کہ رفع کی صورت میں دو ترکیبیں ہیں۔

(۱) کل شئی مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، خلقناہ بقدر فعل، فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ یہ ترکیب بھی مقصود کے مطابق ہے۔

(۲) کل مضاف ہو اور شیئ موصوف، خلقناہ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر شیئ کی صفت۔موصوف صفت سے مل کر کل کا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور جار مجرور مل کر کائن یا ثابت کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر۔اس صورت میں ترجمہ ہوگا (ہر ایسی چیز جس کو ہم نے پیدا کیا ہے وہ اندازہ کے ساتھ باقی ہے دوسری چیزیں جس کو ہم نے پیدا نہیں کیا بلکہ کسی اور نے پیدا کیا ہے وہ اندازہ کے ساتھ نہیں (نعوذ باللہ) اور یہ مقصود کے خلاف ہے کیونکہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے ایسا نہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ افعال اختیاریہ کا خالق بندہ خود ہے۔اس لئے کل پر نصب اختیار کیا گیا تاکہ کوئی نادان رفع کی صورت میں دوسری ترکیب مراد نہ لے۔

سوال: مفسر سے خبر مراد ہے تو مصنفؒ نے لفظ خوف کس لئے لکھا اس طرح

کیوں نہیں لکھا عند لبس المفسر بالصفة؟

جواب: التباس کے معنی دونوں احتمالوں کا برابر ہونا اور خوفِ التباس کے معنی صحیح احتمال کا راجح اور فاسد احتمال کا مرجوح ہونا۔ التباس سے بچنا واجب ہے اور خوفِ التباس سے بچنا مختار ہے نہ کہ واجب، آیت کریمہ میں کل شیئ کو مبتدا ماننے پر خلقنٰہ میں خبر وصفت دونوں احتمال ہیں، خبر کا احتمال راجح ہے اور صفت کا احتمال مرجوح ہے کیونکہ خبر سے فائدۂ تامہ حاصل ہوتا ہے اور صفت سے فائدۂ تامہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے مصنفؒ نے لفظ خوف زیادہ کیا ہے۔

(۳) وَيَسْتَوِي الْأَمْرَانِ فِيْ مِثْلِ زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًوا اَكْرَمْتُهُ

ترجمہ: اور برابر ہیں دونوں صورتیں (رفع اور نصب) زید قام وعمرا اکرمته (زید کھڑا ہوا اور عمرو کا میں نے اکرام کیا) جیسی مثالوں میں۔

مختصر تشریح

تیسری صورت: جب اس اسم کا عطف جملہ ذات الوجہین پر ہو تو رفع اور نصب دونوں یکساں ہے، جیسے زیدٌ قامَ وعمروا اکرمتهُ (زید کھڑا ہوا اور عمرو کا میں نے اکرام کیا) اس میں عمرو کا عطف جملہ کبریٰ اس کا مطلب زید قام پر کریں گے تو رفع آئے گا اور جملہ صغریٰ فقط قام پر کریں گے تو نصب آئے گا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس صورت کو بیان کرنا ہے جس میں رفع اور نصب دونوں برابر ہے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس میں اس جملہ کا عطف جس میں اسم ما اضمر واقع ہے جملہ ذات الوجہین پر کیا جائے۔ جیسے زید قام وعمروا اکرمته میں عمرو اسم ما اضمر ہے اگر رفع پڑھا جائے تو عمرو ا اکرمته معطوف اور اس کا معطوف علیہ زید قام پورا جملہ ہوگا، گویا معطوف بھی جملہ اسمیہ اور معطوف علیہ بھی

جملہ اسمیہ، اس اعتبار سے مناسبت ہو جائے گی۔

اگر عمروا پر نصب پڑھا جائے تو اس کا عطف صرف قام پر ہوگا اس لئے کہ عمروا سے پہلے فعل محذوف ہوگا جس کی وجہ سے معطوف جملہ فعلیہ اور اس کی مناسبت سے معطوف علیہ بھی جملہ فعلیہ ہونا چاہئے اور وہ قام ہے۔حاصل کلام عطف کی دونوں صورتیں مساوی ہیں اس لئے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی پس رفع اور نصب دونوں برابر ہوں گے۔

سوال: مثل سے کیا مراد ہے؟

جواب: مثل سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں اس جملہ کا عطف جس میں اسم ما اضمر واقع ہے جملہ ذات الوجہین پر کیا جائے۔

سوال: جملہ ذات الوجہین کا کیا مطلب؟

جواب: جملہ ذات الوجہین کا مطلب ایسے جملہ اسمیہ پر عطف کیا جائے جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو۔ یا وہ جملہ باعتبار مبتدا کے اسمیہ ہو اور باعتبار خبر کے فعلیہ ہو۔

فائدہ: پورے جملہ کو جملہ کبری اور جملہ کے جز کو جملہ صغری کہا جاتا ہے چنانچہ رفع کی صورت میں عطف جملہ کبری پر اور نصب کی صورت میں عطف جملہ صغری پر ہوگا۔

(۴) وَيَجِبُ النَّصْبُ بَعْدَ حَرْفِ الشَّرْطِ وَحَرْفِ التَّحْضِيْضِ مِثْلُ اِنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ وَاَلَّا زَيْدًا ضَرَبْتَهُ

ترجمہ: اور نصب واجب ہے حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد جیسے ان زیدا ضربته ضربک (اگر تو زید کو مارے گا تو وہ تجھے مارے گا) الا زیدا ضربته (تو نے زید کو کیوں نہیں مارا؟)۔

مختصر تشریح

چوتھی صورت: جب وہ اسم حرف شرط (اِنْ اور لَوْ) کے بعد آئے یا حرف تحضیض کے

بعد آئے تو نصب واجب ہے جیسے اِنْ زیداً ضربتَهُ ضربکَ۔ لوْ زیداً ضربتَهُ ضربکَ اگر تو زید کو مارے گا تو وہ تجھے مارے گا اور اَلّا زیداً ضربتَهُ؟ تو نے زید کو کیوں نہیں مارا؟۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس صورت کو بیان کرنا ہے جس میں نصب کا پڑھنا واجب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اسم ما اضمر حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد واقع ہو تو اس پر نصب واجب ہے۔ حرفِ شرط کی مثال اِنْ زیدا ضربته ضربک (اگر تو زید کو مارے گا تو وہ تجھ کو مارے گا) اصل میں عبارت ہے اِنْ ضربت زیدا ضربک۔ ضربت فعل اول کو حذف کر دیا اور زیدا کے بعد والا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

سوال: حرف شرط کے بعد نصب کے واجب ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حرف شرط کے بعد نصب کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حرف شرط زمانہ کے ساتھ معلق ہونے کو بتاتا ہے اور زمانہ پر فعل ہی دلالت کرتا ہے اس لئے حرف شرط فعل پر داخل ہوگا خواہ لفظوں میں ہو یا مقدر ہو اور وہ فعل اس اسم کو نصب دے گا پس رفع کا احتمال نہ ہوگا۔ حرف تحضیض کی مثال: الّا زیدا ضربته۔ اصل میں الا ضربت زیدا ضربته ہے فعل اول کو حذف کر دیا اور زیدا کے بعد والا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

سوال: حرف تحضیض کے بعد نصب کے واجب ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حرف تحضیض کے بعد نصب کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف ہمیشہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے، اگر فعل ماضی پر داخل ہو تو تندیم (اس بات کو بتانے کے لئے کہ زمانہ ماضی میں اس کام کو کیوں نہیں کیا اس کوتاہی پر مخاطب کو ندامت ہوتی ہے) کے لئے آتا ہے اس لئے اس کو حرف تندیم بھی کہا جاتا ہے اور اگر فعل مضارع پر داخل ہو تو ترغیب اور تحضیض (کسی کام پر رغبت دلانا اور برانگیختہ کرنا) کے لئے آتا ہے اور ماضی اور مضارع

دونوں فعل ہیں اور فعل نصب دے گا اس لئے دونوں صورتوں میں نصب واجب ہوگا۔

سوال: مصنفؒ کا قول ویجب النصب بعد حرف الشرط صحیح نہیں ہے اس لئے کہ نمبر (۱) میں بتایا گیا کہ اسم ما اضمر، امّا کے بعد آئے تو نصب کے ساتھ رفع بھی جائز ہے اور اس جگہ حرف شرط کے بعد نصب کو واجب قرار دیا ہے؟

جواب: اس جگہ حرف شرط سے اما شرطیہ کے سوا باقی دو حروف اِنْ اور لو مراد ہیں۔

وَلَيْسَ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ مِنْهُ فَالرَّفْعُ۔

ترجمہ: اور أزید ذهب به ما اضمر عامله التفسیر کے قبیل سے نہیں ہے۔

مختصر تشریح

پانچویں صورت: وہ اسم بظاہر ما اضمر کے قبیل سے ہو مگر حقیقت میں وہ اسم اس باب سے نہ ہو تو رفع واجب ہے۔

(۱) اَزَیْدٌ ذُھِبَ بہ: کیا زید کو لے جایا گیا؟ یہ ما اضمر کی مثال نہیں ہے کیونکہ ذُھِبَ بِهٖ کو نہ حرف جر کے ساتھ زید پر مسلط کیا جا سکتا ہے نہ بغیر حرف جر کے کیونکہ بصورت اول زید مجرور ہوگا اور بصورت ثانی ذَھَبَ نصب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ فعل لازم ہے اس کے تعدیہ کے لئے باء ضروری ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد پانچواں موقع جہاں رفع واجب ہے بیان کرنا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ رفع کے وجوب کو اعتراض کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اور وہ اعتراض یہ ہے کہ ماقبل میں قانون بیان کیا گیا کہ ہمزہ استفہام کے بعد اسم ما اضمر ہو تو نصب مختار ہے اور آپ أزید ذهب به جیسی مثالوں میں رفع واجب قرار دیتے ہو؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ أزید ذهب به یہ ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کے قبیل سے نہیں ہے۔

سوال: أزید ذهب به یہ ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کے قبیل سے کیوں نہیں ہے؟

جواب: أزید ذهب به، ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کے قبیل سے اس لئے نہیں ہے کہ اس پر اسم ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی تعریف صادق نہیں آتی۔

سوال: اسم ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی تعریف کیوں صادق نہیں آتی؟

جواب: اسم ما اضمر عامله کی تعریف ہے کہ اسم ایسا ہو کہ اس کے بعد فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے یا اس کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم پر عمل نہ کر رہا ہو لیکن اگر اس فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مقدم کیا جائے تو اس اسم پر نصب آئے اور ازید ذهب به میں ذهب کو اگر زید پر مقدم کیا جائے تو وہ زید کو نصب نہ دے گا اس لئے کہ تقدیم کی دو صورتیں ہیں: (۱) ذهب کو باء کے ساتھ مقدم کیا جائے تو زید باء حرف جر کی وجہ سے مجرور ہوگا (۲) بغیر باء کے ذہب کو مقدم کیا جائے تو زید نائب فاعل کی وجہ سے مرفوع ہوگا اس لئے کہ ذُهب فعل مجہول ہے اور اگر اس کا مناسب أذهب نکالا جائے تو وہ بھی مجہول ہے نائب فاعل کو رفع دے گا اور جب تسلیط کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو یہ باب اضمار سے خارج ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔

ترجمہ: اور اسی طرح کل شیء فعلوہ بھی ما اضمر کے قبیل سے نہیں ہے۔

مختصر تشریح

کل شئی فعلوہ فی الزبر (کفار نے جو کچھ کیا ہے وہ نوشتوں میں محفوظ ہے) اس میں فعلوہ، شئی کی صفت ہے اور فی الزبر خبر ہے اس فعلوا کو کل شئی پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ پھر فی الزبر یا تو شئی کی صفت ہوگا یا فعلوا سے متعلق ہوگا اور دونوں صورتیں

باطل ہیں، اس لئے یہ مثال بھی ما اضمر کی نہیں، اس لئے رفع واجب ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ دوسری مثال کل شئی فعلوہ فی الزبر بھی باب ما اضمر کے قبیل سے نہیں ہے۔

سوال: کل شیءفعلوہ باب ما اضمر کے قبیل سے کیوں نہیں ہے؟

جواب: کل شیءفعلوہ باب ما اضمر کے قبیل سے اس لئے نہیں ہے کہ ما اضمر عاملہ کی شرط یہ ہے کہ اسم ما اضمر کے بعد جو فعل ہے اس کو مقدم کیا جائے اور معنی بھی درست ہو اس جگہ فعلو کو کل شیء پر مقدم کرنے سے نصب تو دیتا ہے لیکن معنی درست نہیں ہوتے۔

سوال: ما اضمر کی صورت میں معنی درست کیوں نہیں ہوتے؟

جواب: ما اضمر کی صورت میں دو ترکیبیں ہوتی ہیں اور دونوں ترکیبوں میں معنی میں خرابی لازم آتی ہے۔

سوال: وہ دو ترکیبیں کیا ہیں؟

جواب: وہ دو ترکیبیں یہ ہیں: (۱) فعلوہ فعل اس میں ضمیر فاعل کل مضاف شئی موصوف فی الزبر، کائن کے متعلق ہو کر شئی کی صفت، موصوف صفت سے مل کر کل کا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر فعلوا کا مفعول۔ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ ہوگا: نامہ اعمال میں جو چیزیں درج ہیں ان سب کو بندوں نے کیا ہے۔
اس صورت میں معنی تو فاسد نہیں ہوتے لیکن مقصود کے خلاف لازم آتا ہے اس لئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ لوگوں کے سارے اعمال نامہ اعمال میں درج ہیں یہ مقصد نہیں کہ جو کچھ نامہ اعمال میں درج ہے وہ بندوں کے افعال ہیں۔

(۲) کل شئی، فعلوا کا مفعول ہو اور فی الزبر جار مجرور فعلوا کے متعلق ہو، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ (لوگوں نے اعمال کئے نامۂ اعمال میں) اور یہ فاسد ہے اس لئے کہ نامہ اعمال لوگوں کے اعمال کا محل نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ نصب کی صورت میں یا تو معنیٰ کا فساد لازم آتا ہے یا مقصود کے خلاف لازم آتا ہے اور رفع کی صورت میں ان دونوں خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں ترکیب یہ ہوگی: کل مضاف شئی موصوف فعلوا پورا جملہ شئی کی صفت موصوف صفت مل کر کل مضاف کا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، فی الزبر، کائن کے متعلق ہو کر خبر۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ ''ہر ایسی چیز جو بندوں نے کی ہے وہ سب نامۂ اعمال میں درج ہے کوئی چیز چھوٹی نہیں، یہ معنیٰ اللہ پاک کے قول کل صغیر و کبیر مستطر کے موافق ہیں۔

سوال: صنفؒ أزید ذھب بہ کے شروع میں مثل لائے اور و کل شيء فعلوہ فی الزبر کے شروع میں کذالک لائے، ایسا کیوں کیا؟

جواب: أزید ذھب بہ اور کل شئی فعلوہ فی الزبر کے درمیان فرق ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ زید کو ما اضمر عاملہ خیال کیا جائے اس کے باوجود اس پر اس فعل کو بعینہ یا اس فعل کے مرادف کو یا اس فعل کے لازم کو داخل کر دیا جائے تو وہ اس اسم کو مفعولیت کی بنا پر نصب نہیں دے گا۔ اور آیت کریمہ میں کل شيء پر فعلوہ کو بعینہ داخل کر دیا جائے تو وہ اس کو مفعولیت کی بنا پر نصب دے گا، اس فرق کو بتانے کے لئے ازید ذھب بہ کے شروع میں مثل لائے اور و کل شيء فعلوہ فی الزبر کے شروع میں کذالک لائے۔

سوال: مصنفؒ نے کل شيء فعلوہ فی الزبر سے پہلے لفظ مثل کیوں نہیں لکھا جس طرح ازید ذھب بہ سے پہلے لفظ مثل اور الزانیۃ و الزانی سے پہلے لفظ نحو لکھا ہے؟

جواب: کل شيء فعلوہ فی الزبر کی نظیر نہیں پائی جاتی برخلاف أزید ذھب بہ اور الزانیۃ و الزانی کی نظیر پائی جاتی ہے اس لئے ان سے پہلے لفظ مثل یا نحو لکھا ہے۔

فائدہ

وَنَحْوُ "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِأَةَ جَلْدَةٍ" اَلْفَاءُ بِمَعْنَى الشَّرْطِ عِنْدَ الْمُبَرِّدِ وَجُمْلَتَانِ عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ وَإِلَّا فَالْمُخْتَارُ النَّصَبُ

ترجمہ: اور الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة (زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت، پس ماروتم ان میں سے ہر ایک کو سوکوڑے) جیسی مثالوں میں ف شرط کے معنی میں ہے امام مبرد کے نزدیک اور یہ دو جملے ہیں امام سیبویہ کے نزدیک، ورنہ تو نصب پسندیدہ ہے۔

مختصر تشریح

ایک سوال کا جواب ہے۔ ماقبل میں ما اضمر کے وجوہ اعراب کے دوسری صورت میں یہ بات آئی ہے کہ اگر وہ اسم، فعل امر سے پہلے آیا ہو تو اس اسم پر نصب پسندیدہ ہے مگر ارشاد پاک الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة میں باتفاق قراء رفع ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

امام مبرد نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ فاجلدوا میں فاء جزائیہ ہے کیونکہ الزانية والزاني میں الف لام بمعنیٰ الذی ہے اور اس کا صلہ اسم فاعل ہے پس مبتدا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے اس لئے جزا پر فاء آئی ہے، پس یہ آیت ما اضمر کے باب سے نہیں ہے۔

امام سیبویہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دونوں جملے ہیں پہلے جملہ میں خبر محذوف ہے ای حكم الزانية والزاني فيما يتلیٰ عليكم فيما بعد اور فاجلدوا دوسرا جملہ ہے اور اس پر فاء شرط مقدر کے جواب میں آئی ہے ای ان ثبت زناهما فاجلدوا غرض آیت پاک باب ما اضمر کے قبیل سے نہیں ہے۔ اس لئے اعتراض صحیح نہیں اگر ایسا نہ ہوتا مطلب فاء جزائیہ

مبتدا متضمن معنیٰ شرط کے جواب میں نہ ہوتی یا یہ دو جملہ نہ ہوتے تو پھر قاعدہ کے مطابق نصب آنا ضروری تھا جبکہ قراء رفع پر متفق ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ ماقبل میں ما اضمر کے وجوہ اعراب کی دوسری صورت میں یہ بات آئی ہے کہ اگر وہ اسم فعل امر سے پہلے آیا ہو تو اس اسم پر نصب پسندیدہ ہے مگر ارشاد پاک الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة میں باتفاق قراء رفع ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ باب ما اضمر کے قبیل سے نہیں ہے۔

سوال: یہ باب ما اضمر کے قبیل سے کیوں نہیں ہے؟

جواب: یہ باب ما اضمر کے قبیل سے اس لئے نہیں ہے کہ اس میں تسلیط کی شرط مفقود ہے۔

سوال: اس میں تسلیط کی شرط مفقود کیوں ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔

(۱) امام مبرد: فاجلدوا میں فاء جزائیہ ہے اور الزانیة والزانی میں الف لام اسم موصول کا ہے جو الذی کے معنیٰ میں ہے اور الزانیة الزانی صلہ ہے جو شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے، گویا الزانیة والزانی شرط ہے اور فاجلدوا کل واحد منهما مأة جلدة یہ جزاء ہے اور جزاء کو شرط پر مقدم نہیں کر سکتے، پس یہ آیت ما اضمر کے باب سے نہیں ہے۔

(۲) امام سیبویہ: آیت مذکورہ باب ما اضمر عامله سے نہیں ہے اس لئے کہ فعل فاجلدوا کی الزانیة والزانی پر تسلیط بنیادی شرط ہے وہ پائی نہیں جاتی، کیونکہ یہ آیت دو مستقل جملوں پر مشتمل ہیں: (۱) الزانیة والزانی جو مضاف کی تقدیر کے ساتھ "حکم

9

الزانیة والزانی فیما سیتلی علیکم“ ہے۔

(۲)فاجلدوا کل واحد منہما مائة جلدہ دوسرا جملہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک جملہ کا جز دوسرے جملہ کے جز میں عمل نہیں کرتا پس فعل کی تسلیط ممکن نہیں، لہذا تسلیط کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے باب ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہ ہوئی۔

وَاِلَّا فَالْمُخْتَارُ النَّصَبُ۔

ترجمہ: ورنہ تو پس مختار نصب ہے

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر فاء کو شرط کے معنی میں نہ لیا جائے جیسا کہ مبرد کی رائے ہے اور آیت میں دو جملے نہ تسلیم کئے جائیں جیسا کہ امام سیبویہ کا خیال ہے تو قاعدہ کے مطابق نصب ہی ہوگا لیکن نصب کا مختار ہونا باتفاق قراء باطل ہے اس لئے کہ حضرات قراء بالاتفاق رفع پڑھتے ہیں پس یا تو فاء شرط کے معنی میں ہے اور یا آیت دو مستقل جملوں پر مشتمل ہے۔

سوال: امام مبردؒ کا جواب صحیح نہیں کیونکہ فاء جزائیہ کا مابعد فاء جزائیہ کے ماقبل میں عمل کرتا ہے جیسے اما زیدا فاضربہ اس مثال میں زیدا کو نصب مختار ہے؟

جواب: امام مبردؒ کا جواب صحیح ہے کیونکہ مبرد کی مراد یہ ہے کہ جزاء کا کوئی جز شرط کے کسی جز میں عمل نہیں کرتا ہے اور اما زیدا فاضربہ میں زید شرط کا جز نہیں ہے کیونکہ شرط تو محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے: مہما یکن من شئی فاضرب زیدا اضربہ۔

تحذیر کا بیان

> اَلرَّابِعُ اَلتَّحْذِيْرُ ۔ وَهُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ تَحْذِيْرًا مِمَّا بَعْدَهٗ اَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا مِثْلُ اِيَّاكَ وَالْاَسَدَ وَاِيَّاكَ وَاَنْ تَحْذِفَ وَالطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ

ترجمہ: اور چوتھا موقع تحذیر ہے۔ اور وہ اتق فعل مقدر کا ایسا معمول (یعنی مفعول بہ) ہے جس کو اس کے مابعد سے ڈرانے کے لئے ذکر کیا جائے، یا محذر منہ کو مکرر ذکر کیا جائے، جیسے ایاک و الاسد (بچا اپنے آپ کو شیر سے) ایاک و ان تحذف (بچا اپنے آپ کو لاٹھی پھینکنے سے) الطریق الطریق (راستے سے بچ، راستے سے بچ)۔

مختصر تشریح

چوتھی جگہ جہاں مفعول بہ کے ناصب کو حذف کرنا واجب ہے، تحذیر ہے۔ تحذیر (ڈرانے) کے موقع پر تنگیٔ وقت کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ تحذیر کے معنی ہے ڈرانا اور جس کو ڈرایا جائے اس کو محذَّر اور جس چیز سے ڈرایا جائے اس کو محذَّر منہ کہتے ہیں۔ تحذیر وہ اسم ہے جو فعل اِتَّقِ مقدر کا معمول (مفعول بہ) ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور اس اسم کے بعد جس چیز کو ذکر کیا جائے اس سے ڈرانا مقصود ہو اور وہ محذر منہ ہوتا ہے یا محذر منہ کو مکرر لایا جاتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول بہ کے عامل فعل کو حذف کی چار صورتوں میں سے چوتھی اور آخری صورت کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ تحذیر ہے۔

سوال: تحذیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟

جواب: تحذیر باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنی کسی کو کسی شئی سے ڈرانا اور اس سے دور کرنا۔ اور اصطلاح میں تحذیر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو اِتَّقِ یا بَعُدَ مقدر کا معمول ہو اور مفعولیت کی بنا پر منصوب ہو۔

سوال: تحذیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) اِتَّقِ مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس کو مابعد سے ڈرایا جائے جیسے ایاک و الاسد ای اِتَّقِ نفسک و الاسد, ایاک ان تحذف ای اِتَّقِ نفسک ان تحذف۔ (۲) اِتَّقِ مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور محذر منہ مکرر ہو جیسے الطریق الطریق ای اتق نفسک الطریق الطریق۔

سوال: تحذیر کی پہلی قسم کی دو مثالیں کیوں بیان کی؟

جواب: محذر منہ کی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ محذر منہ کبھی اسم حقیقی ہوگا جیسے ایاک و الاسد اور کبھی اسم حکمی ہوگا جیسے ایاک ان تحذف (کنکریاں مت مار) ان تحذف بتاویل مصدر ہو کر اسم حکمی ہے اور اس سے پہلے من محذوف ہے۔

تنبیہ: کتاب میں تحذف (حائے حطی کیساتھ) ہے اس کے معنی ہیں خرگوش کو لکڑی سے مارنا، زمخشری کی مفصل میں بھی یہی لفظ ہے مگر اس سے بہتر لفظ تخذف (خا معجمہ کے ساتھ) ہے بمعنی کنکری مارنا۔

تحذیر کا دوسرا طریقہ: صرف محذر منہ مکرر ذکر کیا جائے جیسے الطریق ای اتق نفسک الطریق اس صورت میں فعل اور محذر دونوں محذوف ہوں گے اور الطریق محذر منہ ہوگا۔

سوال: تحذیر کی تعریف مانع نہیں ہے اس لئے کہ اتق میں جو ضمیر مستتر ہے اس پر صادق آتی ہے؟

جواب: یہاں پر عام بول کر خاص مراد ہے پس معمول منصوب مراد ہے۔

سوال: مصنفؒ کی عبارت میں تحذیرا منصوب کیوں ہے؟

جواب: یہ مفعول مطلق ہے جس کو نصب دینے والا حُذِر فعل مجہول محذوف ہے یا یہ مفعول لہ ہے جس کو نصب دینے والا ذُکر فعل مجہول محذوف ہے۔

سوال: مصنفؒ کی عبارت کا منطوق یہ ہے کہ اتق فعل مقدر ہوگا تو پھر بَعِّد کیوں مانا گیا

جواب: مصنفؒ کی عبارت میں حذف ہے اصل عبارت یوں ہے بتقدیر نحو اتق

سوال: مصنفؒ کی عبارت میں تاویل کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: اتقاء متعدی بیک مفعول ہے اور وہ محذر منہ ہوتا ہے جیسے اتق الطریق (تو راستہ سے بچ) لہذا اتق نفسک من الاسد کہنا محاورۂ عرب کے خلاف ہے اس لئے بعد نفسک من الاسد و الاسد من نفسک اصل مانی گئی اور عبارت میں تاویل کر لی گئی

سوال: جبکہ تحذیر میں اتق ماننا صحیح نہیں ہے تو مصنفؒ نے اتق کیوں لکھا؟

جواب: تحذیر کی قسم اول میں اتق مقدر ماننا صحیح نہیں ہے لیکن تحذیر کی قسم ثانی میں اتق مقدر ماننا صحیح نہیں بلکہ واجب ہے اس لئے مصنفؒ نے اتق لکھا ہے۔

وَتَقُوْلُ اِيَّاكَ مِنَ الْاَسَدِ وَمِنْ اَنْ تَحْذِفَ وَاِيَّاكَ اَنْ تَحْذِفَ بِتَقْدِيْرِ مِنْ وَلَا تَقُوْلُ اِيَّاكَ الْاَسَدَ لِاِمْتِنَاعِ تَقْدِيْرِ "مِنْ"

ترجمہ: اور آپ کہہ سکتے ہیں ایاک من الاسد (بچا اپنے آپ کو شیر سے) ایاک من ان تحذف (بچا اپنے آپ کو لاٹھی پھینکنے سے) اور ایاک ان تحذف، من حرف جر کو مقدر ماننے کے ساتھ۔

مختصر تشریح

محذر منہ کی مختلف صورتیں ہیں جن کو وضاحت کے ماتحت بیان کر دیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد محذر منہ کی مختلف صورتوں کو بیان کرنا ہے۔

چنانچہ تحذیر کی محذر منہ کے استعمال کے اعتبار سے آٹھ صورتیں نکلتی ہیں۔ محذر منہ یا تو تحقیقی ہوگا یا تاویلی ہوگا ان میں سے ہر ایک کا استعمال دو قسموں پر ہے من کے ساتھ یا واو کے ساتھ ہوگا۔ پھر ان چار صورتوں میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں واو اور من مذکور ہوگا یا محذوف ہوگا۔

محذر منہ اسم تحقیقی ہو، واوٌ مذکور ہو۔ جیسے ایاک و الاسد۔

محذر منہ اسم تحقیقی ہو، واوٌ محذوف ہو۔ جیسے ایاک الاسد۔

محذر منہ اسم تحقیقی ہو، واوٌ من مذکور ہو۔ جیسے ایاک من الاسد۔

محذر منہ اسم تحقیقی ہو، من محذوف ہو۔ جیسے ایاک الاسد۔

محذر منہ اسم تاویلی ہو، واوٌ مذکور ہو۔ جیسے ایاک و ان تحذف۔

محذر منہ تاویلی ہو، واوٌ محذوف ہو۔ جیسے ایاک ان تحذف۔

محذر منہ اسم تاویلی ہو، من مذکور ہو۔ جیسے ایاک من ان تحذف۔

محذر منہ اسم تاویلی ہو، من محذوف ہو۔ جیسے ایاک ان تحذف۔

ان آٹھ صورتوں میں سے تین غیر مستعمل ہیں اور پانچ مستعمل ہیں۔

تین صورتیں جو غیر مستعمل ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واوٌ محذوف ہو۔ جیسے ایاک الاسد۔

سوال: یہ صورت غیر مستعمل کیوں ہے؟

جواب: حرف عطف کا حذف کرنا ممتنع ہے۔

(۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واوٌ محذوف ہو۔ جیسے ایاک ان تحذف۔

سوال: یہ صورت غیر مستعمل کیوں ہے؟

جواب: تحذیر میں مطلقاً واوٌ حرف عطف کا حذف کرنا ممتنع ہے۔

(۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور من محذوف ہو۔

سوال: یہ صورت غیر مستعمل کیوں ہے؟

جواب: تحذیر میں من کا مقدر ماننا محال ہے اس لئے یہ صورت غیر مستعمل ہے۔

پانچ صورتیں جو مستعمل ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو، من مذکور ہو۔ جیسے ایاک من الاسد۔

(۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو، من مذکور ہو۔ جیسے ایاک من ان تحذف۔

(۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو، واؤ مذکور ہو۔ جیسے ایاک و الاسد۔

(۴) محذر منہ اسم تاویلی ہو، واؤ مذکور ہو۔ جیسے ایاک و ان تحذف۔

(۵) محذر منہ اسم تاویلی ہو، من محذوف ہو۔ جیسے ایاک ان تحذف۔

مفعول فیہ کا بیان

اَلْمَفْعُوْلُ فِیْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِیْهِ فِعْلٌ مَذْکُوْرٌ مِنْ زَمَانٍ اَوْ مَکَانٍ

ترجمہ: مفعول فیہ وہ زمان یا مکان ہے جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو۔

مختصر تشریح

پانچ مفعولوں میں سے تیسرا مفعول، مفعول فیہ ہے۔ مفعول فیہ وہ زمانہ یا جگہ ہے جس میں اس سے پہلے ذکر کیا ہوا فعل (کام) کیا گیا ہو جیسے ضربتُ زیداً امامَ المُدیر میں نے زید کو مہتمم صاحب کے سامنے مارا اس میں امامَ المدیر مفعول فیہ ہے۔ مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہیں۔ ظرف کی دو قسمیں ہیں: (۱) ظرف زمان (۲) ظرف مکان۔

ظرف زمان: جس میں وقت کے معنیٰ پائے جائے۔

ظرف مکان: جس میں جگہ کے معنیٰ پائے جائے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول فیہ کی تعریف کرنا ہے۔اور مفعول فیہ وہ اسم ہے جس زمان یا مکان میں فاعل کا فعل واقع ہو۔

سوال: مفعول فیہ کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ یوم الجمعة صمت فيه میں یوم الجمعة مفعول فیہ ہے لیکن اس میں فعل مذکور نہیں کیا گیا ہے کیونکہ جو فعل اس جگہ مذکور ہے وہ اس میں عامل نہیں ہے؟

جواب: مذکور سے عام مراد ہے خواہ ملفوظ ہو یا مقدر، چنانچہ یوم الجمعة سے پہلے صمت فعل مقدر ہے۔اصل عبارت صمت یوم الجمعة صمت فیه ہے۔

سوال: فعول فیہ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ شهدت یوم الجمعة میں یوم الجمعة مفعول بہ ہے لیکن اس پر مفعول فیہ کی تعریف صادق ہے؟

جواب: تعریفات میں اکثر حیثیت کی قید ملحوظ ہوتی ہے اس لئے مفعول فیہ کی تعریف المفعول فيه مافعل فيه فعل مذكور من حيث انه فعل فيه اب شهدت يوم الجمعة پر مفعول فیہ کی تعریف صادق نہیں آئے گی کیونکہ یوم الجمعة کا ذکر مثال مذکور میں اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل مذکور واقع ہوا ہے لہذا وہ مفعول بہ ہے نہ کہ مفعول فیہ۔

فائدہ: (۱) تعریف میں فعل سے فعل لغوی (حدث) مراد ہے جس کو معنی مصدری کہتے ہیں۔

(۲) تعریف میں لفظِ مذکور عام ہے خواہ صراحۃً مذکور ہو یا تضمناً مذکور ہو یا التزاماً۔

سوال: صراحۃً مذکور ہو اس کا کیا مطلب؟ اور یہ کب ہوتا ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو فعل لغوی (معنی مصدری) کسی زمان یا مکان میں کیا گیا ہے وہ صراحۃً مذکور ہو۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب عامل مصدر ہو فعل نہ ہو جیسے اعجبنی جلوسک امام زید اس میں امام زید ظرف مکان ہے اس میں جلوس واقع ہوا ہے جو صراحۃً مذکور ہے۔

فائدہ: ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے چنانچہ مفعول فیہ کی تعریف جنس

اور فصل سے مرکب ہے۔ھو مافعل جنس ہے جس میں تمام مفاعیل داخل ہیں اور فیہ فصل ہے جس سے مفعول فیہ کے علاوہ تمام مفاعیل نکل گئے۔مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہیں۔

سوال: ظرف کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ظرف کی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف زمان (۲) ظرف مکان

ظرف زمان: جس میں وقت کے معنی پائے جائیں۔

ظرف مکان: جس میں جگہ کے معنی پائے جائیں۔

وَشَرْطُ نَصْبِهٖ تَقْدِيْرُ فِيْ

ترجمہ: اور مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط فی حرف جر کا مقدر ہونا ہے۔

مختصر تشریح

مفعول فیہ منصوب اس وقت ہوگا جبکہ حرف فی مقدر ہوگا کیونکہ فی مذکور ہوگا تو مفعول فیہ مجرور ہوگا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مفعول فیہ فی کی تقدیر کے ساتھ مقدر ہوگا۔

سوال: مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے فی کی تقدیر کے ساتھ، ایسا کیوں؟

جواب: مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے فی کی تقدیر کے ساتھ اس لئے کہ اگر فی مذکور ہوتو مجرور ہوگا نہ کہ منصوب۔

فائدہ: مصنفؒ کے نزدیک مفعول فیہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مجرور کی شکل میں بھی مفعول فیہ پایا جاسکتا ہے، البتہ جمہور نحاۃ کی رائے یہ ہے کہ مفعول فیہ وہی ہوگا جو فی کی

تقدیر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا ورنہ وہ بجائے مفعول فیہ ہونے کے مفعول بہ ہوگا۔

وَظُرُوْفُ الزَّمَانِ كُلُّهَا تَقْبَلُ ذٰلِكَ وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ اِنْ كَانَ مُبْهَمًا قَبِلَ ذٰلِكَ وَاِلَّا فَلَا

ترجمہ: اور ظرف زمان اس کو قبول کرتے ہیں، اور ظرف مکان اگر مبہم ہو، تو وہ اس کو قبول کرتا ہے، ورنہ قبول نہیں کرتا ہے۔

مختصر تشریح

ظرف زمان کی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف زمان مبہم (۲) ظرف زمان محدود۔ ظرف مکان کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف مکان مبہم (۲) ظرف مکان محدود۔

ظرف زمان مبہم: جس میں کوئی حد معین نہ ہو جیسے دھر، حین۔ ظرف زمان محدود: جس میں کوئی حد معین ہو۔ جیسے یوم، لیلۃ، شھر اور سنۃ۔

ظرف مکان مبہم: جس میں کوئی حد معین نہ ہو۔ جیسے جہات ستۃ: امام، خلف، یمین، شمال، فوق، تحت۔ ظرف مکان محدود: جس میں کوئی حد معین ہو۔ جیسے دار، بیت، مسجد۔

ظرف کی پہلی تین قسمیں ظرف زمان مبہم و محدود اور ظرف مکان مبہم فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں۔ جیسے صمت شھراً ای فی شھر۔ اور چوتھی قسم ظرف مکان محدود میں فی کو لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہے۔ جیسے صلیت فی المسجد۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ ظروف کی مخصوص صورتوں میں فی مقدر ہوگا۔

سوال: ظروف کی وہ مخصوص صورتیں کیا ہے؟

جواب: (۱) ظرف زمان مبہم (۲) ظرف زمان محدود (۳) ظرف مکان مبہم (۴) ظرف مکان محدود۔

سوال: ظرف زمان مبہم کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظرف زمان مبہم وہ ہے جس میں کوئی حد معین نہ ہو۔ جیسے دھر، حین۔

سوال: ظرف زمان محدود کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظرف زمان محدود وہ ہے جس میں کوئی حد معین ہو جیسے یوم، لیلة، شھر۔

سوال: ظرف مکان مبہم کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظرف مکان مبہم وہ ہے جس میں کوئی حد معین نہ ہو جیسے جھات ستة: امام، خلف، یمین، شمال، فوق، تحت۔

سوال: ظرف مکان محدود کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظرف مکان محدود وہ ہے جس میں کوئی حد معین ہو جیسے دار، بیت، مسجد

سوال: ظروف کی وہ مخصوص صورتیں جہاں فی مقدر ہوتا ہے اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: ظروف کی وہ مخصوص صورتیں جہاں فی مقدر ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظرف کی جو چار قسمیں ہیں ان میں سے پہلی تین قسمیں ظرف زمان مبہم ومحدود اور ظرف مکان مبہم میں فی کو مقدر مانا جائے گا اس لئے کہ یہ تینوں فی کی تقدیر قبول کرتے ہیں۔

اور چوتھی قسم ظرف مکان محدود میں فی کو لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہے جیسے صلیت فی المسجد۔ مگر فعل دخل کے بعد فی نہیں آتا جیسے دخل البیت مگر دخول معنوی مراد ہو تو فی آتا ہے جیسے دخل فی الجامعة (جامعہ میں داخلہ لیا)۔

سوال: ظرف مکان محدود میں فی مقدر کیوں نہیں ہوتا ہے؟

جواب: ظرف مکان محدود کی مشابہت ظرف زمان مبہم کے ساتھ بالکل نہیں پائی جاتی نہ ذات کے اعتبار سے نہ صفت کے اعتبار سے۔

سوال: ظرف زمان محدود اس میں فی مقدر کیوں مانتے ہیں؟

جواب: ذات کے اعتبار سے ظرف زمان مبہم کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

سوال: ظرف مکان مبہم میں فی مقدر کیوں؟

جواب: صفت کے اعتبار سے ظرف زمان مبہم کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

سوال: ظرف زمان مبہم کو اصل کیوں بنایا؟

جواب: زمانہ مبہم کو اصل اس لئے بنایا کہ فعل میں تین چیزیں ہیں: (۱) معنی مصدری (۲) زمانہ (۳) نسبت الی الفاعل۔ فعل میں جو زمانہ ہوتا ہے وہ مبہم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ فعل کے جز کو فعل سے الگ ذکر کیا جائے تو وہ بلا حرف جر منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق مصدری معنی میں ہے اور جب فعل کے جز سے جدا مانتے ہیں تو منصوب ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ زمانہ مبہم یہ فعل کا جز ہے اس لئے اصل قرار دیا۔

وَفُسِّرَ الْمُبْهَمُ بِالْجِهَاتِ السِّتِّ

ترجمہ: اور ظرف مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ سے کی گئی ہے اور ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہے۔

مختصر تشریح

ظرف مکان مبہم صرف جہات ستہ ہیں جیسے اَمام، خلف، یمین، شمال، فوق اور تحت۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ظرف مکان مبہم کی تفسیر کرنا ہے چنانچہ ظرف مکان مبہم سے مراد جہات ستہ ہے۔

سوال: ظرف مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ سے کیوں کی؟

جواب: ظرف مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ سے اس لئے کی کہ اس میں حد متعین نہیں ہے اور جس میں حد متعین نہ ہو اس میں ابہام ہوتا ہے۔

نوٹ: چھ میں دو فوق اور تحت اصلی ہیں اور بقیہ عارضی۔ کیونکہ فوق اور تحت تغیر کو قبول نہیں کرتے اور بقیہ چار تغیر کو قبول کرتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص امام (آگے) کی طرف رخ کرکے بیٹھا ہے اگر وہ پیچھے کی طرف ہو جائے تو اس کے لئے جو جہت امام تھی وہ خلف (پیچھے) ہو جائے گی اور جو خلف تھی وہ امام ہو جائے گی؛ لیکن اگر کسی کو الٹا کیا جائے اور پوچھا جائے تو ہر حال میں فوق (اوپر) کو فوق اور تحت (نیچے) کو تحت بتائے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فوق اور تحت اصلی ہیں اور بقیہ چار عارضی ہیں۔ یمین اور یسار کو بھی اس پر قیاس کرلو۔

سوال: اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ اور آخر میں دو مرتبہ کیوں؟

جواب: کیونکہ جہات چھ ہیں: (۱) فوق (۲) تحت (۳) امام (۴) خلف (۵) یمین (۶) یسار۔ اذان کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر اس لئے آیا ہے کہ اشارہ مقصود ہے کہ جن چار عارضی جہتوں میں آپ بڑی بڑی چیزیں دیکھتے ہوں ان سے بھی میری ذات بڑی ہے اور آخر میں دو مرتبہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے اشارہ مقصود ہے کہ دو اصلی جہتیں فوق اور تحت میں آپ بڑی بڑی چیزیں دیکھتے ہوں ان سے بھی میری ذات بڑی ہے۔

وَحُمِلَ عَلَيْهِ عِنْدَ وَلَدٰى وَشِبْهُهُمَا لِإِبْهَامِهِمَا

ترجمہ: عند، لدی اور ان کے نظائر کو، ان کے مبہم ہونے کی وجہ سے۔

مختصر تشریح

عند اور لدیٰ ان دونوں کے مشابہ الفاظ جیسے دون (ورے) سوا (علاوہ) کو

ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حکم میں رکھا گیا ہے، مطلب کہ اس میں بھی فی مقدر ہوتا ہے کیونکہ ان میں بھی ایک قسم کا ابہام ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔اور وہ سوال مقدر یہ ہے کہ مصنفؒ نے ظرف مکان مبہم کا حکم بیان کیا کہ اس پر نصب آتا ہے اس کے بعد مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صرف جہات ستہ پر نصب آئے گا حالانکہ بعض ظروف مکان ایسے ہیں کہ جن پر نصب آتا ہے اور وہ جہات ستہ میں داخل نہیں ہے۔

سوال: اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے اس قسم کے ظروف کو مکان مبہم پر حمل کیا جائے گا اور حمل کی علت یہ ہے کہ عند، لدی مکان مبہم کے ساتھ ابہام میں شریک ہیں، جس بنیاد پر نصب پڑھا جائے گا۔

سوال: اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اس کا مطلب جس طرح جہات ستہ میں ابہام ہوتا ہے اسی طرح عند اور لدی میں بھی ابہام پایا جاتا ہے۔

وَلَفْظُ مَكَانٍ لِكَثْرَتِهٖ

ترجمہ: اور لفظ مکان کو اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے۔

مختصر تشریح

لفظ مکان کو بھی جہات ستہ پر محمول کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ کثیر الاستعمال ہے پس تخفیف مناسب ہے اور فی کے حذف سے تخفیف ہوجاتی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: سوالِ مقدر کیا ہے؟

جواب: سوال مقدر یہ ہے کہ ظرف مکان مبہم پر نصب آتا ہے، اس کے بعد مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صرف جہات ستہ پر نصب آئے گا حالانکہ لفظ مکان جہات ستہ میں سے نہیں ہے اس کے باوجود اس پر نصب آیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گو لفظ مکان جہات ستہ میں سے نہیں ہے اور ابہام میں بھی مشابہت نہیں ہے لیکن کثرت استعمال میں شریک ہے اس لئے اس پر نصب آتا ہے۔ اس کا مطلب جس طرح جہات ستہ (ظرف مکان مبہم) کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اسی طرح لفظ مکان بھی کثیر الاستعمال ہے۔

سوال: لفظ عند اور لدی کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: (۱) عند عام ہے اور لدی خاص ہے۔ (۲) لدی کو ابتدا کے معنی لازم ہے بخلاف عند کے۔ (۳) عند، ضمائر اور ضمائر کے علاوہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جبکہ لدی وہ ضمائر کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔

وَمَابَعْدُ دَخَلْتُ عَلَى الْاَصَحِّ

ترجمہ: اور دخلت کے مابعد کو اصح قول کے مطابق۔

مختصر تشریح

دخلت کے بعد آنے والا ظرف مکان محدود بھی اصح قول کے مطابق جہات ستہ پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی کثیر الاستعمال ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وہ سوال مقدر کیا ہے؟

جواب: وہ سوال مقدر یہ ہے کہ دخلت کا مابعد مثلا دخلت الدار مکان محدود ہے اس کے باوجود فی مقدر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دخلت کا مابعد کثرت استعمال کی وجہ سے مبہم ہونے میں جہات ستہ کی طرح ہے اور چونکہ جہات ستہ میں فی مقدر ہوتا ہے لہذا مذہب اصح کے مطابق دخلت کے مابعد بھی فی مقدر ہوگا۔

نوٹ: دخلت میں نزلت اور سکنت بھی داخل ہیں۔

قاعدہ

وَيُنْصَبُ بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ وَعَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ

ترجمہ: اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے اس عامل کی وجہ سے جو محذوف ہو اور (اس عامل کی وجہ سے جو محذوف ہو) تفسیر کی شرط پر۔

مختصر تشریح

مفعول فیہ پر دو اور طرح سے بھی نصب آتا ہے (۱) عامل مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے جیسے کسی نے پوچھا: متیٰ سرتَ: تو کب چلا؟ آپ نے جواب میں کہا یومَ الجمعة تو اس کا ناصب سرتُ پوشیدہ ہے۔

(۲) بعد میں مفسر آرہا ہو تو مفعول فیہ کا ناصب پوشیدہ کر دیا جاتا ہے جیسے یوم الجمعة صمت فیه اس جگہ یوم الجمعة سے پہلے فعل صمتُ پوشیدہ ہے جس نے نصب دیا اور اس کی تفسیر بعد والا فعل کررہا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مفعول فیہ کا عامل بھی کبھی پوشیدہ ہوتا ہے اس کی دوصورتیں ہیں۔

سوال: وہ دوصورتیں کیا ہیں؟

جواب: (۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عامل مضمر کی تفسیر کے لئے کوئی فعل مفعول فیہ کے بعد ذکر نہیں کرتے اس کو تنصب بعامل مضمر بلا شريطة التفسير سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے سائل کے سوال متی سرت کے بعد یوم الجمعة کہا جائے تو اس جگہ اصل عبارت سرت یوم الجمعة ہے، سوال کے قرینہ کی وجہ سے سرت فعل کو حذف کردیا گیا، یوم الجمعة رہ گیا، اس میں سرت فعل محذوف ہے اس کی کوئی فعل تفسیر نہیں کررہا۔

(۲) کبھی عامل مضمر کی تفسیر کے لئے فعل لایا جاتا ہے اس کو ینصب بعامل مضمر شريطة التفسير سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے یوم الجمعة صمت فیه اصل عبارت صمت یوم الجمعة ہے، صمت فعل کو حذف کردیا گیا اور صرف یوم الجمعة رہ گیا بعد میں ابہام کو دور کرنے کے لئے یوم الجمعة کے بعد صمت فیه لائے ہیں۔

فائدۂ مفیدہ: کبھی مفعول فیہ تفسیر کی شرط پر پوشیدہ عامل کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور اس کی بھی مفعول بہ کی قسم مااضمر عامله علی شريطة التفسير کی طرح پانچ قسمیں ہیں، اور وہ مواقع، تفصیل کے ساتھ مفعول بہ کی بحث میں مذکور ہوچکے ہیں، صرف نمونہ کے طور پر مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) رفع کا مختار ہونا نصب کے جواز کے ساتھ جیسے یوم الجمعة سرت فیه۔

(۲) نصب کا مختار ہونا رفع کے جواز کے ساتھ جیسے یوم الجمعة صمت فیه۔

(۳) رفع ونصب دونوں کا برابر ہونا جیسے یوم الجمعة سار فیه عبدالله ویوم الخمیس سار فیه۔

(۴)نصب کا واجب ہونا جیسے انَّ یوم الجمعة سرت فيه۔

(۵)رفع کا واجب ہونا جیسے هكذا یوم الجمعة صمت فیه۔

مفعول لہ کا بیان

اَلْمَفْعُوْلُ لَہٗ هُوَ مَا فُعِلَ لِاَجْلِهٖ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مِثْلُ ضَرَبْتُهٗ تَادِيْبًا وَقَعَدْتُّ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا۔

ترجمہ: مفعول لہ وہ اسم ہے جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا جائے جیسے ضربته تاديبا (میں نے اس کو مارا ادب سکھانے کے لے)قعدت عن الحرب جبنا (میں لڑائی سے بیٹھ گیا بزدلی کی وجہ سے)۔

مختصر تشریح

چوتھا مفعول: مفعول لہ ہے، اور مفعول لہ وہ اسم ہے جس کی وجہ سے وہ کام کیا گیا ہو جو اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ مفعول لہ منصوب ہوتا ہے۔

مفعول لہ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ مفعول لہ جس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کیا گیا ہو جیسے ضربته تاديباً (میں نے اس کو سلیقہ سکھانے کے لئے مارا) اس میں مارنا تادیب کی تحصیل کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مارنے سے یہ مقصد حاصل ہوگا۔

(۲) وہ مفعول لہ جس کے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو جیسے قعدتُ عن الحربِ جبناً (میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے بیٹھ گیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بزدلی پہلے سے موجود تھی اس لئے لڑائی میں شریک نہ ہوا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول لہ کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مفعول لہ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مفعول لہ وہ اسم ہے جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا گیا ہو۔

سوال: فعل مذکور کئے جانے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: فعل مذکور کئے جانے کی دو صورتیں ہیں (۱) فعل مذکور کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے کیا جائے جیسے **ضربته تاديبا** (میں نے اس کو سلیقہ سکھانے کے لئے مارا) اس میں **تاديبا** مفعول لہ ہے، ادب سے پہلے موجود نہیں تھا، لیکن اس کو ادب سکھانے کے لئے مارا گیا۔
(۲) فعل مذکور پہلے سے کسی چیز کے موجود ہونے کی وجہ سے کیا جائے جیسے **قعدت عن الحرب جبنا** (میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے بیٹھ گیا) اس مثال میں لفظ **جبنا** مفعول لہ ہے اور **جبنا** (بزدلی) قاعد میں پہلے سے موجود ہونے کی وجہ سے **قعود** پایا گیا۔

سوال: مفعول لہ کی تعریف میں **ما** اسمیہ سے اگر اسم مراد ہے تو معنی ہوگا کہ مفعول لہ وہ اسم ہے جس اسم کے لئے فعل مذکور کیا گیا ہو لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اسم کے لئے کوئی فعل نہیں کیا جاتا اور اگر **ما** اسمیہ کے علاوہ کوئی اور چیز مراد ہے تو وہ مفعول لہ نہ ہوگا کیونکہ مفعول لہ تو اسم کا نام ہے؟

جواب: **ما** اسمیہ سے علت مراد ہے لیکن اس سے پہلے لفظ اسم مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ مفعول لہ اس علت کا نام ہے جس کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہے۔

سوال: جب پوچھا جائے **لم ضربت زيدا** اور اس کے جواب میں کہا جائے **تاديبا** تو مفعول لہ ہے لیکن کوئی فعل مذکور نہیں ہے لہذا مفعول لہ کی تعریف جامع نہ ہوئی؟

جواب: مذکور سے عام مراد ہے خواہ حقیقۃً مذکور ہو یا حکماً اور مثال مذکور میں سوال

کے قرینہ سے ضربتہ مقدر ہے اور مقدر مذکور کے حکم میں ہوتا ہے۔

سوال: مفعول لہ کی تعریف میں مذکور لکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اگر مفعول لہ کی تعریف میں مذکور نہ ہوتا تو اعجبنی التادیب میں تادیب پر مفعول لہ کی تعریف صادق آجاتی کیونکہ تادیب کے لئے کوئی نہ کوئی فعل تو ضرور ہی کیا گیا ہے۔

سوال: مفعول لہ کی تعریف میں مذکور لکھنے پر بھی مفعول لہ کی تعریف اعجبنی التادیب میں تادیب پر صادق آجاتی ہے اس لئے کہ تادیب کے لئے جو فعل کیا گیا ہے وہ کسی نہ کسی جملہ میں مذکور ہے جیسے ضربت زیدا۔

جواب: مفعول لہ کی تعریف میں مذکور سے مذکور معہ مراد ہے۔

سوال: اب بھی تعریف اعجبنی التادیب پر صادق ہے کیونکہ تادیب کے لئے جو فعل ذکر کیا گیا ہے وہ فعل کسی جملہ میں تادیب کے ساتھ بھی مذکور ہے جیسے ضربتہ تادیبا۔

جواب: مراد یہ ہے کہ اسی جملہ میں مذکور ہو کہ جس جملہ میں مفعول لہ ہو لہٰذا اعجبنی التادیب میں تادیب پر مفعول لہ کی تعریف صادق نہیں آتی۔

سوال: اب بھی مفعول لہ کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ میں تادیب پر مفعول لہ کی تعریف صادق ہے۔

جواب: ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ فعل اس میں عامل بھی ہو اور تادیب میں ضربت عامل نہیں ہے۔

سوال: مفعول لہ کی دو مثالیں کیوں بیان کیں؟

جواب: مفعول لہ کبھی علت غائیہ ہوتی ہے جس کا تصور فعل سے مقدم ہوتا ہے اور وجود فعل سے مؤخر جیسے ضربتہ تادیبا اس مثال میں تادیب کا تصور ضرب سے مقدم ہے اور تادیب کا وجود تادیب سے مؤخر ہے اور کبھی علت باعثہ ہوتی ہے جس کا وجود فعل سے مقدم ہوتا ہے جیسے قعدت عن الحرب جبنا اس مثال میں بزدلی کا وجود قعود سے مقدم ہے ان دو قسموں کو بتلانے کے لئے مصنفؒ نے دو مثالیں لکھی ہیں۔

ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے: چنانچہ مفعول معہ کی تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہے۔ ھو فعل مذکور جنس ہے جس میں تمام مفاعیل داخل ہیں اور لاجلہ سے مفعول لہ کے علاوہ تمام مفاعیل خارج ہوگئے۔

خِلَافًا لِلزُّجَاجِ فَاِنَّهُ مَصْدَرٌ

ترجمہ: برخلاف امام زجاج کے اس لئے کہ وہ (مفعول لہ) ان کے نزدیک مصدر (مفعول مطلق) ہے۔

مختصر تشریح

جمہور کے نزدیک مفعول لہ مستقل معمول ہے اور زجاج نحوی کہتے ہیں مفعول لہ کوئی مستقل معمول (مفعول) نہیں وہ درحقیقت مصدر (مفعول مطلق) ہے البتہ من غیر لفظہ مصدر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اختلاف کو بیان کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام زجاج کے نزدیک مفعول لہ درحقیقت مصدر (مفعول مطلق) ہے کیونکہ مفعول لہ ان کے یہاں مستقل معمول نہیں ہے بلکہ مفعول مطلق میں داخل ہے چنانچہ مذکورہ مثالوں میں تادیبا اور جبنا بجائے مفعول لہ کہ مفعول مطلق ہے اور تقدیری عبارت ادبته بالضرب تادیباً و جبنت فی القعود عن الحرب جبنا یا ضربته ضرب تادیب ہے اور قعدت قعود جبن ہے۔

جمہور زجاج کی بات سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ ایک نوع کی تاویل کا صحیح ہونا دوسری نوع کے ساتھ شئی کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے! حال کی تاویل ظرف کے ساتھ درست ہے اس کے باوجود وہ حقیقۃً حال ہی ہے، ظرف نہیں ہوتا، لہذا مفعول لہ، مفعول مطلق کی تاویل میں اگر ہو بھی جائے تو وہ مفعول لہ ہی رہے گا، مفعول مطلق نہیں ہوگا۔

وَشَرْطُ نَصْبِهٖ تَقْدِيْرُ اللَّامِ

ترجمہ: اور مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ''لام'' حرف جر کا مقدر ہونا ہے۔

مختصر تشریح

مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ''لام'' مقدر ہو، اگر لام مذکور ہوگا تو وہ مجرور ہوگا۔ جیسے ضربته للتادیب۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے لام کا مقدر ہونا شرط ہے۔

سوال: مفعول لہ کے نصب کے لئے لام مقدر شرط کیوں؟

جواب: مفعول لہ کے نصب کے لئے لام مقدر شرط اس لئے ہے کہ اگر مذکور ہوگا تو مجرور ہوگا اس صورت میں جر کے ساتھ نصب دینا ممکن نہیں۔

سوال: لام کو مقدر نہ بھی مانا جائے تو کیا حرج ہے؟

جواب: اگر لام کو مقدر نہ مانا جائے تو علت سمجھ میں نہیں آئے گی جو مفعول لہ کے لئے اصل ہے۔

سوال: جس طرح لام تعلیل کے لئے ہوتا ہے اسی طرح من، با اور فی بھی تعلیل کے لئے ہوتے ہیں جیسے من کی مثال لو انزلنا هذا القران علی جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة الله۔ اور با کی مثال جیسے فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات اور فی کی مثال جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ان امرأة دخلت النار فی هرة تو خاص مفعول لہ میں لام کی تقدیر ہی کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: لام کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا کہ اس کا استعمال عامۃً افعال کی علت بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے جبکہ من، باا ور فی کی تقدیرا اکثر اسماءؔ کی علت بیان کرنے کے لئے ہوتی ہے، لہذا مفعول لہ میں ان سب کو مقدر نہیں مانا گیا۔

وَاِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا اِذَا كَانَ فِعْلًا لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهٖ وَمُقَارِنًا لَهٗ فِي الْوُجُوْدِ

ترجمہ: اور لام کو حذف کرنا صرف اس وقت جائز ہے جبکہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو اور وجود میں اس سے متصل ہو۔

مختصر تشریح

لام کو حذف کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے (۱) فعل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہو جیسے ضربته تاديبا میں، مارنے والا اور ادب سکھانے والا ایک ہے۔ قعدت عن الحرب جبنا میں، لڑائی سے پیچھے رہنے والا اور بزدلی کا شکار ایک ہے۔
(۲) فعل اور مفعول لہ کے وجود کا زمانہ ایک ہو ضربته تاديبا اور قعدت عن الحرب جبنا میں، مارنا اور سلیقہ سکھانا اور لڑائی سے بیٹھنا اور بزدلی ساتھ ہے۔ پس جئتک لاکرامک ایای اور اکرمتک الیوم لوعدی بذالک لام کے ذکر کے ساتھ کہا جائے گا لام کا حذف جائز نہیں۔
پہلی مثال میں متکلم کا آنا اور مخاطب کا اکرام کرنا فعل ہے، دونوں فعل ایک فاعل کے نہیں ہے اور دوسری مثال میں دونوں کا زمانہ مقارن نہیں ہے اکرام کرنا آج ہے اور وعدہ پہلے ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لام کو حذف کرنا جائز ہے لفظاً

ومعناً جبکہ دوشرطیں پائی جائے۔

سوال: وہ دوشرطیں کونسی ہیں؟

جواب: وہ دوشرطیں یہ ہیں (۱) مفعول لہٗ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل (اثر،نتیجہ) ہو(۲)مفعول لہ اپنے فعل کے ساتھ وجود میں مقارن (مفعول لہ اور فعل کا زمانہ کاایک ہونا) ہو۔ جیسے ضربته تادیبا میں دونوں شرطیں موجود ہیں ایک توتادیب جومفعول لہ ہے یہ فعل معلل بہ اور فاعل کا نتیجہ اوراثر ہے نیز مفعول لہ اور ضرب دونوں کا زمانہ ایک ہے اس لئے لام کوحذف کیا جائے گا۔

فائدہ: جئتک لا کرامک ایای۔اس مثال میں متکلم کا آنا اورمخاطب کا اکرام کرنا دونوں فعل ایک فاعل کے نہیں ہے۔اور اکرمتک الیوم لوعدی بذالک۔والی مثال میں دونوں کا زمانہ مقارن نہیں ہے اکرام کرنا آج ہے اوروعدہ پہلے ہے۔

سوال: ان شرائط کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: ان شرائط کی ضرورت یہ ہے کہ ان کے پائے جانے کی وجہ سے مفعول لہ،مفعول مطلق کے مشابہ ہوجاتا ہے، کیونکہ مفعول مطلق بھی اپنے فعل کے فاعل کا اثر ہوتا ہے اوراس کا فاعل اپنے فعل کے ساتھ متحد ہوتا ہےاوروجود میں مقارن ومتصل ہوتا ہےاورجب مفعول لہ میں یہ شرائط پائی جائے گی تو وہ مفعول مطلق کے مشابہ ہوکراس کا بھی تعلق فعل سے بلا واسطہ کسی حرف کے ہوگا جس طرح مفعول مطلق کا تعلق اپنے فعل سے بلاواسطہ ہے۔

فائدہ: مفعول لہ اور فعل کا زمانہ کاایک ہواس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہو۔جیسے ضربت تادیبااس میں تادیب اور ضرب کا زمانہ ایک ہےاس لئے کہ دونوں درحقیقت ایک ہی ہیں مغایرت صرف اعتباری ہےاس لئے کہ ضربت کے فاعل سے جوفعل صادرہوا ہے اگراس میں اس بات کالحاظ کیا جائے کہ مضروب کواس سے تکلیف ہوگی تواس کو ضرب سے تعبیرکریں گےاوراگراس میں اس بات کالحاظ کیا جائے کہ مضروب کے لئے اخلاق حسنہ کا سبب بنے گا تواس کوتادیب سے تعبیر کریں گے۔

(۲) فعل معلل بہ کا زمانہ مفعول لہ کے زمانہ کا بعض ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا میں جبن کے معنی بزدلی کے ہیں اور بزدلی حرب سے پہلے ہے اور قعود عن الحرب کا زمانہ اس کا بعض ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ بزدلی جو تمام اوقات میں پائی جاتی ہے لڑائی کے چند ایام یا چند گھنٹے میں بھی پائی گئی۔

(۳) مفعول لہ کا زمانہ اپنے فعل معلل بہ کے زمانہ کا بعض ہو۔ جیسے شھدت الحرب ایقاعا للصلح۔ ''میں لڑائی میں صلح کرانے کے لئے حاضر ہوا'' ظاہر ہے کہ جب آدمی کسی جگہ جائے گا تو کچھ دیر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے کاموں میں لگتا ہے اسی طرح جو شخص لڑائی کے میدان میں جائے گا اس کا وقت بھی کچھ اور کاموں میں خرچ ہوگا اور اسی قیام کے دوران صلح کی بھی بات ہوگی اس لئے شھود فی الحرب کا زمانہ کل ہوا اور ایقاع صلح کا زمانہ اس کا بعض ہوا۔

مفعول معہ کا بیان

اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُوْلِ فِعْلٍ لَفْظًا اَوْ مَعْنًى

ترجمہ: وہ اسم ہے جو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لئے، واوٗ (بمعنی مع) کے بعد مذکور ہو، خواہ فعل لفظاً ہو یا معناً۔

مختصر تشریح

مفعول معہ: وہ اسم ہے جو واو بمعنیٰ مع کے بعد آئے اور فعل کے معمول کے ساتھ مصاحبت کو بتلائے جیسے جاء القاسم و الکتاب (قاسم کتاب کے ساتھ آیا) اس میں الکتاب مفعول معہ ہے کیونکہ وہ اس واو کے بعد آیا ہے جس کے معنیٰ ہے ساتھ اور وہ فاعل کے ساتھ مصاحبت کو بتلاتا ہے اور فعل خواہ لفظی ہو یا معنوی۔ مذکورہ مثال میں فعل جاء لفظی ہے۔

اورفعل معنوی کی مثال ہے مالک وزیدا (تجھے زید سے کیا لینا ہے) ای ماتصنع وزیدا (توزید کے ساتھ کیا کرے گا)۔
فعل معنوی: وہ فعل ہے جولفظوں سے مستنبط کیا جاسکتا ہو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفاعیل خمسہ میں سے آخری مفعول، مفعول معہ کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مفعول معہ کو سب سے آخر میں کیوں ذکر کیا؟

جواب: مفعول معہ کو سب سے آخر میں اس لئے ذکر کیا کہ اس میں اختلاف ہے کہ مفعول معہ قیاسی ہے یا سماعی نیز عامل کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے کہ واؤ عامل ہے یا فعل یا معنی فعل عامل ہے۔

سوال: مفعول معہ کی تعریف کیا ہے۔

جواب: مفعول معہ وہ اسم ہے جو واوَ بمعنی مع کے بعد مذکور ہو، تا کہ وہ واو اس اسم کی فعل کے معمول کے ساتھ وقوع فعل یا صدور فعل کے اعتبار سے مصاحبت کو ظاہر کرے، فعل کی معمول کے ساتھ مصاحبت کا پایا جانا ضروری ہے، چاہے وہ فعل لفظاً ہو یا معناً۔ جیسے جاء القاسمُ و الکتابَ (قاسم کتاب کے ساتھ آیا) اس مثال میں الکتاب مفعول معہ ہے کیونکہ وہ اس واؤ کے بعد آیا ہے جس کے معنی ہے ساتھ، اور وہ فاعل کے ساتھ مصاحبت کو بتلاتا ہے مذکورہ مثال میں فعل جاء لفظی ہے اور فعل معنوی کی مثال مالک وزیدا (تجھے زید سے کیا لینا ہے) ای ماتصنع وزیدا (توزید کے ساتھ کیا کرے گا)۔

فائدہ: مفعول معہ میں فعل کے معمول کے ساتھ مصاحبت کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) فعل لفظوں میں ہو اور معیت فاعل کے ساتھ ہو جیسے جاء البرد و الجباتِ

(سردی جبوں کے ساتھ آئی) سردی آتے ہی لوگوں نے جبے پہن لئے اس میں جبات جو مفعول معہ ہے اس کی مصاحبت البرد فاعل کے ساتھ ہے نیز فعل لفظوں میں ہے۔

(۲) فعل لفظوں میں ہو اور معیت مفعول کے ساتھ ہو۔ جیسے کفاک و شاھدا درھمٌ (آپ کے لئے اور شاہد کے لئے ایک درہم کافی ہے) اس میں شاھدا جو مفعول معہ ہے اس کی مصاحبت کفاک میں جو "ک" مفعول ہے اس کے ساتھ ہے نیز فعل لفظوں میں ہے۔

(۳) فعل معنوی ہو اور معیت فاعل کے ساتھ ہو۔ جیسے مالک و شاھدا (آپ کو شاہد سے کیا لینا)۔

(۴) فعل معنوی ہو اور معیت مفعول کے ساتھ ہو۔ جیسے حسبک و زیدا درھم (آپ کے لئے اور زید کے لئے ایک درہم کافی ہے)۔

نوٹ: جو واؤ بمعنی مع ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس کے بعد آنے والا اسم، مفعول معہ ہی ہو۔ جیسے کل رجل و ضیعته میں ضیعته مفعول معہ نہیں ہے کیونکہ مفعول معہ کے لئے مقارنت زمانی یا مکانی شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

سوال: مفعول معہ کی تعریف معطوف پر بھی صادق آتی ہے اس لئے کہ معطوف علیہ اگر اپنے عامل کا فاعل ہے تو معطوف کو بھی فاعل کے ساتھ مصاحبت فعل کے صدور میں ہوگی اور معطوف علیہ اگر اپنے عامل کا مفعول ہے تو معطوف کو بھی مفعول کے ساتھ مصاحبت فعل کے صدور میں ہوگی؟

جواب: مفعول معہ میں مصاحبت سے مراد مصاحبت زمانی یا مکانی ہے۔

مصاحبت زمانی کہا جاتا ہے کہ مفعول معہ اور اس کے مصاحب کا زمانہ ایک ہو جیسے سرتُ و زیدا اس میں زید مفعول معہ کا زمانہ اور سرت کے فاعل متکلم کی سیر کا زمانہ ایک ہے۔ اور مصاحبت مکانی کا مطلب ہے کہ مفعول معہ اور فعل کے معمول کی جگہ ایک ہو جیسے لو ترکت الناقة و فصیلتھا لرضعتھا (اگر اونٹنی کو اس کے بچہ کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اونٹنی اور اس کے بچے کو ایک جگہ چھوڑ دیا

جاوے تو دودھ پلا سکے گی، اگر دونوں کی جگہ ایک نہ ہوتو وہ دودھ کس کو پلاتی ؟۔

حاصل کلام یہ کہ مفعول معہ میں مصاحبت زمانی یا مکانی ضروری ہے اور معطوف میں مشارکت ہے، مصاحبت زمانی یا مکانی نہیں ہے۔ جیسے جاءنی زید و عمرو میں عمرو کو زید کے ساتھ فعل میں شرکت ہے، فعل مجئی دونوں میں پایا جاتا ہے، زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی دونوں ایک زمانے میں آئے ہوں، ضروری نہیں ہے۔

فائدہ: ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے چنانچہ مفعول معہ کی تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہے۔

ھو مذکور: بمنزلہ جنس ہے بعد الواو فصل اول ہے۔ جس نے تمام مفاعیل کو نکال دیا اس لئے کہ دیگر مفاعیل واو کے بعد نہیں آتے۔

لمصاحبة معمول فعل فصل ثانی ہے۔ جس نے زید و عمرو اخوک جیسی مثالوں کو خارج کر دیا اس لئے کہ اس میں عمرو اگرچہ واو بمعنی مع کے بعد واقع ہے لیکن فعل کے معمول کے ساتھ مصاحبت نہیں ہے۔

قاعدہ

فَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا ،وَجَازَ الْعَطْفُ فَالْوَجْهَانِ مِثْلُ جِئْتُ اَنَا وَزَيْدٌ وَزَيْدًا

ترجمہ: پس اگر فعل لفظی ہو اور عطف جائز ہو، تو وہاں دو صورتیں (رفع اور نصب) جائز ہیں۔ جیسے جئت انا و زید / و زیدا (میں آیا اور زید / میں آیا زید کے ساتھ)۔

مختصر تشریح

اگر فعل لفظی ہو اور واو کے مابعد کا اس کے ماقبل پر عطف جائز ہو تو مفعول معہ میں اعراب کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) عطف کر کے رفع پڑھنا۔ (۲) مفعول معہ بنا کر نصب پڑھنا

جیسے جئتُ انا و زیدٌ اور جئت انا و زیدا۔ اس جگہ عطف اس لئے جائز ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے آئی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مفعول معہ کا عامل فعل کبھی لفظوں میں موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا بلکہ معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوتا ہے ان دونوں کے احکام بیان کرنا ہے۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مفعول معہ کا فعل لفظی ہو اور عطف کرنا جائز ہو تو مفعول معہ پر اعراب کے اعتبار سے دو صورتیں جائز ہیں: (۱) مفعول معہ کو معطوف ہونے کی بنا پر رفع پڑھنا بھی درست ہے۔ (۲) مفعول معہ کی بنا پر منصوب پڑھنا بھی درست ہے جیسے جئت انا و زیدا۔

سوال: رفع پڑھنا کیوں جائز ہے؟

جواب: رفع پڑھنا عطف کی وجہ سے جائز ہے انا معطوف علیہ اور زید معطوف دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے انا مرفوع ہے تو زید بھی مرفوع ہوگا۔ جیسے جئت انا و زید۔

سوال: مذکورہ مثال میں عطف کرنا کیوں جائز ہے؟

جواب: مذکورہ مثال میں عطف اس لئے درست ہے کہ عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہو تو اس کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل لانا ضروری ہوتا ہے اور اس جگہ اس کی رعایت پائی جاتی ہے، اور تاکید کے لئے انا ضمیر ہے۔

سوال: عطف کی صورت مذکورہ میں تاکید کیوں ضروری ہے؟

جواب: عطف کی صورت مذکورہ میں تاکید اس لئے ضروری ہوتی ہے تاکہ کلمہ کے جز پر عطف لازم نہ آئے اس لئے کہ ضمیر مرفوع شدت اتصال کی وجہ سے کلمہ کے جز کے

درجہ میں ہے جو بحیثیت جز ناقص ہے جبکہ معطوف مستقل کلمہ ہونے کی وجہ سے تام اور معطوف علیہ سے افضل ہے اس لئے اس سے کمتر نہ ہونا چاہئے۔

سوال: مفعول معہ کی بنا پر نصب پڑھنا کیوں صحیح ہے؟

جواب: مفعول معہ کی بنا پر نصب پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ منصوب پڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

سوال: نصب پڑھنا جائز کیوں؟

جواب: نصب اس لئے کہ وہ مفعول معہ ہے اور یہ منصوب ہوتا ہے۔

وَإِلَّا تَعَيَّنَ النَّصْبُ مِثْلُ جِئْتُ وَزَيْدًا

ترجمہ: اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہے، جیسے جئت و زیدا (میں آیا زید کے ساتھ)۔

مختصر تشریح

اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب بر بنائے مفعولیت متعین ہوگا جیسے جئتُ و زیداً اس جگہ عطف جائز نہیں کیونکہ ضمیر متصل پر تاکید لائے بغیر عطف جائز نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اگر فعل لفظی ہو اور اس کے معمول پر مفعول معہ کا عطف درست نہ ہو تو نصب متعین ہے اس کو بیان کرنا ہے جیسے جئت و شاھدا۔

سوال: اس مثال میں عطف کیوں صحیح نہیں ہے؟

جواب: اس مثال میں عطف اس لئے صحیح نہیں کہ مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ نہیں لائی گئی، کیونکہ اگر عطف کریں گے تو دو شکلیں ہوگی (۱) جئت کی ت پر (۲) جئت پر۔ دونوں صورتیں صحیح نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ وسط کلمہ میں عطف کرنا لازم

آئے گا؛ کیونکہ جاءفعل اورت فاعل ہے اور فعل وفاعل کے مابین مضبوط تعلق ہوتا ہے اس لئے جئتُ بمنزلہ کلمہ واحدہ ہوگا۔

اور دوسری صورت اس لئے جائز نہیں ہے کہ اگر پورے کلمہ پر عطف کیا جائے تو غیر کلمہ پر عطف لازم آئے گا اس لئے کہ حقیقت میں جاء الگ ہے اورت فاعل الگ ہے۔

سوال: اگر عطف صحیح نہ ہوتو نصب متعین کیوں؟

جواب: اگر عطف صحیح نہ ہوتو نصب متعین اس لئے ہے کہ اب وہ مفعول معہ بنے گا جوکہ منصوب ہوتا ہے۔

سوال: فالو جھان جزا ہے جو مفرد ہے، جبکہ جزا کا جملہ ہونا ضروری ہے؟

جواب: اس جگہ خبر محذوف ہے اصل عبارت ہے فالو جھان جائزان پس کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

وَاِنْ كَانَ مَعْنًى وَجَازَ الْعَطْفُ تَعَيَّنَ الْعَطْفُ نَحْوُ مَالِزَيْدٍ وَعَمْرٍو

ترجمہ: اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہے۔ جیسے ما لزید وعمرو (کیا ہے زید اور عمرو کے لئے)۔

مختصر تشریح

اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہے جیسے مالزید وعمرو (زید اور عمرو کو ایک دوسرے سے کیا لینا دینا ہے)۔ اس جگہ فعل معنوی ہے اور عطف جائز ہے پس اسی کا اعتبار ہوگا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہوگا۔

سوال: اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مفعول معہ کا فعل معنوی ہو اور عطف کرنا جائز ہو تو اعراب کے اعتبار سے فقط ایک ہی صورت عطف متعین ہوگا (معطوف علیہ کا جو اعراب ہوگا وہ واو کے بعد والے اسم کا بھی ہوگا۔ جیسے مَالِزیدو عمرو میں فعل معنوی ہے اور عمرو کا عطف زید پر صحیح ہے اس لئے زید کی طرح عمرو بھی مجرور ہوگا۔

سوال: فعل معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: فعل معنوی وہ فعل ہے جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہو۔

سوال: مذکورہ مثال میں فعل معنوی کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: مذکورہ مثال میں فعل معنوی مایصنع ہے۔

سوال: عطف جائز کیوں؟

جواب: ان مثالوں میں مجرور ضمیر نہیں ہے کہ حرف جار کا اعادہ ضروری ہو بلکہ مجرور اسم ظاہر ہے لہذا اسم ظاہر میں جار کا اعادہ ضروری نہ ہوا۔

سوال: ضمیر مجرور میں جار کا اعادہ کیوں ضروری ہے؟

جواب: ضمیر مجرور میں جار کا اعادہ اس لئے ضروری ہے کہ اس میں اتصال ہی ہوتا ہے انفصال نہیں آتا، برخلاف اسم ظاہر کے۔

وَإِلَّا تَعَيَّنَ النَّصْبُ مِثْلُ مَالَكَ وَزَيْدًا وَمَاشَانُكَ وَعَمْرًوا لِأَنَّ الْمَعْنٰى مَاتَصْنَعُ؟

ترجمہ: اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہے، جیسے مالک وزیدا (کیا کرے گا تو زید کے ساتھ) ماشانک وعمروا (کیا کرے گا تو عمرو کے ساتھ) اس لئے کہ معنی ما تصنع ہے۔

مختصر تشریح

اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے **مالک و زیدا** اور **ما شانک وعمروا**۔ اول مثال مجرور بحرف کی ہے، دوسری مثال مجرور باضافت کی ہے اور دونوں صورتوں میں عطف جائز نہیں؛ کیونکہ ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر عطف جائز نہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے اگر فعل، معنوی ہو اور عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مفعول معہ کا فعل معنوی ہو اور عطف کرنا جائز نہ ہو تو اعراب کے اعتبار سے فقط ایک ہی صورت نصب متعین ہوگا۔ جیسے **مَالک وزیدا** و **ماشانکَ عمروا**۔

سوال: ان دو مثالوں میں عطف ناجائز کیوں ہے؟

جواب: ان دو مثالوں میں عطف ناجائز اس لئے ہے کہ **مالک و ماشانک** میں **ک** ضمیر مجرور ہے، پہلی مثال میں لام کی وجہ سے اور دوسری مثال میں مضاف کی وجہ سے اور ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادۂ جار جائز نہیں اور ان مثالوں میں **زید** پر لام کا اور **عمرو** پر **شان** کا اعادہ نہیں کیا گیا اس لئے عطف جائز نہیں ہے اور جب عطف جائز نہیں تو نصب متعین ہوا۔

سوال: دوسری مثال میں **عمرو** کا عطف کاف ضمیر پر نہیں کیا جا سکتا تو لفظ **شان** پر کر دیا جائے اور جس طرح **شان** پر رفع ہے **عمرو** پر بھی رفع پڑھا جائے۔

جواب: سوال میں بیان کردہ صورت میں مقصود کے خلاف لازم آئے گا اس لئے کہ مقصود تو مخاطب اور **عمرو** دونوں کے حال کے بارے میں سوال کرنا ہے کہ تمہارا اور **عمرو** کا کیا حال ہے اگر **شان** پر عطف کیا جائے تو اب سوال مخاطب کے حال اور **عمرو** کی ذات کے بارے میں ہوگا اور یہ خلاف مقصود ہے۔

سوال: مذکورہ دونوں مثالوں میں فعل معنوی کیا ہے؟

جواب: مذکورہ دونوں مثالوں میں فعل معنوی ماتصنع ہے۔

سوال: مصنفؒ نے فعل کو بیان کیا اور شبہ فعل کو کیوں چھوڑ دیا؟

جواب: عبارت میں فان کان الفعل سے فعل لغوی (حدث) مراد ہے خواہ فعل اصطلاحی کے ضمن میں ہو جیسے سرت انا و شاھدا یا شبہ فعل کے ضمن میں جیسے انا سائرا و شاھدا یا وہ خود مصدر ہو جیسے اعجبنی سیر زیدا و شاھدا۔

حال کا بیان

اَلْحَالُ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ بِهٖ لَفْظًا اَوْ مَعْنًی نَحْوُ ضَرَبْتُ زَیْدًا قَائِمًا وَزَیْدٌ فِی الدَّارِ قَائِمًا وَهٰذَا زَیْدٌ قَائِمًا

ترجمہ: ایسا لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، خواہ فاعل اور مفعول بہ لفظی ہو یا معنوی، جیسے ضربت زیدا قائما (میں نے زید کو مارا کھڑے ہونے کی حالت میں) زید فی الدار قائما (زید گھر میں ہے درآنحالیکہ کھڑا ہے) ھذا زید قائما (یہ زید ہے درآنحالیکہ کھڑا ہے)۔

مختصر تشریح

حال: وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول بہ (یا دونوں کی) حالت بیان کرے (جو صدور فعل یا وقوع فعل کے وقت ہوتی ہے) اور فاعل و مفعول بہ عام ہیں خواہ لفظی ہوں یا معنوی (لفظی: وہ ہے جو منطوق کلام سے سمجھا جائے اور معنوی وہ ہے جو لفظ کے علاوہ کسی اور امر سے سمجھا جائے)

مثالیں: (۱) ضربت زیدا قائما یہ فاعل لفظی دونوں سے حال واقع ہونے کی مثال ہے، پس اگر قائما ضمیر متکلم سے حال ہے تو ترجمہ ہوگا ”میں نے زید کو اپنے کھڑے

ہونے کی حالت میں مارا'' اور اگر زیدا سے حال ہو تو ترجمہ ہوگا ''میں نے زید کو اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں مارا''۔

(۲) زید فی الدار قائما یہ بھی فاعل لفظی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے، مگر یہ فاعل لفظی حقیقی نہیں بلکہ حکمی ہے، کیونکہ قائما اس ضمیر سے حال ہے جو فی الدار میں ہے، ترجمہ ہے ''زید گھر میں (ٹھہرا ہوا) ہے اپنے کھڑے ہونے کی حالت میں'' زید استقر فی الدار قائما پس قائما استقر کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

(۳) ھذا زید قائما مفعول بہ معنوی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے۔ تقدیر کلام ہے اشیر الی زید حال کونہ قائما ''اشارہ کرتا ہوں میں زید کی طرف درآنحالیکہ وہ کھڑا ہے'' الی زید مفعول بہ معنوی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد مفاعل خمسہ سے فارغ ہو کر ملحقات منصوبات میں سے حال کی تعریف بیان کرنا ہے۔

سوال: حال کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہے؟

جواب: حال کے لغوی معنی تغیر و تبدل کے آتے ہیں۔ اور اصطلاح میں حال وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول کی یا دونوں کی ایک ساتھ حالت بیان کرے۔

(۱) وہ حال جو فاعل کی حالت کو بیان کرے جیسے جاءنی شاھد راکبا۔

(۲) وہ حال جو مفعول کی حالت کو بیان کرے جیسے ضربت شاھدا نائما۔

(۳) دونوں کی حالت کو بیان کرے جیسے کلمت شاھدا قائمین۔

فائدہ: ہر تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے چنانچہ حال کی تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے۔

فوائد قیود: (۱) ما جنس ہے اس میں تمام اسماء شامل تھے ھیئۃ الفاعل کی قید سے تمیز کو خارج کر دیا اس لئے کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے اور حال ہیئت سے ابہام کو دور کرنے کے لئے آتا ہے۔

(۲) ہیئت کی فاعل اور مفعول کی طرف اضافت سے مبتدا کی صفت کو خارج کر دیا جیسے زیدنِ العالم اخوک پس اس مثال میں العالم زید کی ہیئت کو بیان تو کرتا ہے لیکن زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ۔

(۳) اور حیثیت کی قید لگا کر فاعل اور مفعول بہ کی صفت کو خارج کر دیا اس لئے کہ وہ فاعل اور مفعول بہ کی حالت کو بتاتی ہے لیکن وہ فاعل اور مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے نہیں جیسے جاءنی رجل عالم اور رایت رجلا عالما۔

سوال: حال کی تعریف جامع نہیں، کیونکہ ضرب زید بکرا راکبین میں حال پر صادق نہیں آتی کیونکہ یہ تو دونوں کی حالت بیان کرتا ہے؟

جواب: حال کی تعریف میں کلمہ (او) منع خلو کے لئے ہے (دونوں اٹھ نہیں سکتے) نہ کہ منع جمع (دونوں جمع نہیں ہو سکتے) کم از کم ایک کی حالت بیان حال کے لئے شرط ہے اگر دونوں کی حالت بیان کرے تو یہ حال کے منافی نہیں۔

سوال: فاعل ومفعول بہ صرف الفاظ کی شکل میں ہوتے ہیں اس لئے مصنفؒ کا قول لفظاً اور معنیً غلط ہے؟

جواب: فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت کبھی لفظ کلام کے اعتبار سے ہوتی ہے جسے جاءنی رجل عالما اور رأیت زیدا راکبا اور کبھی کلام کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے ھذا زید قائما۔

سوال: فاعل ومفعول بہ لفظاً کسے کہتے ہیں؟

جواب: فاعل لفظی اور مفعول بہ لفظی ایسے فاعل اور مفعول بہ کو کہتے ہیں جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت بغیر کسی خارجی معنی کا اعتبار کئے ہوئے باعتبار لفظ کے ہو۔

فائدہ: ملفوظ اعم ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔

سوال: فاعل معنوی اور مفعول بہ معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: فاعل معنوی اور مفعول بہ معنوی کہتے ہیں ایسے فاعل اور مفعول بہ کو جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کی عبارت میں بغیر کسی تقدیر و تصریح کے اس معنی کے اعتبار سے ہو جو کلام کے مضمون سے مستفاد ہوتی ہے۔

سوال: حکماً اور معنوی دونوں کے مابین کیا فرق ہے؟

جواب: حکمی مقدر ہوتا ہے جو مذکور کے حکم میں ہوتا ہے اور معنوی میں امر خارج کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

مثالیں (۱) ضربت زیدا قائماً فاعل لفظی اور مفعول لفظی دونوں سے حال واقع ہونے کی مثال ہے پس اگر قائما ضمیر متکلم سے حال ہے تو ترجمہ ہوگا (میں نے زید کو اپنے کھڑے ہونے کی حالت میں مارا) اور اگر زیدا سے حال ہو تو ترجمہ ہوگا (میں نے زید کو اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں مارا)۔

(۲) زیدفی الدار قائما بھی فاعل لفظی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے مگر یہ فاعل لفظی حقیقی نہیں بلکہ حکمی ہے کیونکہ قائمااس ضمیر سے حال ہے جو فی الدار میں ہے ترجمہ (زید گھر میں ٹھہرا ہوا ہے) اپنے کھڑے ہونے کی حالت میں زیداستقر فی الدار قائما پس قائما، استقتر کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

(۳) ھذا زید قائم یہ مفعول بہ معنوی سے حال ہونے کی مثال ہے تقدیر کلام ہے اشیر یاانبہ الی زیدحال کونہ قائما (اشارہ کرتا ہوں میں زید کی طرف اس حال میں کہ وہ کھڑا ہے) الی زید مفعول بہ معنوی ہے۔

فائدہ: کبھی کبھی مضاف الیہ سے حال واقع ہوتا ہے۔ جبکہ مضاف فاعل یا مفعول ہو نیز مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر سکتے ہو۔ جیسے بل نتبع ملة ابراھیم حنیفا۔

محل استشہاد: ملة ابراهيم میں ملة مضاف اور ابراهيم مضاف اليه حنيفا حال واقع ہے ملة کو حذف کر کے اور ابراهيم کو ملة کی جگہ رکھ دیں تو حنيفا، ابراهيم مضاف اليه سے حال واقع ہوگا۔

دوسری مثال: ان يأكل لحم اخيه ميتا فكرهتموه اس مثال میں ميتا حال ہے اخيه سے، اخيه، لحم کا مضاف الیہ ہے، لحم، يأكل کا مفعول بہ ہے لحم کو حذف کر کے کہہ سکتے ہیں ان يأكل اخيه ميتا تو یہ مضاف الیہ سے حال واقع ہوگا۔

(۲) مضاف اگر فاعل ہو اور وہ مضاف الیہ کا جز ہو ایسے مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہوسکتا ہے جیسے اَنَّ دابر هؤلاء مقطوع مصبحين اس مثال میں دابر مضاف ہے هؤلاء مضاف الیہ اور دابر مضاف الیہ کا جز ہے هؤلاء سے مصبحين کا حال واقع کرنا درست ہے۔

وَعَامِلُهَا اَلْفِعْلُ اَوْشِبْهُهُ اَوْمَعْنَاهُ

ترجمہ: اور حال کا عامل یا تو فعل ہوتا ہے، یا شبہ فعل، یا معنی فعل۔

مختصر تشریح

(۱) حال منصوب ہوتا ہے اور اس کا عامل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوتے ہیں، اور معنی فعل سے مراد وہ اسم ہے جس میں فعل کے معنی پائے جائیں، جیسے هذا میں اشير کے معنی پائے جاتے ہیں، فعل کے عامل ہونے کی مثال: جاء زيد راكبا شبہ فعل کے عامل ہونے مثال: زيد فى الدار قائما (تقدیری عبارت ہے زيد مستقر فى الدار قائما) معنی فعل کے عامل ہونے کی مثال: هذا زيد نائما اى اشير الى زيد نائما۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ حال کا عامل کبھی فعل، کبھی شبہ فعل اور کبھی معنی فعل ہوتا ہے۔

سوال: فعل، شبہ فعل، معنیٰ فعل کسے کہتے ہیں؟

جواب: فعل کہتے ہیں جو مستقل معنیٰ پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی پایا جاتا ہو۔ اور شبہ فعل اس اسم کو کہتے ہیں جو فعل جیسا عمل کرے اور فعل کی ترکیب سے ہو۔ اور معنیٰ فعل وہ لفظ ہے جس سے فعل کے معنی مستنبط ہو۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ حال کے تین عامل ہیں: (۱) فعل: جیسے ذھب زید راکبا اس مثال میں راکبا حال ہے اور زید فاعل ہے اور ذھب عامل ہے۔

عامل فعل کی دو شکلیں ہیں: (الف) حال کا عامل کبھی فعل حقیقی ہوتا ہے جیسے جاء زید راکبا میں جاء فعل حقیقی ہے۔ (ب) حال کا عامل کبھی فعل حکمی ہوتا ہے جیسے زید فی الدار قائما میں استقر محذوف ہے۔

(۲) شبہ فعل: جو فعل جیسا عمل کرے۔ اس کی دو شکلیں ہیں: (الف) شبہ فعل حقیقی ہو جیسے زید ذاهب راکبا۔ (ب) شبہ فعل حکمی ہو جیسے زید فی الدار میں عامل مستقر یا ثابت ہے جو فی الدار سے پہلے ہے۔

شبہ فعل سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مصدر ہے۔

(۱) اسم فاعل کی مثال زید ذاهب راکبا۔ (۲) اسم مفعول کی مثال جیسے زید مضروب قائما۔ (۳) صفت مشبہ کی مثال جیسے زید حسن ضاحک۔ (۴) اسم تفضیل کی مثال جیسے هذا بسرا اطیب منه رطبا۔ (۵) مصدر کی مثال جیسے ضربی زید قائما۔

(۳) معنیٰ فعل: وہ لفظ جس سے فعل کے معنی مستنبط ہو۔ معنیٰ فعل سے مراد اسم اشارہ، حرف ندا، تمنی، ترجی اور تشبیہ ہے۔

اسم شارہ کی مثال جیسے هذا زید قائما۔ حرف ندا کی مثال جیسے یازید، یا، ادعو فعل کے معنی میں ہے۔ تمنی کی مثال جیسے لیتک عندنا مقیما، لیت، أتمنی کے معنی میں ہے۔ ترجی کی مثال جیسے لعله فی الدار، لعل، أترجی کے معنی میں ہے۔ تشبیہ کی مثال جیسے کانه فرس صاهلا، کَاَنَّ، اُشَبِّهُ کے معنی میں ہے۔

شَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ نَكِرَةً، وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةً غَالِبًا

ترجمہ: حال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ اور ذوالحال اکثر معرفہ ہو۔

مختصر تشریح

(۲) حال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو (اور وہ اکثر مفرد ہوتا ہے) اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے جیسے جاءزیدراکبا۔ زید ذوالحال معرفہ ہے اور حال راکبا نکرہ مفرد ہے۔

فائدہ: شرطھا میں ضمیر مؤنث حال کی طرف لوٹتی ہے جو مؤنث سماعی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد حال کی شرط کو بیان کرنا ہے۔ اور حال کی شرط اس کا نکرہ ہونا ہے۔

سوال: یہ شرط کس کے نزدیک ہے؟

جواب: حال کا نکرہ ہونا بصریین کے نزدیک شرط ہے۔

سوال: حال کے لئے نکرہ ہونا شرط کیوں ہے؟

جواب: (۱) حال کے لئے نکرہ ہونا شرط اس لئے ہے تا کہ نصب کی حالت میں صفت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے۔

(۲) نکرہ اصل ہے اس کے ذریعہ غرض حاصل ہوتی ہے اس لئے اگر معرفہ ہونے کی شرط لگائیں گے تو غرض سے ایک زائد معنی لازم آئے گا۔

(۳) حال بمنزلہ خبر کے ہے جس طرح خبر نکرہ ہوتی ہے اسی طرح حال بھی نکرہ ہوگا۔

سوال: ذوالحال کی شرط کیا ہے؟

جواب: ذوالحال کی شرط اس کا اکثر معرفہ ہونا ہے۔

سوال: ذوالحال کا معرفہ ہونا کیوں شرط ہے؟

جواب: ذوالحال بمنزلۂ مبتدا کے ہے اور مبتدا معرفہ ہوتا ہے۔

سوال: شرط کا تقاضہ یہ ہے کہ خلاف جائز نہ ہو اور غالباً کا تقاضہ یہ ہے کہ خلاف بھی جائز ہے لہذا دونوں میں منافات ہے لہذا مصنف کا قول و شرطھا ان تکون و صاحبھا معرفۃ غالبا صحیح نہیں ہے؟

جواب: (ا) عبارت میں اگر غالبا کو صاحبھا معرفہ کی قید مانے تو بے شک منافات ہے اس لئے کہ معنی ہوگا کہ ذوالحال کا اکثر معرفہ ہونا شرط ہے حالانکہ جو چیز اکثر ہوتی ہے وہ شرط نہیں ہوتی لیکن اگر غالبا کو شرطھا کی قید مانیں تو منافات نہیں ہے اس لئے کہ اب معنی ہوگا اکثر استعمال میں شرط ہے ذوالحال کا معرفہ ہونا نہ کہ ہر استعمال میں۔

جواب: (۲) بعض علماء کے نزدیک شرطھا ان تکو ن نکرۃ جملہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ ہے اور صاحبھا معرفۃ غالبا جملہ ہوکر معطوف ہے اس صورت میں ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط نہیں ہوگا اس لئے کہ معطوف علیہ اور معطوف کی ذات علحدہ ہے، لہذا شرط کا تعلق فقط حال کے ساتھ ہوگا نہ کہ ذوالحال کے ساتھ، یہ جواب زیادہ بہتر ہے کیونکہ تکلف سے پاک ہے

فائدۂ مفیدہ: اکثر مرتبہ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے البتہ پانچ مواقع ہیں جہاں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے اور اس کو معرفہ کے حکم میں کرلیا جاتا ہے۔

(ا) ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو جیسے رجل من بنی تمیم فارسا۔

(۲) ذوالحال نکرہ ہو اور اس میں ایسی تخصیص کردی جائے کہ معرفہ کی ضرورت باقی نہ رہے جیسے فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا۔

(۳) ذوالحال نکرہ ہو اور استفہام کے تحت واقع ہو جیسے ھل اتٰک رجل راکبا۔

(۴) ذوالحال نکرہ معینہ ہو اور حال الا کے بعد نفی کے معنی کو ختم کرنے کے لئے ہو جیسے ما جاءنی رجل الا راکبا اس مثال میں رجل ذوالحال ہے نکرہ معینہ ہے اور الا کے بعد واقع ہے نفی کو ختم کرنے کے لئے اور الا اور ما حصر کے لئے لائے تو معرفہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵)حال ذوالحال پر مقدم ہوجائے جیسے ما جاءنی راکبا رجل راکبا حال اور رجل ذوالحال لیکن تقدیم کی وجہ سے تخصیص ہوگی کیونکہ تقدیم ماحقہ التاخیر تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔

فائدہ

وَاَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَمَرَرْتُ بِهٖ وَحْدَهٗ وَنَحْوُهٗ مُتَاَوَّلٌ

ترجمہ: اور ارسلها العراک (اس نے جنگلی گدھیوں کو اکٹھا کر کے بھیجا) مررت به وحده (میں گزرا تنہا اس کے پاس سے) اور ان کے نظائر میں تاویل کی گئی ہے۔

مختصر تشریح

یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ نے ابھی کہا کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے، حالانکہ محاورات میں حال معرفہ بھی آیا ہے جیسے ارسلها العراک میں العراک حال ہے حالانکہ وہ معرفہ ہے۔ اسی طرح مررت به وحده (میں اس کے پاس سے گزرا درآنحالیکہ وہ تنہا تھا) اس میں وحدہ حال ہے حالانکہ وہ مرکب اضافی ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے۔

جواب: یہ سب حال بتاویل مفرد ہیں، ان کے معانی (۱) معترکا (۲) منفردا (۳) مجتهدا ہیں۔

پہلی مثال کی وضاحت: ارسلها العراک لبید شاعر کے شعر کا ایک ٹکڑا ہے ارسل کا فاعل گورخر ہے اور ضمیر مؤنث کا مرجع اس کی مادینین ہیں، لبید نے یہ منظر دیکھا کہ ایک گورخر اپنی مادینوں کے ساتھ چشمہ پر آیا، مادینوں کو پانی پینے کے لئے چھوڑ دیا اور خود ان کی نگہبانی کے لئے ایک طرف کھڑا ہوگیا تا کہ کوئی شکاری ان کا شکار نہ کرے۔ لبید نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

ارسلها العراک ولم یذدها		ولم یشفق علی نغص الدخال

ترجمہ: گورخر نے اپنی مادینوں کو پانی پر ہجوم کرتے ہوئے چھوڑ دیا، اور ان کو (جمع ہونے سے) ہٹایا نہیں، اور نہ اس کا خوف کیا کہ وہ جمع ہونے کی حالت میں پوری طرح سیراب نہ ہوسکیں گی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔اور وہ اعتراض یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے ماقبل میں قانون بیان کیا حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے حالانکہ وارسلھا العراک میں العراک اور مررت وحدہ میں وحدہ حال ہے اس کے باوجود وہ معرفہ ہے؟

جواب: یہ دونوں مؤول ہیں۔(۱)العراک: مفعول مطلق ہے اس لئے کہ فعل محذوف تعترک کا مصدر ہے، فعل محذوف تعترک اور العراک سے مل کر جملہ فعلیہ کی شکل میں ہوکر حال واقع ہوااور جملہ بمنزلہ نکرہ ہوتا ہے اور حال بھی نکرہ ہوتا ہے۔

وحدہ: مفعول مطلق ہے اس لئے کہ فعل محذوف ینفرد کا مصدر ہے، فعل محذوف ینفرد اور وحدہ سے مل کر جملہ فعلیہ کی شکل میں ہوکر حال واقع ہوااور جملہ بمنزلہ نکرہ ہوتا ہے اور حال بھی نکرہ ہوتا ہے۔

(۲)العراک اور وحدہ ظاہر میں معرفہ کی صورت میں ہے لیکن حقیقت میں نکرہ ہیں اس لئے کہ العراک میں الف لام زائدہ ہے اور جب الف لام زئدہ ہے تو وہ نکرہ ہو گیا۔

اور وحدہ میں اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظیہ تعریف وتخصیص کا فائدہ نہیں دیتی اور جب اضافت لفظیہ تعریف وتخصیص کا فائدہ نہیں دیا تو گویا وہ بمنزلۂ نکرہ ہوا۔اب عبارت تقدیراً وارسلھا معترکۃ ومررت بہ منفردا ہوگی۔

فائدہ: وارسلھا العراک لبید شاعر کے شعر کا ایک ٹکڑا ہے، لبید بن ربیعہؓ کسی پہاڑ کی طرف گئے تھے وہاں یہ منظر انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے جہاں کچھ گدھیاں ایک ساتھ پانی پینے کے لئے پہنچیں ہیں اور گورخر بلند مقام پر کھڑا ان کو دیکھ رہا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان گدھیوں کی حفاظت کے لئے کھڑا ہے کہ اگر شکاری کا

کھٹکا ہو تو یہ ان کو آگاہ کردے اس عجیب منظر کو دیکھ کر لبید بن ربیعہؓ نے یہ شعر فرمائے۔

وارسلها العراک ولم یذدها ولم یشفق علی نغص الدخال

ترجمہ: گورخر نے اپنی مادینوں کو پانی پر ہجوم کرتے ہوئے چھوڑ دیا ہے اور ان کو (جمع ہونے سے) پہلے ہٹایا نہیں اور نہ اسکا خوف کیا کہ وہ جمع ہونے کی حالت میں پوری طرح سیراب نہ ہوسکے گی۔

لغات: **العراک** پانی پر اونٹوں کا ہجوم کرنے کو کہتے ہیں اور **دابلہ العراک** (وہ اپنے اونٹوں کو اکھٹا کر کے پانی پر لایا) **ذاد یذود ذودا** (ہٹانا دفع کرنا) **اشفق اشفاقا** ڈرنا **نغص الشارب** پینے والے کا شکم سیر ہو کر نہ پی سکنا، پیاسا رہ جانا۔

الدِّخال فی الوِرْد: اونٹوں کو گھانٹ پر پانی پلانے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اونٹ پانی پی چکا ہے اسے مزید سیراب کرنے کے لئے ایسے دو اونٹوں کے درمیان کھڑا کرتے ہیں جو پہلی مرتبہ پی رہے ہیں کہتے ہیں **ھو سقی ابلہ دخالا** اس طریقے سے سیراب کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ یہ سیراب ہوا اونٹ دائیں بائیں والے اونٹوں کو دیکھا دیکھی اور پیئے گا تو مزید سیراب ہوگا اور اس طریقہ میں نقصان یہ ہے کہ بھیڑ میں پینا چاہے گا تو بھی نہیں پی سکے گا یہ **نغص الدخال** ہے۔

قاعدہ

فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا نَكِرَةً وَجَبَ تَقْدِيمُهَا

ترجمہ: پس اگر ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو (ذوالحال پر) مقدم کرنا واجب ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: ذوالحال کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے، اگر ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ اس میں تخصیص پیدا ہو اور صفت سے اشتباہ ختم ہو، جیسے **لقیت فاضلا**

رجلا ملاقات کی میں نے ایک شخص سے اس کے فاضل ہونے کی حالت میں اس میں فاضلا اگر ذوالحال سے مؤخر ہوگا تو ممکن ہے اس کو کوئی صفت سمجھ لے اور یہ ترجمہ کرے "میں نے فاضل آدمی سے ملاقات کی" حالانکہ یہ مقصود نہیں، اس لئے تقدیم ضروری ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ اگر ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے لقیت فاضلا رجلا اس میں رجلاً ذوالحال نکرہ ہے اور فاضلا حال ہے اس لئے حال فاضلا کو رجلاً ذوالحال نکرہ پر مقدم کیا۔

سوال: ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرنا واجب کیوں ہے؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں (۱) اعتراض کو دفع کرنا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے: جیسے لقیت فاضلا رجلا (میں نے ملاقات کی ایک شخص سے اس کے فاضل ہونے کی حالت میں اس میں فاضلا حال ہے اور رجلا ذوالحال ہے جو نکرہ ہے حالانکہ ماقبل میں قانون بیان کیا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے اس وجہ سے حال کو ذوالحال پر مقدم کیا تاکہ ذوالحال میں ایک قسم کی تخصیص پیدا ہو جائے۔

(۲) حالت نصبی میں صفت سے اشتباہ کو ختم کرنا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے: جیسے لقیت فاضلا رجلا (میں نے ملاقات کی ایک شخص سے اس کے فاضل ہونے کی حالت میں اس میں فاضلا حال ہے اور رجلا ذوالحال ہے؛ اگر ذوالحال رجلا سے فاضلا حال مؤخر ہوگا تو ممکن ہے کہ کوئی نادان فاضلا کو صفت سمجھ کر موصوف صفت کا ترجمہ کرے (میں نے فاضل آدمی سے ملاقات کی) حالانکہ متکلم کا مقصد یہ نہیں ہے، اس لئے تقدیم ضروری ہے۔

سوال: وہ اشتباہ کیسے دفع ہوا؟

جواب: وہ اشتباہ اس طرح دفع ہوا کہ صفت بحیثیت صفت، موصوف پر مقدم

نہیں ہوتی اور اس جگہ فاضلاً مقدم ہے جیسے لقیت فاضلاً رجلاً میں رجلاً ذوالحال ہے اور فاضلاً حال ہے اور ذوالحال نکرہ ہے تو ذوالحال کو مؤخر کر کے حال کو مقدم کر دیا۔

سوال: کیا اس کی کوئی مثال قرآن مجید میں ہے؟

جواب: ہاں! قرآن مجید میں ہے ولم یکن له کفوا احد اس مثال میں احد ذوالحال ہے اور کفوا حال ہے ذوالحال نکرہ ہے تو ذوالحال کو مؤخر کر کے حال کو مقدم کر دیا۔ گویا تقدیم وتاخیر کی وجہ سے صفت کا جو شبہ تھا وہ ختم ہو گیا۔

سوال: مصنف کا قول ذوالحال نکرہ ہو تو اس پر حال کو مقدم کرنا واجب ہے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جاءنی رجل راکبا میں ذوالحال رجل ہے جو نکرہ ہے لیکن حال مؤخر ہے اسی طرح جاءنی غلام رجل راکبا میں ذوالحال غلام رجل ہے جو نکرہ ہے کیونکہ نکرہ کی طرف جو مضاف ہو وہ نکرہ ہی ہوتا ہے اس کے باوجود حال مؤخر ہے؟

جواب: مصنف کے قول میں نکرہ سے مراد نکرہ محضہ ہے اور مذکورہ مثالوں میں ذوالحال نکرہ محضہ نہیں ہے بلکہ پہلی مثال میں نکرہ صفت کے ساتھ اور دوسری مثال میں نکرہ اضافت کے ساتھ ہے جس کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے لہذا التقدیم وتاخیر کی ضرورت نہیں ہوگی۔

سوال: ہم ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں ذوالحال نکرہ محضہ ہے اس کے باوجود حال کو اس پر مقدم نہیں کیا؟ اور وہ مثال یہ ہے جاءنی رجل وزید راکبین میں ذوالحال رجل ہے جو نکرہ محضہ ہے اور راکبین حال ہے اس کے باوجود حال مؤخر ہے؟

جواب: قاعدہ میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ حال صرف نکرہ محضہ ہی کا ہو، حال نکرہ محضہ اور معرفہ کے درمیان مشترک نہ ہو مثال مذکور میں راکبین حال ہے جو رجل اور زید کے درمیان مشترک ہے۔

سوال: ہم ایک چند مثالیں ایسی پیش کرتے ہیں جن میں ذوالحال نکرہ محضہ ہے اس کے باوجود حال کو اس پر مقدم نہیں کیا گیا؟

(۱) جاءنی سارق بقرة مذبوحةً میں ذوالحال بقرة ہے جونکرہ محضہ ہے اور مذبوحةً حال ہے اس کے باوجود مذبوحةً حال مؤخر ہے؟

(۲) مررت برجل قاعدا میں ذوالحال رجل ہے جونکرہ محضہ ہے اور قاعدا حال ہے اس کے باوجود قاعدا حال مؤخر ہے؟

جواب: مصنفؒ کے نزدیک حال کی تقدیم کے لئے ایک شرط اور ہے کہ ذوالحال مجرور نہ ہو مطلقاً (نہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہو اور نہ حروف جارہ کی وجہ سے)۔

چنانچہ مثال اول میں بقرة ذوالحال اضافت کی وجہ سے مجرور ہے لہذا حال مذبوحة کی تقدیم ذوالحال بقرة پر نہیں ہوگی۔ اور مثال ثانی میں رجل ذوالحال حرف جر ب کی وجہ سے مجرور ہے لہذا حال قاعداً کی تقدیم ذوالحال رجل پر نہیں ہوگی۔

قاعدہ

وَلَايَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ۔

ترجمہ: اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا۔

مختصر تشریح

قاعدہ: حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا، کیونکہ عامل معنوی ضعیف عامل ہے، وہ ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جب کسی حال کا عامل، عامل معنوی ہو تو وہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا۔

سوال: حال کا عامل، عامل معنوی ہو تو وہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم کیوں

نہیں ہوسکتا؟

جواب: حال کا عامل، عامل معنوی ہوتو وہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم اس لئے نہیں ہوسکتا کہ عامل معنوی ضعیف العمل ہے، ترتیب کی صورت میں عمل کرے گا؛ لیکن خلاف ترتیب کی صورت میں عمل نہیں کرے گا۔

سوال: ہم ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں حال، عامل معنوی پر مقدم ہوا اور وہ مثال یہ ہے زید قائما کعمرو قاعدا جس کی تفصیل یہ ہے: ک عامل معنوی ہے اور قائماً ک عامل معنوی سے مقدم ہے۔

جواب: جب دو حال دو ذوالحال سے مختلف اعتبار سے واقع ہوں تو دونوں حالوں کا اپنے ذوالحال سے متصل ہونا ضروری ہے اگرچہ حال کو اپنے عامل معنوی پر مقدم ہونا پڑے جیسے زید قائما کعمرو قاعدا میں دو ذوالحال ہیں (۱) زیدٌ (۲) عمروٌ۔ اور دو حال ہیں (۱) قائماً (۲) قاعداً۔ کیونکہ قائما کا ذوالحال زید ہے اور حال کا اپنے ذوالحال سے متصل ہونا ضروری ہے اس لئے قائما کو ک عامل معنوی پر مقدم کیا۔

بِخِلَافِ الظَّرْفِ

ترجمہ: برخلاف ظرف کے۔

مختصر تشریح

ہاں! ذوالحال ظرف ہوتو مقدم ہوسکتا ہے، کیونکہ ظرف میں وسعت ہے، جیسے زید قائما فی الدار اس میں قائما حال ہے فی الدار کی ضمیر سے ای زید قائما استقر / مستقر فی الدار۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ حال اگرچہ عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا لیکن ذوالحال اگر ظرف ہوتو حال اس پر مقدم ہوسکتا ہے۔

سوال: ذوالحال اگر ظرف ہوتو حال اس پر مقدم کیوں ہوسکتا ہے؟

جواب: ذوالحال اگر ظرف ہوتو حال اس پر مقدم اس لئے ہوسکتا ہے کہ ظرف میں وسعت اور گنجائش ہوتی ہے۔

سوال: ظرف میں وسعت کیوں ہوتی ہے؟

جواب: ظرف میں وسعت اس لئے ہوتی ہے کہ اس کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔

فائدہ: بخلاف الظرف میں دو احتمال ہیں۔

احتمال: (۱) عامل معنوی ظرف کے خلاف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حال عامل معنوی پر بالاتفاق مقدم نہیں ہوتا البتہ حال کے ظرف پر مقدم ہونے میں اختلاف ہے۔

سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حال کو ظرف پر بھی مقدم کرنا مطلقا جائز نہیں۔

اخفش کا مذہب یہ ہے کہ حال کو ظرف پر مقدم کرنا جائز ہے بشرطیکہ حال پر مقدم ہو جیسے زید قائما فی الدار۔

احتمال: (۲) حال ظرف کے خلاف ہے۔ حال عامل معنوی پر کبھی بھی مقدم نہیں ہوتا جیسے ھذا زید قائمامیں قائما حال واقع ہے اور اس کا عامل، عامل معنوی ہے جو ھذا اسم اشارہ سے مستفاد ہوتا ہے اور وہ اُشیرُ ہے حال قائما کو عامل معنوی اُشیر پر جو ھذا اسم اشارہ سے مستفاد ہوتا ہے مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ ظرف اپنے عامل معنوی پر کبھی مقدم ہوتا ہے اور کبھی مقدم نہیں ہوتا۔ مقدم ہو جیسے فی الحرب نعامۃ۔ میں فی الحرب ظرف ہے، جس کا عامل معنوی جُبان ہے اس لئے کہ عامل معنوی کہا جاتا ہے جو لفظ سے مستفاد ہو اور اس جگہ جُبان (بزدلی) نعامۃ سے مستفاد ہے کیونکہ نعامۃ (ایک پرندہ ہے جو بزدل ہوتا ہے جس کو گجراتی میں شاہ مرغ کہا جاتا ہے)

12

بزدل ہوتا ہے۔اس جگہ في الحرب ظرف اپنے عامل معنوی جبان جو نعامة سے مستفاد ہے مقدم ہے۔

مقدم نہ ہو جیسے اسد علي۔ اس مثال میں علي ظرف ہے جس کا عامل معنوی شجاع ہے جو اسد سے مستفاد ہے کیونکہ اسد میں شجاعت ہوتی ہے اس جگہ علي ظرف اپنے عامل معنوی شجاع جو اسد سے مستفاد ہے مقدم نہیں ہے۔

وَلاَ عَلَى الْمَجْرُوْرِ عَلَى الْاَصَحِّ

ترجمہ: اور نہ مجرور پر اصح قول کے مطابق

مختصر تشریح

اسی طرح اگر ذوالحال مجرور ہو تو بھی اصح قول کے مطابق حال کی تقدیم جائز نہیں، مجرور بالاضافہ میں تو عدم جواز متفق علیہ ہے پس جاءتني مجردا عن الثياب ضاربة زيد (زید کو مارنے والی میرے پاس کپڑوں سے ننگی آئی) کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں مجردا عن الثياب حال ہے اور ضاربة زيد (مرکب اضافی) ذوالحال ہے، پس یہ تقدیم بالاتفاق جائز نہیں، اور جار مجرور پر حال کی تقدیم کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے، سیبویہ کے نزدیک جائز نہیں، مصنفؒ نے اسی کو اصح مذہب قرار دیا ہے، اور بعض کے نزدیک جائز ہے جیسے وما ارسلناک الا كافة للناس میں كافة: للناس سے حال ہے اور مقدم ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا اسی طرح حال، ذوالحال مجرور پر بھی مقدم نہیں ہوسکتا چاہے ذوالحال کا مجرور ہونا اضافت کی وجہ سے ہو یا حرف جر کی وجہ سے ہو۔

سوال: اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہے؟

جواب: ہاں! اس میں تفصیل ہے، اگر ذوالحال اضافت کی وجہ سے مجرور ہو تو بالاتفاق حال ذوالحال پر مقدم نہیں ہوگا جیسے جاء تنی مجردا عن الثیاب ضاربة زید یہ ترکیب درست نہیں ہے اس لئے کہ مجردا عن الثیاب جو حال ہے وہ ذوالحال زید جو (ضاربة) اضافت کی وجہ سے مجرور ہے مقدم ہے اس لئے جائز نہیں۔

اورگر ذوالحال مجرور ہو حرف جر کی وجہ سے تو اس میں دو مذہب ہیں۔

(۱) مذہب اصح (۲) مذہب غیر اصح۔

(۱) مذہب اصح یہ جمہور کا مذہب ہے کہ حال کی تقدیم ذوالحال مجرور بحرف الجر پر درست نہیں ہے کیونکہ جب مجرور کی تقدیم حرف جر پر ناممکن ہے تو مجرور کے متعلقات (حال) پر بھی بطریق اولی مقدم نہیں ہوگا۔

(۲) مذہب غیر اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم مجرور بحرف الجر پر جائز ہے اس لئے کہ حرف جر فعل لازم کو متعدی بنایا کرتا ہے گویا وہ فعل کے حروف کا جز ہوگیا اور حال کی تقدیم فعل پر درست ہے لہذا حال کی تقدیم ذوالحال مجرور بحرف الجر پر بھی جائز ہوگی۔

مذہب غیر اصح کا استدلال:

مذہب غیر اصح والوں نے استدلال کیا ہے قرآن کریم کی اس آیت وما ارسلناک الا کافة للناس سے، جس میں کافة، مجرور للناس سے حال واقع ہے اس کے باجود حال کافةً کو للناس ذوالحال مجرور پر مقدم کیا گیا۔

مذہب غیر اصح والوں کا استدلال کا جواب جمہور کی طرف سے۔

جمہور کی طرف سے اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں۔

(۱) کافة حال نہیں ہے بلکہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل میں عبارت ہے وما ارسلناک الا رسالة کافة للناس تو یہاں رسالة موصوف کی صفت ہے حال واقع نہیں ہے۔

(۲) کافة فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے حال نہیں ہے اصل میں عبارت ہے وما

ارسلناک الا ان تکفی کافۃ للناس لہذا استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

بعض حضرات نے ایک تیسرا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں کافۃً، ارسلنا کا مفعول بہ ہے اور کافّۃً اصل میں کافٍ جو بروزن رامٍ ہے جس میں ضمیر ذوالحال ہے اور ۃ مبالغہ کی ہے تانیث کی نہیں ہے جیسے علامۃ میں تا، تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے۔ اور الناس جو حرف جر لام کا مدخول ہے وہ ارسلنا کا مفعول بہ نہیں ہے۔

اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ آپ لوگوں کو بہت زیادہ روکنے والے ہیں شرک وکفر اور معاصی سے''۔

سوال: اگر ذوالحال اضافت کی وجہ سے مجرور ہو تو بالاتفاق حال ذوالحال پر مقدم کیوں نہیں ہوگا؟

جواب: (۱) اگر ذوالحال اضافت کی وجہ سے مجرور ہو تو بالاتفاق حال ذوالحال پر مقدم نہیں ہوگا اس لئے کہ حال ذوالحال کی فرع ہے اور اس جگہ ذوالحال مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی تقدیم مضاف پر ناممکن ہے تو مضاف الیہ کے متعلقات (حال) کی تقدیم بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگی۔

(۲) اگر ذوالحال اضافت کی وجہ سے مجرور ہو تو بالاتفاق حال ذوالحال پر مقدم نہیں ہوگا اس لئے کہ حال کے تقدیم کی دو صورتیں ہیں (۱) حال کو مضاف الیہ پر مقدم کرنا (۲) حال کو مضاف پر مقدم کرنا۔ اور یہ دونوں شکلیں ناجائز ہیں۔

سوال: پہلی شکل کیوں ناجائز ہے؟

جواب: پہلی شکل اس لئے ناجائز ہے کہ اس صورت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آتا ہے حالانکہ مضاف اور مضاف الیہ کے مابین اتصال ہوتا ہے۔

سوال: دوسری شکل کیوں ناجائز ہے؟

جواب: دوسری شکل اس لئے ناجائز ہے کہ اس صورت میں حال کی تقدیم مضاف غیر ذوالحال پر ہوگی اس لئے کہ ذوالحال تو مضاف الیہ ہے۔

قاعدہ

وَكُلُّ مَادَلَّ عَلٰى هَيْئَةٍ صَحَّ اَنْ يَقَعَ حَالًا ،
مِثْلُ هٰذَا بُسْرًا اَطْيَبُ مِنْهُ رُطَبًا -

ترجمہ: اور ہر وہ لفظ جو کسی حالت پر دلالت کرے، اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے جیسے هذا بسرا اطیب منه رطبا (یہ کھجور نیم پختہ ہونے کی حالت میں اس سے اچھی ہے درآنحالیکہ وہ پکی ہے)

مختصر تشریح

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حال کے لئے مشتق یا معنی مشتق ہونا شرط ہے یعنی اس کو بتاویل مشتق بنانا ضروری ہے، مصنفؒ فرماتے ہے کہ یہ بات شرط نہیں، جو بھی اسم ہیئت پر دلالت کرے وہ حال ہوسکتا ہے خواہ مشتق ہو یا جامد جیسے هذا بسرا اطیب منه رطبا یہ بحالت بسر (گدری ہونے کی حالت میں) اس سے اچھی ہے رطب (پختہ ہونے کی حالت) سے یعنی پکی سے نیم پکی اچھی لگتی ہے، جس میں بسرا اور رطبا حال ہیں حالانکہ دونوں اسم جامد ہیں اور ذوالحال هذا میں اشارہ کے معنی ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد بعض حضرات کی تردید کرنا ہے جن کے نزدیک حال کا مشتق یا بتاویل مشتق ہونا شرط ہے۔ چنانچہ مصنفؒ نے فرمایا ہر وہ اسم جو ہیئت اور حالت پر دلالت کرے وہ حال ہوسکتا ہے خواہ مشتق ہو یا جامد، مشتق ہونا شرط نہیں ہے جیسے هذا بسراً اطیبُ منه رطباً (یہ بسر (گدری ہونے کی حالت میں) اس سے اچھی ہے رطب (پختہ

ہونے کی حالت) سے) مطلب یہ ہے کہ پکی سے نیم پکی اچھی لگتی ہے۔

اس مثال میں بسراً اور رطباً یہ دونوں حال ہیں اور وہ دونوں اسم جامد ہیں، مشتق نہیں ہیں اور ذوالحال ھذا میں اشارہ کے معنیٰ ہے۔

سوال: مثال مذکور میں بسرا کو نصب دینے والا کون ہے؟

جواب: مثال مذکور میں رطبا کو نصب دینے والا بالاتفاق اطیب اسم تفضیل ہے اور محققین کے نزدیک اطیب اسم تفضیل ہی بسراً کو بھی نصب دینے والا ہے۔

سوال: اسم تفضیل کا معمول اسم تفضیل پر مقدم نہیں ہوتا تو اسم تفضیل پر اس کا معمول بسرا کیسے مقدم ہو گیا؟

جواب: ایک قاعدہ کی وجہ سے مذکورہ مثال میں اسم تفضیل پر اس کا معمول (بسرا) مقدم ہوا ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ دو مختلف اعتبار سے ایک چیز کے دو حال ہو تو اپنے اپنے ذوالحال سے ہر حال کا متصل ہونا واجب ہے مثال مذکور میں دو مختلف اعتبار سے مشار الیہ (تمر) کے دو حال ہیں۔

بسراً حال ہے مشار الیہ (تمر) کا مفضل کے اعتبار سے اور رطباً حال ہے مشار الیہ (تمر) کا مفضل علیہ کے اعتبار سے لہٰذا بسرا کو ھذا سے متصل کر دیا گیا اور رطبا کو منہ کی ضمیر (جس کا مرجع اسم اشارہ ہے) سے متصل کر دیا گیا اور کہا گیا ھذا بسرا اطیب منہ رطبا۔

قاعدہ

وَقَدْ تَكُوْنُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً

ترجمہ: اور کبھی حال جملہ خبریہ ہوتا ہے۔

مختصر تشریح

قاعدہ: حال چونکہ مبتدا کی خبر کی طرح ہوتا ہے اس لئے عام طور پر نکرہ مفرد ہوتا ہے،

مگر کبھی خبر کی طرح جملہ اسمیہ بھی حال ہوتا ہے (جملہ انشائیہ بغیر تاویل کے حال نہیں ہوسکتا) اور جملہ چونکہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہوتا ہے اور حال کا ذوالحال سے ارتباط ضروری ہے، اس لئے جب حال واقع ہو تو اس میں حرف ربط ہونا ضروری ہے، اور حرف ربط دو ہیں واو اور ضمیر۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ایک اصول بیان کرنا ہے۔ اور وہ اصول یہ ہے کہ جس طرح مفرد حال واقع ہوسکتا ہے اسی طرح جملہ خبریہ بھی حال واقع ہوسکتا ہے جیسے جاء زید وابوہ قائم (زید آیا درآنحالیکہ اس کا باپ کھڑا ہے) اس مثال میں زید ذوالحال ہے اور ابوہ قائم حال ہے جو جملہ ہے۔

سوال: حال کا جملہ خبریہ ہونا شرط کیوں؟

جواب: حال کا جملہ خبریہ ہونا شرط اس لئے ہے کہ ذوالحال اور حال کے درمیان ایک قسم کا ربط ہوتا ہے جس ربط کو جملہ انشائیہ قبول نہیں کرتا۔

(الف) فَالْاِسْمِيَّةُ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيْرِ، اَوْبِالْوَاوِ، اَوْبِالضَّمِيْرِ عَلٰی ضُعْفٍ

ترجمہ: (الف) پس جملہ اسمیہ واؤ ضمیر کے ساتھ (لایا جائے گا) یا واؤ کے ساتھ یا ضمیر کے ساتھ ضعیف قول کے مطابق۔

مختصر تشریح

(الف) جب جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو اس میں واو اور ضمیر دونوں لائیں گے یا صرف واو لائیں گے، صرف ضمیر لانا ضعیف ہے جیسے جئت وانا راکب میں سوار ہونے کی حالت میں آیا (واو اور ضمیر دونوں کی مثال) کنت نبیا وآدم بین الماء والطین، میں نبی تھا درآنحالیکہ

آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے (صرف واو کی مثال) اور کلمته فوہ الی فی ''میں نے اس سے منھ درمنھ بات کی'' (صرف ضمیر کی مثال فوہ میں ضمیر ہے یہ ترکیب ضعیف ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جب ذوالحال کا حال جملہ خبریہ ہوتو رابط ہونا ضروری ہے۔

سوال: جب ذوالحال کا حال جملہ خبریہ ہوتو رابط ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: جب ذوالحال کا حال جملہ خبریہ ہوتو رابط ہونا اس لئے ضروری ہے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے، ماقبل کا محتاج نہیں ہوتا اور اس جگہ ذوالحال سے جوڑنا ہے اس لئے کسی تعلق کی ضرورت ہوگی اور اسی تعلق کو رابط کہا جاتا ہے۔ اور روابط مختلف ہیں۔

سوال: روابط مختلف کیوں؟

جواب: رابط مختلف اس لئے ہے کہ جملہ خبریہ کی صورتیں بھی مختلف ہیں: (۱) جملہ خبریہ کبھی جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ (۲) جملہ خبریہ کبھی جملہ فعلیہ کی شکل میں ہوتا ہے۔

اور جملہ فعلیہ کی بھی مختلف صورتیں ہیں: (۱) جملہ فعلیہ کبھی ماضی مثبت کی شکل میں ہوتا ہے۔ (۲) جملہ فعلیہ کبھی ماضی منفی کی شکل میں ہوتا ہے۔ (۳) جملہ فعلیہ کبھی مضارع مثبت کی شکل میں ہوتا ہے۔ (۴) جملہ فعلیہ کبھی مضارع منفی کی شکل میں ہوتا ہے۔

سوال: اگر حال جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتو رابط کیا ہوگا؟

جواب: اگر حال جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتو رابط کبھی ''واو اور ضمیر'' کبھی فقط ''واؤ'' اور کبھی فقط ''ضمیر'' ہوں گے جیسے جاءنی زید و ابوہ قائم اس میں و ابوہ قائم حال ہے اور واو اور ضمیر ''ہ'' رابط ہے۔ اور و کنتُ نبیاً و آدمَ بین الماء و الطین میں آدم بین الماء و الطین حال ہے اور رابط فقط ''واؤ'' ہے۔ اور جاءنی زید ابوہ قائم میں ابوہ قائم حال ہے اور ضمیر ''ہ'' رابط ہے۔

سوال: اگر حال جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتو رابط واواور ضمیر دو چیزیں کیوں؟

جواب: جملہ اسمیہ مستقل مؤکد اور مضبوط ہوتا ہے اس لئے رابط بھی مضبوط ہونا چاہئے اور واو نیز ضمیر سے مضبوطی پیدا ہوجائے گی۔

سوال: جملہ اسمیہ مستقل مؤکد کیوں؟

جواب: جملہ اسمیہ مستقل مؤکد اس لئے ہے کہ وہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: اگر حال جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتو رابط کبھی فقط واو کیوں؟

جواب: جملہ اسمیہ فقط واو کے ساتھ حال واقع ہو یہ بھی کافی ہے، اس لئے کہ واو شروع جملہ میں واقع ہوتا ہے اس لئے اول وہلہ میں پتہ چل جائے گا کہ جملہ اسمیہ مستقل نہیں بلکہ اس کا ماقبل سے تعلق ہے۔

سوال: اگر حال جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتو رابط کبھی فقط ضمیر کیوں؟

جواب: اگر حال جملہ اسمیہ کی شکل میں ہوتو رابط کبھی فقط ضمیر اس لئے ہے کہ وہ بھی جملہ کو ماقبل سے کسی نہ کسی درجہ میں مربوط کرتا ہے۔

سوال: رابط فقط ضمیر ہوتو وہ ضعیف کیوں؟

جواب: رابط فقط ضمیر ہوتو وہ ضعیف اس لئے ہے کہ ضمیر کبھی پوشیدہ ہوتی ہے اور کبھی ظاہر ہوتی ہے لیکن شروع جملہ میں نہیں ہوتی اس لئے اول وہلہ میں معلوم نہیں ہوگا کہ جملہ کا ماقبل سے ربط ہے۔

(ب)وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ بِالضَّمِيْرِ وَحْدَهُ

ترجمہ: (ب) اور مضارع مثبت صرف ضمیر کے ساتھ (لایا جائے گا)

مختصر تشریح

(ب) اور جب مضارع مثبت حال واقع ہوتو تنہا ضمیر ربط کے لئے کافی ہے، کیونکہ مضارع مثبت اسم فاعل کے مشابہ ہے اور اسم فاعل میں تنہا ضمیر کافی ہوتی ہے، مگر ضروری ہے

کہ فعل مضارع حرف استقبال (سین اور لن) سے خالی ہو جیسے جاءنی زیدیسرع (زید میرے پاس تیزی سے آیا)۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر ذوالحال کا حال جملہ فعلیہ مضارع مثبت کی شکل میں ہو تو رابط فقط ضمیر ہوگی جیسے جاءنی زیدیسرع (زید میرے پاس تیزی سے آیا)۔ اس مثال میں زید ذوالحال ہے اور یسرع جملہ فعلیہ مضارع مثبت کی شکل میں حال ہے اور اس میں رابط فقط ضمیر ہے جو یسرع میں پوشیدہ ہے اور فعل مضارع حرف استقبال (سین اور لن) سے خالی ہے۔

سوال: اگر ذوالحال کا حال جملہ فعلیہ مضارع مثبت کی شکل میں ہو تو رابط فقط ضمیر کیوں؟

جواب: اگر ذوالحال کا حال جملہ فعلیہ مضارع مثبت کی شکل میں ہو تو رابط فقط ضمیر اس لئے ہے کہ مضارع مثبت اسم فاعل کے مشابہ ہے اور اسم فاعل میں فقط ضمیر کافی ہوتی ہے مگر ضروری ہے کہ فعل مضارع مثبت حرف استقبال (سین اور لن) سے خالی ہو۔

سوال: سین اور لن سے خالی ہونا شرط کیوں؟

جواب: سین سے خالی ہونا اس لئے شرط ہے کہ سین مضارع کو مستقبل بعید کے معنیٰ میں کر دیتا ہے اور لن سے خالی ہونا اس لئے شرط ہے کہ وہ مضارع مثبت کو مستقبل منفی کے معنیٰ میں کر دیتا ہے حالانکہ حال میں موجودہ زمانہ ہوتا ہے۔

(ج) وَمَا سِوَاهُمَا بِالْوَاوِ وَالضَّمِيْرِ، أَوْ بِأَحَدِهِمَا

ترجمہ: (ج) اور جو جملہ ان دونوں کے علاوہ ہو اس کو واؤ اور ضمیر کے ساتھ، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ (لایا جائے گا)۔

مختصر تشریح

(ج) اور مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ یعنی جب حال مضارع منفی ہو یا ماضی مثبت یا منفی ہو تو واو اور ضمیر دونوں ربط کے لئے لائیں گے اور ان میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے (اس صورت میں صرف ضمیر پر اکتفا کرنا ضعیف نہیں) جیسے واو اور ضمیر دونوں کی مثال: جاءنی زیدو مایتکلم غلامه۔ اس میں غلامه کی ضمیر زید کی طرف راجع ہے۔

صرف ضمیر کی مثال: جاءنی زید و ما یتکلم غلامه صرف واو کی مثال: جاءنی زیدو مایتکلم عمرو اور یہ سب مثالیں مضارع منفی کی ہیں۔

ماضی مثبت کی مثالیں: واو اور ضمیر دونوں کی مثال جیسے جاءنی زیدو قد خرج غلامه۔ صرف ضمیر کی مثال: جاءنی زید قد خرج غلامه۔ صرف واو کی مثال: جاءنی زید و قد خرج عمرو۔

ماضی منفی کی مثالیں: واو اور ضمیر دونوں کی مثال جیسے جاءنی زید و ما خرج غلامه۔ صرف ضمیر کی مثال: جاءنی زید ما خرج غلامه۔ صرف واو کی مثال: جاءنی زید و ما خرج عمرو۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر ذوالحال کا حال جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ مضارع مثبت کے علاوہ ہو خواہ ماضی مثبت ہو یا مضارع منفی ہو یا ماضی منفی ہو، ان میں رابط واو اور ضمیر یا فقط واو یا فقط ضمیر پر اکتفا کرنا جائز ہے۔

سوال: اگر ذوالحال کا حال جملہ فعلیہ ماضی مثبت و ماضی منفی، مضارع منفی کی شکل میں ہو تو رابط میں تینوں طریقوں کا استعمال جائز کیوں؟

جواب: جملہ فعلیہ مستقل طور پر مؤکد نہیں ہوتا اس لئے وہ ارابط کا بھی تقاضہ نہیں

کرے گا پس جس طریقہ سے رابط کا استعمال کیا جائے ربط محض کی ضرورت پوری ہوجائے گی اوراس کا حال واقع ہونا درست ہوجائے گا۔

سوال: جملہ فعلیہ مستقل طور پر مؤکد کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: جملہ فعلیہ مستقل طور پر مؤکد اس لئے نہیں ہے کہ جملہ فعلیہ حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: مضارع مثبت بھی تو جملہ فعلیہ ہے اس نے رابط کا تقاضا کیوں کیا؟

جواب: مضارع مثبت بھی تو جملہ فعلیہ ہے اس نے رابط کا تقاضہ اس لئے کیا کہ وہ اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس میں ایک قسم کی تاکید پیدا ہوجاتی ہے۔

اگر ذوالحال کا حال ماضی مثبت و ماضی منفی اور مضارع منفی ہو تو ربط کے لئے واو اور ضمیر یا فقط واو یا فقط ضمیر کا استعمال صحیح ہے، اب اس اعتبار سے عقلی طور پر نو صورتیں ہوگی اس لئے کہ تینوں جملوں کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے لہذا تین کا ضرب تین میں جب دیا جائے گا تو نو صورتیں متصور ہوگی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ماضی مثبت کی تین صورتیں:

(۱) ذوالحال کا حال ماضی مثبت ہو اور واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاءنی زیدو قدخرج غلامه۔

(۲) ذوالحال کا حال ماضی مثبت ہو اور فقط واو کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاءنی زیدو قدخرج عمرو۔

(۳) ذوالحال کا حال ماضی مثبت ہو اور فقط ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاءنی زیدقدخرج غلامه۔

ماضی منفی کی تین صورتیں:

(۱) ذوالحال کا حال ماضی منفی ہو اور ضمیر اور واو دونوں کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زیدو ماخرج غلامه۔

(۲) ذوالحال کا حال ماضی منفی ہو فقط واو کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وماخرج عمرو۔

(۳) ذوالحال کا حال ماضی منفی ہو فقط ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید ماخرج غلامہ۔

مضارع منفی کی تین صورتیں:

(۱) ذوالحال کا حال مضارع منفی ہو اور واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاءنی زید و مایتکلم غلامہ۔

(۲) ذوالحال کا حال مضارع منفی ہو اور فقط واو کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید و مایتکلم عمرو۔

(۳) ذوالحال کا حال مضارع منفی ہو اور فقط ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید و مایتکلم غلامہ۔

(د) وَلَابُدَّ فِي الْمَاضِيْ الْمُثْبَتِ مِنْ قَدْ ظَاهِرَةً اَوْ مُقَدَّرَةً

ترجمہ: (د) اور ماضی مثبت میں قد لفظی یا تقدیری کا ہونا ضروری ہے۔

مختصر تشریح

(د) اور جب ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس پر قد داخل کرنا ضروری ہے، خواہ قد لفظوں میں ہو یا مقدر ہو جیسے جاءنی زید قد رکب غلامہ (قد لفظوں میں ہے) جاءو کم حصرت صدورھم (قد مقدر ہے) (النساء ۹۰)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر ذوالحال کا حال ماضی

مثبت ہوتو ماضی مثبت کے شروع میں قد کا لانا ضروری ہوگا خواہ قد ظاہراً ہو یا مقدر ہو۔ قد ظاہراً کی مثال: جاء نی زیدو قد خرج عمرو ۔قدمقدراً کی مثال: جاء و کم حصرت صدورھم ای قد حصرت اس میں قدمقدر ہے(النساء)۔

نوٹ: قدلانا بصریین کے نزدیک ہے۔

کوفیین کے نزدیک قدلانا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ جس طرح اسم فاعل حدوث پر دال ہے اسی طرح فعل بھی حدوث پر دال ہے جب اسم فاعل کا استعمال بغیر قد کے ہوتا ہے توفعل کا بھی استعمال بغیر قد کے ہوگا جیسے ھذہ بضٰعتنا ردت الینا(یہ ہماری پونجی ہیں ہماری طرف لوٹادی گئی ہیں)ردت الینا حال ہے اس سے پہلے قدنہ ظاہراً ہے نہ مقدراً۔

سوال: جب حال ماضی مثبت کی شکل میں ہوتو شروع میں قدلانا کیوں ضروری ہے؟

جواب: جب حال ماضی مثبت کی شکل میں ہوتو شروع میں قدلانا اس لئے ضروری ہے کہ ماضی مثبت زمانہ گزشتہ پر دلالت کرتا ہے اور حال میں زمانہ موجودہ ہوتا ہے، ذوالحال اور حال کا زمانہ کا ایک ہونا لازم اور ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں اس شرط کی رعایت باقی نہیں رہتی اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا لفظ ہوجو ماضی کوزمانہ حال سے قریب کرے اور ایسا لفظ قد ہے کیونکہ واضع نے قد کو اصلاً زمانہ ماضی کوزمانہ حال سے قریب کرنے کے لئے وضع کیا ہے پس ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں جب اس پر قدداخل ہوگا تووہ حال کے عامل ذوالحال سے قریب ہونے پر دلالت کرے گا۔

سوال: ماضی کے ساتھ مثبت کی قید کیوں لگائی؟

جواب: ماضی کے ساتھ مثبت کی قیداس لئے لگائی تا کہ ماضی منفی کوخارج کیا جائے۔

سوال: سوال: ماضی منفی میں قدلانا کیوں ضروری نہیں ہے؟

جواب: قد کواس لئے لایا جاتا ہے تا کہ ماضی کوحال کے قریب کیا جائے اور فعل ماضی منفی میں دوام ہوتا ہے اور دوام ہونے کی وجہ سے نفی کا زمانہ جس طرح گزشتہ زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح حال کے ساتھ بھی ہوتا ہے اس لئے قدلانا ضروری نہیں ہوگا۔

قاعدہ

وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْعَامِلِ، كَقَوْلِكَ لِلْمُسَافِرِ رَاشِدًا مَهْدِيًّا

ترجمہ: اور (حال کے) عامل کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے آپ کا قول مسافر سے راشدا مھدیا (آپ اس حال میں چلیں کہ آپ راہ یاب اور ہدایت یافتہ ہوں)۔

مختصر تشریح

قاعدہ: جب کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو تو حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے جیسے سفر میں جانے والے سے کہنا راشدا مھدیا ای سر راہ راست پر ہدایت پائے ہوئے جا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ حال کے عامل کو کبھی جوازاً حذف کیا جاتا ہے۔

سوال: حال کے عامل کو جوازاً حذف کب کیا جاتا ہے؟

جواب: حال کے عامل کو جوازاً حذف اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ قرینہ پایا جائے۔

سوال: قرینہ کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: قرینہ کہتے ہیں جو مقصود کی تعیین پر بلا وضع دلالت کرے۔ قرینہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قرینہ حالیہ (۲) قرینہ مقالیہ۔

سوال: قرینہ حالیہ اور قرینہ مقالیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: قرینہ حالیہ کہتے ہیں کہ حالت خود دلالت کرے۔ جیسے سفر میں جانے والے سے کہنا: راشدا مھدیا (تو راہ راست پر ہدایت پائے ہوئے جا) اصل میں سر راشدا

مهدیا ہے۔قرینہ مقالیہ کہا جاتا ہے کہ کلام میں کوئی قول دلالت کرے۔ جیسے: ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامه بلی قادرین علی ان نسوی بنانه پس قادرین حال سے پہلے نجمعهافعل کوقرنیہ مقالیہ ان لن نجمع عظامه کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔

قاعدہ

وَيَجِبُ فِي الْمُؤَكَّدَةِ مِثْلُ زَيْدٌ اَبُوْكَ عَطُوْفًا اَيْ اُحِقُّهُ

ترجمہ:اورعامل کوحذف کرنا واجب ہے حال مؤکدہ میں جیسے زید ابوک عطوفا (زید تیراباپ ہے درآنحالیکہ وہ مہربان ہے)اس کی اصل احقه ہے۔

مختصرتشریح

قاعدہ:حال مؤکدہ میں عامل کوحذف کرنا واجب ہے۔حال مؤکدہ وہ حال ہے جوعام طورپرذوالحال سے جدانہ ہوتا ہو جیسے زید ابوک عطوفازید تیراباپ بالیقین مہربان ہےای أُحِقُّهُ عطوفاً۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصداس بات کو بیان کرنا ہے کہ حال کے عامل کوکبھی وجوباً حذف کیا جاتا ہے۔

سوال: حال کے عامل کووجوباًحذف کب کیا جاتا ہے؟

جواب: حال کے عامل کووجوباًحذف اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ حال مؤکدہ ہو۔

سوال: حال مؤکدہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: (۱)حال مؤکدہ وہ حال ہے جواپنے ذوالحال کی تاکید کرتا ہو۔

(۲) حال مؤکدہ وہ حال ہے جس کا عامۃً اپنے ذوالحال سے جدا ہونا ناممکن ہو۔
جیسے زیدابوک عطوفا (تیرا باپ بالیقین مہربان ہے) اس میں عطوفا حال ہے ابوک
ذوالحال ہے اور باپ، عطوف کے ساتھ متصف ہوتا ہی ہے پس عطوفاً حال کے عامل احقہ
کولانے کی ضرورت نہیں پس اس کو حذف کیا۔

سوال: حال کے عامل کو وجوباً حذف کرنا واجب کیوں؟

جواب: کسی بھی شئ کو حذف کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ دو چیزیں پائی
جائیں (۱) قرینہ (۲) قائم مقام۔ اس جگہ قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں۔ قرینہ نصب
ہے اور قائم مقام خود عطوفا ہے۔

نوٹ: حال کی سات قسمیں ہیں۔

(۱) حال منتقلہ (جو حال ذوالحال سے جدا ہوتا ہو) جیسے جاءنی زیدراکبا۔

(۲) حال موکدہ (حال ذوالحال سے عموماجداہوناناممکن ہو) جاءنی زیدابوک عطوفا

(۳) حال دائمہ (جو حال ذوالحالسے کبھی جدا نہ ہو) جیسے کفی باللہ شھیدا۔

(۴) حال متداخلہ ہو (وہ حال جو دوسرا حال واقع ہو) جیسے جاءنی زید راکبا
ضاحکاراکبا۔

(۵) حال مترادفہ (ایک ہی ذوالحال سے چند حال ہو) جیسے جاء نی زیدانک
قائما۔

(۶) حال مطلوبہ (جوذوالحال سے مطلوب مقصود ہو) جیسے جاءنی زیدضاحکا۔

(۷) حال معنویہ (جس کا ذوالحال معنویہ ہو) جیسے زیدفی الدار قائما۔

وَشَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ مُقَرَّرَةً لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ اِسْمِيَّةٍ

ترجمہ: اور اس (حال مؤکدہ کے عامل کو وجوبی طور پر حذف کرنے) کی شرط یہ ہے
کہ وہ (حال مؤکدہ) جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کرنے والا ہو۔

13

مختصر تشریح

حال مؤکدہ کے عامل کو وجوبی طور پر حذف کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ حال جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہو (اگر جملہ کے بعض اجزا کو ثابت کرتا ہو تو عامل کا حذف واجب نہیں جیسے اِنّا أَرْسَلْنَا کَ لِلنَاسِ رَسُولاً میں رسولاً حال ہے اور صرف رسالت کو ثابت کرتا ہے اس طرح اگر حال جملہ فعلیہ کو ثابت کرتا ہو تو بھی اس کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں جیسے اِنّا اَنْزَلْنَاہُ قُرْآناً عَرَبِیّاً میں قُرْآناً عَرَبِیّاً حال ہے اور جملہ فعلیہ کی تاکید کرتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ حال مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا مطلقاً نہیں بلکہ شرط ہے۔

سوال: وہ شرط کیا ہے؟ اور کیوں؟

جواب: وہ شرط یہ ہے کہ حال مؤکدہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کررہا ہو۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ عامل کو حذف کرنے کی گنجائش ہو اس وجہ سے کہ جملہ اسمیہ قوی ہوتا ہے۔

سوال: ہم ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں حال مؤکِدہ ہے اس کے باوجود اس کے عامل کو حذف نہیں کیا گیا؟ اور وہ مثال انا ارسلناک للناس رسولا ہے اور رسولاً حال مؤکدہ ہے جملہ کے مضمون کی تاکید کررہا ہے۔

جواب: ایک شرط کی زیادتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حال مؤکدہ پورے جملہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو اور اس جگہ فقط رسولاً للناس کی تاکید کرتا ہے۔

سوال: ہم ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں حال مؤکدہ پورے جملہ کی تاکید کرتا ہے اس کے باوجود اس کے عامل کو حذف نہیں کیا گیا؟ اور وہ مثال انا انزلناہ قرآناً عربیّا میں قرآناً عربیّا ہے اور قرآناً عربیاً (انا انزلناہ) پورے جملہ کی تاکید کرتا ہے۔

جواب: ایک شرط کی زیادتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حال مؤکدہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کرے اور اس جگہ جملہ فعلیہ کی تاکید کرتا ہے۔

سوال: ہم ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں حال مؤکدہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے اس کے باوجود اس کے عامل کو حذف نہیں کیا گیا؟ اور وہ مثال شاھداً قائماً بالقسط ہے میں قائما حال مؤکدہ ہے اور جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے۔

جواب: ایک شرط کی زیادتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حال مؤکدہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کرے اور اس جملہ کا کوئی جز حال میں عمل کی صلاحیت نہ رکھتا ہو حالانکہ مثال مذکور میں شاھداقائماً حال میں عمل کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے عامل کو حذف نہیں کیا گیا۔

تمیز کا بیان

اَلتَّمِيْيزُ مَا يُرْفَعُ الْاِبْهَامُ الْمُسْتَقَرُّ عَنْ ذَاتٍ مَذْكُوْرَةٍ اَوْ مُقَدَّرَةٍ

ترجمہ: تمیز وہ اسم ہے جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے ثابت شدہ ابہام کو دور کرے

مختصر تشریح

میَز (باب تفعیل سے اسم مفعول) واضح کیا ہوا اور ممیِّز (اسم فاعل) واضح کرنے والا۔ ممیَز: وہ ہے جس کے ابہام کو تمیز دور کرتی ہے۔ ممیَز تمیز کا ہی دوسرا نام ہے۔

تمیز: وہ اسم ہے جو ذات مذکورہ وذات مقدرہ سے ابہام راسخ کو دور کرے یعنی لفظ کے معنی موضوع لہ میں جو ابہام بیٹھا ہوا ہے اس کو تمیز دور کرتی ہے۔

(۱) جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے جیسے عندی رطل زیتا۔

(۲) دوسری قسم جو ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے جیسے طاب زید نفسا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد تمیز کو بیان کرنا ہے۔

سوال: تمیز کے لغوی واصطلاحی معنیٰ کیا ہے؟

جواب: تمیز کے لغوی معنیٰ جدا کرنا علیحدہ کرنا۔ تمیز کی اصطلاحی تعریف: ایسا اسم ہے جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے جو ابہام اس کے معنیٰ موضوع لہ میں راسخ ہو۔

سوال:: تمیز اور حال کے مابین فرق کیا ہے؟

جواب: تمیز کا تعلق ذات سے ہوتا ہے اور حال کا تعلق وصف سے ہوتا ہے۔

سوال: حال کو تمیز پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: کیونکہ حال کا استعمال تمیز کے مقابلہ میں کثرت سے ہوتا ہے۔

فائدہ: ممیِّز تمیز ہی کا دوسرا نام ہے۔ اردو رسم الخط میں تمیز ایک یاء سے اور عربی میں دو یاء سے لکھتے ہیں۔

سوال: تمیز کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ رأیت عینا جاریة میں جاریة پر صادق ہے اس لئے کہ عین میں جو ابہام پایا جاتا تھا اس کو جاریة کے لفظ نے دور کیا اور ھذا الرجل میں الرجل پر صادق ہے اس لئے کہ ھذا اسم اشارہ میں جو ابہام ہوتا ہے اس کو الرجل کے لفظ نے دور کیا نیز قال ابو حفص عمر میں عمر پر صادق آتی ہے اس لئے کے ابو حفص میں جو ابہام پایا جاتا تھا اس ابہام کو عمر کے لفظ نے دور کیا گو یا تمیز کی تعریف مانع نہ رہی؟

جواب: تمیز وہ اسم ہے جو اس ابہام کو دور کر دے جو معنیٰ موضوع لہ میں موضوع لہ ہونے کی جہت سے ہو اور عین میں جو ابہام پایا جاتا ہے وہ تعدد وضع کے سبب سے ہے نہ کہ موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے اور ھذا میں جو ابہام پایا جاتا ہے وہ یا تو تعدد وضع کے سبب سے یا تعدد استعمال کے اعتبار سے ہے نہ کہ موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے اور ابو حفص میں جو ابہام پایا جاتا ہے وہ عدم اشتہار کے سبب سے ہے نہ کہ موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے۔

سوال: قطع رزقه ای مات میں مات نے قطع رزقه میں پائے جانے والے

ابہام کودورکیاتومات تمیز ہونا چاہئے؟

جواب: تمیز کی تعریف میں اسم کی قید ہے اورمثال میں ابہام کودورکرنے والی چیزفعل ہے۔

سوال: تمیز کی تعریف میں مذکورۃ او مقدرۃ کی قید کیوں ذکر کی؟

جواب: تمیز کی اولاً دوقسموں کی طرف اشارہ کرنے کے لئےتمیز کی تعریف میں مذکورۃ او مقدرۃ کی قید ذکر کی ہے۔

سوال: تمیز کے اقسام کیا ہے؟

جواب: تمیز کی اولاً دوقسمیں ہیں (۱) جوذات مذکورہ سے ابہام کودورکرے جیسے عندی رطل زیتا۔ (۲) جوذات مقدرہ سے ابہام کودورکرے جیسے طاب زید نفسا۔

فائدہ: مذکورۃ او مقدرۃ یہ ذات کی صفت ہے اس سے تمیز کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) فَالْاَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا

ترجمہ: اکثرمفرد مقدار سے (ابہام کودورکرنے کے لئے) آتی ہے۔

مختصر تشریح

وہ اکثرمفرد مقدار سے ابہام کودورکرتی ہے، مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ جملہ یا شبہ جملہ نہ ہو، اورمقدار اس چیزکوکہتے ہیں جس سے چیزوں کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ چار چیزیں ہیں عدد (گنتی) وزن (تول) کیل (پیمانہ) اورمساحت (زمین کی پیمائش)۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد تمیز کی پہلی قسم (ذات مذکورہ سے ابہام کودود کرے)

اس کی دو قسموں میں سے پہلی قسم کو بیان کرنا ہے۔وہ قسم یہ ہیں (۱) وہ اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے،مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ جملہ یا شبہ جملہ نہ ہو،اور مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے چیزوں کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ چار چیزیں ہیں عدد (گنتی) وزن (تول) کیل (پیمانہ) اور مساحت (زمین کی پیمائش)۔

(۲) اور کبھی مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور غیر مقدار سے مراد یہ ہے کہ وہ عدد، وزن، کیل اور مساحت نہ ہو، جیسے خاتم حدیدا، لوہے کی انگوٹھی اور یہ تمیز اکثر مجرور ہوتی ہے جیسے خاتم حدید (اس دوسری صورت کا ذکر عبارت کے بالکل آخر میں ہے)۔

فالاول عن مفرد:

مفرد کی قید لگا کر جملہ اور شبہ جملہ کو خارج کر دیا گویا مفرد سے مراد وہ ہے جو جملہ اور شبہ جملہ کے مقابل ہو نہ کہ کلام، تثنیہ، جمع اور مضاف وشبہ مضاف کے مقابلہ میں۔

(الف) اِمَّا فِیْ عَدَدٍ، نَحْوُ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا، وَسَيَاتِيْ

ترجمہ: (الف) یا تو عدد کے ضمن میں جیسے عشرون درهما (بیس درہم) اور (اسم عدد کی تمیز کا بیان) عنقریب آئے گا۔

مختصر تشریح

پھر پہلی صورت کی دو صورتیں ہیں: (الف) وہ عدد کے ابہام کو دور کرے جیسے عشرون درهما (عدد کی تمیز کا بیان آگے تفصیل سے اسمائے عدد کے بیان میں آرہا ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ذات مذکورہ کی قسم اول مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے اس کے اقسام کو بیان کرنا ہے۔

سوال: ذات مذکورہ کی قسم اول مفرد مقدار سے ابہام کودور کرے اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ذات مذکورہ کی قسم اول مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے اس کی دو قسمیں ہیں:(۱)عدد سے ابہام کودور کرے جیسے عشرون درھما۔(۲)غیرعدد سے ابہام کودور کرے اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(ب)وَاِمَّا فِيْ غَيْرِهٖ نَحْوُ رِطْلٌ زَيْتًا، وَمَنَوَانِ سَمْنًا، وَقَفِيْزَانِ بُرًّا، وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا

ترجمہ:(ب) یا غیر عدد کے ضمن میں، جیسے رطل زیتا(ایک رطل زیتون کا تیل)، منوان سمنا (دومن گھی)، قفیزان برا (دوقفیز گیہوں)علی التمرۃ مثلھا زبدا(کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے)۔

مختصر تشریح

(ب) یا عدد کے علاوہ کا ابہام دور کرے، جیسے وزن، کیل اور مساحت کا ابہام دور کرے جیسے رِطْلٌ زَيْتًا آدھ سیر تیل مَنَوَانِ سَمْنًا ایک سیر گھی ،قفیزان براًدوقفیز گیہوں (ایک قفیز ۳۹ کلو کا ہوتا ہے)اور علی التمرۃ مثلھا زبدا کھجور پر اس کے بقدر مکھن ہے، زبدا تمیز ہے اس نے مثل کا ابہام دور کیا ہے۔

تمیز کی پہلی قسم کا عامل اسم تام ہوتا ہے،اسم تام وہ اسم ہے جس کا آخر ایسا ہو کہ وہ مضاف نہ بن سکے اس کی چار صورتیں ہیں (۱)اسم کے آخر میں تنوین ہو جیسے رطلٌ کے آخر میں(۲) آخر میں تثنیہ کا نون ہو جیسے منوان اور قفیزان کے آخر میں (۳) آخر میں جمع کا نون ہو اس کی مثال مصنفؒ نے نہیں دی جیسے عشرون رجلا(۴)اس کی ایک بار اضافت ہو چکی

ہو جیسے مثلها(اور معرف باللام کی بھی اضافت نہیں ہوسکتی مگر وہ اسم تام نہیں ہوسکتی کیونکہ الف لام اس کے شروع ہوتا ہے، آخر میں نہیں ہوتا)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے اور مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے اس کی دوسری قسم کو بیان کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ جس میں مفرد مقدار کا تحقق غیر عدد کے ضمن میں ہوتا ہو۔

سوال: اس کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: اس کی مختلف صورتیں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔(۱)وزن (تولنا) سے ابہام کو دور کرے جیسے عندی رطل زیتاو منوان سمناً۔(۲) کیل (پیمائش کرنا) سے ابہام کو دور کرے جیسے عندی قفیزان برا۔(۳) زراع سے ابہام کو دور کرے جیسے عندی زراع ثوبا۔(۴) مساحت سے ابہام کو دور کرے جیسے عندی شطر ارضا۔(۵) مقیاس سے ابہام کو دور کرے جیسے علی التمرة مثلها زبدا۔

(۲) ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے اور مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرے۔

سوال: مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرنے کا کیا مطلب؟

جواب: مفرد غیر مقدار عدد سے مراد وزن، کیل، زراع وغیرہ نہ ہو جیسے خاتم فضة (چاندی کی انگوٹھی) خاتم فضة غیر مقدار ہے خاتم میں جو ابہام تھا فضة نے اس کو دور کر دیا۔

فائدہ: مفرد غیر مقدار کی تمیز پر اکثر جر داخل ہوتا ہے خاتم فضة وغیرہ۔ رطل: نصف من کو کہا جاتا ہے اور رِطل بکسر الراء افصح ہے گو بفتح الراء بھی جائز ہے۔ کیل: مایکال به وہ چیز جس سے کیل کیا جائے۔منوان: من کا تثنیہ ہے۔قفیز: لکڑی کا مخصوص پیمانہ ہے جس

سے گیہوں ناپا جاتا ہے (ایک قفیز ۳۹ کلو کا ہوتا ہے)۔

وزن اور کیل میں فرق: وزن کو تولا جاتا ہے اور کیل کو تو لتے نہیں بلکہ کسی چیز میں ڈال کر اس کی پیمائش کرتے ہیں۔

سوال: مصنفؒ نے عدد کی ایک اور غیر عدد کی چار مثالیں کیوں بیان کی؟

جواب: تمیز کا عامل اسم تام ہوتا ہے اور اسم تام بعض مرتبہ تنوین سے، بعض مرتبہ نون تثنیہ سے، بعض مرتبہ نون جمع سے، اور بعض مرتبہ اضافت سے ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الگ الگ مثالیں بیان کی جیسے رطل زیتا (آدھ سیر تیل) یہ مثال ہے تنوین سے اسم کے تام ہونے کی منوان سمنا (ایک سیر گھی) نون تثنیہ سے اسم کے تام ہونے کی سمناً تمیز ہے اس نے منوان کے ابہام کو دور کیا۔ قفیزان برا (دو قفیز گیہوں) براً تمیز ہے اس نے قفیزان کے ابہام کو دور کیا۔ عندی عشرون درھما (میرے پاس بیس درہم ہیں) نون جمع سے اسم کے تام ہونے کی۔ درھما تمیز ہے اس نے عشرون کے ابہام کو دور کیا اور علی التمرۃ مثلھا زبدا (کھجور پر اس کے بقدر مکھن ہے) اضافت سے اسم کے تام ہونے کی۔ زبدا تمیز ہے اس نے مثل کا ابہام دور کیا ہے۔

سوال:: غیر عدد میں وزن، کیل، زراع، مساحت اور مقیاس تمام شامل ہیں لیکن مصنفؒ نے وزن، کیل اور مقیاس کی مثالیں بیان کی اور زراع نیز مساحت کی مثالیں کیوں بیان نہیں کی؟

جواب: (۱) مصنفؒ سے شاید تسامح ہوا ہے اور نسیان سے کوئی بالاتر نہیں ہے۔

(۲) طلبہ پر اعتماد کرتے ہوئے تاکہ تشحیذ اذہان ہو۔

(۳) مصنفؒ کا مقصود مثال دینے سے تمیز کی جمیع اقسام کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ چیزیں بیان کی جائیں، جن سے اسم تام ہوتا ہے اور وہ تنوین، نونِ تثنیہ وجمع اور اضافت ہیں۔

سوال: وزن کی دومثالیں (عندی رطل زیتا ومنوان سمنا) کیوں بیان کی ایک مثال (عندی رطل زیتا کافی تھی؟

جواب: وزن کی دومثالیں (عندی رطل زیتا ومنوان سمنا) اس لئے بیان کی تاکہ طالب علم کو بتایا جائے کہ من بھی وزن کے ماتحت داخل ہے جس طرح مساحت زراع کے ماتحت داخل ہے۔

سوال: اسم تام کسے کہتے ہیں؟

جواب: (۱) اسم تام کہتے ہیں ایسے اسم کو جو اس حالت میں ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اضافت نہ ہوسکے۔ (۲) اسم تام: وہ اسم ہے جس کا آخر ایسا ہو کہ وہ مضاف نہ بن سکے۔ اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) اسم کے آخر میں تنوین ہو جیسے رطل کے آخر میں۔ (۲) اسم کے آخر میں نون تثنیہ ہو جیسے منوان، قفیزان کے آخر میں۔ (۳) اسم کے آخر میں نون جمع ہو جیسے عشرون کے آخر میں۔ (۴) اس کی ایک بار اضافت ہو چکی ہو جیسے مثلھا۔

سوال: الف لام بھی تو اسم کو تام کرتا ہے اس کی مثال کیوں نہیں بیان کی؟

جواب: (۱) اسم تام کے لئے آخر شرط ہے اور الف لام شروع میں آتا ہے نہ کہ آخر میں۔ (۲) اسم تام سے مراد وہ جو معرب کو نصب دے؛ لیکن الف لام نصب نہیں دیتا گویا یہ اسم کو تام کرتا ہے، نصب نہیں دیتا اس لئے اس کی مثال بیان نہیں کی۔

سوال: اسم تام، تمیز کے منصوب ہونے کا تقاضہ کیوں کرتا ہے؟

جواب: اسم تام فعل کے مشابہ ہوجاتا ہے جیسے فعل فاعل سے مل کر تام ہوجاتا ہے اس کے بعد جو چیز آتی ہے مفعول کی بنا پر منصوب ہوتی ہے تو تمیز بھی منصوب ہوگی۔

سوال: عشرون درھماً یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی ابہام نہیں اس لئے کہ وہ ایک مخصوص عدد کا نام ہے جو ۱۹ اور ۲۱ کے درمیان ہے؟

جواب: جناب! عدد میں ابہام نہیں؛ لیکن معدود میں تو ابہام ہے کہ وہ کیا چیز

ہے؟ اس لئے مثال، ممثل لہ کے مطابق ہو جائے گی۔

سوال: عندی رطل زیتاً، عندی منوان براً وغیرہ مثالیں ممثل لہ کے مطابق نہیں اس لئے کہ رطل اور من میں بھی ابہام نہیں کیونکہ یہ دونوں بھی مخصوص اوزان کے نام ہیں؟

جواب: جناب! وزن میں ابہام نہیں؛ لیکن موزون میں ابہام ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ کیل میں ابہام نہیں؛ لیکن مکیل میں ابہام ہے۔ مساحت میں ابہام نہیں؛ لیکن ممسوح میں ابہام ہے۔ گویا مذکورہ مثالوں میں معدود، موزون، مکیل اور ممسوح کا ابہام مراد ہے۔

فَيُفْرَدُ اِنْ كَانَ جِنْسًا اِلَّا اَنْ يُقْصَدَ الْاَنْوَاعُ.

ترجمہ: پس تمیز کو مفرد لایا جائے گا اگر وہ جنس ہو، الا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔

مختصر تشریح

تمیز کی یہ پہلی قسم اگر اسم جنس ہو تو مفرد آئے گی، تثنیہ جمع نہیں آئے گی۔ البتہ اگر اس کی دو یا چند انواع کو بیان کرنا مقصود ہو تو تثنیہ جمع لائی جائے گی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد تمیز کے طریقہ کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ تمیز کی پہلی قسم (مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے) اگر اسم جنس ہو تو مفرد لانا واجب ہوگا۔ اگر متکلم نے تمیز سے جنس کا ارادہ نہیں کیا بلکہ انواع کا ارادہ کیا تو مُمَیَّز کے مطابق جمع و تثنیہ لانا واجب ہوگا۔

سوال: جنس سے کیا مراد ہے؟

جواب: (۱) جنس سے مراد جس کے اجزا ایک دوسرے کے مشابہ ہو۔ (۲) جو لفظ ایک جز پر بولا جائے وہ ہی لفظ تمام اجزا پر بولا جائے۔ (۳) جس لفظ کا اطلاق قلیل وکثیر پر کیا جائے جیسے پانی، کھجور وغیرہ۔

اسم جنس: وہ اسم ہے جو فقط واحد پر علی سبیل البدلیت دلالت کرے۔ گویا جنس اور اسم جنس کے مابین عموم خصوص مطلق ہے۔

سوال: تمیز کو مفرد لانا واجب کیوں ہوگا؟

جواب: تمیز کو مفرد لانا واجب اس لئے ہے کہ اسم جنس قلیل و کثیر پر دلالت کرتا ہے لہذا اسم تام (مُمَیَّز) کے تثنیہ یا جمع ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اسم جنس کی دلالت ہر ایک پر ہوتی ہے۔

سوال: جب انواع کا ارادہ کیا جائے تو تمیز کو تثنیہ و جمع کیوں لا سکتے ہیں؟

جواب: جنس قلیل و کثیر پر دلالت کرتی ہے لیکن جب اس سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو مختلف چیزیں ہوں گی اور جنس مختلف چیزوں پر دلالت نہیں کرتی اس لئے تثنیہ جمع لانا ضروری ہوگا۔ جیسے عندی رطل زیتاً، عندی رطل زیتین اور عندی رطل زیوتاً۔

وَيُجْمَعُ فِيْ غَيْرِهٖ

ترجمہ: اور اس کے علاوہ میں تمیز کو جمع لایا جائے گا۔

مختصر تشریح

اور اگر تمیز اسم جنس نہ ہو تو اسم تام کے موافق تثنیہ جمع آئے گی جیسے عندی عدل ثوبین / اثواباً۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے اگر تمیز غیر جنس کے قبیل سے ہو تو اس صورت میں تمیز ممیز کے مطابق ہوگی جیسے عندی عدل ثوباً، عندی عدل ثوبین، عندی عدل اثواباً۔

سوال: مصنفؒ نے یجمع کے ساتھ ویثنی کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: (۱) مصنفؒ نے یجمع کے ساتھ ویثنی کا تذکرہ نہیں کیا اس لئے کہ ممیز کے جمع ہونے کی صورت میں تمیز جمع لانا ضروری ہوتا ہے تو ممیز کے تثنیہ ہونے کی صورت میں تمیز کا تثنیہ ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔ (۲) مصنفؒ نے یجمع کے ساتھ ویثنی کا تذکرہ نہیں کیا اس لئے کہ یجمع میں یثنی شامل ہے۔

ثُمَّ اِنْ کَانَ بِتَنْوِیْنٍ، اَوْبِنُوْنِ التَّثْنِیَةِ جَازَتِ الْاِضَافَةُ۔

ترجمہ: پھر اگر وہ اسم تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ ہو، تو اس کی اضافت کرنا جائز ہے۔

مختصر تشریح

پھر اگر وہ اسم تنوین یا نون تثنیہ کے ذریعہ تام ہوا ہے تو تمیز کی طرف اس کی اضافت درست ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر وہ اسم تنوین یا نون تثنیہ سے تام ہوا ہے تو تمیز کی طرف اس کی اضافت صحیح ہے اور اگر نون جمع یا اضافت سے تام ہوا ہے تو تمیز کی طرف اس کی اضافت درست نہیں۔

سوال: اگر اسم تام تنوین اور نون تثنیہ کے ساتھ ہو تو اضافت کیوں جائز ہے؟

جواب: اگر اسم تام تنوین اور نون تثنیہ کے ساتھ ہو تو اضافت اس لئے جائز ہے کہ ابہام کا دفعیہ بھی ہوتا ہے ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے جیسے رطلٌ زیتاً اور رطلُ زَیتٍ منوان سمنا اور منوا سمن۔

سوال: مأۃ رجل میں اضافت واجب ہے قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس میں

اضافت جائز نہ ہونی چاہیئے اس لئے کہ قانون اس پر منطبق نہیں ہوتا؟

جواب: اس میں جو اضافت واجب ہے وہ قاعدہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ کثرت استعمال کی وجہ سے واجب ہے۔

فائدہ: عبارت میں اضافت سے اضافت بیانیہ مراد ہے۔

وَاِلَّا فَلَا

ترجمہ: ورنہ جائز نہیں۔

مختصر تشریح

اگر نون جمع یا اضافت کے ذریعہ تام ہوا ہے تو تمیز کی طرف اس کی اضافت درست نہیں۔

وضاحت

سوال: سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اسم تام اگر نون تثنیہ یا تنوین کے ساتھ متصف نہ ہو بلکہ نون جمع کے ساتھ ہو تو اضافت جائز نہیں ہے۔

سوال: اسم تام اگر نون تثنیہ یا تنوین کے ساتھ متصف نہ ہو بلکہ نون جمع کے ساتھ ہو تو اضافت کیوں جائز نہیں ہے؟

جواب: اگر اسم تام نون جمع کے ساتھ ہو تو بعض مواقع میں اضافت صحیح ہوتی ہے اور بعض جگہوں میں درست نہیں ہوتی، طرداً للباب ناجائز قرار دیا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نون جمع میں بسا اوقات تمیز کی طرف اضافت ہوتی ہے اور بسا اوقات اس کی اضافت غیر تمیز کی طرف ہوتی ہے۔ تمیز کی طرف اضافت جیسے عشری رمضان۔ غیر تمیز کی طرف اضافت جیسے عشریک۔

اب عشری رمضان جو اصل میں عشرین رمضان تھا، اضافت کی وجہ سے نون

جمع حذف ہوگیا۔اس میں دواحتمال ہیں(۱)تمیز(۲)غیرتمیز

اگرآپ رمضان کا بیسواں مراد لیتے ہوں تو دونوں میں ممیز اورتمیز کی ترکیب نہیں ہوگی اوراگربیس رمضان مراد لیتے ہوتوممیز اورتمیز کی ترکیب ہوگی۔

اورقطعی طور پرمعلوم نہیں ہوگا کہ اس جگہ کونسی ترکیب ہے گویا تمیز کا غیرتمیز کے ساتھ التباس لازم آئے گا اس لئے نون جمع کی اضافت تمیز کی طرف اقرب الی الاطراد جائز نہیں ہوگی۔

سوال: اسم تام اگرنون تثنیہ یا تنوین کے ساتھ متصف نہ ہو بلکہ نون اضافت کے ساتھ ہوتو اضافت کیوں جائز نہیں ہے؟

جواب: اضافت اس لئے جائز نہیں ہے کہ مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئے گا اور یہ نا جائز ہے۔

(۲)وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ ،مِثْلُ خَاتَمٌ حَدِيْدًا وَالْخَفْضُ اَكْثَرُ

ترجمہ:(۲)اور(پہلی قسم)مفرد غیر مقدار سے(ابہام کو دور کرنے کے لئے بھی) آتی ہے جیسے خاتم حدیدا(لوہے کی انگوٹھی)اور(اس میں)جرزیادہ آتا ہے۔

مختصرتشریح

(۲)اورکبھی مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اورغیرمقدار سے مراد یہ ہے کہ وہ عدد،وزن،کیل اور مساحت نہ ہو،جیسے خاتم حدیدا،لوہے کی انگوٹھی اور یہ تمیز اکثر مجرور ہوتی ہے جیسے خاتم حدید۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ وہ تمیز جوذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرے،عموما مجرور ہوتی ہے۔

سوال: مجرور کیوں ہوتی ہے؟

جواب: (۱) جب مفرد غیر مقدار کی اضافت تمیز کی طرف کی جائے تو اس سے رفع ابہام کے ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے۔

(۲) تمیز کو واضع نے وضع کیا ہے ابہام کو دور کرنے کے لئے اور مقادیر میں ابہام قوی ہوتا ہے اس لئے وہ تمیز کا تقاضہ زیادہ کرتے ہیں اس لئے اس کی تمیز میں تمیز کا اصل اعراب نصب ضروری ہے اور غیر مقدار میں ابہام کم ہوتا ہے اس لئے تمیز کے تقاضہ کرنے میں مقادیر کے ہم مرتبہ نہیں ہوں گے جس بنا پر ان کی تمیز کا وہ درجہ نہ ہوگا جو مقادیر کی تمیز کا ہوتا ہے اس لئے مفرد غیر مقدار کی تمیز اضافت کی بنیاد پر اکثر مجرور ہوگی۔

وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ (١) عَنْ نِسْبَةٍ فِيْ جُمْلَةٍ أَوْ مَا ضَاهَاهَا مِثْلُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا وَزَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا

ترجمہ: اور دوسری قسم (۱) اس نسبت سے (ابہام کو دور کرنے کے لئے) آتی ہے جو یا تو جملہ یا شبہ جملے میں ہوتی ہے جیسے طاب زید نفسا (زید اچھا ہو گیا نفس کے اعتبار سے) اور زید طیب ابا / و أبوّة / و دارا / و علما (زید اچھا ہے باپ / باپ ہونے / گھر / اور علم کے اعتبار سے)

مختصر تشریح

دوسری قسم کا بیان: وہ تمیز جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو اٹھاتی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں: (۱) تمیز جملہ میں نسبت کے ابہام کو دور کرے جیسے طاب زید نفسا۔ (۲) تمیز شبہ جملہ میں نسبت کے ابہام کو دور کرے جیسے زید طیب ابا / ابوۃ / دارا / علما (زید باپ کے اعتبار سے / باپ ہونے کے اعتبار سے / گھر کے اعتبار سے / علم کے اعتبار سے اچھا ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد تمیز کی دوسری قسم ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے اس کے اقسام کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے عبارت میں ذاتِ مقدرہ کے بجائے عن نسبة کیوں کہا؟

جواب: ذات مقدرہ نسبت کے ضمن میں سمجھ میں آتی ہے اور جب نسبت میں ابہام ہوگا تو ذات مقدرہ میں بھی ابہام ہوگا جیسے طاب زیدٌ نفساً اصل میں طاب شئی منسوب الیٰ زیدِ نفساً میں شئی "ذاتِ مقدرہ ہے اس میں ابہام ہے اس لئے کہ شئی کا کوئی مصداق متعین نہیں ہے لہذا جب نسبت سے ابہام دفع ہوگا تو ذات مقدرہ سے بھی ابہام دور ہوگا کیونکہ ذاتِ مقدرہ نسبت کا ایک طرف ہے اور دونوں میں لازم، ملزوم کا تعلق ہے پس نسبت کے ابہام کے دفعیہ سے ذاتِ مقدرہ کا بھی ابہام دور ہو جائے گا جیسے کسی انسان کے ہاتھ میں درد ہو تو یہ کہنا صحیح ہے کہ اس کے جسم میں درد ہے اور جب ہاتھ کا درد دور ہوگا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ہاتھ صحت مند ہو گیا اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ شخص صحت مند ہو گیا۔

(۲) عن نسبة کہہ کر اشارہ کیا کہ ذات مذکورہ اور ذات مقدرہ کے درمیان تقابل ذات کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ نسبت اور عدم نسبت کے اعتبار سے ہے۔

سوال: ذات مقدرہ سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ذات مقدرہ سے مراد نسبت ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) جو نسبتِ جملہ یا شبہ جملہ میں پائی جاتی ہے اس سے ابہام کو دور کرے۔ نسبتِ جملہ کی مثال: طاب زیدٌ نفساً۔ نسبتِ شبہ جملہ کی مثال: زید طیب اباً، زید طیب ابوة، زید طیب داراً، زید طیب علماً۔

(۲) جو اضافت میں پائی جاتی ہے اس سے ابہام کو دور کرے۔

سوال: جملہ کے لئے ایک ہی مثال کو بیان کیا اور شبہ جملہ کے لئے چار مثالوں کو ذکر کیا اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: (۱) گو دونوں کے تمیز میں کوئی فرق نہیں؛ لیکن مصنفؒ نے ظاہر پر اعتماد

کرتے ہوئے تمثیلات میں جملہ کی بقیہ مثالوں کو اختصار کی بنا پر مقدر کیا ورنہ درحقیقت جملہ اور شبہ جملہ میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

سوال: ابوۃ اور دارا اور علماان میں جس طرح شبہ جملہ کی نسبت سے تمیز بننے کی صلاحیت ہے اسی طرح جملہ کی نسبت سے بھی تمیز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو مصنفؒ نے ابوۃ، دارا اور علماً کو شبہ جملہ کے بعد کیوں ذکر کیا؟

جواب: مصنف کا قول ابوۃ، دارا اور علماً کا عطف ظاہری اعتبار سے اباً پر نظر آتا ہے؛ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس کا عطف نفساً اور اباً دونوں پر ہے گویا مصنف کا قول نفسا اور ابا ہر ایک کی طرف مائل ہے آخری مثال کے ساتھ خاص نہیں۔ لہذا مصنفؒ نے ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

وہ ۵ مثالیں جو جملہ کی نسبت سے ابہام کو دور کرے۔

طاب زید نفسا (زید کی ذات اچھی ہے)۔ طاب زید اباً زید خود باپ اچھا ہے۔
طاب زید ابوۃ (زید باپ ہونے میں اچھا ہے)۔ طاب زید علما زید کا علم اچھا ہے۔ طاب زید داراً (زید کا گھر اچھا ہے)۔

وہ ۵ مثالیں جو شبہ جملہ کی نسبت سے ابہام کو دور کرے۔

زید طیب نفسا (زید کی ذات اچھی ہے) زید طیب ابا (زید خود باپ اچھا ہے)
زید طیب ابوۃ (زید باپ ہونے میں اچھا ہے) زید طیب علما (زید کا علم اچھا ہے)۔ زید طیب داراً (زید کا گھر اچھا ہے)۔

فائدہ: شبہ جملہ جس کی جملہ فعلیہ کے ساتھ مشابہت ہو جیسے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر۔ اسم فاعل جیسے الحوض ممتلی ماء۔ اسم مفعول جیسے الارض متفجرۃ عیونا صفت مشبہ جیسے زید حسن وجھا۔ اسم تفضیل جیسے زید افضل اباً مصدر جیسے اعجبنی طیبہ اباً۔

سوال: مثال سے ممثل لہ کی وضاحت ہوتی ہے اور وضاحت کے لئے ایک مثال

بھی کافی ہوتی ہے اور جب یہ بات ہے مصنفؒ نے متعدد مثالیں کیوں بیان کی؟

جواب: تعدد امثلہ ممثل لہ کے تعدد کی وجہ سے ہے۔

جن کی تفصیل یہ ہے کہ تمیز کی پانچ قسمیں ہیں۔اور ان کی وجہ حصر یہ ہے: تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول ہوگی یانہیں ہوگی، اگر تمیز بالذات محمول ہوتو غیر کا احتمال رکھے گی یانہیں۔اگر تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہوتو اس کو منتصب عنہ کی صفت بنانا جائز ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر جائز ہوتو وہ غیر کا احتمال رکھے گی یانہیں،کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(۱) تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول ہو اور غیر کا احتمال نہ رکھے جیسے طاب زیدٌ نفساً۔اس لئے کہ نفس زید پر بالذات محمول ہے اور غیر کا احتمال نہیں رکھتا۔

(۲) تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول ہو اور غیر کا احتمال رکھے جیسے طاب زیدٌ اباً۔

(۳) تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہو اور اس کو منتصب عنہ کی صفت بنانا صحیح ہو اور غیر کا احتمال رکھے جیسے طاب زیدٌ ابوۃً۔

(۴) تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہو اور اس کو منتصب عنہ کی صفت بنانا صحیح ہو اور غیر کا احتمال نہ رکھے جیسے طاب زید علماً۔

(۵) تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہو اور اس کو منتصب عنہ کی صفت بنانا بھی صحیح نہ ہو جیسے طاب زیدٌ داراً۔

عین اور عرض کے اعتبار سے مثالوں کی وضاحت: ان کو سمجھنے سے پہلے ایک تمہید سمجھ لیں۔عین: جو اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہ ہو۔عرض: جو اپنے قیام میں کسی کا محتاج ہو۔پھر ہر ایک کی دو، دو قسمیں ہیں۔(۱) اضافی (۲) غیر اضافی۔

اضافی: وہ ہے جس کے سمجھنے میں غیر کی طرف نسبت کے لحاظ کی ضرورت ہو۔

غیر اضافی: وہ ہے جس کے سمجھنے میں غیر کی طرف نسبت کے لحاظ کی ضرورت نہ ہو۔

اس طرح یہ چار قسمیں ہوگئیں: (۱) عین اضافی (۲) عین غیر اضافی (۳) عرض اضافی (۴) عرض غیر اضافی۔

عین اضافی کی مثال اب ہے کہ یہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں؛ لیکن کوئی شخص باپ تب بنتا ہے جب اس کی کوئی اولاد ہو۔

عین غیر اضافی کی مثال نفس ہے کہ یہ خود بخود قائم ہے اور اس کے مفہوم میں غیر کا لحاظ نہیں۔

عرض اضافی کی مثال ابوۃ ہے جس کے معنی باپ ہونا ہے، یہ وصف ہے جو کسی آدمی کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

عرض غیر اضافی کی مثال علم ہے یہ عرض ہے جو کسی کے ساتھ قائم ہوتا ہے لیکن اس کے مفہوم میں غیر کا لحاظ نہیں۔

اس کے بعد سمجھیں کہ نفس میں تینوں باتیں ہیں نفس، عین غیر اضافی ہے، اس کا مطلب غیر کا احتمال نہیں رکھتا اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے گویا نفس، عین بھی ہے، غیر اضافی بھی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص بھی ہے۔

دار، عین غیر اضافی ہے، دار قائم بالذات ہے اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہیں اور منتصب عنہ کے ساتھ متعلق ہے، گویا دار کا تعلق اس کے متعلق کے ساتھ ہے، خود اس کی ذات کے ساتھ نہیں؛ کیونکہ دار، زید پر محمول نہیں ہوتا اس لئے کہ زید کو دار نہیں صاحب دار کہہ سکتے ہیں۔

اب عین ہے، اضافی ہے کہ اس میں اس ممیِّز کا اور غیر کا بھی احتمال ہے اور اس میں منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں احتمال ہیں طاب زید ابا زید اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے اس لئے کہ اپنے بیٹے کا باپ ہے اور ایک اچھا باپ ہے یا اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے کہ اس کا اپنا باپ اچھا ہے۔

ابوۃ عرض اضافی ہے، یہ محمول نہیں ہوتا اس لئے زید ابوۃ نہیں کہہ سکتے اور اضافی ہے کہ اس کا سمجھنا کسی اور پر موقوف ہے کیونکہ ابوۃ اولاد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔

علم بھی عرض ہے یہ عالم کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور غیر اضافی ہے اور ابوۃ اور علم

یہ دونوں منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہیں۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے جب مثالیں بیان کی ایک پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت ساری مثالیں بیان کی؟

جواب: تمیز کے اقسام کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ایک سے زائد مثالیں بیان کی۔

سوال: صاحب کافیہؒ نے جملہ کی مثال میں نفسا کو ذکر کیا، شبہ جملہ کی مثال میں نفس کو ذکر نہیں کیا؟

جواب: نفس اکثر تمیزات میں سے نہیں ہے اس کا استعمال تمیزات میں کم ہوتا ہے جملہ میں بطور افہام کے ذکر کیا، شبہ جملہ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

سوال: شبہ جملہ کی بہت ساری مثالیں بیان کی اور جملہ کی ایک مثال کیوں؟

جواب: اس سے جملہ کی مثالیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔

سوال: اس کے برعکس کردیتے؟

جواب: جملہ کا استعمال کم ہوتا ہے شبہ جملہ کے مقابلہ میں۔

(۲) أَوْفِيْ إِضَافَةٍ مِثْلُ يَعْجِبُنِيْ طِيْبُهُ أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا

ترجمہ: (۲) یا اضافت میں ہوتی ہے جیسے یعجبنی طیبه ابا/ وابوة/ ودارا/ وعلما (مجھے تعجب میں ڈال دیتا ہے اس کا اچھا ہونا باپ/ باپ ہونے/ گھر/ اور علم کے اعتبار سے) وللہ درہ فارسا (اللہ ہی کے لئے اس کی بھلائی شہ سوار ہونے کے اعتبار سے)۔

مختصر تشریح

تمیز اضافت میں موجود ابہام کو دور کرے جیسے یعجبنی طیبه ابا وابوه ودرا و علما (حیرت میں ڈال یا مجھے اس کے باپ کے اعتبار سے باب ہونے کے اعتبار سے گھر

کے اعتبار سے علم کے اعتبار سے عمدہ ہونے میں)۔طیبہ: مرکب اضافی ہے اباوغیرہ نے اس کی نسبت کے ابہام کو دور کیا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ذات مقدرہ کی دوسری قسم کو بیان کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ تمیز اس نسبت سے ابہام کو دور کرے جو اضافت میں پائی جاتی ہے جیسے یعجبنی طیبه اباوابوۃ ودارا وعلما وللہ درہ فارسا۔

سوال: مصنفؒ نے اضافت میں نفساً کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب: نفس کا اضافت کی نسبت سے تمیز واقع ہونا مشہور ہے، اس میں کوئی خفا نہیں ہے اس لئے ذکر نہیں کیا اور باقی کو ذکر کر دیا۔

یعجبنی طیبه نفسا، یعجبنی طیبه اباو یعجبنی طیبه ابوۃ و یعجبنی طیبه دارا و یعجبنی طیبه علما۔ان مثالوں میں بھی مذکورہ پانچوں قسمیں محقق ہوتی ہے۔

وللہ درہ فارسا

سوال: وللہ درہ فارسا سے مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اس میں دو احتمال ہیں۔(۱) مصنفؒ کا مقصد جمہور کی تردید ہے اس لئے کہ تمیز کے لئے اسم جامد کا ہونا ضروری ہے اسم مشتق تمیز نہیں بن سکتا، یہ مثال دے کر بتلا دیا کہ جس طریقے سے تمیز اسم جامد ہوتی ہے اسی طرح اسم مشتق بھی ہوتی ہے۔اس لئے کہ مقصود بالذات ابہام کو دور کرنا ہے خواہ اسم جامد سے ہو یا اسم مشتق سے لہذا جہاں بھی کوئی چیز ابہام کو دور کرے وہ تمیز بنے گی۔

فائدہ: مصنفؒ کے نزدیک حال اور تمیز دونوں میں حکم ایک ہے اور جمہور حال میں اسم مشتق ہونا ضروری ہے اور تمیز میں اسم جامد ہونا ضروری ہے۔

(۲) مصنفؒ کا مقصد صاحب مفصل کی تردید ہے اس لئے کہ صاحب مفصل نے اس کو ذات مذکورہ کی مثال بنایا ہے نہ کہ ذات مقدرہ کی۔

مصنفؒ نے ذات مقدرہ کے ضمن میں اس مثال کو بیان کر کے اشارہ کیا کہ یہ ذات مقدرہ کی مثال ہے نہ کہ ذات مذکورہ کی۔

سوال: صاحب مفصل نے اس کو ذات مذکورہ کی مثال کیوں بنایا؟

جواب: صاحب مفصل نے اس کو ذات مذکورہ کی مثال اس لئے بنایا کہ تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرے اور اس جگہ درہ میں نسبت نہیں ہے بلکہ مفرد ہے اور مفرد اس لئے ہے کہ ضمیر مبہم ہے اور ضمیر مبہم وہ ہوتی ہے جس کا مرجع نہ ہو گویا فارسا مفرد مقدار سے تمیز ہے۔

مصنفؒ کے نزدیک درہ میں ضمیر مبہم نہیں بلکہ غیر مبہم ہے اس لئے کہ اس کا مرجع معلوم ہے اس لئے ابہام در کی ضمیر کیطرف نسبت میں ہے اور فارسا اس کی تمیز ہے اس لئے یہ قسم ثانی ذات مقدرہ کی مثال ہوگی۔

در: اس کے معنیٰ دودھ کے ہے اور اہل عرب کسی کے بارے میں خیر کی کوئی خبر دیتے تو کہتے کہ اس کے پاس دودھ بڑا اچھا ہے۔

(۱) فارسا: فَراسة بفتح الفاء بمعنی گھوڑے کی سواری میں ماہر ہونا۔ اللہ کے لئے اس کی خوبی ہے گھوڑے پر سوار ہونے کے اعتبار سے (۲) فارسا کو فِراسة بکسر الفاء بمعنی تاڑنا۔ اللہ کے لئے اس کی خوبی ہے سمجھنے کے اعتبار سے، تاڑنے کے اعتبار سے۔

> ثُمَّ اِنْ كَانَ اِسْمًا يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَا اُنْتُصِبَ عَنْهُ
> جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ وَاِلَّا فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ

ترجمہ: پھر اگر تمیز ایسا اسم ذات ہو جس کو منتصب عنہ کے لئے قرار دینا صحیح ہو، تو جائز ہے کہ وہ منتصب عنہ کے لئے اور اس کے متعلق کے لئے ہو۔ ورنہ تو منتصب عنہ کے لئے ہوگی۔

مختصر تشریح

(۲) تمیز کا تعلق ممیز سے بھی کیا جا سکتا ہو اور اس کے کسی متعلق سے بھی جیسے طاب زید ابا کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (الف) زید خود باپ ہو یعنی وہ باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی وہ اچھا باپ ہے (ب) زید کا باپ مراد ہو یعنی زید باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی اس کا باپ اچھا آدمی ہے، اس صورت میں تمیز کا تعلق زید سے نہیں ہوگا، بلکہ اس کے باپ سے ہوگا، غرض ایسی صورت میں أباً کو دونوں کی تمیز قرار دیا جا سکتا ہے۔

اور اگر تمیز، ممیز کے متعلق ہی کی ہو سکتی ہو۔ جیسے **طاب زید ابوة یا طاب زید اعلما یا طاب زید دارا**۔ تو یہ تمیزیں زید کی نہیں ہوں گی اس کے متعلق کی ہوگی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد منتصب عنہ کی دو صورتوں کو بیان کرنا ہے: (۱) تمیز اسم ذات ہو اور وہ بھی ایسا ہو کہ اس کا حمل کرنا منتصب عنہ (مميَّز) پر صحیح ہو تو وہ تمیز کبھی منتصب عنہ (مميَّز) کے لئے ہوگی اور کبھی منتصب عنہ (مميَّز) کے متعلق کے لئے ہوگی۔ جیسے طاب زید ابا (زید اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے)۔ اس مثال میں ابًا اسمِ ذات ہے اور اس کا حمل زید پر صحیح ہے (کیونکہ زیدٌ ابٌ کہنا درست ہے) اس لئے اس کا تعلق براہِ راست زید کے ساتھ بھی کر سکتے ہیں اور زیدٌ کے متعلق کے ساتھ بھی کرنا درست ہوگا۔

(۲) تمیز اسم ذات ہو اور وہ بھی ایسا ہو کہ اس کا حمل کرنا منتصب عنہ (مميَّز) پر صحیح نہ ہو تو تمیز فقط منتصب عنہ (مميَّز) کے متعلق کے لئے ہوگی جیسے طاب زیدٌ دارًا میں دارًا تمیز اسم ذات ہے اس کا حمل منتصب عنہ (مميَّز) پر صحیح نہیں ہے (کیونکہ زید دارٌ کہنا صحیح نہیں) اس لئے دارًا تمیز کا تعلق زید کے متعلق کے ساتھ ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ زید اچھا نہیں ہے بلکہ اس کا گھر اچھا ہے۔

من انتصب عنه سے اسم تام اور ممیز مراد ہے۔

سوال: اگر تمیز ابأ کا تعلق براہِ راست زید کے ساتھ کریں تو مطلب کیا ہوگا؟

جواب: اس کا تعلق براہِ راست زید کے ساتھ کریں تو مطلب ہوگا طاب زیدٌ اباً زید اچھا ہے۔ (کس اعتبار سے) باپ ہونے کے اعتبار سے اس لئے کہ اپنے بیٹے کا باپ ہے اور ایک اچھا باپ ہے۔

سوال: اگر تمیز ابأ کا تعلق زیدٌ کے متعلق کے ساتھ کریں تو مطلب کیا ہوگا؟

جواب: اگر تمیز ابأ کا تعلق زیدٌ کے متعلق کے ساتھ کریں تو مطلب ہوگا طاب زید ابأ کا اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے کہ اس کا اپنا باپ اچھا ہے۔

فَيُطَابِقُ فِيهِمَا مَاقُصِدَ اِلَّا اِذَا كَانَ جِنْسًا

ترجمہ: پس دونوں صورتوں میں تمیز اس کے مطابق لائی جائے گی جس کا ارادہ کیا گیا ہو۔ مگر اس وقت جبکہ تمیز اسم جنس ہو۔

مختصر تشریح

(منتصب عنہ) کی دونوں صورتوں میں تمیز متکلم کے مقصود کے مطابق لانا ضروری ہے۔ مفرد میں: طاب زید ابا۔ تثنیہ میں طاب الزیدان ابوین۔ جمع میں طاب الزیدون آباء۔ اگر اسم جنس ہو تو اس کو مفرد لائیں گے جیسے طاب زید/الزیدان/الزیدون علما۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ مذکورہ بالا (منتصب عنہ) کی دونوں صورتوں میں تمیز متکلم کے مقصود کے مطابق لانا ضروری ہے۔ مفرد میں: طاب زید ابا۔ تثنیہ میں طاب الزیدان ابوین۔ جمع میں طاب الزیدون آباء۔ اور اگر اسم جنس ہو تو اس کو

مفرد لائیں گے جیسے طاب زید/الزیدان/الزیدون علما۔

سوال: تمیز متکلم کے مقصود کے مطابق لانا کیوں ضروری ہے؟

جواب: منتصب عنہ میں تعدد ہے تو تمیز میں بھی ایسا لفظ آئے گا جو تعدد پر دلالت کرے۔

سوال: تمیز اگر اسم جنس ہو تو اس کو مفرد لانا کیوں ضروری ہے؟

جواب: منتصب عنہ میں گو تعدد ہے لیکن اسم جنس بذاتِ خود تعدد پر دلالت کرتا ہے اس لئے تمیز کو مفرد لانا ضروری ہے۔

اِلَّآ اَنْ يُّقْصَدَ الْاَنْوَاعُ

ترجمہ: الا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔

مختصر تشریح

اگر تمیز سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر تثنیہ جمع لائیں گے جیسے طاب الزیدان علمین/والزیدون علوما۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اگر تمیز اسم جنس ہے لیکن متکلم نے متعدد انواع کا ارادہ کیا ہے تو اب حسب مقصود تمیز لانا ضروری ہوگا۔ جیسے علم کی مختلف انواع مراد ہو تو طاب زید علما۔ طاب الزیدان علمین۔ طاب الزیدون علوما۔ کہا جائے گا۔

فائدہ: حاصل کلام تمیز کے جنس ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

(۱) اگر تمیز جنس نہ ہو تو تمیز کو منتصب عنہ (ممیز، اسم تام) کے مطابق لایا جائے گا (۲) اگر تمیز

جنس کے قبیل سے ہوتو تمیز کو ہر حال میں مفرد لائیں گے (۳) اگر تمیز جنس کے قبیل سے ہو لیکن اس سے متکلم نے انواع کا قصد کیا تو تمیز کے مطابق لائیں گے۔

وَإِنْ كَانَتْ صِفَةً كَانَتْ لَهُ

ترجمہ: اور اگر تمیز اسم صفت ہو تو وہ منتصب عنہ کے لئے ہوگی۔

مختصر تشریح

اگر تمیز اسم صفت ہو اور اس کا تعلق ممیز ہی سے ہوسکتا ہو تو وہ اسی کی تمیز ہوگی جیسے طاب زید والداً۔ یہاں ایک احتمال متعین ہے اور وہ زید کے باپ ہونے کا ہے، اس کے باپ کا یہاں احتمال نہیں، یہ احتمال صرف أبا میں تھا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر تمیز اسم ذات کے قبیل سے نہ ہو بلکہ اسم صفت کے قبیل سے ہو تو اس کا تعلق مُنتصب عنہ کے ساتھ براہ راست ہوگا اس کے متعلق کے لئے نہ ہوگا؛ خواہ اسم صفت حقیقۃً مشتق ہو جیسے و للہ درہ فارسا یا تاویلاً ہو جیسے لقی زیدر جلاای الکامل فی الرجال

سوال: تمیز اسم صفت کے قبیل سے ہو تو اس کا تعلق منتصب عنہ کے ساتھ ہوگا متعلق کے ساتھ کیوں نہیں ہوگا؟

جواب: تمیز اسم صفت کے قبیل سے ہو تو وہ صفت موصوف کا تقاضہ کرے گی اور صفت کا تعلق موصوف کے ساتھ بہت گہرا ہوتا ہے اس لئے تمیز اسم صفت کے قبیل سے ہو تو اس کا تعلق منتصب عنہ کے ساتھ ہوگا۔

وَطَبَقَهُ

ترجمہ: اور اس کے مطابق ہوگی۔

مختصر تشریح

اگر تمیز اسم صفت کے قبیل سے ہو اور اس کا تعلق ممیز ہی سے ہوسکتا ہو تو وہ اسی کی تمیز ہوگی اور مفرد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں تمیز ممیز کے مطابق آئے گی جیسے طاب زید فارساً۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ تمیز اسم صفت کے قبیل سے ہو تو وہ صفت موصوف کے مطابق مفرد تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں ممیَّز کے مطابق آئے گی۔ اس لئے کہ صفت اور موصوف میں مضبوط تعلق ہوتا ہے اس کے پیش نظر تمیز مُمیَّز کے مطابق آئے گی۔

وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ۔

ترجمہ: اور حال کا بھی احتمال رکھے گی۔

مختصر تشریح

البتہ حال ہونے کا احتمال باقی رہے گا جیسے طاب زید فارسا حال بھی ہوسکتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جب تمیز صفت کے قبیل سے ہو تو تمیز کے ساتھ حال کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

سوال: جب تمیز صفت کے قبیل سے ہوتو تمیز کے ساتھ حال کا احتمال کیوں ہوتا ہے؟

جواب: جب تمیز صفت کے قبیل سے ہو تو تمیز کے ساتھ حال کا احتمال ہوتا ہے اس لئے کہ حال بھی منصوب ہوتا ہے اور مشتق کے قبیل سے ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام صفت تمیز ہو تو تمیز و حال دونوں بنانا درست ہے۔ باعتبار تمیز کے جیسے طاب زید فارسا: گھوڑے سوار کے اعتبار سے۔ باعتبار حال کے، گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں۔

قاعدہ

وَلَا يَتَقَدَّمُ التَّمْيِيْزُ عَلٰى عَامِلِهٖ،

ترجمہ: اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی۔

مختصر تشریح

تمیز اپنے عامل سے پہلے نہیں آ سکتی، کیونکہ اس کا عامل اگر اسم تام ہو تو وہ ضعیف عامل ہے، اگر اس کا معمول مقدم ہوگا تو وہ اس میں عمل نہ کر سکے گا، اسی طرح اگر اس کا عامل فعل ہو تو بھی زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تمیز مقدم نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ درحقیقت فاعل ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوسکتا، البتہ مازنی اور مبرد اس دوسری صورت میں تمیز کی تقدیم کو جائز کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمیز اگرچہ فاعل ہے مگر منصوب ہونے کی وجہ سے اس کی فاعلیت باقی نہیں رہی اور فعل عامل قوی ہے اس لئے تمیز پہلے آ سکتی ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہ ہوگی۔

سوال: تمیز کو اس کے عامل پر مقدم کیوں نہیں کر سکتے؟

جواب: تمیز کو عامل پر اس لئے مقدم نہیں کر سکتے کہ عامل ضعیف ہے، ترتیب میں تو عمل کرے گا خلافِ ترتیب عمل نہیں کرے گا۔

وَالْاَصَحُّ اَنْ لَّا یَتَقَدَّمَ عَلَی الْفِعْلِ، خِلَافًا لِلْمَازِنِیْ وَالْمُبَرَّدِ

ترجمہ: اور اصح مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر مقدم نہیں ہوتی برخلاف امام مازنی اور امام مبرد کے۔

مختصر تشریح

تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ تمیز فعل پر بھی مقدم نہیں ہوتی، برخلاف مازنی اور مبرد کے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر تمیز کا عامل فعل ہو تو تمیز کو مقدم کرنے میں اختلاف ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے: جمہور کے نزدیک تمیز کا عامل فعل ہو تب بھی تقدیم جائز نہیں ہے۔

امام مبرد اور امام مازنی کے نزدیک تمیز کا عامل فعل ہو تو تقدیم جائز ہے۔

دلیل: (۱) تمیز کا عامل فعل ہو تو فعل عامل قوی ہے، قوی ہونے کی وجہ سے ترتیب اور خلاف ترتیب دونوں صورتوں میں عمل کرے گا۔

جواب: جب تمیز کا عامل فعل کے علاوہ ہو تو عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے تمیز کی تقدیم جائز نہیں تو طرداللباب مطلقاً عدمِ جواز کا قول اختیار کیا جائے گا۔

دلیل (۲): شاعر کا شعر ہے؛ کیونکہ اہل عرب کے اشعار بطور دلیل پیش کئے جاتے ہیں، وہ اہل لسان ہیں، ان کی بات دلیل اور سند ہے۔

شعر: اتهجر سلمیٰ بالفراق حبيبها وما كاد نفسا بالفراق تطيب

کیا سلمٰی چھوڑ دے گی اپنے محبوب (عاشق) کو جدا کر کے حالانکہ خود سلمٰی بھی فراق پر راضی نہیں ہے۔

محل استشہاد مصرعۂ ثانی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ما کاد میں ضمیر شان ہے جس کا کوئی مرجع نہیں، نفسا تمیز ہے اور تطیب کی ضمیر سلمیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے ممیز ہے اور نفسا تمیز ہے جس کا عامل تطیب فعل ہے گویا تمیز نفسا اپنے عامل تطیب فعل سے مقدم ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمیز کا عامل فعل ہو تو تقدیم جائز ہے۔

جواب: حبیب سے نفس مراد لیا جائے اور شعر میں تطیب کی ضمیر حبیب کی طرف لوٹائی جائے نہ کہ سلمیٰ کی طرف اور ما کاد میں ضمیر شان نہ مانی جائے بلکہ اس کو لفظ حبیب کی طرف مذکر کے اعتبار سے لوٹائی جائے اب نفسا تمیز کاد سے ہوگی اور تطیب سے نہیں ہوگی لہذا اس شعر سے امام مبرد اور مازنی کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

نوٹ: بظاہر امام مبرد اور مازنی کا قول قوی ہے اس لئے کہ جمہور کی طرف سے دئے گئے جوابات مبنی بر تکلف ہیں۔

مستثنیٰ کا بیان

اَلْمُسْتَثْنىٰ مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيرًا ,بِاِلَّا وَاَخَوَاتِهَا وَالْمُنْقَطِعُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهَا غَيْرُ مُخْرَجٍ

ترجمہ: مستثنیٰ: مستثنیٰ متصل ہوتا ہے اور منقطع ہوتا ہے، پس مستثنیٰ متصل: وہ مستثنیٰ ہے جس کو متعدد لفظی یا تقدیری سے الا اور اس کے نظائر کے ذریعہ نکالا گیا ہو، اور مستثنیٰ منقطع: وہ مستثنیٰ ہے جو الا اور اس کے نظائر کے بعد مذکور ہو، درآنحالیکہ اس کو (متعدد سے) نہ نکالا گیا ہو۔

مختصر تشریح

استثناء: (مصدر) نکالنا۔ **مستثنی** (اسم مفعول) نکالا ہوا۔ مستثنی وہ اسم ہے جس کو حرف استثناء کے ذریعہ ماقبل کے حکم سے نکالا گیا ہو جیسے **جاء القوم الا زیدا** پورا قبیلہ آیا مگر زید نہیں آیا، حروف استثناء نو (۹) ہیں **الا، غیر، سِوی، سَواء، حاشا، خَلا، عدا، ماخلا، ماعدا**۔ مستثنی منہ: وہ اسم ہے جو حرف استثناء سے پہلے واقع ہو، اور اس میں سے مستثنی کو نکالا گیا ہو۔ مذکورہ مثال میں **قوم** مستثنیٰ منہ ہے۔

مستثنی کے ماقبل میں داخل ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: مستثنی متصل اور مستثنی منفصل (منقطع)۔

(۱) مستثنی متصل: وہ ہے جو الا اور اس کے بہنوں کے ذریعہ متعدد چیزوں سے نکالا گیا ہو، خواہ وہ متعدد چیزیں (مستثنی منہ) **لفظا** متعدد ہو یا **تقدیراً** جیسے **جاءنی القوم الا زیدا**۔ **القوم** لفظوں میں موجود ہے اور وہ متعدد افراد کا مجموعہ ہے اس میں سے زید کو نکالا گیا ہے۔ **ماجاءنی الا زیداً** اس میں بھی زید کو قوم سے نکالا گیا ہے مگر وہ لفظوں میں مذکور نہیں۔

(۲) مستثنیٰ منقطع: وہ ہے جو الا اور اس کے بہنوں کے مذکور ہو اور متعدد سے نہ نکالا گیا ہو اس لئے کہ وہ مستثنی منہ میں داخل ہی نہیں ہوتا جیسے **جاءنی القوم الا حماراً**۔

مستثنی کا اعراب:

پہلا اعراب: مستثنی پانچ صورتوں میں وجوباً منصوب ہوتا ہے۔

(۱) جب مستثنی کلام موجب میں الا غیر صفتی کے بعد آئے، کلام موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو، اور الا غیر صفتی وہ الا ہے جو غیر اور سوی کے معنی میں نہ ہو، بلکہ الا استثنائی ہو تو اس کے بعد جو مستثنی آئے گا وہ منصوب ہوگا جیسے **جاءنی القوم الا زیدا** میرے پاس زید کے علاوہ ساری قوم آئی۔

(۲) جب مستثنی مستثنی منہ پر مقدم ہو خواہ کلام موجب ہو یا غیر موجب جیسے **جاءنی**

الا زیدا القوم اور ماجاءنی الا زیدا احدٌ۔

(۳) جب مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو جیسے ما فی الدار احد الا حماراً (یہ اکثر نحویوں کا مذہب ہے)۔

(۴) جب مستثنیٰ خلا یا عدا کے بعد آئے جیسے جاءنی القوم خلا/عدا زیدا (یہ بھی اکثر نحویوں کا قول ہے)۔

(۵) جب مستثنیٰ ما خلا، ما عدا، لیس اور لا یکون کے بعد آئے جیسے جاءنی القوم ما خلا/ ما عدا زیداً اور جاءنی القوم لیس زیداً اور سیجیئ أھلک لا یکون زیداً آپ کی فیملی زید کے علاوہ عنقریب آئے گی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: منصوبات میں سے مستثنیٰ اور اس کے اقسام کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مستثنیٰ کے لغوی معنیٰ کیا ہے؟

جواب: مستثنیٰ استثنا سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے لغوی معنیٰ الگ کیا ہوا، علیحدہ کیا ہوا۔

سوال: دستور ہے کہ شئی کی تقسیم سے پہلے تعریف کی جاتی ہے چنانچہ مصنف نے کلمہ کی تقسیم سے پہلے کلمہ کی تعریف کی؛ لیکن یہاں پر دستور کے برخلاف مستثنیٰ کی تعریف کئے بغیر ہی اس کی تقسیم کردی ایسا کیوں؟

جواب: اصل تقسیم کے لئے مقسم کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اس جگہ المستثنیٰ میں الف لام عہد خارجی کا ہے جس کی مراد اس جگہ نحویوں کی اصطلاح میں جس کو مستثنیٰ کہا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصل (۲) منقطع اور تقسیم کے لئے مقسم کا اتنا علم کافی ہے۔

سوال: مصنفؒ نے اصطلاحی تعریف کیوں بیان نہیں کی؟

جواب: (۱) مصنفؒ نے اصطلاحی تعریف اس لئے بیان نہیں کی کہ کسی شئی کی اصطلاحی تعریف اس بات پر موقوف ہے کہ اس کے اقسام سے کوئی مفہوم مشترک نکلے اور اس جگہ مستثنیٰ کے اقسام سے کوئی مفہوم مشترک نہیں نکلتا اس لئے مستثنیٰ کی اصطلاحی تعریف بیان نہیں کی۔

(۲) مصنفؒ نے اصطلاحی تعریف اختصار کے پیش نظر بیان نہیں کی اس لئے کہ اس کے اقسام کی تعریف سے مطلق مستثنیٰ کی تعریف سمجھ میں آجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ وہ اسم ہے جو اِلاَّ یا اس کے نظائر کے بعد مذکور ہو اور اثبات و نفی میں اپنے ماقبل کا مخالف ہو۔

سوال: مطلق مستثنیٰ کی تعریف اس کے اقسام سے معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس کے دونوں قسموں کی تعریف بیان کیوں کی؟

جواب: دونوں قسموں کی تعریف اس لئے بیان کی کہ دونوں قسموں کے احکام جدا جدا ہیں جو احکام دونوں قسموں کی معرفت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔

سوال: حروف استثناء کتنے ہیں؟

جواب: حروف استثناء نو ہیں الا، غیر، سوی، سواء، حاشا، خلا، عدا، ماخلا، ماعدا۔

سوال: مستثنیٰ کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ان میں اصل کونسی ہے؟

جواب: مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصل (۲) منقطع۔ اور ان میں اصل متصل ہے۔ اس لئے کہ مستثنیٰ کا مفہوم متصل میں پایا جاتا ہے نہ کہ منقطع میں۔

سوال: جب منقطع میں مستثنیٰ کا مفہوم نہیں پایا جاتا تو نحوی اسے مستثنیٰ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: لغت والے اس کو مستثنیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع میں نحو کے قاعدے جاری ہوتے ہیں۔ اور مستثنیٰ منقطع کا دوسرا نام مستثنیٰ منفصل ہے۔

سوال: مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟

جواب: مستثنیٰ متصل: وہ اسم ہے جو الا اور اس کے اخوات کے ذریعہ متعدد چیزوں سے نکالا گیا ہو خواہ وہ متعدد چیزیں (مستثنیٰ منہ) لفظا متعدد ہو یا تقدیرا جیسے جاءنی

القوم الا زیدا۔ القوم لفظوں میں موجود ہے اور وہ متعدد افرد کا مجموعہ ہے اس میں سے زید کو نکال دیا گیا ہے اور ماجاءنی الا زید۔ اس میں بھی زید کو قوم سے نکال دیا گیا ہے مگر وہ لفظوں میں مذکور نہیں۔

مستثنٰی منقطع: وہ اسم ہے جس کو الا یا اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو اور متعدد سے نہ نکالا گیا ہو اس لئے کہ وہ مستثنٰی منہ میں داخل ہی نہیں ہوتا جیسے جاءنی القوم الا حمارا۔

بعض کے نزدیک مستثنٰی متصل کی تعریف: مستثنٰی، مستثنٰی منہ کی جنس سے ہو اور مستثنٰی منقطع وہ ہے کہ مستثنٰی مستثنٰی منہ کی جنس سے نہ ہو۔ ثمرۂ اختلاف: فسجدالملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس میں ظاہر ہوگا۔

محققین کے نزدیک یہ مستثنٰی متصل ہوگا؛ کیونکہ ابلیس کو متعدد ملائکہ سے نکال دیا گیا ہے اگرچہ وہ ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے اور بعض کے نزدیک مستثنٰی منقطع ہے کیونکہ ابلیس، ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔

فائدہ: بالا و اخواتھا کی قید سے استثنٰی اور مستثنٰی جیسے الفاظ کو خارج کر دیا جیسے جاءنی القوم مستثنیً عنھم زید یا استثنی عنھم زید، ان دونوں مثالوں میں الا نہیں ہے تو مستثنٰی متصل نہیں ہوگا۔

سوال: مصنفؒ نے مستثنٰی متصل کی تعریف میں متعدد کی قید لگائی حالانکہ کسی چیز کو نکالا جانا تعدد سے ہوتا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصود تعریف کو تفصیلاً بیان کرنا ہے اس لئے متعدد کی قید کو ذکر کیا۔

سوال: مستثنٰی متصل کی تعریف میں بالا لکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: مستثنٰی متصل کی تعریف میں بالا لکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اس کو ذکر نہ کرتے تو مستثنٰی متصل کی تعریف اس اسم پر صادق آجاتی جو لا نافیہ یا لکن استدارکیہ کے بعد مذکور ہو جیسے جاءنی القوم لا زیدا ور ماجاءنی القوم لکن زید جاء۔

مستثنیٰ کے اعراب

(۱)وَهُوَ مَنْصُوبٌ (الف)إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا

غَيْرِ الصِّفَةِ فِي كَلَامٍ مُوْجَبٍ

ترجمہ: اور وہ (مستثنیٰ) منصوب ہوتا ہے اس وقت جبکہ وہ کلام موجب میں اس الا کے بعد واقع ہو جو صفت کے لئے نہ ہو۔

مختصر تشریح

مستثنیٰ کا پہلا اعراب: مستثنیٰ پانچ صورتوں میں وجوباً منصوب ہوتا ہے۔

پہلی صورت: جب مستثنیٰ کلام موجب میں الا غیر صفتی کے بعد آئے، کلام موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو، اور الا غیر صفتی وہ الا ہے جو غیر اور سوی کے معنی میں نہ ہو، بلکہ الا استثنائی ہو تو اس کے بعد جو مستثنیٰ آئے گا وہ منصوب ہوگا جیسے جاءنی القوم الا زیدا میرے پاس زید کے علاوہ ساری قوم آئی۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسموں میں سے پہلی قسم (نصب متعین) کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں کونسی ہیں؟

جواب: مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) نصب متعین (۲) بدل مختار (۳) مستثنیٰ کو عامل کے اعتبار سے اعراب دینا (۴) مستثنیٰ کو مجرور پڑھنا۔

سوال: نصب کاتعین کتنے مواقع میں ہیں؟

جواب: نصب کاتعین پانچ مواقع میں ہیں۔

سوال: ان پانچ مواقع میں نصب متعین کیوں؟

جواب: مستثنیٰ میں نصب کے علاوہ دو احتمال ہوتے ہیں: (۱) بدل کا احتمال (۲) صفت کا احتمال ان پانچ جگہوں میں نہ بدل کا احتمال ہے نہ صفت کا احتمال، جب دونوں احتمال نہیں تو نصب متعین ہوگیا۔

سوال: مستثنیٰ کونصب دینے والاکون ہے؟

جواب: مستثنیٰ جب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتو بصریین کے نزدیک اس کونصب دینے والا الا کے توسط سے فعل مقدم ہے یاالا کے توسط سے معنی فعل، عامل ہے جیسے جاءنی القوم الازیدمیں بتوسط الا، جاءفعل، عامل زیدکاناصب ہے۔

القوم اخوتک الازیدا میں اخوۃ سے مواخاۃ کے معنی مفہوم ہوتے ہیں کیونکہ القوم اخوتک الازیدا کے معنی القوم یواخیک الازیدا کے ہے۔

بعض کے نزدیک الا استثنیٰ فعل کے قائم مقام ہوکرناصب ہے جس طرح کہ حرف ندا ادعوا کے قائم مقام ہوکرناصب ہے اوربعض کا یہ بھی قول ہے کہ مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ کو نصب کرتا ہے۔

سوال: وہ پانچ مواقع کونسے ہیں جن میں نصب متعین ہے؟

جواب: وہ پانچ مواقع حسب ذیل ہیں۔

(۱) مستثنیٰ الاغیرصفتی کے بعدواقع ہواوروہ کلام موجب میں واقع ہوجیسے جاءنی القوم الازیداً۔

سوال: الاغیرصفتی کاکیامطلب؟

جواب: الاغیرصفتی وہ الا ہے جوغیراورسوا کے معنیٰ میں نہ ہوبلکہ الا استثنائی ہو۔

سوال: کلام موجب کاکیامطلب؟

جواب: کلام موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی، اور استفہام نہ ہو۔

سوال: الا غیر صفتی کی قید کیوں لگائی؟

جواب: الا غیر صفتی کی قید اس لئے لگائی کہ الا اگر صفتی ہے تو مستثنٰی کا اعراب نصب متعین نہیں ہوگا بلکہ مستثنٰی منہ کے اعراب کے تابع ہوگا۔

سوال: کلام موجب کی قید کیوں؟

جواب: کلام موجب کی قید اس لئے ذکر کی کہ اگر مستثنٰی کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب واجب نہیں ہوتا؛ بلکہ بدل کا بھی احتمال ہے۔

سوال: اس میں نصب متعین کیوں؟

جواب: اس میں نصب اس لئے متعین ہے کہ مستثنٰی میں نہ بدل کا احتمال ہے نہ صفت کا، فقط استثنا کا احتمال ہے لہٰذا منصوب ہوگا۔

(ب) اَوْ مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ

ترجمہ: یا مستثنٰی مستثنٰی منہ پر مقدم ہو۔

مختصر تشریح

جب مستثنٰی مستثنٰی منہ پر مقدم ہو خواہ کلام موجب ہو یا غیر موجب میں، تو نصب متعین ہوگا۔ جیسے جاءنی الا زیدا القوم اور ماجاءنی الا زیدا احدٌ۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنٰی پر نصب کے متعین ہونے کی دوسری قسم کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ قسم یہ ہے کہ جب مستثنٰی مستثنٰی منہ پر مقدم ہو تو مستثنٰی پر نصب پڑھنا واجب ہے جیسے جاءنی الا زیداً القوم میں زیداً مستثنٰی ہے اور القوم مستثنٰی منہ ہے زیداً مستثنٰی کو القوم

مستثنیٰ منہ پر مقدم کیا گیا ہے اس لئے زیداً مستثنیٰ پر نصب واجب ہوگا۔

اور ماجاءنی الا زیداً احدٌ میں زیداً مستثنیٰ ہے اور احدٌ مستثنیٰ منہ ہے زیداً مستثنیٰ کو احدٌ مستثنیٰ منہ پر مقدم کیا گیا ہے اس لئے زیداً مستثنیٰ پر نصب واجب ہوگا۔

سوال: جب مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو مستثنیٰ پر نصب پڑھنا واجب کیوں؟

جواب: جب مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو مستثنیٰ پر نصب پڑھنا واجب اس لئے ہے کہ وہ صفت اور بدل کے احتمال کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ بدل کا مبدل منہ پر اور صفت کا موصوف پر مقدم ہونا محال ہے لہذا نصب متعین ہوگا۔

(ج) اَوْ مُنْقَطِعًا فِي الْاَكْثَرِ

ترجمہ: یا مستثنیٰ منقطع ہو، اکثر استعمال میں۔

مختصر تشریح

جب مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو تو نصب متعین ہے۔ جیسے ما فی الدار احد الا حماراً (یہ اکثر نحویوں کا مذہب ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنیٰ پر نصب کے متعین ہونے کی تیسری قسم کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ قسم یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو جیسے جاء نی القوم الا حمارا یا ما فی الدار احد الا حمار، حمار اقوم میں داخل نہیں اس لئے منقطع ہے۔

سوال: جب مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو تو نصب واجب کیوں؟

جواب: جب مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو تو نصب اس لئے واجب ہے کہ نہ

صفت کا احتمال ہے نہ بدل کا۔

سوال: صفت اور بدل کا احتمال کیوں نہیں؟

جواب: صفت کا احتمال اس لئے نہیں کہ حمارا کا حمل قوم پر صحیح نہیں۔اور بدل کا احتمال اس لئے نہیں کہ بدل کی چار قسمیں ہیں (۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدل الاشتمال (۴) بدل الغلط۔

ان چاروں میں سے بدل الغلط کا احتمال ہوسکتا تھا؛ لیکن یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ بدل الغلط کی بنیاد غفلت اور سہو پر ہوتی ہے جبکہ مستثنیٰ منقطع کی بنیاد بیداری اور ہوشیاری پر ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔

سوال: فی الاکثر کا کیا مطلب؟

جواب: فی الاکثر سے مراد اہل حجاز ہیں ان کے نزدیک مستثنیٰ کی اس صورت میں نصب واجب ہوگا۔البتہ بنوتمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع مطلقا منصوب نہیں ہوتا بلکہ تفصیل ہے، اور وہ درج ذیل ہے:

اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو قائم مقام بنایا جاسکتا ہو تو اس میں بدل اور نصب دونوں جائز ہوں گے اور اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو قائم مقام نہ بنایا جاسکتا ہو تو نصب متعین ہے جیسے **لا عاصم الیوم الا من رحم** میں (نہیں بچانے والا آج کے دن اللہ کے امر سے مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے) اس جگہ **لا عاصم** سے **من رحم** کا استثنا ہے اب جس پر اللہ رحم کرے وہ مرحوم ہوگا اور جو عاصم ہے اس پر اللہ کی رحمت اور مغفرت نہیں ہے وہ مرحوم نہیں ہے، لہذا مرحوم ومعصوم، عاصم کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اس لئے اس جگہ مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو اس کے قائم مقام نہیں کریں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ **لا عاصم** میں عاصم اسم فاعل کا صیغہ ہے اور **الا من رحم اللہ** مفعول کا صیغہ ہے تو مفعول فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

(د)اَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا فِي الْاَكْثَرِ

ترجمہ: یا مستثنی خلا اور عدا کے بعد واقع ہو، اکثر استعمال میں۔

مختصر تشریح

جب مستثنی خلا یا عدا کے بعد آئے تو نصب متعین ہے۔جیسے جاءنی القوم خلا /عدا زیدا (یہ بھی اکثر نحویوں کا قول ہے)۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنیٰ پر نصب کے متعین ہونے کی چوتھی قسم کو بیان کرنا ہے۔اور وہ قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ خلا یا عدا کے بعد واقع ہو جیسے جاءنی القوم خلا او عدا زیدا۔

سوال: مستثنیٰ خلا یا عدا کے بعد واقع ہو تو نصب واجب کیوں؟

جواب: خلا اور عدا یہ افعال میں سے ہیں اور ان کے میں ضمیر فاعل کی پوشیدہ ہے لہذا خلا اور عدا کا مابعد مفعول بہ ہوتا ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے اس لئے مستثنیٰ منصوب ہوگا۔لیکن خلا و عدا کے بعد واقع ہونے والا مستثنیٰ کا مذکورہ حکم اکثر لوگوں کے نزدیک ہے ورنہ بعض لوگوں کے نزدیک خلا اور عدا حرف جار ہیں لہذا ان کا مابعد مجرور ہوگا۔

(ہ)اَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُوْنُ

ترجمہ: یا ما خلا، ما عدا، لیس اور لا یکون کے بعد واقع ہو۔

مختصر تشریح

جب مستثنی ما خلا، ما عدا، لیس اور لا یکون کے بعد آئے تو نصب متعین ہے۔

جیسے جاءنی القوم ما خلا / ما عدا زیدا اور جاءنی القوم لیس زیدا اور سیجیئ أھلک

لا یکون زیداً آپ کی فیملی زید کے علاوہ عنقریب آئے گی۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنیٰ پر نصب کے متعین ہونے کی پانچویں قسم کو بیان کرنا ہے۔اور وہ قسم یہ ہے کہ مستثنی ما خلا، ماعدا، لیس اور لا یکون کے بعد واقع ہو جیسے جاءنی القوم ما خلاو ماعدازیدا، جاءنی القوم لیس زیدا اور جاءنی القوم لا یکون زیدا۔

سوال: اس قسم میں نصب متعین کیوں؟

جواب: عدا میں مستثنی اس لئے منصوب ہوتا ہے کہ ان میں ما مصدر یہ ہے اور ما مصدر یہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے تو خلا اور عدا کا فعل ہونا ضروری ہو گیا نیز ضمیروں کا فاعل ہونا اور مستثنی کا ان دونوں کے بعد مفعول بہ ہونا لازم ہو گیا لہذا مستثنی مفعول بہ ہونے کی وجہ سے وجوبا منصوب ہوگا۔

سوال: عدا فعل متعدی ہے لہذا اس کے بعد مستثنی منصوب ہوگا مفعول بہ ہونے کی بنا پر لیکن خلا تو فعل لازم ہے اس کے بعد جو بھی لفظ آئے گا وہ فاعل ہوگا لہذا مستثنیٰ بھی فاعل ہوا اور فاعل مرفوع ہوتا ہے نہ کہ منصوب؟

جواب: یہ بات درست ہے کہ خلا اصل میں فعل لازم ہے لیکن من کے ذریعہ متعدی بن جاتا ہے جیسے خلت الدیار من الانیس اور باب استثنا میں من کو حذف کر کے خلا کا معمول مستثنی کو قرار دیا جاتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ خلا فعل لازم ہے لیکن اس میں مجاورۃ کے معنی کی تضمین ہے جس طرح کافیہ کی عبارت المعانی المعتورۃ علیہ میں استعلاء کے معنی کی تضمین ہے۔ اور جب خلا مجاورۃ کے معنیٰ میں ہوگا تو وہ متعدی ہوا، اب اس میں ضمیر پوشیدہ ہوگی اور مستثنیٰ مفعول بہ بنے گا اور منصوب ہوگا۔

سوال: باب استثنیٰ میں من کو حذف کر کے خلا کا معمول مستثنیٰ کو قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ یونہی خلا میں مجاورہ کے معنی کی تضمین کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جس طرح الا کے بعد مستثنیٰ بلافصل مذکور ہوتا ہے اسی طرح خلا کے بعد بھی وہ بلافصل مذکور ہو اگر من کو خلا کے بعد اور مستثنیٰ سے پہلے ذکر کیا جائے تو خلا اور مستثنیٰ کے مابین فصل لازم آتا ہے۔

وَيَجُوْزُ فِيْهِ النَّصَبُ، وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ فِيْ مَابَعْدَ اِلاَّ، فِيْ كَلاَمٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ، وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ، مِثْلُ مَافَعَلُوْهُ اِلاَّ قَلِيْلٌ، وَاِلاَّ قَلِيْلاً

ترجمہ: (۲) اور مستثنیٰ میں نصب جائز ہے اور بدل کو پسند کیا گیا ہے اس صورت میں جب مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو، اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو، جیسے **مافعلوہ الا قلیل / قلیلا** (انہوں نے اس کو نہیں کیا سوائے تھوڑے سے لوگوں کے)۔

مختصر تشریح

دوسرا اعراب: جب مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ میں نصب بر بنائے استثناء جائز ہے اور مستثنیٰ منہ سے بدل بنانا بہتر ہے جیسے **ما فعلوہ الا قلیل** اس میں **الا قلیلا** بھی جائز ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری وجہ کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بدل مختار اور نصب درست ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے جب مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ میں نصب بر بنائے استثنیٰ جائز ہے اور مستثنیٰ منہ سے بدل بنانا بہتر ہے جیسے **مافعلوہ الا قلیلٌ** اس میں **الا قلیلاً** بھی جائز ہے۔

سوال: مستثنیٰ میں نصب اور بدل مختار کی صورت مطلقاً ہے؟

جواب: نہیں بلکہ تین شرطیں ہیں: (۱) الا غیر صفتی (۲) کلام غیر موجب (۳) مستثنیٰ منہ کا مذکور ہونا۔

سوال: الا غیر صفتی کی شرط کیوں؟

جواب: الا غیر صفتی کی شرط اس لئے ہے کے اگر مستثنیٰ الا صفتی کے بعد واقع ہوتو اس کا اعراب دوسرا آتا ہے۔

سوال: کلام غیر موجب کی قید کیوں؟

جواب: کلام غیر موجب کی قید اس لئے کہ اگر مستثنیٰ الا کے بعد کلام موجب میں واقع ہواور مستثنیٰ منہ مذکور ہوتو نصب متعین ہوتا ہے۔

سوال: مستثنیٰ منہ مذکور ہو یہ قید کیوں؟

جواب: مستثنیٰ منہ مذکور ہو یہ قید اس لئے کہ اگر مستثنیٰ منہ محذوف ہوتو اعراب عامل کے اعتبار سے آتا ہے۔

سوال: بدل مختار کیوں؟

جواب: مستثنیٰ کو نصب دینا مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور بدل کی بنیاد پر رفع دینا فاعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور فاعل عمدہ ہوتا ہے اس لئے بدل مختار ہے۔

فائدہ: جس صورت میں نصب جائز اور بدل مختار ہے اس صورت میں الا کا مدخول بدل ہوتا ہے نہ کہ الا اپنے مدخول کے ساتھ بدل ہوتا ہے مثلا ما فعلوہ الا قلیلا میں قلیلا بدل ہے نہ کہ الا قلیلا۔

سوال: ہمارا قول ما فی الدار احد الا حمارا میں مستثنیٰ کو نصب واجب ہے اور بدل جائز نہیں ہے جبکہ تینوں مذکورہ شرطیں پائی جاتی ہیں اسی طرح ماجاء نی الا زیدا احد میں بھی مستثنیٰ کو نصب واجب ہے اور بدل جائز نہیں جبکہ اس میں تینوں شرطیں موجود ہیں؟

جواب: درحقیقت پانچ شرطیں ہیں چوتھی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع نہ ہو ورنہ نصب واجب ہوگا لہذا ما فی الدار احد الا حمارا میں نصب واجب ہے پانچویں شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ پر مستثنیٰ مقدم نہ ہو ورنہ نصب واجب ہوگا۔

سوال: چوتھی اور پانچویں شرط بیان کیوں نہیں کی؟

جواب: سابق کلام سے یہ دو شرطیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

(۲)وَيُعْرَبُ عَلٰى حَسْبِ الْعَوَامِلِ اِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُوْرٍ.. وَهُوَ فِيْ غَيْرِ الْمُوْجَبِ لِيُفِيْدَ، مِثْلُ مَا ضَرَبَنِيْ اِلَّا زَيْدٌ، اِلَّا اَنْ يَّسْتَقِيْمَ الْمَعْنٰى، مِثْلُ قَرَأْتُ اِلَّا يَوْمَ كَذَا

ترجمہ: اور مستثنیٰ کو عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائے گا جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، اور وہ (مستثنیٰ) کلام غیر موجب میں واقع ہو، تاکہ وہ فائدہ دے جیسے ماضربنی الا زید (مجھے نہیں مارا مگر زید نے) مگر یہ کہ (کلام موجب میں) معنی درست ہو، جیسے قرأت الا یوم کذا (میں نے پڑھا سوائے اتنے دنوں کے)۔

مختصر تشریح

تیسرا اعراب: جب مستثنیٰ الا کے بعد کلام کلام غیر موجب میں آئے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو عامل کے مطابق اعراب دیا جائے گا جیسے ماضربنی الا زید مجھے زید ہی نے مارا، اور کلام غیر موجب کی قید اس لئے ہے کہ اسی صورت میں کلام با معنی ہوگا، کلام موجب میں تو بے معنی ہو جائے گا جیسے ضربنی الا زید مجھے زید کے علاوہ سب نے مارا، یہ بات کیونکر ممکن ہے؟ البتہ اگر کلام موجب میں معنی درست ہوں تو پھر حسب عوامل اعراب دیا جا سکتا ہے جیسے قرأت الا یوم کذا میں نے فلاں دن کے علاوہ ہر دن میں پڑھا یہ بات معقول ہے، کیونکہ کل چھ دن ہیں ان میں پڑھنا ممکن ہے، پس یہاں علی حسب العوامل اعراب دیا جا سکتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد مستثنیٰ کے اعراب کے اعتبار سے تیسری وجہ کو بیان کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو (مستثنیٰ مفرغ ہو) اور کلام غیر موجب میں ہو (نہی نفی استفہام میں سے کوئی ایک موجود ہو) تو مستثنیٰ پر اعراب عامل کے اعتبار سے آئے گا۔ جیسے ماضربنی الازیداً مجھے زید ہی نے مارا۔

سوال: کلام غیر موجب کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: کلام غیر موجب کی شرط اس لئے لگائی تا کہ کلام بامعنیٰ ہو اور صحیح معنیٰ کا فائدہ دے ورنہ کلام موجب میں تو بے معنیٰ ہو جائے گا۔ جیسے ضربنی الازید (مجھے زید کے علاوہ سب نے مارا) گویا پوری دنیا کے انسانوں نے مارا یہ بات ناممکن ہے۔ اس لئے کلام غیر موجب کی شرط لگائی۔

سوال: مستثنیٰ منہ غیر مذکور (مستثنیٰ مفرغ) ہو یہ شرط کیوں؟

جواب: مستثنیٰ منہ غیر مذکور (مستثنیٰ مفرغ) ہو یہ شرط اس لئے لگائی کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو اس کا اعراب نصب جائز اور بدل مختار کا آئے گا۔

سوال: صورت مذکورہ میں عامل کے اعتبار سے عمل دیا جائے گا اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: جب مستثنیٰ مذکور نہ ہوگا تو عامل بلا معمول کے ہوگا اب عامل کا بلا معمول کے تحقق نہیں ہوتا لہذا لامحالہ عامل کے لئے معمول ماننا پڑے گا اور وہ معمول الا کا مابعد ہوگا اس لئے کہ الا میں تو حرف ہونے کی وجہ سے معمول بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

سوال: ماجاءنی احدٌ الازیداور مارأیت احداً الازیدااور مامررت باحدِ الازیدا ان تینوں مثالوں میں مستثنیٰ پر اعراب عامل کے مطابق آیا ہے لہذا اس تیسری قسم کو عامل کے مطابق اعراب دیئے جانے کی تخصیص کیوں؟

جواب: مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم میں مستثنیٰ کو عامل کے مطابق اعراب دیا

جاتا ہے بغیر تبعیت کے اس لئے کہ اس میں مستثنی منہ مذکور نہیں ہوتا اور بیان کردہ مثالوں میں مستثنٰی منہ مذکور ہے اس لئے مستثنی کا اعراب مبدل منہ کے تابع ہو کر آتا ہے جیسا کہ آپ کی بیان کردہ مثالوں سے واضح ہے۔

سوال: قرأتُ الایوم کذا میں مستثنٰی منہ مذکور نہیں لیکن یہ کلام موجب میں واقع ہے تو عامل کے اعتبار سے اعراب کیوں؟

جواب: مصنفؒ نے اس کا جواب اپنے کلام الا ان یستقیم سے دیا کہ کلام غیر موجب میں واقع ہونا شرط اس وقت ہے جبکہ معنی درست نہ ہوتا ہو اگر معنی درست ہو جائے تو غیر موجب اور موجب کے قید کی ضرورت نہیں ہے ''مقصود آم کھانا ہے نہ کہ پیڑ گننا''۔

فائدہ

وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجُزْ مَازَالَ زَيْدٌ اِلَّاعَالِمًا

ترجمہ: اوراسی وجہ سے ماازال زید الا عالما کہنا جائز نہیں۔

مختصر تشریح

کلام موجب میں مستثنی منہ کا حذف کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کلام کے معنی درست نہ ہوں، چنانچہ مازال زید الا عالما کہنا جائز نہیں، کیونکہ اس کے معنی زید ہمیشہ رہا مگر عالم صفت علم کے علاوہ دیگر تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف رہا یہ بات کیونکر ممکن ہے؟

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر مستثنٰی کلام موجب میں ہے اور معنی صحیح نہیں ہوتے تو مثال درست نہیں ہوگی جیسے مازال زید الا عالما (زید ہمیشہ رہا

(دیگر تمام صفات ہمیشہ متصف رہا) مگر صفت علم کے ساتھ نہیں اور یہ بات ممکن نہیں کہ ایک شخص تمام اوصاف متضادہ اور غیر متضادہ کے ساتھ متصف ہو۔

قاعدہ

وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فَعَلَى الْمَوْضِعِ، مِثْلُ مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ، وَلَا أَحَدٌ فِيْهَا إِلَّا عَمْرٌو وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهٖ

ترجمہ: اور جب (مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے) لفظ کے سے بدل ماننا متعذر ہو جائے، تو (مستثنیٰ منہ کے) محل سے بدل مانا جائے گا، جیسے ماجاء نی من احد الا زید (میرے پاس کوئی نہیں آیا سوائے زید کے) اور لا احد فیھا الا عمرو (گھر میں کوئی نہیں ہے سوائے عمرو کے) ما زید شیئا الا شیء لا یعبأ بہ (زید کوئی چیز نہیں ہے مگر ایسی چیز جس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی)۔

مختصر تشریح

(۲) قاعدہ: مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری صورت میں بدل بنانا مختار تھا، اس صورت میں اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا دشوار ہو تو مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کر کے بدل پڑھیں گے، تاکہ بقدر امکان بہتر صورت پر عمل ہو سکے جیسے ما جاءنی من احد الا زید میرے پاس زید کے سوا کوئی نہیں آیا اور لا احد فی الدار الا عمرو گھر میں کوئی نہیں سوائے عمرو کے اور ما زید شیئا الا شیئ لا یعبأ زید کچھ نہیں، ہاں بے حیثیت چیز ہے، اس میں لا یعبأ بہ مستثنیٰ کی صفت ہے اور یہ صفت اس لئے لائی گئی ہے کہ شیئ کا استثناء اس کی ذات سے لازم نہ آئے، صفت لانے کے بعد مستثنیٰ منہ عام اور مستثنیٰ خاص ہو گیا، اور خاص کا عام سے استثناء درست ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ایک اعتراض کے جواب کو بیان کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ماقبل میں قاعدہ بیان کیا کہ جب مستثنیٰ مذکور ہو اور کلام غیر موجب میں ہو تو نصب جائز ہے مگر بدل مختار ہوتا ہے آپ کا یہ اصول چند مثالوں ما جاءنی من احد الا زید و لا احد فیھا الا عمرو اور ما زید شیأ الا شئی لایعبأ به وغیرہ سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ مذکورہ مثالوں میں مستثنیٰ کا رفع متعین ہے حالانکہ قاعدہ کے اعتبار سے من احد سے زید کو بدل مانا جائے اس لئے کہ بدل مختار ہے، زید کو مجرور ہونا چاہئے اور دوسری وتیسری مثال میں منصوب ہونا چاہئے اس لئے کہ دوسری میں عمرو بدل ہے اور تیسری میں شیأً بدل ہے کوشئ منصوب ہونا چاہئے بدل ہونے کے اعتبار سے حالانکہ آپ کہتے ہیں کہ رفع متعین ہے؟

جواب: ان تینوں مثالوں میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے لفظاً بدل ماننا متعذر ہے اس لئے بدل کو مبدل منہ کے محل پر محمول کیا جائے گا اور ان تینوں مثالوں میں مبدل منہ محلاً مرفوع ہے۔

لِاَنَّ "مِنْ" لَا تُزَادُ بَعْدَ الْاِثْبَاتِ، وَمَا وَلَا، لَا تُقَدَّرَانِ عَامِلَتَيْنِ بَعْدَهُ، لِاَنَّهُمَا عَمِلَتَا لِلنَّفْيِ، وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِاِلَّا

ترجمہ: اسلئے کہ من اثبات کے بعد زیادہ نہیں کیا جاتا، اور ما اور لا عامل ہونے کی حالت میں اثبات کے بعد مقدر نہیں ہوتے، اس لئے کہ یہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور نفی (یہاں) الا کی وجہ سے ختم ہوگئی ہے۔

مختصر تشریح

پہلی مثال میں لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل قرار دینا اس وجہ سے نادرست ہے کہ بدل قرار دینے کی صورت میں من کا زید سے پہلے اعادہ ضروری ہوگا، اور من استغراقیہ اثبات

کے بعد زیادہ نہیں ہوتا، اور دوسری اور تیسری مثال میں لفظ پر حمل اس لئے نادرست ہے کہ لاکو عمرو پر اور ماکوشئی پر عامل مقرر نہیں کر سکتے، اس لئے کہ لائے نفی جنس اور ما مشابہ بلیس معنیٰ نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور نفی دونوں صورتوں میں الا کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔
اس لئے محل پر حمل کر کے مرفوع پڑھیں گے، کیونکہ دوسری مثال میں احد مبتدا ہونے کی وجہ سے اور تیسری مثال میں شیئ خبر ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ماقبل کی مثالوں میں بدل ماننا متعذر کیوں؟ اسے بیان کرنا ہے۔

سوال: مثال اول میں بدل ماننا کیوں متعذر ہے؟

جواب: ماجاءنی من احد الازید میں زید کو لفظ من احد سے بدل قرار دینے کی صورت میں لفظ من کا زیادتی بدل میں لازم آتی ہے اس لئے کہ بدل اور مبدل منہ میں تکرار عامل ہوتا ہے اور بدل اور مبدل منہ کا عامل ایک ہوتا ہے گویا عبارت ہوگی: ماجاء نی من احدالا من زید۔ اب احد کے شروع میں تو من لانا درست ہے لیکن زید کے شروع میں من لانا درست نہیں ہے اس لئے کہ اثبات کے جملہ میں من استغراقیہ لانا درست نہیں اس لئے لفظاً بدل ماننا متعذر رہا اس لئے رفع ضروری ہوگا۔

سوال: دوسری اور تیسری مثال میں لفظاً بدل ماننا کیوں متعذر ہے؟

جواب: دوسری اور تیسری مثال میں لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں ما اور لا کا الا کے بعد مقدر ماننا لازم آتا ہے حالانکہ ما اور لا کو عامل کی حیثیت سے الا کے بعد مقدر نہیں مانا جا سکتا اس لئے کہ ما اور لا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور الا کے ذریعہ اس کی نفی ختم ہو جاتی ہے لہذا لفظاً بدل ماننا متعذر رہا اس لئے مجبوراً مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل مانا جائے گا اور رفع ضروری ہوگا۔

بِخِلَافِ لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا اِلَّا شَيْئًا لِاَنَّهَا عَمِلَتْ لِلْفِعْلِيَّةِ. فَلَا اَثَرَ فِيْهَا لِنَقْضِ مَعْنَى النَّفْيِ لِبَقَاءِ الْاَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ لِاَجْلِهِ

ترجمہ: برخلاف لیس زید شیئا الا شیئا کے، اس لئے کہ وہ (لیس) فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے، لہذا معنی نفی کے ختم ہوجانے سے اس (کے عمل) پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ وہ چیز باقی ہے جس کی وجہ سے لیس عمل کرتا ہے۔

مختصر تشریح

لیس زید شیئا الا شیئا لا یعبأ به درست ہے، اس لئے کہ لیس فعل ہونے وجہ سے عمل کرتا ہے، معنیٔ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا، پس الا کی وجہ سے نفی ختم ہونے کے بعد بھی وہ عمل کرسکتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لیس عمل فعل کی وجہ سے کرتا ہے نفی کے معنیٰ کی وجہ سے نہیں اس لئے الا سے اگر نفی کے معنیٰ ختم ہوجائے تب بھی لیس کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، بدستور وہ عمل کرنے والا باقی رہے گا۔

جیسے لیس زید شیئاً الا شیئاً میں الا کی وجہ سے لیس کے معنیٰ ٹوٹ گئے اس کے باوجود لیس کا عمل باقی رہا اور مستثنیٰ کو لفظاً بدل بنانا صحیح ہوا۔

وَمِنْ ثَمَّ جَازَ لَيْسَ زَيْدٌ اِلَّا قَائِمًا. وَامْتَنَعَ مَا زَيْدٌ اِلَّا قَائِماً

ترجمہ: اوراسی وجہ سے جائز ہے لیس زید الا قائما (نہیں ہے زید مگر کھڑا ہوا) اور ممتنع ہے ما زید الا قائما۔

مختصر تشریح

چنانچہ لیس زید الا قائما کہنا درست ہے، کیونکہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے، نفی ختم ہونے کے بعد بھی وہ عمل کرسکتا ہے اور ما زید الا قائما کہنا درست نہیں، کیونکہ نفی ٹوٹنے کے بعد ما عمل نہیں کرسکتا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب الا کی وجہ سے ما اور لا میں نفی کے معنیٰ ٹوٹ جاتے ہیں اس لئے لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا صحیح نہیں تو پھر لیس زیدا الا قائما میں قائما کو زیداً سے لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا کیوں درست ہے اور ما زید الا قائم میں قائم کو زید سے بدل ماننا کیوں صحیح نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ما اور لا عمل کرتے ہیں نفی کے معنی کی وجہ سے اور لیس عمل کرتا ہے فعل ہونے کی وجہ سے چاہے نفی کے معنی ہو یا نہ ہو اب جن مثالوں میں ما اور لا کے معنیٰ الا سے ختم ہوجاتے ہیں وہاں ما اور لا عمل نہیں کریں گے۔ اور جن مثالوں میں لیس کے معنیٰ الا سے ختم ہوجاتے ہیں وہاں لیس کا عمل باقی رہے گا اس لئے لیس زیداً الا قائماً کہنا تو درست ہوگا لیکن ما زید الا قائم کہنا درست نہیں ہوگا۔

(۴) وَمَخْفُوْضٌ بَعْدَ غَيْرٍ وَسِوٰى وَسَوَاءٍ وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ

ترجمہ: اور (مستثنیٰ) مجرور ہوتا ہے غیر، سوی اور سواء کے بعد، اور حاشا کے بعد اکثر استعمال میں۔

مختصر تشریح

چوتھا اعراب: جب مستثنیٰ غیر، سِوی اور سواء کے بعد آئے تو وہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا اور اکثر نحویوں کے نزدیک حاشا کے بعد بھی مجرور ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد مستثنیٰ کے اعراب کی چوتھی وجہ بیان کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ غیر، سویٰ اور سواء کے بعد مجرور ہوتا ہے۔

سوال: غیر، سویٰ اور سواء کے بعد مجرور کیوں ہوتا ہے؟

جواب: مستثنیٰ غیر، سویٰ اور سواء کے بعد مجروراس لئے ہوتا ہے کہ غیر، سویٰ اور سواء مضاف بنتا ہے اوراس کے بعد جو چیز آتی ہے وہ مضاف الیہ ہوتی ہے اس لئے مستثنیٰ مضاف الیہ ہوگا اور وہ مجرور ہوتا ہے تو مستثنیٰ بھی مجرور ہوگا۔

اکثر حضرات کے نزدیک حاشا کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوگا اس لئے کہ وہ حروف جارہ میں سے ہے لیکن امام مبرد کے نزدیک حاشا کے مابعد مستثنیٰ منصوب ہوگا اس لئے کہ حاشا فعل ہے اور ضمیر پوشیدہ فاعل ہے اس کے بعد مستثنیٰ جو مفعول بہ کے مشابہ ہوگا۔

قاعدہ

وَاِعْرَابُ غَيْرٍ فِيهِ كَاِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِاِلَّا عَلَى التَّفْصِيلِ

ترجمہ: اور اس غیر کا اعراب جو استثناء میں استعمال ہو، مستثنیٰ بہ الا کے اعراب کی طرح ہے (مذکورہ) تفصیل کے مطابق۔

مختصر تشریح

(۱) قاعدہ: لفظ غیر کا اعراب باب استثناء میں مستثنیٰ بإلا کے اعراب کی طرح ہے، کیونکہ جب لفظ غیر نے اپنے مابعد کو مجرور کردیا تو گویا مستثنیٰ کے اعراب کو اس نے خود اوڑھ لیا، اور غیر باب صفت میں موصوف کے ساتھ معرب ہوتا ہے جیسا کہ اگلے قاعدہ میں آرہا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد لفظ غیر کے اعراب کو بیان کرنا ہے۔

سوال: غیر کے اعراب بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: غیر کا اعراب بیان کرنے ضرورت اس لئے پیش آئی کہ غیر کا استعمال کبھی استثنی کے لئے ہوتا ہے۔

سوال: غیر کا اعراب کیا ہوگا؟

جواب: غیر کا اعراب مستثنی بالا کے مثل ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ غیر کبھی صفت کے لئے آتا ہے اور کبھی استثنا کے لئے آتا ہے اگر غیر صفت کے لئے مستعمل ہو تو موصوف کا جو اعراب ہوگا وہی اعراب صفت کا بھی ہوگا۔ جیسے رجلٌ غیرُ صالحٍ۔

سوال: رجل غیر صالح میں رجل موصوف نکرہ ہے اور غیر صالح صفت اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے عدم مطابقت کے باوجود مثال کیسے درست ہوگی؟

جواب: رجل موصوف نکرہ ہے اور غیر صالح صفت اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے عدم مطابقت کے باوجود مثال اس لئے صحیح ہے کہ غیر ان کلمات میں سے ہیں جو اضافت کے باوجود تعریف کے معنیٰ پیدا نہیں کرتے اس لئے غیر صالح نکرہ ہے۔

سوال: غیر پر مستثنی منہ کا اعراب کیوں جاری کرتے ہیں غیر کے مابعد اسم (مستثنیٰ) کا اعراب کیوں جاری نہیں کرتے؟

جواب: غیر ہمیشہ اضافت کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور غیر کے بعد جو بھی اسم آئے گا وہ مستثنی مجرور ہوگا مضاف الیہ کی بنا پر اس لئے اس کا اعراب مستقل ہو کر غیر پر آئے گا۔

 

قاعدہ

وَغَيْرُ صِفَةٌ حُمِلَتْ عَلٰى "إِلَّا" فِي الْإِسْتِثْنَاءِ كَمَا حُمِلَتْ "إِلَّا" عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ لِتَعَذُّرِ الْإِسْتِثْنَاءِ مِثْلُ "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" وَضَعُفَ فِي غَيْرِهِ

ترجمہ: اور غیر صفت (کیلئے وضع کیا گیا) ہے جس کو استثناء میں الا پر محمول کرلیا گیا ہے، جیسا کہ الا کو صفت میں غیر پر محمول کرلیا جاتا ہے، جبکہ وہ ایسی جمع کے تابع ہو جو نکرہ ہو (اور اس کے افراد) متعین نہ ہو، (وہاں) استثناء کے متعذر ہونے کی وجہ سے، جیسے لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا (اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے علاوہ اور خدا ہوتے تو دونوں میں فساد برپا ہوجاتا) اور یہ (الا کو صفت پر محمول کرنا) اس (مذکورہ صورت) کے علاوہ میں ضعیف ہے۔

مختصر تشریح

(۲) قاعدہ: لفظ غیر میں اصل یہ ہے کہ وہ صفت واقع ہو۔ جیسے جاءنی رجل غیر زید میرے پاس زید کے علاوہ آدمی آیا لیکن کبھی غیر کو الا پر محمول کر کے استثناء میں استعمال کرتے ہیں جیسے جاءنی القوم غیر زید۔

اور لفظ الا میں اصل یہ ہے کہ وہ استثناء میں مستعمل ہو، لیکن کبھی اس کو غیر پر محمول کر کے صفت کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب الا ایسی جمع کے بعد آئے جو نکرہ غیر محصور ہو یعنی اس کے افراد شمار کئے ہوئے نہ ہوں، جیسے جاءنی رجالٌ الا زید یہاں الا استثناء کے لئے نہیں ہوسکتا کیونکہ زید نہ مستثنی متصل ہوسکتا ہے نہ منقطع، اس لئے کہ متصل میں مستثنی مستثنی منہ یقیناً داخل ہوتا ہے اور منقطع میں یقیناً داخل نہیں ہوتا اور زید کا جماعت رجال میں داخل ہونا نہ ہونا غیر متعین ہے، ہاں جاءنی الرجال الا زیدا بالیقین

مستثنیٰ منہ میں داخل ہے، کیونکہ الرجال معرف باللام ہونے کی وجہ سے سب مردوں کو شامل ہے، پس یہ استثناء متصل ہے اور پہلی مثال میں الا بمعنی غیر ہے۔

اور جمع منکور (نکرہ) غیر محصور کی قید اس لئے لگائی کہ اگر الا سے پہلے جمع محصور ہوگی تو وہاں استثناء جائز ہوگا جیسے لزید علی عشرة دراهم الا واحدا أو اثنين کیونکہ ۱ تا ۹ عشرۃ میں داخل ہیں۔

دوسری مثال: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا اگر آسمان وزمین میں اللہ کے علاوہ معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے، یہاں الا بمعنی غیر ہے کیونکہ آلهة جمع منکور غیر محصور ہے اور آلهة میں اللہ کا داخل ہونا اور نہ ہونا یقینی نہیں اس لئے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، پس لامحالہ الا الله آلهة کی صفت ہوگا۔

اور الا کو غیر صفتی پر جمع منکور اور غیر محصور کے علاوہ میں محمول کرنا ضعیف ہے، کیونکہ دیگر جگہوں میں استثناء صحیح ہوگا اور الا میں اصل استثناء ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ واضع نے غیر کو صفت کے لئے وضع کیا ہے یہ اس کا معنیٰ حقیقی ہے اور لفظ غیر کا مجازی معنیٰ استثناء ہے۔

سوال: لفظ غیر، حقیقۃً صفت کا صیغہ کیوں، استثناء کے لئے کیوں نہیں؟

جواب: لفظ غیر ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے جو مغائرت کے معنی میں ہوتا ہے۔

سوال: کیا الا کو مجازاً غیر کے معنی میں استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: ہاں! اس لئے کہ وہ بھی مغائرت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

سوال: الا کو غیر کے معنی میں کب استعمال کیا جائے گا؟

جواب: الا کا حقیقی معنی استثنیٰ کا مراد لینا متعذر اور دشوار ہو تو الا کو مجازاً غیر کے

معنی میں استعمال کیا جائے گا۔

سوال: الا استثنی کا استعمال مجازاً غیر کے معنی میں مطلقاً ہوگا؟

جواب: نہیں بلکہ الا استثنی کا استعمال مجازاً غیر کے معنی میں استعمال کرنے کے لئے تین شرطیں ہیں۔اور وہ یہ ہیں:(۱)الا جمع کے بعد آوے (۲)اوروہ جمع نکرہ ہو (۳)اور جمع غیر محصور ہو۔

سوال: الا جمع کے بعد آوے یہ شرط کیوں؟

جواب: جمع تعدد پر دلالت کرتی ہے اور جب الا صفت کے طور پر جمع کے بعد آئے گا تو تعدد کے لئے آئے گا لہذا الا صفت کی حالت اور الا حرف کی حالت دونوں برابر ہو جائیں گی کیونکہ حرف استثنی، مستثنی منہ کے بعد ہوتا ہے۔

سوال: جمع کے نکرہ ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اگر جمع نکرہ نہ ہوتو معرف باللام ہوگا اب وہ لام یا تو استغراق کا ہوگا یا عہد کا ہوگا تو مخصوص جماعت مراد ہوگی جس میں مستثنی یا تو یقینی طور پر داخل ہوگا یا یقینی طور پر خارج ہوگا۔اگر پہلی صورت ہے تو مستثنی متصل اور اگر دوسری صورت ہے تو منقطع ہے حالانکہ الا کے غیر کے معنی کی شرط یہ ہے کہ الا کا غیر مراد لینا درست نہ ہو چاہے متصل ہو یا منقطع ہو۔

سوال: غیر محصور کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: محصور دو قسم پر ہیں: (۱)جنس مستغرق سے مراد تمام افراد جیسے ماجاءنی رجل (میرے پاس کوئی بھی آدمی نہیں آیا)۔

(۲)جنس معلوم المعدود سے مراد معدود متعین ہو جیسے له علی عشرة دراهم او عشرون درهماً۔اگر غیر حصور کی قید نہ لگائے تو مستثنی متصل درست ہوگا۔جیسے جنس مستغرق میں کل رجل الا زیدا جاءنی۔اور جنس معلوم میں جیسے له علی عشرة الا درهما اگر مذکورہ تین شرطیں پائی جائے تو الا، غیر کے معنی میں ہوگا ورنہ ضعیف ہے۔

سوال: لم یجز کہنا چاہئے تھا ضعیف کیوں کہا؟

جواب: سیبویہ کے نزدیک بغیر کسی شرط کے جائز ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ کل اخ مفارقة اخاه بعمر ابیک الا الفرقدان (ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہوتا ہے تیرے باپ کی زندگی کی قسم مگر دو ستارے) میں الا، غیر کے معنیٰ میں ہے اور تینوں شرطوں میں سے ایک بھی شرط نہیں پائی جاتی۔

اس کا جواب یہ کہ یہ شاذ کے قبیل سے ہے اور شاذ کا اعتبار کون کرتا ہے۔

سوال: لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا میں الا کو استثناء کے معنی میں مراد لینا متعذر کیوں ہے؟

جواب: دو وجہیں ہیں: (۱) اس میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں، اس لئے کہ الا، آلهة جمع کے بعد مذکور ہے اور جمع نکرہ بھی ہے اور جمع غیر محصور بھی ہے۔

(۲) اگر الا کو غیر صفت کے معنی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ آیت وحدانیت پر دلالت نہیں کرے گی اس صورت میں ترجمہ ہوگا اگر زمین و آسمان میں چند ایسے معبود ہوتے (اللہ مستثنی ہے) تو وہ دونوں بگڑ جاتے۔

سوال: آیت کریمہ لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا میں الا سے پہلے جمع منکور غیر محصور ہے لیکن استثنا متعذر ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جب بولا جائے رأیت کواکب تو اس کلام کو سن کر اس بات کا یقین نہیں ہوگا کہ متکلم نے مریخ کو دیکھا ہے، کیونکہ کواکب اگر چہ جمع ہے مگر استغراق پر دلالت نہیں کرتا ہے اور اس کلام کو سن کر آپ کو اس بات کا یقین بھی نہ ہوگا کہ متکلم نے مریخ کو نہیں دیکھا کیا معلوم کہ کواکب کی جس جماعت کو متکلم نے دیکھا ہو اس جماعت میں مریخ داخل ہو بلکہ اس کلام کو سن کر اس بات میں تردد ہوگا کہ متکلم نے مریخ کو دیکھا ہے یا نہیں، جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو کواکب کی طرح آلهة بھی جمع ہے جو استغراق پر دال نہیں ہے اس لئے اس بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا کہ آلهة میں اللہ داخل ہے اور نہ اس بات کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ آلهة میں اللہ تعالی داخل نہیں ہے اور استثنا صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ الا کا مدخول یقین کے

ساتھ ماقبل میں داخل ہو یا یقین کے ساتھ ماقبل سے خارج ہو جب الا کا مابعد یقین کے ساتھ ماقبل میں داخل ہوتا ہے تو مستثنی متصل ہوتا ہے اور جب الا کا مدخول ماقبل سے یقین کے ساتھ خارج ہوتا ہے تو مستثنی منقطع ہوتا ہے اور جب دخول وخروج میں تردد ہو تو استثنی متعذر ہوتا ہے۔

سوال: اچھا! آیت کریمہ میں استثناء متعذر ہے تو الا کے مدخول کو بدل کیوں نہیں مان لیا جاتا الا کو غیر کے معنی میں کیوں مانا جاتا ہے؟

جواب: بدل کلام غیر موجب میں ہوتا ہے اور آیت کریمہ کلام موجب میں ہے اور لو حرف شرط سے جو نفی مستفاد ہے وہ معتبر نہیں؛ کیونکہ کلام غیر موجب وہ ہے جس میں نفی لفظی ہو نہ کہ معنوی۔

قاعدہ

وَإِعْرَابُ سِوٰی ،سَوَاءَ اَلنَّصْبُ عَلَی الظَّرْفِ عَلَی الْاَصَحِّ

ترجمہ: اور سوی اور سواء کا اعراب نصب ہے ظرفیت کی بنا پر اصح قول کے مطابق۔

مختصر تشریح

(۳) قاعدہ: سوی اور سواء پر ظرف ہونے کی وجہ سے نصب آتا ہے، یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور وہی اصح ہے اور ان کی ظرفیت مقدرہ (فرض کی ہوئی) ہے پس جاءنی القوم سوی زید کی تقدیر مکانَ زید ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد سوی اور سواء کے اعراب کو بتانا ہے۔

سوال: سوی اور سواء کا اعراب کیا آئے گا؟

جواب: سوی اور سواء کا اعراب نصب آئے گا۔

سوال: سوی اور سواء کا اعراب نصب کیوں آئے گا؟

جواب: سوی اور سواء کا اعراب ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہوگا، نصب اس لئے کہ یہ دونوں اصل میں مکان کی صفت ہے جیسے قرآن میں ہے (مکانا سویا) پھر موصوف کو حذف کر کے صفت کو موصوف کے قائم مقام بنا دیا پس یہ دونوں مکان کے معنی میں ہو گئے اور مکان ظرف ہے لہذا یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے یہ مذہب اصح ہے۔

اور مذہب غیر اصح جو کوفیوں کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ سویٰ اور سواء کا اعراب غیر کے اعراب کی طرح ہوگا۔ مواقع کے مطابق رفع، نصب، جر، ہوگا۔

اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ سویٰ اور سواء مکان کے معنی میں نہیں ہیں البتہ نصب متعین ہے جیسے لقد تقطع بينكم میں بین فاعل ہونے کے باوجود منصوب ہے اسی طرح سویٰ اور سواء بھی منصوب ہوں گے۔

افعال ناقصہ کی خبر کا بیان

خَبَرُ كَانَ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، مِثْلُ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا

ترجمہ: کان اور اس کے نظائر کی خبر: وہ اسم ہے جو ان (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے کان زید قائما (زید کھڑا تھا)۔

مختصر تشریح

جار اللہ زمخشریؒ نے افعال ناقصہ کے اسم وخبر کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ مصنفؒ نے مرفوعات کے بیان میں ان افعال کے اسم کا تذکرہ نہیں کیا اور یہاں بھی اس کا تذکرہ چھوڑ دیا، یہ عجیب بات ہے! افعال ناقصہ سترہ ہیں: کان، صار، اصبح، امسی، اضحی، ظلَّ، بات، مافتِئَ، مادام، ماانفکّ، لیس، عاد، راح، مابرِحَ، مازال، آض اور غدا، یہ سب

نواسخ جملہ ہیں، جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو اپنی خبر بنالیتا ہیں، ان کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جز مسند الیہ ہوتا ہے وہ ان کا اسم اور جو جز مسند ہوتا ہے وہ ان کی خبر ہوتا ہے، یہ افعال اپنے اسم کو رفع اور خبر نصب دیتے ہیں، کان خبر کو اسم کے لئے گذشتہ زمانہ میں ثابت کرتا ہے، صار حالت کی تبدیلی کے لئے آتا ہے اس کے بعد پانچ افعال جملہ کے مضمون کو اپنے اپنے اوقات کے ساتھ ملاتے ہیں اور ما فتِیءَ سے چار افعال استمرار خبر کے لئے ہیں یعنی یہ بتاتے ہیں کہ ان کی خبر ان کے اسم کے لئے ہمیشہ سے ثابت ہے، اور مادام خبر کے ثابت رہنے کے زمانہ تک کسی کام کا وقت بتانے کے لئے ہے اور لیس زمانہ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کرتا ہے اور آخری چار افعال صار کے معنی میں آتے ہیں۔

افعال ناقصہ کے دخول کے بعد جملہ کا جو جز مسند الیہ ہوتا ہے وہ ان کا اسم اور جو جز مسند ہوتا ہے وہ ان کی خبر ہوتا ہے جیسے کان زید قائماً میں زید، کان کے دخول کے بعد مسند الیہ بنتا ہے اس لئے وہ افعال ناقصہ کا اسم ہے اور قائماً مسند بنتا ہے اس لئے وہ اس کی خبر ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منصوبات میں سے افعال ناقصہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کو بیان کرنا ہے۔

سوال: کان اور اس کے اخوات کی خبر منصوب کیوں؟

جواب: کان اور اس کے اخوات افعال ناقصہ ہیں اور اس کے بعد آنے والا اسم بمنزلہ فاعل کے ہے اور اس کی خبر بمنزلہ مفعول کے ہوتی ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے اس لئے کان اور اس کے اخوات کی خبر منصوب ہوگی۔

سوال: افعال ناقصہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: افعال ناقصہ اسم پر تام نہیں ہوتے بلکہ خبر کے محتاج ہوتے ہیں۔

نوٹ: علامہ زمخشریؒ نے افعال ناقصہ کے اسم وخبر کو ایک ساتھ بیان کیا ہے اور مصنفؒ نے مرفوعات کے بیان میں افعال ناقصہ کے اسم کا تذکرہ نہیں کیا اور اس جگہ بھی اس کا تذکرہ چھوڑ دیا۔

سوال: کان اور اس کے اخوات کی خبر کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جو چیز کان اور اس کے اخوات کے دخول کے بعد مسند بنے جیسے کان زیدٌ قائماً میں قائماً خبر ہے جو کان کے دخول سے پہلے مبتدا کی خبر تھی۔

سوال: افعال ناقصہ کی خبر کی تعریف صحیح نہیں، اس لئے کہ تعریف میں بعد دخولھا کی قید لگائی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کان اور اس کے اخوات داخل ہونے کے بعد وہ مسند بنے تو خبر ہوگی ورنہ نہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کان اور اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند بنے اس کو بھی خبر کہا جاتا ہے جیسے کان زید قائماً میں قائماً خبر ہے مگر اس پر کان کے سوا تمام کان کے اخوات داخل نہیں؟

جواب: دخول کے بعد احد مضاف مقدر ہے اصل عبارت ہے بعد دخول احدھا اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

سوال: کان اور اس کے اخوات کی یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ تعریف اس یضرب پر صادق آتی ہے جو کان زید یضرب ابوہ میں واقع ہے، اس لئے کہ یضرب کے دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ وہ خبر نہیں بلکہ یضرب ابوہ پورا مجموعہ خبر ہے؟

اسی طرح اس قائم پر صادق آتی ہے جو کان زید ابوہ قائم میں واقع ہے۔ قائم، کان اور اس کے اخوات کے دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ وہ خبر نہیں ہے بلکہ ابوہ قائم پورا مجموعہ مسند ہے۔ اس لئے کہ وہ کان اور اس کے اخوات کے دخول کے بعد مسند ہے حالانکہ وہ خبر نہیں ہے بلکہ ابوہ قائم پورا جملہ خبر ہے؟

جواب: تعریف میں دخول سے مراد اثر کرنا ہے اور اثر کی دو قسمیں ہیں: (۱) اثر لفظی (۲) اثر معنوی۔

اثر لفظی: اسم کو رفع دے اور خبر کو نصب دے۔

اثر معنوی: اسم کے لئے خبر کو ثابت کرے۔

کان زید یضرب ابوہ: میں ضَرْبٌ کو زید کے لئے ثابت کرنا ہے نہ کہ فقط ضرب کو پس کان کا دخول پورا جملہ یضرب ابوہ پر ہوگا نہ کہ فقط یضرب پر۔

کان زید ابوہ قائم: قیام کو زید کے لئے ثابت کرنا ہے نہ کہ فقط قیام کو پس کان کا دخول پورے جملہ ابوہ قائم پر ہوگا نہ کہ فقط قائم پر۔ گویا ان مثالوں میں اثر معنوی ہے۔

سوال: مصنفؒ نے منصوبات کے بیان کے میں فعل ناقص کی خبر کو بیان کیا لیکن مرفوعات کے بیان میں فعل ناقص کے اسم کو نہیں بیان کیا اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: منصفؒ کے نزدیک فعل ناقص کا اسم، فاعل میں داخل ہے اس لئے بیان نہیں کیا۔

وَاَمْرُہٗ کَاَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأ۔ وَیَتَقَدَّمُ مَعْرِفَۃً۔

ترجمہ: اور اس کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کے مانند ہے۔ اور یہ (کان اور اس کے نظائر کی خبر) معرفہ ہونے کی صورت میں (بھی اسم پر) مقدم ہو جاتی ہے۔

مختصر تشریح

کان کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کے مانند ہے۔ بس ایک بات میں جدا ہے کہ مبتدا کی خبر معرفہ ہو تو اس کا مبتدا پر مقدم کرنا جائز نہیں، کیونکہ التباس لازم آئے گا اور کان کی خبر معرفہ ہو تو بھی اسم سے مقدم آسکتی ہے، کیونکہ اختلاف اعراب کی وجہ سے التباس پیدا نہ ہوگا۔

البتہ کان کے اسم و خبر میں اعراب اور قرینہ منتفی ہوں تو خبر کی تقدیم جائز نہیں۔ جیسے کان الفتی ھذا۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ احکام، اقسام اور شرائط میں مبتدا کی خبر کے معاملہ کی طرح ہے اور خبر کی تفصیلی گفتگو ماقبل میں گزر چکی ہے، نیز ایک وہم کا ازالہ ہے۔

سوال: وہ وہم کیا ہے؟

جواب: وہ وہم یہ ہے کہ مبتدا کی خبر کا معاملہ اور کان اور اس کی خبر دونوں کا معاملہ ایک ہے حالانکہ مبتدا کی خبر جب معرفہ ہو تو خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا صحیح نہیں ہے اور برخلاف کان اور اس کے اخوات کے کہ اگر اس کی خبر معرفہ ہو تو اس کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے، کیوں؟

جواب: کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ، مبتدا کی خبر کے معاملہ کے مانند ہی ہے، رہا مسئلہ مبتدا کی خبر کو جبکہ معرفہ ہو عدم تقدیم کا اور کان کی خبر اس کے اسم پر معرفہ ہونے کے باوجود تقدیم کا تو مبتدا اور خبر میں مقدم اس لئے نہیں کر سکتے کہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے اور کان میں اسم اور خبر کا اعراب ایک نہیں ہوتا اس لئے تقدیم وتاخیر کی وجہ سے مبتدا اور خبر میں التباس لازم آئے گا اور کان کی میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے التباس لازم نہیں آئے گا۔

سوال: کان الفتی ھذا میں خبر کو اسم پر مقدم کرنا کیوں جائز نہیں ہے؟

جواب: فعل ناقص کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنے کا جواز ایک شرط سے مشروط ہے وہ یہ کہ اسم وخبر دونوں میں سے کسی ایک کا یا دونوں کا اعراب لفظی ہو اور اس مثال میں دونوں کا اعراب تقدیری ہے۔

سوال: یہ شرط کیوں؟

جواب: یہ شرط اس لئے لگائی کہ اعراب لفظی ہونے سے اسم وخبر کے درمیان التباس نہ ہوگا برخلاف مبتدا وخبر میں اعراب لفظی ہونے کے باوجود التباس ہوتا ہے۔

قاعدہ

وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ فِيْ نَحْوِ "اَلنَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ" وَيَجُوْزُ فِيْ مِثْلِهَا اَرْبَعَةُ اَوْجُهٍ

ترجمہ: اور کبھی کان کی خبر کے عامل کان کو حذف کر دیا جاتا ہے الناس مَجزیون باعمالهم، ان خیر افخیر و ان شر افشر (لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اگر ان کا عمل اچھا ہوگا، تو بدلہ بھی اچھا ہوگا، اور اگر ان کا عمل برا ہوگا تو بدلہ بھی برا ہوگا) جیسی مثالوں میں، اور اس طرح کی مثالوں میں چار صورتیں جائز ہیں۔

مختصر تشریح

جب اِنْ شرطیہ کے بعد کوئی اسم آئے پھر فاء آئے اور اس کے بعد دوسرا اسم آئے جیسے ان خیر افخیر تو کان کو حذف کرنا جائز ہے، دیگر افعال ناقصہ کو حذف کرنا جائز نہیں اور اس تخصیص کی وجہ کان کا کثیر الاستعمال ہونا ہے، اور ایسی ترکیب میں چار صورتیں جائز ہیں:

(۱) ان خیرا فخیرٌ: اول کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے اور دوسرے اسم کا رفع مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے (یہ صورت چار صورتوں میں اقوی ہیں)۔

(۲) ان خیرا فخیراً: دونوں اسموں کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

(۳) ان خیر افخیر: دونوں کا رفع، اول کا رفع کان کا اسم ہونے کی بنا پر اور ثانی کا رفع مبتدا ہونے کی بنا پر۔

(۴) ان خیر فخیراً: اول کا رفع کان کا اسم ہونے کی بنا پر اور ثانی کا نصب کان کی خبر ہونے کی بنا پر۔

اور عبارت کے معنی ہیں: لوگ اپنے اعمال کی سزا دئے جائیں گے اگر عمل اچھا ہوگا تو اچھی جزا ملے گی اور عمل برا ہوگا تو بری جزا ملے گی۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ کان کی خبر کے عامل کان کو حذف کر دیا جاتا ہے الناس مَجزیون باعمالھم، ان خیرا فخیر، وان شرا فشرٌ جیسی مثالوں میں۔

سوال: الناس مَجزیون باعمالھم :ان خیرا فخیر ،وان شرا فشرٌ جیسی مثالوں میں کان کو کیوں حذف کیا جاتا ہے؟

جواب: کان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوسکتا ہے برخلاف اس کے اخوات کے جن کا استعمال کان کے مقابلہ میں قلیل ہے، اس کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

سوال: الناس مَجزیون باعمالھم، ان خیرا فخیر، وان شرا فشرٌ جیسی مثالوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: الناس مجزیون باعمالھم ان خیرا فخیر ،وان شرا فشرٌ جیسی مثالوں سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جب ان شرطیہ کے بعد کوئی اسم آئے پھر فاء آئے اور اس کے بعد دوسرا اسم آئے۔

سوال: الناس مجزیون باعمالھم ان خیرا فخیر ،وان شرا فشرٌ میں اعراب کے اعتبار سے کتنی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

جواب: الناس مجزیون باعمالھم ان خیرا فخیر ،وان شرا فشرٌ میں اعراب کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں۔

(۱) اول کا نصب دوسرے کا رفع جیسے ان خیراً فخیرٌ۔

(۲) دونوں میں نصب جیسے ان خیراً فخیراً۔

(۳)دونوں میں رفع میں جیسے ان خیرٌ فخیرٌ۔

(۴)اول کا رفع اور دوسرے کا نصب جیسے ان خیرٌ فخیراً۔

سوال: ان خیر أفخیر ٌ۔اول کا نصب اور دوسرے کا رفع اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اول کا نصب اس لئے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے اور کان کی خبر منصوب ہوتی ہے۔اور دوسرے کا رفع اس لئے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر مرفوع ہوتی ہے۔اب تقدیری عبارت ان کان عملہ خبرا فجزائہ خبر ہوگی۔اس میں تین چیزوں کو حذف کیا گیا ہے: (۱) کان عملہ میں کان (۲) کان کا اسم عملہ (۳) فجزائہ خبر میں فجزاءہ۔

سوال: ان خیر أفخیر ا دونوں میں نصب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: دونوں میں نصب اس لئے کہ دونوں جگہ کان محذوف کی خبر ہو اور ظاہر ہے کہ کان کی خبر منصوبات میں سے ہے۔پس تقدیری عبارت ان کان عملہ خبراً فکان جزائہ خبراً ہوگی۔

اس میں چار حذف ہیں (۱) کان (۲) عملہ (۳) دوسرا کان (۴) جزائہ

(۳) ان خیرٌ فخیرٌ دونوں میں رفع کی وجہ کیا ہے؟

جواب: پہلے کا رفع تو اس لئے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور دوسرے کا رفع اس لئے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر کا مرفوع ہونا عالم آشکارہ ہے۔

اب تقدیری عبارت ان کان فی عملہ خیر فجزائہ خبیر ہوگی۔اس میں چار حذف ہیں: (۱) کان (۲) فی (۳) عملہ (۳) جزائہ (۴) ان خیرٌ فخیراً۔

سوال: اول کا رفع اور دوسرے میں نصب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: پہلے کا رفع تو اس لئے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور دوسرے کا نصب اس لئے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے۔اب تقدیری عبارت ان کان فی عملہ خبر فکان

جزائہ خیراً ہوگی۔ اس میں چار حذف ہیں: (۱) کان (۲) فی (۳) عملہ (۴) دوسرا کان (۵) دوسرے کان کا اسم جزائہ۔

سوال: ان چاروں میں سے مضبوط اور عمدہ وجہ کونسی ہے؟

جواب: اول طریقہ سب سے عمدہ ہے پھر دوسرا اور تیسرا طریقہ بین بین اور چوتھا طریقہ سب سے ضعیف ہے۔

سوال: اول طریقہ سب سے عمدہ کیوں؟

جواب: اول طریقہ سب سے عمدہ اس لئے ہے کہ اس میں فقط تین حذف ہیں۔

سوال: دوسرا اور تیسرا طریقہ بین بین کیوں؟

جواب: دوسرا اور تیسرا طریقہ بین بین اس لئے ہے کہ باب حذف میں یہ تین اور پانچ کے درمیان ہے۔

سوال: چوتھا طریقہ سب سے ضعیف کیوں؟

جواب: چوتھا طریقہ سب سے ضعیف اس لئے ہے کہ ان میں سب سے زیادہ پانچ حذف ہیں۔

قاعدہ

وَيَجِبُ الْحَذْفُ فِيْ مِثْلِ "اَمَّا اَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ" اَیْ لِاَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقاً

ترجمہ: اور واجب ہے کان کو حذف کرنا اما انت منطلقا انطلقت (تمہارے چلنے کی وجہ سے میں چلا) جیسی مثالوں میں، اس کی اصل لان کنت منطلقا انطلقت ہے۔

مختصر تشریح

جب کان کو حذف کر کے اس کی جگہ میں کوئی چیز لائی جائے تو اب کان کو محذوف

رکھنا واجب ہے ورنہ عوض اور معوض کا اجتماع لازم آئے گا جیسے امّا انت منطلقاً انطلقت میں آپ کے چلنے والا ہونے کی وجہ سے چلنے والا ہوں، اس میں امّا انتَ کی اصل ہے لِاَن کنت، پہلے لام کو حذف کیا، کیونکہ أن سے پہلے لام محذوف رہتا ہے، پھر کان کو حذف کیا تو ضمیر متصل ضمیر منفصل انت ہوگئی، پھر کان کے عوض میں ما زائدہ لائے اور نون کا میم میں ادغام کیا تو أمّا انت ہوگیا، اب کان کو محذوف رکھنا واجب ہے کیونکہ اس کے بدل میں ما آ گیا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کان کا حذف اما انت منطلقا انطلقت جیسی مثال میں واجب ہے۔

سوال: مثل سے کیا مراد ہے؟

جواب: مثل سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں کان کو حذف کر کے اس کے عوض کوئی چیز لائی جائے۔

سوال: جس میں کان کو حذف کر کے اس کے عوض کوئی چیز لائی جائے تو حذف واجب کیوں؟

جواب: حذف واجب اس لئے ہے کہ عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم نہ آئے جیسے اما انت منطلقا انطلقت (آپ کے چلنے والا ہونے کی وجہ سے چلنے والا ہوں)۔

سوال: اما انت منطلقاً کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: اما انت منطلقاً کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اما انت منطلقا انطلقت اصل میں لان کنت منطلقا انطلقت ہے۔ اور اَنْ میں دو احتمال ہیں: (۱) اَنْ بفتح الہمزہ: اما انت منطلقا انطلقت کی اصل میں لان کنت منطلقا انطلقت ہوگی۔

(۲) اِن بکسر الہمزہ: اما انت منطلقا انطلقت کی اصل اِن کنت منطلقا انطلقت

ہوگی۔لام جارہ کی تقدیم کی وجہ سے اس میں حصر کا فائدہ ہوگا۔اگر دوسرا احتمال ہوتو لام جارہ نہ ہوگا۔لام جارہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اس میں حصر کا فائدہ نہ ہوگا۔

اب اِنْ کنتَ میں سے فعل ناقص کان کو حذف کر دیا تو اِنْ انتَ باقی رہا اس لئے کہ فعل حذف کئے جانے کے بعد ضمیر مرفوع متصل ضمیر مرفوع منفصل سے بدل جاتی ہے۔

اب آپ کو معلوم ہے کہ اِن حرف شرط اسم پر داخل نہیں ہوتا، یقیناً کان کی جگہ پر کوئی عوض لانا ہوگا لہذ الفظ ما لائے تو اِنْ ما اَنتَ ہوا۔

اب یرملون کے قانون سے اِنْ کے نون کو لفظ ما کے میم میں ادغام کر دیا اِماّ اَنتَ ہوگیا۔اب پوری عبارت ہوگی: اما انت منطلقا انطلقت۔

اس اصل کے مطابق مثال مذکور کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تو چلا تھا تو میں چلا تھا (تمہارے چلنے کی وجہ سے میں چلا تھا) دونوں اصل کے ترجمہ کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے البتہ ایک ہی فرق ہے کہ اصل اول کے ترجمہ میں حصر ہے اور اصل ثانی کے ترجمہ میں حصر نہیں ہے۔

سوال: کسی بھی چیز کا حذف واجب اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی قرینہ اور قائم مقام ہو اس جگہ قرینہ کیا ہے؟ اور قائم مقام کیا ہے؟

جواب: اس مثال میں قرینہ ہے منطلقا معمول کا منصوب ہونا اور قائم مقام لفظ ما ہے جو کان کی جگہ پر واقع ہے۔

حروف مشبہ بالفعل کے اسم کا بیان

اِسْمُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا مِثْلُ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ

ترجمہ: وہ اسم ہے جو حروف مشبہ بالفعل میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسندالیہ ہو جیسے: اِنَّ زیداً قائم (بلاشبہ زید کھڑا ہے)۔

مختصر تشریح

یہ حروف بھی نواسخ جملہ ہیں، جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا کو اپنا اسم اور خبر کو

اپنی خبر بنا لیتے ہیں اور انَّ کا اسم مسند الیہ اور خبر مسند ہوتی ہے جیسے اِنَّ زیداً قائم بیشک زید کھڑا ہے

□

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منصوبات میں سے اِنَّ اور اس کے نظائر کا اسم کو بیان کرنا ہے۔

سوال: اِنَّ اور اس کے نظائر کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِنَّ اور اس کے نظائر کو حروف مشبہ بالفعل کہتے ہیں۔

سوال: اِنَّ اور اس کے نظائر کو حروف مشبہ بالفعل کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اِنَّ اور اس کے نظائر کو حروف مشبہ بالفعل اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی مشابہت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

سوال: فعل کے ساتھ مشابہت کس اعتبار سے؟

جواب: فعل کے ساتھ مشابہت لفظاً بھی اور معناً بھی ہے۔

سوال: لفظاً اور معنیً مشابہت کیسے؟

جواب: لفظاً مشابہت جس طرح فعل ثلاثی ہوتا ہے اسی طرح ان میں سے بعض حروف بھی ثلاثی ہیں جیسے اِنَّ، اَنَّ اور لَیتَ اور جس طرح فعل رباعی ہوتا ہے اسی طرح بعض حروف رباعی ہیں جیسے کَاَنَّ، لٰکِنَّ اور لَعَلَّ۔ اور معنیً مشابہت اس طرح ہے کہ ان حروف میں فعل کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔

سوال: اِنَّ اور اس کے نظائر کا اسم منصوب کیوں؟

جواب: اِنَّ اور اس کے نظائر کا اسم منصوب اس لئے ہے کہ اِنَّ اور اس کے نظائر میں سے ہر ایک فعل کے معنی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اِنَّ اور اَنَّ حقّقتُ کے معنیٰ میں اور کَاَنَّ شبّھتُ کے معنیٰ میں اور لیت تمنیتُ کے معنیٰ میں اور لٰکِنَّ استدرکتُ کے معنیٰ میں لعلَّ

ترجیتُ کے معنیٰ میں ہیں اب ان کے بعد جو اسم آئے گا وہ مفعول ہوگا اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔

سوال: اِنَّ اور اس کے نظائر کے اسم کی تعریف کیا ہے؟

جواب: اِنَّ اور اس کے نظائر کے اسم کی تعریف: ان حروف کے داخل ہونے کے بعد وہ اسم مسند الیہ بنے جیسے اِنَّ زیدا قائم اس مثال میں زید مسند الیہ ہے اِنَّ کے اسم ہونے کی حیثیت سے اور اِنَّ کے دخول سے پہلے یقیناً زیدٌ قائمٌ میں زید مسند الیہ ہے لیکن اس کا مسند الیہ ہونا مبتدا ہونے کی حیثیت سے ہے۔

سوال: اِنَّ اور اس کے نظائر کے اسم کی تعریف صحیح نہیں، اس لئے کہ تعریف میں بعد دخولھا کی قید لگائی اس کا مطلب یہ ہوا کہ اِنَّ اور اس کے تمام نظائر کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند الیہ بنے تو اسم ہوگا ہوگی ورنہ نہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اِنَّ اور اس کے نظائر میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ بنے اس کو بھی اسم کہا جاتا ہے جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ میں زیداً اسم ہے مگر اس پر تمام اِنَّ اور اَنَّ کے نظائر داخل نہیں؟

جواب: دخول کے بعد احد مضاف مقدر ہے اصل عبارت ہے بعد دخول احدھا اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

لائے نفی جنس کا بیان

اَلْمَنْصُوْبُ بِلاَ الَّتِیْ لِنَفْیِ الْجِنْسِ

مختصر تشریح

گیارہواں منصوب: لائے نفی جنس کا اسم ہے مگر مصنفؒ نے اسم لا التی نہیں کہا، کیونکہ اس لا کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا پس اگر اسم لا کہتے تو وہم ہوتا کہ لا کا اسم ہر حال میں منصوب ہوتا ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد منصوبات میں سے لائے نفی جنس کے اسم کو بیان کرنا ہے۔

سوال: مصنفؒ نے عنوان کیوں بدل دیا اسم لاالتی لنفی الجنس کے بجائے المنصوب بلاالتی لنفی الجنس کیوں کہا؟

جواب: مصنفؒ نے عنوان اس لئے بدلا کہ لائے نفی جنس کا اسم ہر حال میں منصوب نہیں ہوتا بلکہ اس میں اعراب کی مختلف صورتیں ہیں اور بیان منصوبات کا چل رہا ہے لہذا اسی صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے المنصوب بلاالتی لنفی الجنس کی عبارت ذکر کی اگر اس کا ایک ہی اعراب نصب ہوتا تو اسم لاالتی لنفی الجنس کہنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

لائے نفی جنس کا اسم

هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا ،يَلِيْهَا نَكِرَةً مُضَافًا اَوْ مُشَبَّهًا بِهِ، مِثْلُ "لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا" وَ "لَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ"

ترجمہ: وہ ہے جو اس لا کی وجہ سے منصوب ہو جو جنس کی نفی کے لئے آتا ہے (لائے نفی جنس کا اسم) وہ اسم ہے جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو درآنحالیکہ وہ اس (لائے نفی جنس) سے متصل ہو، نکرہ ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو، جیسے لا غلام رجل ظریف فیھا (مرد کا کوئی غلام ہوشیار اور گھر میں نہیں ہے) لا عشرین درھما لک (تمہارے لئے بیس درہم نہیں ہے)۔

مختصر تشریح

لائے نفی جنس بھی نواسخ جملہ میں سے ہے، اس لا کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو

جز مسند الیہ ہوتا ہے وہی لا کا اسم ہوتا ہے اور منصوب ہوتا ہے، البتہ اس کے نصب کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) اسم لا سے متصل آئے (۲) اسم نکرہ ہو (۳) اسم مضاف یا شبہ مضاف ہو جیسے **لا غلام رجل ظریف فی الدار** (نکرہ مضاف کی مثال) اور **لا عشرین درھما لک** (نکرہ مشابہ مضاف کی مثال)۔

وضاحت

سوال: لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف کیا ہے؟

جواب: اس کی تعریف یہ ہے: لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد جملہ کا جو جز مسند الیہ ہوتا ہے وہی لا کا اسم ہوتا ہے اور وہی منصوب ہوتا ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کی وجہ سے اسم منصوب کب ہوتا ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کی وجہ سے اسم منصوب اس وقت ہوگا جب تین شرطیں پائی جائیں۔ اور وہ یہ ہیں: (۱) لا کا اسم لا سے متصل ہو۔ (۲) لا کا اسم نکرہ ہو (۳) لا کا اسم مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔

سوال: متصل کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: کیونکہ لا ضعیف العمل ہے فصل کی شکل میں عمل کی قوت باقی نہیں رہتی۔

سوال: نکرہ ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: اس لئے کہ لائے نفی جنس، جنس کی نفی کے لئے آتا ہے اور جنس قلت کے ساتھ کثرت کا تقاضہ کرتی ہے اور نکرہ میں کثرت پائی جاتی ہے برخلاف معرفہ کے وہ قلت کا تقاضہ کرتا ہے۔

سوال: مضاف یا شبہ مضاف کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: مضاف یا شبہ مضاف کا ہونا علامت اسم میں سے قوی علامت ہے یہ دونوں اسم کے بڑے خواص ہیں، اس سے اسمیت کی جہت مضبوط ہو جاتی ہے اور حرف سے

مشابہت بالکل کمزور ہو جاتی ہے۔نکرہ مضاف کی مثال جیسے **لاغلام رجل ظریف فیھا** اور نکرہ مشابہ مضاف کی مثال جیسے **لاعشرین درھمالک**۔

سوال: لاغلام رجل ظریف فیھا میں فیھا کی قید کیوں لگائی؟

جواب: فیھا کا اضافہ اس لئے کیا تا کہ خلاف وضع لازم نہ آئے (۱) اس لئے کہ اگر فیھا کی قید نہ ہوتی تو خلاف واقع لازم آتا، کیونکہ فیھا کی قید نہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوتا کہ کسی مرد کا غلام ظریف نہیں ہے، حالانکہ یہ کذب ہے، بہت سے لوگوں کے غلام ظریف ہوتے ہیں سب بے وقوف نہیں ہوتے ،فیھا کے اضافہ سے یہ خرابی لازم نہ آئے گی ،اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عقلمند غلام گھر میں نہیں ہے۔

(۲) مصنفؒ کا مقصد لائے نفی جنس کی خبر کی دوقسموں کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر اسمِ ظرف بھی آسکتی ہے جیسے **فیھا** اور غیر ظرف بھی جیسے **ظریف**۔

سوال: لعام کتابوں میں لائے نفی جنس کی خبر کی مثال **لا رجل فی الدار** بیان کی جاتی ہے مصنفؒ نے اس سے عدول کیوں کیا؟

جواب: **لا رجل فی الدار** یہ مثال مشہور ہے،لیکن اس میں خبر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا تھا، کیونکہ اس میں احتمال تھا کہ **فی الدار**، کائن سے متعلق ہو کر پھر **رجل** کی صفت ہو اور خبر محذوف ہو تو چونکہ مثال مشہور اپنے ممثل لہ میں نص نہیں ہے، اس لئے اس سے عدول کر کے ایسی مثال بیان کی جس میں خبر کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہ ہو۔

فَاِنْ كَانَ مُفْرَدًا فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلٰى مَا يُنْصَبُ بِهٖ

ترجمہ: پس اگر وہ اسم (جو لائے نفی جنس کے بعد واقع ہو) مفرد ہو، تو وہ اس علامت پر مبنی ہوگا جس کے ذریعہ نصب دیا جاتا ہے۔

مختصر تشریح

(۱) پس اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو یعنی تیسری شرط فوت ہو تو علامت نصب پر

مبنی ہوگا اور مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو، پس یہ حکم تثنیہ وجمع کو بھی شامل ہوگا جیسے لا رجل / مسلمَیْن / مسلِمِین / مسلماتٍ فی الدار اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مِنْ کو متضمن ہوتا ہے لا رجل ای ما من رجل۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو، مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ اس حرف یا حرکت پر مبنی ہوگا جس کے ساتھ وہ لا کے دخول سے پہلے منصوب ہوتا تھا گویا مبنی بر فتح ہوگا۔

سوال: لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو تو مبنی کیوں؟

جواب: لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو تو مبنی اس لئے ہے کہ وہ حرف من استغراقیہ کے معنی کو متضمن ہے۔

سوال: جب لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو تو من استغراقیہ متضمن کیوں ہوتا ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو تو من استغراقیہ کو متضمن اس لئے ہوتا ہے کہ وہ سائل کے سوال کے جواب میں واقع ہوتا ہے جو کلمہ من پر مشتمل ہے جیسے ھل من رجل فی الدار ؟ اس کے جواب میں آیا لا رجل فی الدار ای لا احد من رجل فی الدار اس سے معلوم ہوا کہ لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو تو من استغراقیہ کو متضمن ہوتا ہے۔

سوال: فتحہ پر مبنی کیوں؟

جواب: فتحہ پر مبنی اس لئے ہے تا کہ حرکت بنائیہ حرکت اعرابیہ کے موافق ہو جائے۔ جیسے لا رجل فی الدار۔

❁ ❁ ❁

وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً، أَوْ مَفْصُولاً بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيرُ

ترجمہ: اور اگر (لائے نفی جنس کا مدخول) معرفہ ہو، یا اس کے اور لا کے درمیان فصل کیا گیا ہو، تو (اس پر) رفع پڑھنا اور لا کو مکرر لانا واجب ہے۔

مختصر تشریح

اور اگر نکرہ ہونے کی شرط منتفی ہو اس کا مطلب دوسری شرط منتفی ہو اور لا کا اسم معرفہ ہو یا اتصال کی شرط معدوم ہو یعنی پہلی شرط منتفی ہو اور لا اور اسم کے درمیان فصل ہو تو پھر وہ اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور لا کی تکرار دوسرے معرفہ کے ساتھ ضروری ہوگی (عبارت میں أو مانعة الخلو کا ہے، جس کا مطلب دونوں باتوں سے خالی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں) صرف معرفہ کی مثال جیسے لا زیدٌ فی الدار و لا عمرو۔ صرف فصل کی مثال لا فی الدار رجل و لا امرأة۔ فصل اور معرفہ دونوں کی مثال لا فی الدار زید و لا عمرو۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو یا لائے نفی جنس اور لائے نفی جنس کے اسم کے مابین فصل ہو تو رفع اور تکرار واجب ہے۔

لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو جیسے لا زید فی الدار و لا عمرو اس مثال میں زید بجائے نکرہ کے معرفہ ہے جو لا کا اسم ہے چنانچہ زید مرفوع ہے اور لا مکرر ہے۔

لائے نفی جنس کے اسم کے مابین فصل ہو جیسے لا فی الدار رجل و لا امراۃ میں رجل لا کا اسم ہے لیکن لا سے متصل نہیں ہے بلکہ منفصل ہے چنانچہ رجل مرفوع ہے اور لا مکرر ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو مرفوع کیوں؟

جواب: لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو مرفوع پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ جب

لا کا اثر معرفہ میں ظاہر نہیں ہوا تو اس میں رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے واجب ہوگیا۔

سوال: لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو لا کا تکرار کیوں؟

جواب: لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو لا کا تکرار اس لئے ضروری ہے کہ لا کا تکرار کثرت میں فوت شدہ کی خبر دینے والا ہو جائے۔

سوال: لائے نفی جنس کے اسم کے مابین فصل ہو تو رفع کیوں واجب ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کے اسم کے مابین فصل ہو تو رفع اس لئے واجب ہے کہ لا فصل کی وجہ سے ضعیف العمل ہے۔

سوال: لائے نفی جنس کے اسم کے مابین فصل ہو تو تکرار کیوں واجب ہے؟

جواب: لائے نفی جنس کے اسم کے مابین فصل ہو تو لا کا تکرار اس لئے واجب ہے تاکہ جواب، سوال کے مطابق ہو جائے کیونکہ سوال أفي الدار رجل أو امراۃ ہے۔

فائدہ

وَمِثْلُ "قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَّهَا" مُتَأَوَّلٌ

ترجمہ: اور قضیۃ و لا ابا حسن لها (ایک مقدمہ ہے اور اس کے لئے کوئی ابو حسن (فیصلہ کرنے والا) نہیں ہے) جیسی مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔

مختصر تشریح

ماقبل میں قاعدہ بیان کیا گیا کہ جب لا کا اسم معرفہ ہو تو رفع اور تکرار واجب ہے مگر قَضِيَّةٌ و لا ابا حسن لها میں ابو الحسن معرفہ ہے، یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے اور نہ مرفوع ہے نہ مکرر اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول میں تاویل کی گئی ہے۔

پہلی تاویل: مضاف محذوف ہے ای لا مثل ابی الحسن اور لفظ مثل اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر ابہام کی زیادتی کی وجہ سے وہ اضافت سے بھی معرفہ نہیں ہوا۔

دوسری تاویل: عَلَم سے مراد وہ صفت ہے جس کے ساتھ صاحب عَلَم مشہور ہے جیسے حاتم سے سخاوت مراد لی جاتی ہے اسی طرح یہاں ''فیصلہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت'' مراد ہے، اور جب وصف مشہور مراد لیا تو علمیت اور تعریف باطل ہوگئی، صحابہ کے زمانہ میں جب کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت علیؓ اس کو حل فرماتے، اس لئے یہ محاورہ ہوگیا، جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا ہے اور کوئی اس کو حل کرنے والا نہیں ہوتا تو کہتے ہیں ''قضیہ ہے یعنی یہ ایک اہم معاملہ ہے اور اس کو حل کرنے والے ابو الحسن یعنی حضرت علیؓ موجود نہیں ہیں!''۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ماقبل میں قانون بیان کیا کہ جب لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو اس میں رفع اور لا کا تکرار واجب ہوتا ہے تو یہ قانون قضية و لا ابا حسن لها سے ٹوٹ گیا اس لئے کہ اس میں لائے نفی جنس کا اسم ابا حسن معرفہ تو ہے لیکن مرفوع نہیں ہے اور نہ ہی لا کا تکرار ہے؟

جواب: مصنفؒ نے اپنے قول متأول سے اس کا جواب دیا کہ قضية و لا ابا حسن لها نکرہ کی تاویل میں ہے، جب ابا حسن نکرہ کی تاویل میں ہوگیا تو قانون کے مطابق منصوب ہوگا اس لئے کہ لائے نفی جنس کا اسم نکرہ ہو تو مبنی برنصب ہوتا ہے۔

سوال: اباحسن نکرہ کی تاویل میں کیسے ہوا؟

جواب: (ا) لائے نفی جنس کا اسم اباحسن نہیں ہے بلکہ مثل ہے جو محذوف ہے، اصل عبارت قضية و لا مثل ابی حسن لها ہے اور مثل نکرہ ہے۔

سوال: یہ تاویل صحیح نہیں اس لئے کہ مثل کی اضافت اباحسن کی طرف ہے اور اضافت کی وجہ سے نکرہ معرفہ ہو جاتا ہے لہذا مثل معرفہ ہوا نہ کہ نکرہ۔

جواب: مثل ان کلمات میں سے ہیں جو کلمات اضافت کے باوجود نکرہ ہوتے

ہیں اس لئے مثل زیادتیِ ابہام کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ نہیں ہوگا اور اباحسن لفظ مثل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

جواب: (۲) اباحسن کنایہ ہے صاحب علم کے وصف مشہور سے اور صاحب علم کا وصف مشہور حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنا ہے تو اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ مقدمہ موجود ہے لیکن کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہیں اس صورت میں اباحسن کا نکرہ ہونا ظاہر ہے لہذا قاعدہ اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

فائدہ: ابوالحسن یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے صحابہ کے زمانے میں جب کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت علیؓ اس کو حال فرماتے، اس لئے یہ محاورہ ہوگیا جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا ہے اور کوئی اس کو حل کرنے والا نہیں ہوتا تو کہتے ہیں قضیة ہے یعنی یہ ایک اہم معاملہ ہے اور اس کو حل کرنے والے ابوالحسن یعنی حضرت علیؓ موجود نہیں ہیں۔

سوال: کافیہ کی عبارتماینصب به کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ما اسمیہ سے علامت مراد ہے لہذا ماینصب به کا مطلب علامت نصب ہے۔ علامت نصب واحد کے لئے فتحہ ہے جیسے لا رجل في الدار۔ تثنیہ کے لئے یاء ماقبل مفتوح جیسے لا مسلمین في الدار۔ جمع مذکر سالم کے لئے یاء ماقبل مکسور جیسے لا مسلمین في الدار۔ اور اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ کے لئے الف جیسے لا اباحسن لها۔ (جبکہ ابوالحسن سے مجازاً فیصل مراد ہے، حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا اس صورت میں اباحسن نکرہ ہے اور علامت نصب پر مبنی)۔ علامت نصب اسم مقصور کے لئے فتحہ تقدیری ہے جیسے لا عصا في الدار۔ جمع مؤنث سالم کے لئے کسرہ مگر بعض کے نزدیک کسرہ مع تنوین جیسے لا مسلمات في الدار (کسرہ اور تنوین کے ساتھ) اور جمہور کے نزدیک کسرہ بلا تنوین کے ساتھ جیسے لا مسلمات في الدار۔

اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں جو تنوین ہے وہ تنوین مقابلہ ہے اور تنوین مقابلہ مبنی نہیں، اس لئے مبنی ہونے کی صورت میں بعض نحات اس پر کسرہ مع تنوین داخل کرتے ہیں لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں اگرچہ تنوین تمکن

نہیں ہے بلکہ تنوین مقابلہ ہے لیکن صورت میں تنوین مقابلہ تنوین تمکن کے مشابہ ہے لہذا مبنی پر جب تنوین تمکن نہیں آتی ہے تو اس پر تنوین مقابلہ بھی نہیں آئے گی۔

فائدہ: مازنی کا مذہب یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم فتحہ پر مبنی ہوتا ہے جیسے لا مسلماتَ فی الدار (بلاتنوین فتحہ کے ساتھ) جس طرح لا رجل فی الدار میں رجل فتحہ پر مبنی ہوتا ہے۔

فائدہ

وَفِيْ مِثْلِ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" خَمْسَةُ اَوْجُهٍ فَتْحُهُمَا، وَفَتْحُ الْاَوَّلِ وَنَصْبُ الثَّانِيْ، وَرَفْعُهُ، وَرَفْعُهُمَا، وَرَفْعُ الْاَوَّلِ عَلٰى ضُعْفٍ وَفَتْحُ الثَّانِيْ

ترجمہ: اور لاحول و لاقوۃ الا باللہ جیسی مثالوں میں پانچ صورتیں جائز ہیں (۱) دونوں کا فتحہ (۲) پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا نصب (۳) (پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا نصب (۴) دونوں کا رفع (۵) پہلے کا رفع ضعیف قول کے مطابق اور دوسرے کا فتحہ ۔

مختصر تشریح

(۲) فائدہ: جب لا بطور عطف مکرر آئے اور ہر لا کے نکرہ متصل آئے جیسے لا رجل فی الدار و لا امرأۃ اور جیسے لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ میں پانچ صورتیں جائز ہیں (۱) دونوں کا فتحہ یعنی دونوں زبر پر مبنی اور لا برائے نفی جنس (۲) اول کا فتحہ یعنی زبر پر مبنی اور ثانی کا نصب یعنی معرب اور اس کا اعراب زبر، اس صورت میں پہلا لا برائے نفی جنس اور دوسرا لا زائدہ برائے تاکید ہے (۳) اول کا فتحہ یعنی زبر پر مبنی اور ثانی کا رفع یعنی اعرابی پیش، پہلا لا برائے نفی جنس اور دوسرا لا زائد اور قوۃ کا عطف حول کے محل پر وہ بر بنائے ابتدا محلاً مرفوع ہے (۴) دونوں کا رفع یعنی دونوں پر اعرابی پیش مبتدا ہونے کی وجہ سے اور دونوں لا ملغی (زائد) (۵) اول کا رفع اور ثانی کا فتحہ پہلا لا مشابہ بہ لیس اور دوسرا لا برائے نفی جنس، مگر یہ

صورت ضعیف ہے اس لئے کہ لا بمعنی لیس کا عمل قلیل ہے۔

نوٹ : بنائی حرکت کے نام ضمہ، فتحہ، کسرہ اور وقف ہیں اور اعرابی حرکت کے نام ضمہ، نصب، جر اور سکون ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ جیسی ترکیب میں باعتبار اعراب کے پانچ احتمال ہیں۔

سوال: مثل سے کونسی ترکیب مراد ہے؟

جواب: مثل سے مراد وہ ترکیب جس میں لا عطف کے طریقہ پر مکرر ہو اور لا کے بعد نکرہ مفردہ بلا فصل کے ہو جیسے لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

سوال: وہ پانچ احتمال کیا ہے؟

جواب: وہ پانچ احتمال یہ ہیں (۱) دونوں میں فتحہ جیسے لا حولَ و لا قوۃَ الا باللہ۔

سوال: دونوں میں فتحہ کی وجہ؟

جواب: دونوں میں لائے نفی جنس کا اسم نکرہ ہے اور متصل ہے اور مضاف و مشابہ مضاف نہیں ہے جس کا اعراب مبنی بر فتحہ ہوتا ہے۔

(۲) پہلے کا فتحہ دوسرے کا نصب جیسے لا حولَ و لا قوۃً الا باللہ۔

سوال: پہلے میں فتحہ اور دوسرے میں نصب کی وجہ؟

جواب: پہلے کا فتحہ لائے جنس کی وجہ سے ہے اور لا کا اسم نکرہ مفردہ بلا فصل ہے جو مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اور دوسرے کا نصب اس میں لا زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے لہذا دوسرے لا کا اسم پہلے لا کے محل قریب پر معطوف ہوگا اور اس کا محل قریب نصب ہے لہذا یہ بھی منصوب ہوگا۔

(۳) پہلے کا فتحہ دوسرے کا رفع جیسے لا حولَ و لا قوۃٌ الا باللہ۔

سوال: پہلے کا فتحہ دوسرے کا رفع کیوں؟

جواب: پہلے کا فتحہ لائے جنس کی وجہ سے ہے اور لا کا اسم نکرہ مفردہ بلافصل ہے جو مبنی برفتحہ ہوتا ہے، اور دوسرے کا رفع اس لئے ہے کہ لا زائدہ ہے، نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے اور دوسرے کا اسم پہلے کے محل بعید پر معطوف ہے اور پہلے کے اسم کا محل بعید رفع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا۔

(۴) دونوں میں رفع جیسے لا حولٌ و لا قوۃٌ الا باللہ۔

سوال: دونوں میں رفع کی وجہ؟

جواب: دونوں میں رفع اس لئے ہے تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے اس لئے کہ سوال ہے لا حولٌ و قوۃٌ الا باللہ جس کے جواب میں لا حولٌ و لا قوۃٌ الا باللہ۔

فائدہ: ان چاروں صورتوں میں جملہ کا عطف جملہ پر بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ ہر ایک کی خبر الگ الگ ہے اور مفرد کا عطف مفرد پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ دونوں کی خبر ایک ہے۔

(۵) پہلے کا رفع اور دوسرے کا فتحہ جیسے لا حولٌ و لا قوۃَ الا باللہ۔

سوال: پہلے کا رفع اور دوسرے کا فتحہ کیوں؟

جواب: پہلے کا رفع اس لئے ہے کہ اول لا لیس کے معنی میں ہو اور دوسرے کا فتحہ اس لئے ہے کہ لا نفی جنس کا ہے اور لا کا اسم نکرہ مفردہ بلافصل ہے جو مبنی برفتحہ ہوتا ہے۔

فائدہ: اول کا رفع ضعیف ہے اس لئے کہ لا نفی جنس بمعنی لیس قلیل الاستعمال ہے۔

نوٹ: اس پانچویں صورت میں صرف جملہ کا عطف جملہ پر ہوسکتا ہے لیکن مفرد کا عطف مفرد پر نہیں ہوسکتا ورنہ ایک ہی اسم کا مرفوع و منصوب ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

سوال: کیا کوئی شکل ہے کہ مفرد کا عطف مفرد پر درست ہو جائے؟

جواب: ہاں ایک صورت ہے وہ یہ کہ اول کا رفع اس لئے مانا جائے کہ لا کا عمل باطل ہو چکا ہے کیونکہ لا کے باطل کرنے کے لئے لا کا تکرار ضروری ہوتا ہے اور وہ موجود ہے تو ایسی صورت میں مفرد کا عطف مفرد پر درست ہو جائے گا۔

قاعدہ

وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ، وَمَعْنَاهَا
اَلْإِسْتِفْهَامُ، وَالْعَرْضُ، وَالتَّمَنِّيْ،

ترجمہ: اور جب (لائے نفی جنس پر) ہمزہ داخل ہوجائے تو (لائے نفی جنس کا) عمل نہیں بدلے گا۔ اور اس (ہمزہ) کے معنی استفہام، عرض اور تمنی کے ہوں گے۔

مختصر تشریح

جب لائے نفی جنس پر ہمزہ ہو تو اس کا عمل نہیں بدلے گا، پس اگر لا کا اسم مبنی ہے تو مبنی ہی رہے گا اور معرب ہے تو معرب ہی رہے گا، اور ہمزہ کبھی استفہام کے لئے ہوگا جیسے الا رجل فی الدار؟ کبھی عرض کے لئے جیسے الا نزولَ عندی! اور کبھی تمنی کے لئے جیسے الا ماء اشربه

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جب ہمزہ استفہام لائے نفی جنس پر داخل ہوجائے تو لائے نفی جنس کے عمل میں کوئی ردوبدل نہیں کرتا البتہ لائے نفی جنس اس صورت میں کبھی استفہام کے معنی میں ہوگا جیسے الا رجل فی الدار (کیا گھر میں کوئی آدمی نہیں) کبھی عرض کے معنی میں ہوگا جیسے الا نزول عندی (میرے پاس کیوں نہیں آتے) اور کبھی تمنا کیلئے ہوتا ہے جیسے الا ماء اشربه (کاش کہ پانی ہوتا کہ میں اسے پیتا)۔

سوال: ہمزۂ استفہام جب لائے نفی جنس پر داخل ہو تو لا کا عمل کیوں نہیں بدلتا؟

جواب: ہمزۂ استفہام لا کی تاثیر کو بدلنے میں مؤثر نہیں ہے تو اس کے عمل کو بھی نہیں بدلے گا اگرچہ معنی میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔

سوال: ایک مثال الا رجلٌ جزاہ اللہ خیراً۔ لائے نفی جنس پر ہمزۂ استفہام

داخل ہوا ہے اور لا کے عمل میں تغیر کیا ہے اس لئے کہ اگر لا کے عمل میں تبدیلی نہ کرتا تو لا رجل مبنی بر فتحہ ہوتا نکرہ مفردہ متصلہ کی وجہ سے اور استفہام داخل ہو کر اس کو معرب کر دیا؟

جواب: مذکورہ مثال میں لا ،جنس کی نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس پر جو حرف استفہام داخل ہوا ہے وہ مستقل حرف حرف تحضیض ہے۔

سوال: حرف تحضیض کا مدخول اسم نہیں ہوتا بلکہ فعل ہوتا ہے اور اس جگہ رجل اسم پر داخل ہے؟

جواب: فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً تو فعل اگر چہ اس جگہ لفظاً نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے تقدیری عبارت الا ترونی رجلا جزاہ اللہ خیراً ہوگی تو اس جگہ لا فعل پر داخل ہوا ہے نہ کہ اسم پر اب کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

فائدہ: مذکورہ مثال ایک شاعر کا شعر ہے

الا رجلا جزاہ اللہ خیرا　　　یدل علی محصلۃ تبیت

ترجل قمتی ویقیم بیتی　　　وتعطینی الاتاوۃ مابقیت

کیا تم مجھے ایسا مرد نہ بتاؤں گے اللہ تعالی اس کو جزا خیر دے جو مجھے ایسی عورت کی طرف رہنمائی کرے جو سونا نکالنے کی غرض سے کان کی مٹی لایا کرے میرے سر میں کنگھا کیا کرے اور میرے گھر میں رہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجامعت پر مجھے معاوضہ دیتی رہے

قاعدہ

وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلِ مُفْرَدًا يَلِيهِ مَبْنِيٌّ ،وَمُعْرَبٌ رَفْعًا وَنَصْبًا مِثْلُ لَارَجُلَ ظَرِيفَ ،ظَرِيفٌ وَظَرِيفًا ،وَإِلَّا فَالْإِعْرَابُ

ترجمہ: اور (لائے نفی جنس کے) اسم مبنی کی پہلی صفت، درآنحالیکہ وہ مفرد ہو اور اس (اسم مبنی) سے متصل ہو، مبنی ہوگی اور معرب ہوگی رفع اور نصب کے ساتھ جیسے لا رجل ظریف / وظریف / وظریفا، ورنہ تو وہ (صرف) معرب ہوگی۔

مختصر تشریح

لائے نفی جنس کے اسم مبنی برفتحہ کی پہلی صفت جبکہ مفرد اور متصل ہو اس میں تین وجوہ جائز ہیں (۱) مبنی برفتحہ ہو جیسے لا رجلَ ظریفَ (۲) مرفوع ہو جیسے لا رجلَ ظریفٌ (۳) منصوب ہو یعنی اس پر اعرابی زبر آئے جیسے لا رجلَ ظریفاً پہلی وجہ کی وجہ یہ ہے کہ لا در حقیقت صفت پر داخل ہے، کیونکہ صفت موصوف کے لئے قید ہوتی ہے اور جب نفی مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے، اور باقی دو وجہوں کی وجہ یہ ہے کہ مبنی کا تابع اعراب میں تابع ہوتا ہے، بناء میں تابع نہیں ہوتا، کیونکہ بناء ایک عارضی امر ہے، پھر صفت کو محل پر حمل کریں گے تو مرفوع ہوگی، لا کا اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور لفظ پر حمل کریں گے تو منصوب ہوگی۔

اور اگر اس صفت میں مذکورہ تینوں باتیں نہ ہوں یعنی وہ پہلی صفت نہ ہو دوسری یا تیسری ہو یا مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا شبہ مضاف ہو یا متصل نہ ہو تو وہ صرف معرب ہوگی اور مرفوع ہوگی یا منصوب، محل بعید (لا کے اسم کے محل) پر حمل کریں گے تو رفع آئے گا، اور اس کے لفظ پر حمل کریں گے یا محل قریب پر حمل کریں گے تو نصب آئے گا۔

الاول، نعت کی صفت ہے اور مفرداً اور یلیہ حال ہیں۔

لائے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف جائز ہے، جبکہ اسم نکرہ ہو اور لا مکرر نہ ہو، اور اس وقت معطوف میں دو وجہ جائز ہیں (۱) لفظ پر حمل کر کے نصب پڑھنا (۲) محل پر حمل کر کے رفع پڑھنا جیسے لا ابَ و ابناً اور لا ابَ و ابنٌ یہ ہمام بن غالب کے شعر کا ٹکڑا ہے، اس نے مروان بن الحکم اور اس کے بیٹے عبدالملک کی مدح میں کہا ہے:

ولا ابَ وابناً مثلُ مروان وابنہ اذاھو بالمجدارتدی وتَأَزَّرَا

ترجمہ: مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کی طرح نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا، جب مروان نے بزرگی کی چادر اور لنگی پہن لی۔ اس میں ابناً کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول کو بیان کرنا ہے لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہواور اس اسم کی صفت اول مفرد ہواور متصل ہوتو وہ صفت اول معرب بھی ہوسکتی ہے اور مبنی بھی۔ جیسے لا رجلَ ظریفَ۔ ظریفٌ۔ ظریفا۔ ظریف کو مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب بھی۔

سوال: مبنی علی الفتح کیوں؟

جواب: موصوف اور صفت کے درمیان اتصال واتحاد ہوتا ہے لہذا صفت کو موصوف پر محمول کریں گے جب وہ فتحہ ہے تو اس کو بھی فتحہ پڑھا جائے گا۔

سوال: معرب کیوں پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: توابع میں اصل یہ ہے کہ تابع اپنے متبوع کا معرب ہونے میں تابع ہو تو یہاں ظریف تابع ہے رجل کا اور وہ معرب ہے تو اس کو بھی معرب پڑھا جائے گا۔

سوال: معرب کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: معرب کی دو صورتیں ہیں: (۱) مرفوع (۲) منصوب

سوال: مرفوع اور منصوب کیوں؟

جواب: مرفوع اس لئے کہ صفت کو موصوف کے محل بعید پر محمول مانا جائے۔ اور منصوب اس لئے کہ صفت کو موصوف کے محل قریب پر محمول قرار دیا جائے۔

فوائد قیود: (۱) المبنی کی قید سے لا کے اسم معرب کو خارج کر دیا جیسے لا غلام رجل ظریفا۔ (۲) المبنی الاول کی قید سے لا کے اسم مبنی کی صفت ثانی کو خارج کر دیا جیسے لا رجل ظریف کریم فی الدار۔ (۳) مفرد کی قید سے صفت جو مضاف کی شکل میں ہو اس کو خارج کر دیا جیسے لا رجل حسن الوجہ۔ (۴) یلیہ کی قید سے لا کے اسم مبنی کی صفت اول مفرد مفصول کو خارج کر دیا جیسے لا غلام فیھا ظریف۔

سوال: لاماء ماء باردا فی الدار میں باردًا کو علامت فتحہ پر مبنی کرنا جائز نہیں جبکہ وہ لائے نفی جنس کے اسم کی صفت ہے اور مذکورہ تمام شرائط بھی پائے جاتے ہیں؟

جواب: لاماء ماء باردا فی الدار میں لفظ ماء دو مرتبہ مذکور ہیں جن میں سے پہلا لائے نفی جنس کا اسم ہے اور دوسرا لفظ اس کی تاکید لفظی ہے اب اگر باردا کو لائے نفی جنس کے اسم کی صفت مانیں تو شرط نہیں پائی جاتی کیونکہ اس صورت میں لائے نفی جنس کے اسم اور اس کے صفت کے درمیان تاکید لفظی فاصل ہے اور اگر باردا کو تاکید لفظی کی صفت مانیں تو لائے نفی جنس کے اسم کی صفت نہیں کہ جس میں تین طریقے جائز ہیں۔

والافالاعراب: یعنی لائے نفی جنس کے اسم کی صفت اول کے لئے جو شرطیں ذکر کی (مفرد ہو، متصل ہو) ان میں سے کوئی شرط فوت ہوجائے تو مبنی نہیں پڑھیں گے بلکہ معرب پڑھیں گے مرفوع و منصوب دونوں مرفوع محل بعید پر حمل کرتے ہوئے اور منصوب محل قریب پر حمل کرتے ہوئے۔

قاعدہ

وَالْعَطْفُ عَلَى اللَّفْظِ وَعَلَى الْمَحَلِّ جَائِزٌ فِي مِثْلِ لَا أَبَ وَابْنًا وَابْنٌ

ترجمہ: اور (لائے نفی جنس کے اسم مبنی کے) لفظ و محل پر عطف کرنا جائز ہے لا اب و ابنا / و ابن جیسی مثالوں میں۔

مختصر تشریح

لائے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف جائز ہے، جبکہ اسم نکرہ ہو اور لا مکرر نہ ہو، اور اس وقت معطوف میں دو وجہ جائز ہیں (۱) لفظ پر حمل کرکے نصب پڑھنا (۲) محل پر حمل کرکے رفع پڑھنا جیسے لا اَبَ و ابناً اور لا اَبَ و ابنٌ یہ ہمام بن غالب کے شعر کا ٹکڑا ہے، اس نے مروان بن الحکم اور اس کے بیٹے عبدالملک کی مدح میں کہا ہے:

ولا اَبَ و ابناً مثل مروان و ابنه　　　اذا هو بالمجد ارتدی و تَأَزَّرَا

ترجمہ: مروان اوراس کے بیٹے عبدالملک کی طرح نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا، جب مروان نے بزرگی کی چادر اور لنگی پہن لی۔اس میں ابناً کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اصول کو بیان کرنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ لائے نفی جنس کے اسم مبنی کے لفظ اور محل دونوں پر عطف ہوسکتا ہو تو لفظ پر عطف کرتے ہوئے منصوب اور محل پر عطف کرتے ہوئے مرفوع پڑھنا جائز ہے جیسے **لاابَ و ابناً** اور **لااب و ابنٌ**۔

اس مثال میں اب، **لا** کا اسم ہے، واو عاطفہ ہے اور ابن معطوف ہے، اس کا عطف اب کے لفظ پر بھی جائز ہے اور اب کے محل پر بھی۔البتہ مبنی کی گنجائش نہیں ہوگی۔

سوال: مبنی کی گنجائش کیوں نہیں ہے؟

جواب: واؤ کے ذریعہ فصل ہوگیا اور اتصال باقی نہیں رہا اس لئے کہ حرف عاطف کے ذریعہ سے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فصل ہوجاتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف میں بالذات مغائرت ہوتی ہے۔

نوٹ: **لااب و ابنا و ابنٌ** والی مثال کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(ا) معطوف نکرہ ہو ورنہ معطوف کو رفع واجب ہے جیسے **لاغلام لک و الفرسُ**

اس مثال میں معطوف معرفہ ہے اس لئے اس کو رفع واجب ہے۔

(۲) معطوف پر **لا** مکرر نہ ہو ورنہ اس میں پانچ طریقہ جائز ہیں جیسے **و فی مثل و لا حول و لا قوۃ الا باللہ**۔

سوال: مصنفؒ نے دیگر توابع کا ذکر کیوں چھوڑ دیا؟

جواب: مصنفؒ نے دیگر توابع کا ذکر اس لئے ترک کیا کہ مسائل نحو کی تدوین کرنے

والے نحویوں نے باقی توابع کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی البتہ اہل اندلس نے اتنا فرمایا کہ ان کے لئے توابع منادیٰ کا حکم ہونا چاہئے لیکن اندلس کا شمار نحو کے مدونین میں نہیں۔

فائدہ

وَمِثْلُ "لَا اَبَالَهُ" وَ"لَا غُلَامَيْ لَهُ" جَائِزٌ، تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ، لِمُشَارِكَتِهِ لَهُ فِيْ اَصْلِ مَعْنَاهُ.

ترجمہ: اور لا اباله و لا غلامی له جیسی مثالیں جائز ہیں، ان (ابا اور غلامی) کو مضاف کے مشابہ قرار دینے کی بنا پر ان کے مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی میں شریک ہونے کی وجہ سے۔

مختصر تشریح

اگر یہ کہنا ہو کہ فلاں ثابت النسب نہیں ہے تو کہیں گے لا اب له اور یہ کہنا ہو کہ فلاں کا کوئی غلام نہیں ہے تو کہیں گے لا غلامَ له کیونکہ نکرہ تحت النفی عام ہوتا ہے اس صورت میں لا کا اسم علامت نصب پر مبنی ہوگا اور له خبر ہوگی۔

مگر کبھی کہتے ہیں لا اباً له اور لا غلامَیْ له اس کا مطلب لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت لاتے ہیں اور اسم پر اضافت کے احکام جاری کرتے ہیں اور لا اباً کی تنوین حذف کر کے الف باقی رکھتے ہیں اور غلامَیْن میں سے تثنیہ کا نون حذف کر دیتے ہیں اگرچہ حقیقت میں یہ دونوں مضاف نہیں ہیں؛ مگر مضاف کے ساتھ چونکہ اصل معنی (تخصیص) میں شریک ہیں اس لئے مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر ان پر اضافت کے احکام جاری کرتے ہیں۔

بہر حال ان دونوں ترکیبوں میں لا کا اسم حقیقۃً مضاف نہیں، صرف مضاف کے مشابہ ہے کیونکہ حقیقۃً مضاف ماننے کی صورت میں معنی غلط ہو جائیں گے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ماقبل میں یہ اصول بیان کیا کہ لائے نفی جنس کا اسم نکرہ ہو اور وہ اس سے متصل ہو تو لا کا اسم نکرہ مفردہ مبنی علی الفتحہ ہوتا ہے حالانکہ لا ابا لہ و لا غلامی لہ میں لائے نفی جنس کا اسم تنوین کے ذریعہ منصوب ہے؟

سوال: اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: لا ابا لہ و لا غلامی لہ جیسی ترکیب میں باوجود لا کا اسم نکرہ متصل ہے لیکن منصوب پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ ان دونوں مثالوں میں لا کا اسم مضاف کے مشابہ ہے اور لا کا اسم جب مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے۔

سوال: دونوں میں لائے نفی جنس کا اسم مضاف کے مشابہ کس اعتبار سے؟

جواب: دونوں میں لائے نفی جنس کا اسم مضاف کے مشابہ اختصاص کے اعتبار سے ہے،جس طرح سے مضاف میں اختصاص ہوتا ہے ان دونوں مثالوں میں بھی اختصاص ہے۔

سوال: کیسے معلوم ہوا؟

جواب: دونوں مثالوں میں لہ کا لام اختصاص کے لئے آیا ہے اس لئے دونوں اسم،مضاف کے مشابہ ہیں۔

> وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجُزْ "لَا اَبَا فِيْهَا" وَلَيْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنٰى، خِلَافًا لِسِيْبَوَيْهٖ

ترجمہ: اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے لا ابا فیھا اور وہ (ابا اور غلامی) مضاف نہیں ہیں (ان کو مضاف ماننے کی صورت میں) معنی خراب ہوجانے کی وجہ سے،برخلاف امام سیبویہ کے۔

مختصر تشریح

چنانچہ لا اباً فیھا کہنا درست نہیں کیونکہ اضافت کے اصل معنی (تخصیص) اس میں نہیں پائے جاتے۔

مذکورہ ترکیبوں لا ابا لہ ولا غلامی لہ میں امام سیبویہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک دونوں ترکیبوں میں اضافت حقیقی ہوگی اور ان کی دلیل یہ ہے دونوں ترکیب اضافت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ اختصاص ہے اب جہاں تک لام کا سوال ہے تو سیبویہ کا کہنا ہے کہ یہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان پائے جانے والے لام مقدر کی تاکید کیلئے ہے۔

لیکن امام سیبویہ کا قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مضاف پر تنوین کبھی نہیں آتی حالانکہ اس جگہ مضاف پر تنوین موجود ہے۔

وضاحت

سوال: مصنفؒ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لا ابا لہ کی طرح لا اباً فیھا کی مثال کیوں صحیح نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لا ابا لہ والی مثال میں لام آیا ہے جو اختصاص کے لئے وضع کیا ہے اور لا اباً فیھا میں فی جو اختصاص کے لئے نہیں بلکہ ظرفیت کے لئے وضع کیا تو اس لئے لا ابَ فیھا ہوگا۔

سوال: ماقبل کی مثال لا ابا لہ و لا غلامی لہ میں مشابہ مضاف تسلیم کیا، حقیقۃً مضاف کیوں نہیں؟

جواب: ماقبل کی مثال لا ابا لہ و لا غلامی لہ میں مشابہ مضاف تسلیم کیا، حقیقۃً مضاف اس لئے نہیں کہ معنی میں فساد لازم آئے گا۔

سوال: کیسے معنی میں فساد لازم آئے گا؟

جواب: اگر ان دونوں میں لا کے اسم کو حقیقۃً مضاف مانے تو خبر کو مقدم ماننا لازم آئے گا حالانکہ متکلم کا مقصود جنس اب اور جنس غلام کی نفی بغیر خبر کے ماننا ہے جبکہ اضافت کی

صورت میں یہ معنی بغیر خبر کے حاصل نہیں ہوتے کیونکہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی اضافت کی تقدیر پر لا ابا و لا غلامیه موجود ان ہوگا اس صورت میں مطلب ہوگا اس کا دنیا میں کوئی باپ نہیں ہے اور اس کا دنیا میں کوئی غلام نہیں ہے۔

خلافا لسیبویه: البتہ مذکورہ مثال میں امام سیبویہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک دونوں ترکیبوں میں اضافت حقیقی ہوگی اور ان کی دلیل یہ ہے دونوں ترکیب اضافت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ اختصاص ہے اب جہاں تک لام کا سوال ہے تو سیبویہ کا کہنا ہے کہ یہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان پائے جانے والے لام مقدر کی تاکید کیلئے ہے۔

لیکن امام سیبویہ کا قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مضاف پر تنوین کبھی نہیں آتی حالانکہ اس جگہ مضاف پر تنوین موجود ہے۔

سوال: مثل لا ابا له و لا غلامی له سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں لائے نفی جنس کا اسم تثنیہ یا جمع مذکر سالم ہو یا ذو کے علاوہ اسمائے ستہ میں سے کوئی اسم ہو اور لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ملفوظ ہو تو لائے نفی جنس کے اسم پر مضاف کے احکام جاری کرنا جائز ہے۔ تثنیہ کی مثال: لا غلامی له۔ جس میں سے نون تثنیہ ساقط کردیا گیا ہے۔ جمع مذکر سالم کی مثال: لا ناصری له ہے جس میں سے نون جمع ساقط کردیا گیا ہے۔ اسمائے ستہ کی مثال: لا ابا له۔

فائدہ

حُذِفَ كَثِيْرًا فِيْ مِثْلِ لَا عَلَيْكَ اَىْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ

ترجمہ: اور اس (لائے نفی جنس کے اسم) کو اکثر حذف کردیا جاتا ہے لا علیک جیسی مثالوں میں، اس کی اصل لا باس علیک ہے (آپ پر کوئی حرج نہیں)۔

مختصر تشریح

فائدہ: لا علیک جیسی مثال میں عموماً لا کے اسم کو حذف کردیتے ہیں عموم کا فائدہ

دینے کے لئے لا علیک جیسی ترکیب سے ہرایسی ترکیب مراد ہے جس میں لا کی خبر مذکور ہو اسلئے کہ اگر لا کی خبر مذکور نہ ہو بلکہ محذوف ہو تو لا کے اسم کا حذف جائز نہ ہوگا۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ لائے نفی کی جنس کی خبر مذکور ہو تو لائے نفی جنس کے اسم کو حذف کرنا جائز ہے بشرطیکہ حذف پر قرینہ موجود ہو جیسے لا علیک اس میں لا کا اسم بأس محذوف ہے اور قرینہ علیک ہے اس لئے کہ لائے نفی جنس حرف پر داخل نہیں ہوتا۔

سوال: لا کزید میں لائے نفی جنس کا اسم محذوف ہے جبکہ خبر مذکور نہیں کیونکہ کاف جارہ نہ اسم ہوسکتا ہے نہ خبر؟

جواب: کاف میں دو حیثیتیں ہیں (۱) کاف کبھی اسمی ہوتا ہے (۲) کاف کبھی حرفی ہوتا ہے۔ اس مثال میں اگر کاف اسمی ہے جو مثل کے معنی میں ہوتا ہے تو وہ لائے نفی جنس کا اسم بنے گا اور عبارت لا مثل زید موجود ہوگی اور مثال مذکور میں کاف حرفی مانیں تو جار ومجرور مل کر ثابت محذوف کے متعلق ہوکر خبر ہوگی اور اسم محذوف ہوگا اور عبارت لا احد موجود کزید ہوگی۔

خَبَرُ مَا وَلَا اَلْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا۔

ترجمہ: ما و لا مشبہ بلیس کی خبر وہ اسم ہے جو ان دونوں (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو، اور وہ (ما اور لا کا عمل کرنا) اہل حجاز کی لغت ہے۔

مختصر تشریح

ما و لا المشبھتین بلیس کی خبر وہ اسم ہے جو ان دونوں (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد ما و لا مشابہ بلیس کی خبر کی تعریف کرنا ہے۔

سوال: اس کی تعریف کیا ہے؟

جواب: اس کی تعریف یہ ہے ما و لا مشابہ بلیس کے داخل ہونے کے بعد جو چیز مسند ہوتی ہے جیسے ما زید قائما میں ما، زید اور قائم پر داخل ہوا قائم، ما کے دخول سے پہلے مسند تھا لیکن مبتدا کی حیثیت سے اور اب مسند ہے ما کے داخل ہونے کی وجہ سے۔

وَهِيَ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ ۔

ترجمہ: اور یہ لغت حجازی ہے۔

مختصر تشریح

ما اور لا کا عامل ہونا اہل حجاز کے نزدیک ہے۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد ما و لا مشابہ بلیس کا عامل ہونے میں اختلاف کو بیان کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل حجاز ما و لا مشابہ بلیس کو عامل مانتے ہیں اور بنوتمیم عامل نہیں مانتے۔

سوال: بنوتمیم ما اور لا مشابہ بلیس کو عامل کیوں نہیں مانتے؟

جواب: (ا) بنوتمیم کی دو دلیلیں ہیں: (ا) اگر ما اور لا عامل ہوتے تو اسم کے ساتھ خاص ہونے چاہیے حالانکہ ان کا دخول اسم اور فعل دونوں پر ہوتا ہے۔ (۲) شاعر نے

شعر میں نصب نہیں دیا۔ شعر

ومهفهف كالغصن قلت له انتسب فاجاب ماقتل المحب حرام

اس مثال میں محل استشہاد حرام ہے اگر ماعامل ہوتا تو حراما آتا جبکہ حرامٌ آیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عامل نہیں ہے۔

سوال: اہل حجاز کی دلیل کیا ہے؟

جواب: اہل حجاز کے نزدیک عامل ہے، دلیل قران کی آیت ماھذابشرا ہے ما کا اسم ھذا اور اس کی خبر بشرا ہے اور وہ منصوب ہے اگر ما عامل نہ ہوتا تو بشرا کی جگہ بشر ضمہ کے ساتھ ہوتا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ما عامل ہے۔

سوال: بنوتمیم کی دلیل اول کا جواب کیا ہے؟

جواب: بنوتمیم کی پہلی دلیل کا جواب: ما اور لا جب اسم پر داخل ہوتے ہیں اس کی نوعیت الگ ہوتی ہے اور جب فعل پر داخل ہوتے ہیں تو اس کی نوعیت الگ ہوتی ہے اس سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

سوال: بنوتمیم کی دوسری دلیل کا جواب کیا ہے؟

جواب: بنوتمیم کی دوسری دلیل کا جواب: شاذ ہے وزن شعری کی بنا پر اس کو رفع دیا نصب نہیں دیا اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

سوال: ما و لا مشابه بليس کا اسم بھی تو اہل حجاز کی لغت ہے مصنفؒ نے مرفوعات میں کیوں نہیں بیان کیا کہ ما و لا مشابه بليس کا اسم اہل حجاز کی لغت ہے؟

جواب: اختلاف کا ثمرہ خبر میں ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل حجاز کے نزدیک خبر منصوب ہوتی ہے اور بنوتمیم کے نزدیک مرفوع، رہا اسم تو وہ دونوں کے نزدیک مرفوع ہی ہوتا ہے اہل حجاز کے نزدیک اس بنا پر کہ ما و لا مشابه بليس کا اسم ہے اور بنوتمیم کے نزدیک اس بنا پر کہ مبتدا کی خبر ہے۔

فائدہ: لائے نفی جنس کے آخر میں کبھی (ت) لاحق ہوتی ہے جس سے نفی میں مبالغہ

مقصود ہوتا ہے یا اس کی تانیث اور (ت) لاحق ہونے پر لا اکثر لفظ حین پر داخل ہوتا ہے جیسے
لات حین مناص اور حین اکثر منصوب ہوتا ہے خبر ہونے کی بنا پر اور اسم محذوف ہوتا ہے
تقدیری عبارت ہوگی: و لات حین مناص۔
اور کبھی مرفوع بھی ہوتا ہے اسم ہونے کی بنا پر اور خبر محذوف اس صورت میں تقدیری
عبارت ہوگی و لات حین مناص مودا۔

قاعدہ

وَاِذَا زِيْدَتْ "اَنْ" مَعَ "مَا" اَوِانْتَقَضَ النَّفْيُ بِاِلَّا
اَوْتَقَدَّمَ الْخَبَرُ بَطَلَ الْعَمَلُ

ترجمہ: اور جب ما کے ساتھ ان زیادہ کر دیا گیا ہو، یا الا کی وجہ سے نفی ختم ہوگئی ہو، یا
خبر (اسم پر) مقدم ہو، تو (ما اور لا کا) عمل باطل ہو جائے گا۔

مختصر تشریح

تین صورتوں میں ما اور لا کا عمل باطل ہو جاتا ہے (۱) جب ما کے بعد اِنْ آئے جیسے
ما اِنْ زیدٌ قائمٌ (۲) جب الا کے ذریعہ ما کی نفی ٹوٹ جائے اس کا مطلب ما کی خبر الا کے بعد
آئے جیسے و ما محمد الا رسول (۳) جب ما کی خبر اسم سے پہلے آئے جیسے ما قائم زید۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنف کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر ما کے ساتھ اِنْ کی زیادتی
ہو یا الا کی وجہ سے نفی ختم ہوگئی ہو یا خبر اسم پر مقدم ہو تو ما اور لا کا عمل باطل ہو جائے گا۔

سوال: ان کو ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے تو عمل باطل کیوں ہو جائے گا؟

جواب: ما ضعیف العمل ہے جب ما اور معمول کے درمیان فصل ہوجائے گا تو عمل نہیں کرے گا۔

سوال: نفی کا معنی الا کے ذریعہ ٹوٹ جائے تو عمل باطل کیوں ہوجائے گا؟

جواب: ما کا عمل نفی کی وجہ سے ہے اور جب نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی تو پھر اس کا عمل بھی ختم ہوجائے گا۔

سوال: خبر کو اسم پر مقدم کردیا جائے تو عمل باطل کیوں ہوجائے گا؟

جواب: ما اور لا ضعیف العمل ہیں، ترتیب کی صورت میں عمل کریں گے، ترتیب کے بدلنے کی صورت میں عمل نہیں کریں گے۔

اول کی مثال: ما ان زید قائم۔ دوسرے کی مثال: وما محمد الا رسول، ما زید الا قائم۔ تیسرے کی مثال: ما قائم زید۔

سوال: مصنفؒ نے واذا زیدت ان مع ما و لا کیوں نہیں ذکر کیا؟

جواب: مصنفؒ نے واذا زیدت اِنْ مع ما و لا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اہل عرب کے کلام میں لا کے بعد اِنْ زائد نہیں ہوتا۔

قاعدہ

وَاِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ بِمُوْجِبٍ فَالرَّفْعُ

ترجمہ: اور جب اس (ماولا مشابہ بلیس کی خبر) پر ثابت کرنے والے (حرف عطف) کے ذریعہ کیا جائے تو (معطوف پر) رفع پڑھنا لازم ہے۔

مختصر تشریح

جب ما و لا کی خبر پر حرف موجب (بل اور لکن) کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف پر رفع واجب ہوگا (نصب جائز نہیں ہوگا) جیسے ما زیدُ مقیماً بل مسافر اور ما زید

قائما لکن قاعدُ اوراس اعراب کی وجہ یہ ہے کہ ان کلمات موجبہ نے ما کا ور لا کی نفی کو باطل کر دیا ہے، اوروہ بر بنائےنفی ہی عامل تھے اس لئے اب وہ نصب نہیں دے سکتے۔ اور بل اور لکن موجب اس لئے ہیں کہ یہ دونوں اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

وضاحت

سوال: مصنف کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مصنفؒ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ ما و لا مشابہ بلیس کی خبر کا کسی موجِب (ثابت کرنے والے) کے ذریعہ عطف کیا جائےتو معطوف مرفوع ہوگا۔

سوال: موجِب سے کیا مراد ہے؟

جواب: موجب سے مراد ایسے حرف عطف کے ذریعہ جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہو جیسے بل اور لٰکنْ وغیرہ۔

سوال: معطوف مرفوع کیوں ہوتا ہے؟

جواب: معطوف مرفوع اس لئے ہوتا ہے کہ حرف عطف (بل, لٰکن) نفی کے معنی کو توڑنے میں الا کے مانند ہے جس طرح الا کے ذریعہ نفی کے معنیٰ ٹوٹ جاتے ہے اسی طرح بل اور لٰکنْ سے نفی کے معنیٰ ٹوٹ جاتے ہے اور ما و لا کا اثر معطوف تک نہیں پہونچ سکے گا اس لئے نصب کی جگہ رفع دیا جاتا ہے۔

مثال: مازید مقیما بل مسافر۔ زید اسم اور مقیما و مسافر خبر ہے اور بل ایجاب کا فائدہ دیتا ہے اس لئے کہ بل اپنے مابعد کو ماقبل سے جدا کر کے ایجاب کی صورت میں کر دیتا ہے اور جب بل سے ما میں نفی کے معنیٰ ٹوٹ گئے تو وہ جو بل کے بعد ہے موٴثر نہیں ہوگا اب مسافر کا عطف مقیم کے لفظ پر کرنے کے بجائے محل پر ہوگا اور اس کا محل مرفوع ہے تو مسافر بھی مرفوع ہوگا۔ مازید مقیما لٰکنْ مسافر والی مثال کی توضیح بھی ماقبل کے مانند ہے۔

فائدہ: مصنفؒ کے نزدیک عاطف موجِب کے ذریعہ مفرد کا مفرد پر عطف ہے اور

معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر خبر ہے۔

لیکن شیخ عبدالقاہر جرجانیؒ کے نزدیک عاطف موجب کے ذریعہ جملہ کا جملہ پر عطف ہے وہ اس طرح کہ عاطف کا مابعد مبتدا محذوف کی خبر ہو لہذا **اما زید قائما بل قاعد** اصل میں **مازید قائما بل ھو قاعد** ہے اسی طرح **مازید مقیما لکن مسافر** اصل میں **مازید مقیما لکن ھو مسافر** ہے۔

تمت المنصوبات بعون اللہ تبارک وتعالیٰ۔

کلمات دعائیہ

سلام علی من شرح کافیہ من قدیم الی الجدید الفاخرۃ

ذوالمجد والکرم حضرت مولانا محمد یحییٰ بن مرحوم مولانا اسماعیل بن یوسف صاحب شیلیہ حفظہ اللہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید قبلہ بعافیت ہونگے بندہ کئی دنوں سے علالت کی بناء پر درسگاہ میں حاضری سے قاصر رہا، آج جب اپنے درسگاہ میں آیا تو میری میز پر ایک خوبصورت کتاب کی دو جلدیں رکھی ہوئی تھیں، نحو کی تعریف میں لکھا تھا اس کو سیکھنے والا جمیل اور چھوڑنے والا عیب دار۔

بہت خوب

مولانا آپ نے کمال کردیا جمال کے ساتھ ساتھ۔آج تک جتنے شارح کافیہ کے پیچھے پڑے کسی نے یہ کمال کرنہ کردکھایا جو سوال قاری کے ذہن میں بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا وہ بھی آپ نے پیدا کیا اور اس کو بھی سہل انداز میں حل کردیا۔

میری جانب سے بے انتہاء مبارک باد اور مقبولیت کی دعائیں شامل ہے۔

فقط والسلام

آپ کا بھائی محمد جاوید جمشید پوری غفرلہ

۲۰۲۳/۰۱/۳۱

بروز منگل

تأثرات

الحمد للہ الذی شرح صدور المسلمین للاسلام و الصلوۃ و السلام علی النبی الکریم الذی اعطی جوامع الکلام۔

درس نظامی میں فن نحو کی جان وشان کے نام سے معروف ومشہور کتاب کافیہ ابن حاجب صدیوں سے اپنا لوہا منوا رہی ہے، اپنی بے شمار خصوصیات کے ساتھ مختصر اتنی کہ اہل شغف کو حفظ ہو جاتی ہے اور جامع اتنی کہ مطولات نحو سے بے نیاز کر دیتی ہے، اور مخدوم ایسی کہ آج تک کئی شروحات وحواشی ماہرین فن کے قلمی چشمہ سے رواں ہو کر جم غفیر کو سیراب کر رہے ہیں۔

منجملہ ان شروحات وحواشی کے ایک جدید ولذیذ اور انوکھی والبیلی شرح بنام ''واضحہ شرح کافیہ'' آپ کے دست مبارک میں ہے جو اصل میں وہ جواہر ولآلی ہیں، جو مولانا یحییٰ صاحب مظاہری دامت برکاتہم العالیہ کے سینہ وگنجینہ سے بواسطۂ لسان اعتدال نکل کر باذوق طلبۂ عزیز کے سینہ وسفینہ میں محفوظ ہوتے رہے، اور اب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قرطاس علمی کی زینت بن چکے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ شرح کی افادیت واہمیت کو راقم الحروف کا شکستہ قلم بیان کرنے سے عاجز وقاصر ہے، ہاں! اتنا ضرور عرض کروں گا کہ مقاصدِ مصنف اور مفاہیمِ مصنَّف کو اس قدر مختصر اور آسان لفظوں کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے جس نے کافیہ کی وضاحت کا یقیناً حق ادا کر دیا ہے پھر ہر عبارت کی دل نشیں تشریح، بعدہ توضیح، معہ بیان کردہ عبارت میں قواعد النحو کی ترتیب وترقیم نے شرح کو مفید ترین اور سہل ترین بنا دیا ہے، گویا کہ اگر کتاب سے کافیہ کی عبارت کو علیحدہ کر دیا جائے تو یہ شرح نحو کی آسان نحو یا تسہیل النحو یا تیسیر النحو نامی مستقل کتاب بنتی ہے، اور قواعد پر نظر کی جائے تو قواعد النحو کا انسائکلو پیڈیا معلوم ہوتی ہے۔

اور اصطلاحات کو دیکھا جائے تو اصطلاحات النحو نظر آتی ہے، کئی مقامات پر اضافی مگر مفید باتوں کو اس انداز سے شامل شرح کیا گیا ہے جس نے دوران مطالعہ نشاطِ ذہنی اور انبساطِ قلبی کا کام دیتی ہے، شرح فی الحال از ابتدا تا مرفوعات مکمل ہے جس کو الحمد للہ تالا بندی کے زمانے میں مکمل مطالعہ کرنے کا موقع ملا، بل کہ اس کے مطالعہ پر اکتفا کرتے ہوئے تدریس کافیہ کا بھی موقع ملا، امید ہے کہ شارح محترم اس کار عظیم کو بفضلہ تعالی مکمل فرما کر اس فن سے دل چسپی رکھنے والے طلبہ واساتذہ پر علمی احسان فرمائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالی موصوف محترم کی جمیع تصنیفی وتالیفی وتدریسی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، امت مسلمہ کے لئے مفید ونافع بنائے اور موصوف کے والدین واساتذہ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین

محتاج دعا

محمد آصف اشاعتی مالیگانوی